اللؤلؤ المكنون

جلد ہشتم

سیرت انسائیکلوپیڈیا

- صلح حدیبیہ اور اس کے نتیجے میں فتحِ مبین کی بشارت
- شاہانِ عالم کو مکاتیبِ مقدس کے ذریعے اسلام قبول کرنے کی دعوت
- فتح خیبر اور اس کے نتیجے میں پورے جزیرہ نمائے عرب پر مسلمانوں کا دبدبہ
- غزوۂ ذات الرقاع اور اس سے بعد کے چند سرایا کے احوال

دار السلام
ریسرچ سنٹر
DARUSSALAM



وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

www.KitaboSunnat.com

جلد 8

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام



وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اللؤلؤ المکنون
سیرت انسائیکلوپیڈیا
علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

جلد 8

- صلح حدیبیہ اور اس کے نتیجے میں فتح مبین کی بشارت
- شاہانِ عالم کو مکاتیبِ مقدس کے ذریعے اسلام قبول کرنے کی دعوت
- فتح خیبر اور اس کے نتیجے میں پورے جزیرہ نمائے عرب پر مسلمانوں کا دبدبہ
- غزوۂ ذات الرقاع اور اس سے بعد کے چند سرایا کے احوال

دار السلام
DARUSSALAM

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

رسول اللہ ﷺ کے خواب کی بدولت صلح حدیبیہ کا معاہدہ، بعد ازاں سلاطین و امراء کے نام دعوتی خطوط۔ غزوۂ خیبر کا تاریخ ساز واقعہ، رسول اللہ ﷺ کی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے شادی، نیز غزوۂ ذات الرقاع اور عمرۃ القضاء سے پہلے کے سرایا کے ایمان افروز واقعات اس جلد کے موضوعات ہیں

نگرانِ اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

تصنیف وتالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا محمد اجمل بھٹی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

مولانا سیف اللہ
(فاضل علوم اسلامیہ)

تصحیح وتنقیح/نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ، معروف مؤلف ومحقق)

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ ولسانیات)

معاونت

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی وماہر اردو زبان وادب)

ڈیزائننگ وکمپوزنگ

ہارون الرشید
(آرٹ ڈائریکٹر)

عبدالخالق
(کمپوزنگ وگرافک ڈیزائننگ)

ⓒ مكتبة دارالسلام، ١٤٣٥ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مكتبة دارالسلام
موسوعه السيرة النبوية - الجزء الثامن / مكتبة دارالسلام - الرياض، ١٤٣٥ هـ (النص باللغة الاردية)
ص: ٨٢٥ مقاس: ١٧×٢٤ سم
ردمك: ١-٢٩٨-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨
١. السيرة النبوية ٢. الموسوعات أ. العنوان
ديوي ٢٣٩ ١٤٣٥/٤١٥٢
رقم الإيداع: ١٤٣٥/٤١٥٢
ردمك ١-٢٩٨-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 00 4 32 372, 24 400 372, 34 240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042

غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042

Y بلاک، کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 گراؤنڈ فلور، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

دکان نمبر 2، گراؤنڈ فلور، لبرٹی گول چکر، گلبرگ III لاہور فون: 042-35773850

ٹاؤن شپ، نزد اکبر چوک لاہور فون: 230 24 351 042

کراچی مین طارق روڈ، ڈاؤمن مال سے بہادر آباد کی طرف دوسری گلی، کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد: 13 815 22 51 0092 islamabad@darussalampk.com

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945 • الملز فون: 00966 1 4735220 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 00966 1 4286641 • سویلم فون/فیکس: 00966 1 2860422

مکہ مکرمہ فون/فیکس 0096 12 5376862 موبائل: 0096 502839948-0096 562714039

جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 00966 4 8234446,8230038 فیکس: 04 8151121

الخبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 00966 3 8691551 خمیس مشیط فون/فیکس: 00966 7 2207055

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 00966 6 3696124

امریکہ • نیویارک فون: 001 718 625 5925 • ہیوسٹن: 001 713 722 0419 کینیڈا • فون: 001 416 4186619

لندن • فون: 0044 20 85394885-0044 20 77252246 • برمنگھم: 0044 0121 7739309

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس: 033 01 480 52997

انڈیا • فون: 0091 44 45566249 موبائل: 0091 98841 12041 • فون: 0091 22 2373 4180

• فون: 0091 40 2451 4892 موبائل: 0091 98493 30850 • فون: 0091 44 42157847

سری لنکا • فون: 0094 115 358712 • فون: 0094 114 2669197

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

اللهم صل على

محمد

وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم

وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

صحيح البخاري : 3370 صحيح مسلم : 405-407

رسول اللہ ﷺ کی مدحت میں
سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے
خوبصورت اشعار

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذاتِ اقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذات اقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے



فہرست



مضامین

باب: 1

غزوۂ حدیبیہ

باب نمبر 3

غزوۂ خیبر

غزوۂ حدیبیہ

غزوۂ حدیبیہ، فتح مکہ کا اولین مرحلہ جس کے نتیجے میں امن عامہ
مستحکم ہوا اور اسلام کا پیغام دور و نزدیک ہر
چھوٹے بڑے قبیلے تک پہنچ گیا



لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا

”یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، تو ان کے دلوں میں جو (خلوص) تھا، وہ اس نے جان لیا، تو اس نے ان پر تسکین نازل کی اور بدلے میں انھیں قریب کی فتح دی۔“
[الفتح 48:18]

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا

”بلاشبہ یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو خواب میں حق کے ساتھ سچی خبر دی کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم حالت امن میں اپنے سر منڈاتے اور بال کترواتے ہوئے مسجد حرام میں ضرور بالضرور داخل ہو گے، تم (کسی سے) نہ ڈرتے ہو گے، پس اللہ وہ بات جانتا تھا جو تم نہیں جانتے تھے، تو اس نے اس سے پہلے ایک فتح جلد ہی عطا کر دی۔“ [الفتح 48:27]

اس باب میں

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرے کے لیے نکلے تو مشرکینِ مکہ نے مزاحمت کی۔ انھوں نے خالد بن ولید کی قیادت میں رسول اللہ ﷺ کے قافلے کے خلاف ایک جنگجو دستہ بھی بھیج دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس دستے سے کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ اپنا راستہ ہی بدل لیا۔ آپ ان لوگوں کو بدر اور احد کے معرکوں میں شجاعت و استقامت کے جوہر دکھا چکے تھے لیکن اب آپ ﷺ جنگ کے تصور کے بھی روادار نہ تھے۔ ادھر قریشِ مکہ کے جگری دوستوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاکیزہ جذبات اور قربانی کے جانور دیکھے تو وہ بھی آپ کی صداقت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انھوں نے قریش ہی کو ملامت کی کہ اللہ کے گھر کی زیارت سے تو بدترین دشمنوں کو بھی نہیں روکا جاسکتا، تم لوگ محمد ﷺ کو عمرے جیسی عظیم عبادت سے کیوں روک رہے ہو۔ قریش کے پاس جھوٹی انا کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو مکہ آنے سے روکنے پر تلے بیٹھے تھے، لیکن رسالت مآب ﷺ کا یہ حال تھا کہ رہ رہ کر مشرکینِ مکہ کی خیر خواہی اور بھلائی کے ارمان ظاہر فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے بڑی فیاضی سے پیشکش فرمائی کہ یہ لوگ اللہ رب العزت کی عظمت ملحوظ رکھتے ہوئے جو بھی مطالبہ کریں گے، میں اُسے خوشی خوشی تسلیم کرلوں گا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے قریش کے سفیروں سے مذاکرات کیے اور صلح حدیبیہ کا معاہدہ کیا۔ اس کی شرائط بہ ظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے مسلمانوں کی فتح مبین قرار دیا۔ اس معاہدے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ امنِ عامہ مستحکم ہوگیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسلام کی تبلیغ کے مواقع ملے، لوگ تیزی سے مسلمان ہونے لگے۔ یوں فتح مکہ کی راہ ہموار ہوگئی اور مسلمانوں کو جزیرہ نمائے عرب سے باہر اسلام کا پرچم لہرانے کا موقع میسر آیا۔

صلح حدیبیہ

رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ سے بڑی محبت تھی۔ مکہ مکرمہ رسول اللہ ﷺ کا وطن تھا۔ آپ کی 53 سالہ زندگی کے شب و روز اس مقدس سرزمین پر گزرے تھے۔ اس میں تیرہ سال وہ تھے جو آپ نے رسول کی حیثیت سے مکہ والوں کو دعوت دیتے ہوئے بسر فرمائے تھے۔ نبوت و رسالت کا تاج پہن لینے کے بعد آپ کے ہاں اس محترم گھر کی فضیلت پہلے سے بھی بڑھ گئی جسے آپ کے جد امجد جدِّ انبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا تھا۔ مشرکینِ مکہ جس طرح اللہ کی قدر نہیں جانتے تھے، اسی طرح وہ رسول اللہ ﷺ کی قدر بھی نہ جان سکے۔ انھوں نے آپ کو اس قدر ستایا کہ بالآخر آپ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ آپ ﷺ جب اپنے گھر سے نکل کر مدینہ کی طرف ہجرت کی غرض سے تشریف لے جانے لگے تو انتہائی کرب کے عالم میں مکہ مکرمہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

«وَاللّٰهِ! إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ، وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ، وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ»

”اللہ کی قسم! بلاشبہ اللہ کی زمین میں تو سب سے اچھی زمین ہے۔ اور اللہ کی زمین میں اللہ کو بھی تو ہی سب سے زیادہ پسند ہے، اگر تیرے رہنے والوں نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں یہاں سے کبھی نہ جاتا۔“[1]

[1] جامع الترمذي 3925



اس بات سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے کس قدر محبت کرتے تھے، حالانکہ اہل مکہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو بہت ستاتے تھے اور طرح طرح کی تکلیفوں سے دوچار کرتے تھے۔ قریش آپ ﷺ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے لیکن آپ ان کی گالیاں اور طعنے سن کر بھی ان کی ہدایت کی دعائیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ کفار کے یتیم بچوں اور کس مپرس لوگوں کی کفالت کرتے تھے، اس کے باوجود قریش نے آپ ﷺ اور آپ کے پورے خاندان کو عورتوں اور بچوں سمیت شعب ابی طالب میں محصور کر دیا۔ آپ ﷺ نے جس کعبہ کی تعمیر میں اپنا عظیم کردار ادا کیا اور قریش کو خون ریز جنگ سے بچایا، آج ان لوگوں نے اسی کعبہ کے طواف سے آپ کو روک دیا۔ آپ تو سرچشمۂ ہدایت تھے۔ قریش کو جہنم کے عذاب سے بچا کر ابدی زندگی کی سعادتوں سے بہرہ ور کرنا چاہتے تھے لیکن قریشیوں نے آپ ﷺ کو نعوذ باللہ قتل کرنے کی تدبیریں کیں اور آپ ﷺ پر جنگیں مسلط کیں۔ آپ کو صادق و امین کہنے والے اہل مکہ آپ کی جان کے دشمن بن گئے۔ وہ آپ کے نبی برحق ہونے کی واضح نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی شرک و گمراہی کی زنجیروں میں جکڑے رہنے پر مُصر تھے۔ مکہ مکرمہ سے جدا ہوئے پانچ سال گزر چکے تھے۔ پہلے چار سالوں میں مشرکین مکہ نے یکے بعد دیگرے جنگ مسلط کیے رکھی۔ غزوہ احزاب کے موقع پر ان کی تمام کوششوں کو اللہ تعالیٰ نے خاک میں ملا دیا تو اس کے بعد اہل مکہ مدینہ کا رخ نہ کر سکے۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ بیت اللہ کی زیارت کی جائے اور اہل مکہ کو یہ باور کرایا جائے کہ ہم امن و امان کے علمبردار ہیں، دنگا فساد اور جنگ و جدال ہمارا مشن اور مقصد نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ عمرے کے لیے تشریف لے گئے۔

غزوہ حدیبیہ کو غزوہ کہنے کی وجہ

رسول اللہ ﷺ نے اس سفر کے موقع پر عمرے کا احرام باندھ رکھا تھا کیونکہ آپ عمرے ہی کے



مکہ مکرمہ کا فضائی منظر جس کے بائیں
نچلے کونے میں شعب ابی طالب کا مقام ہے

ارادے سے تشریف لے گئے تھے لیکن حالات ایسی شکل اختیار کر گئے کہ اہل مکہ نے مزاحمت کی اور آپ ﷺ کو عمرے جیسی عظیم عبادت و سعادت سے روکا۔ اس ضمن میں باہمی مذاکرات ہوئے جن کے نتیجے میں آپ ﷺ مکہ نہیں جا سکے بلکہ حدیبیہ تک محدود رہے۔ آپ ﷺ نے اہل مکہ سے دس سال کے لیے صلح کی، بنا بریں سیرت نگار اور مؤرخین اس بات میں متردد ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کے اس سفر کو کس نام سے پکارا جائے؟ سیرت ابن ہشام میں اسے ''امر الحدیبیہ'' (معاہدہ حدیبیہ) ''تاریخ طبری'' میں اسے ''قصۃ الحدیبیۃ'' (واقعہ حدیبیہ) باشمیل کی ''موسوعۃ غزوات الکبریٰ'' میں ''صلح الحدیبیۃ'' ابن عبدالبر کی ''الدرر'' اور غزالی کی ''فقہ السیرہ'' میں ''عمرۃ الحدیبیۃ'' اور اکثر محدثین اور اصحاب المغازی نے اسے ''غزوۃ الحدیبیۃ'' کا عنوان دیا ہے۔

اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسے غزوے ہی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ مثلاً: سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّهُ غَزَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ غَزْوَةَ الْحُدَيْبِيَةِ.

''انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ حدیبیہ میں شرکت کی۔''[1]

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت بیان کی ہے کہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ سَبْعَ غَزَوَاتٍ فَذَكَرَ خَيْبَرَ، وَالْحُدَيْبِيَةَ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی، چنانچہ وہ ان غزوات کا یوں ذکر کرنے لگے: خیبر، حدیبیہ، حنین......۔''[2]

اسی طرح امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ سورۂ فتح کی تفسیر میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں:

لَمَّا رَجَعْنَا مِنْ غَزْوَةِ الْحُدَيْبِيَةِ وَقَدْ حِيلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ نُسُكِنَا، قَالَ: فَنَحْنُ بَيْنَ الْحُزْنِ وَالْكَآبَةِ، قَالَ: فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ أَوْ كَمَا شَاءَ اللّٰهُ، فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ: لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ آيَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا جَمِيعًا

''ہم غزوہ حدیبیہ سے واپس آ رہے تھے جبکہ اہلِ مکہ ہمارے اور بیت اللہ کے طواف کے مابین حائل ہو گئے تھے۔ اس وقت ہم انتہائی پریشان اور غم زدہ تھے، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ''(اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو فتح مبین دی۔'' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو

[1] صحیح مسلم: 1196(62) [2] صحیح البخاری: 4273.

مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے۔''[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان الفاظ سے جو بات واضح ہوتی ہے، وہ یہی ہے کہ عہد نبوی میں اسے غزوۂ حدیبیہ ہی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ بنا بریں اسے غزوہ قرار دینا ہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ لفظ اس سفر میں پیش آنے والے تمام واقعات کی پوری طرح عکاسی کرتا ہے۔[2]

مقام حدیبیہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیبیہ ایک کنویں کا نام تھا جس کی وجہ سے اس جگہ کا نام بھی حدیبیہ پڑ گیا۔[3]



علامہ یاقوت حموی کہتے ہیں: یہ ایک متوسط گاؤں ہے۔ اس گاؤں میں مسجد شجرہ کے پاس ایک کنواں تھا، اُس کا نام حدیبیہ تھا، اُسی کے نام پر اس کا نام رکھ دیا گیا۔ مسجد شجرہ اسی جگہ تھی جہاں رسول اللہ ﷺ نے درخت کے نیچے بیعت لی تھی۔[4]

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حدیبیہ ایک کنویں کا نام تھا۔ اس روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً، وَالْحُدَيْبِيَةُ بِئْرٌ فَنَزَحْنَاهَا حَتَّى لَمْ نَتْرُكْ فِيهَا قَطْرَةً.

''حدیبیہ کے دن ہم چودہ سو افراد تھے۔ حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے۔ ہم نے اس سے اتنا پانی نکالا کہ اس میں ایک قطرہ بھی باقی نہ چھوڑا......''[5]

اس روایت سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حدیبیہ ایک کنویں کا نام تھا۔

کیا حدیبیہ حرم مکی میں شامل ہے؟

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے نزدیک حدیبیہ کا تمام حصہ حرم مکی سے باہر ہے۔ لیکن اس کے برعکس صحیح بات وہ ہے جو

[1] تفسیر الطبري، الفتح 1:48. [2] مزید دیکھیے: مرویات غزوۃ الحدیبیۃ، ص: 15-18. [3] فتح الباري: 409/5. [4] معجم البلدان: 229/2. [5] صحیح البخاري: 3577.


حدیبیہ بیعت رضوان
مدینہ منورہ
اہل مدینہ کے لیے میقات
بدر
ابواء
حجاز
جحفہ
عسفان
بحیرۂ احمر (قلزم)
اہل عراق کے لیے میقات
ذات عرق
نجد کی طرف
اہل نجد کے لیے میقات
تنعیم
حدیبیہ
جدہ
مکہ مکرمہ
عرفات
طائف
یلملم
اہل یمن کے لیے میقات
0
50
100
150
200

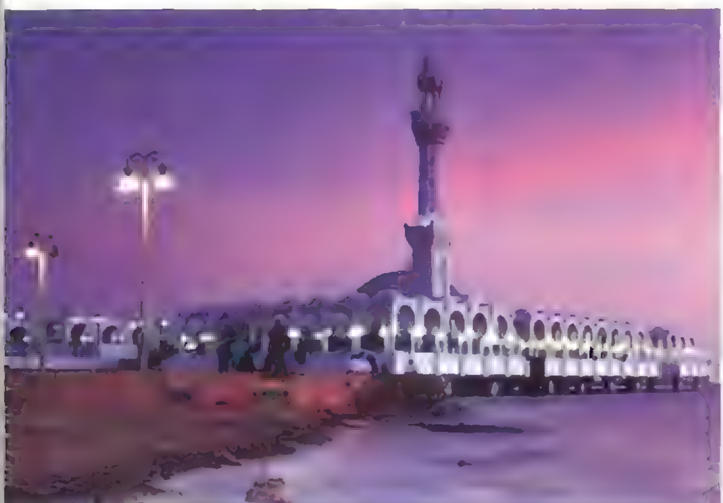
امام شافعی نے کہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مقام حدیبیہ کا بعض حصہ حرم مکی میں شامل ہے اور کچھ حصہ حرم سے باہر ہے۔[1]

حدیبیہ کا محل وقوع اور مسافت

حدیبیہ مکہ مکرمہ کے مغرب میں جدید شاہراہ جدہ پر 22 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ آج کل اس کا نام شمیسی ہے۔ جس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی، وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی جس کا نام ''مسجد الشجرۃ'' ہے۔ وہ مسجد منہدم ہو چکی ہے اور اس کی جگہ غیر معروف ہے۔ موجودہ مسجد، مسجد الشجرۃ نہیں ہے۔ حدیبیہ حدود حرم سے باہر ہے مگر حدود حرم سے زیادہ دور نہیں۔[2]



وادیٔ فاطمہ کا ایک منظر



مسجد عائشہ (جدہ)

صاحب صحیح الاخبار کا کہنا ہے: اگر آپ وادی فاطمہ سے گزریں تو آپ ایسی جگہ پر پہنچیں گے جسے آج کل شمیسی کے نام سے پکارا جاتا ہے، قدیم دور میں یہی مقام حدیبیہ کہلاتا تھا۔ صاحب نسب حرب کا کہنا ہے: مکہ سے مغرب کی طرف بائیس کلو میٹر کے فاصلے پر جدہ کے رستے میں حدیبیہ کا مقام ہے، لیکن اس کا نام شمیسی ہو چکا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک آدمی کا نام شمیسی تھا۔ اس نے وہاں کنواں کھودا، چنانچہ اُسی کا نام حدیبیہ کے نام پر غالب آ گیا۔ حدیبیہ میں آج کل مسجد رضوان ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔

1 مرويات غزوة الحديبية، ص: 21، 22. 2 أطلس الحديث النبوي، ص: 141، معجم المعالم الجغرافية، ص: 94.

غزوہ حدیبیہ کا سبب

نبی مکرم ﷺ نے جب مکہ مکرمہ میں اسلام کی دعوت دی تو کفارِ مکہ نے آپ ﷺ کی شدید مخالفت شروع کر دی، وہ آپ ﷺ کے بدترین دشمن بن گئے۔ جوں جوں اسلام کی تعلیمات عام ہونے لگیں، نیک دل لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ اور جوں جوں اسلام پھیلتا گیا، مکہ والوں کی دشمنی بھی بڑھتی چلی گئی اور انھوں نے مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے۔ چنانچہ مسلمان مکہ سے آہستہ آہستہ ہجرت کرنے لگے، لیکن مسلمانوں کے دل ہر آن بیت اللہ ہی کی طرف لگے رہتے تھے، اس کی وجہ صرف یہ نہیں تھی کہ مکہ ان کا وطن تھا بلکہ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ مکہ اللہ تعالیٰ کا حرمت والا اور زبردست برکت والا شہر تھا۔ اس میں اللہ کا نہایت محترم گھر تھا۔ قریش کے جدامجد ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی اس مبارک شہر سے خاص محبت اور تعلق تھا۔ مسلمان اپنے خالق و مالک کی عبادت کرنے کے لیے بیت اللہ ہی کی طرف منہ کرتے تھے۔ دوسری طرف اہل مکہ مسلمانوں کے ساتھ پیہم جنگ و جدل میں مصروف رہتے تھے۔ اس صورت حال میں مسلمان بیت اللہ کی زیارت ہی سے محروم ہو گئے تھے جب کہ ان کے دل و دماغ میں ہر آن بیت اللہ کی زیارت کا شوق انگڑائیاں لیتا رہتا تھا۔



کلید کعبہ

اللہ کی رحمت کی برکھا ہر وقت برستی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اس کے بدرجۂ اولیٰ مستحق تھے۔ چنانچہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم بیت اللہ میں داخل ہو گئے ہیں اور انھوں نے بیت اللہ کا طواف کیا ہے اور آپ ﷺ نے بیت اللہ کی چابیاں لی ہیں۔[1]

اکثر اہل سیر ومغازی غزوۂ حدیبیہ کا یہی سبب بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے 6 ہجری میں مدینہ میں خواب دیکھا کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بڑی سہولت و سلامتی سے مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں، اور عنقریب ایسا ہوگا کہ صحابۂ کرام اپنے سر منڈائیں گے، ان میں سے کچھ اپنے بال کٹوائیں گے اور انھیں کسی ایسے دشمن کا کوئی خوف

[1] المغازي للواقدي: 70/2.

نہیں ہوگا جو انھیں اس کام سے روک دے۔[1]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس غزوے کا سبب بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴾

’’تحقیق اللہ نے اپنے رسول کو خواب میں حق کے ساتھ سچی خبر دی کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم اپنے سر منڈاتے اور بال کترواتے ہوئے مسجد حرام میں ضرور داخل ہوگے، تمھیں (کسی سے) کوئی اندیشہ نہیں ہوگا، بس اللہ ہی وہ بات جانتا تھا جو تم نہیں جانتے تھے، لہٰذا اس نے اس سے پہلے ہی ایک فتح جلد عطا کر دی۔‘‘[2]

اکثر مفسرین نے اس آیت کریمہ کا سبب نزول یہ بیان کیا ہے کہ حدیبیہ کا واقعہ اسی آیت کریمہ کے پس منظر کے طور پر واقع ہوا۔

امام مجاہد رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں بھی ایک خواب دیکھا تھا اور یہ خواب مدینہ کے خواب سے الگ تھا۔ روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

أُرِيَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَةِ أَنَّهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُؤُوسَهُمْ وَمُقَصِّرِينَ، فَلَمَّا نَحَرَ الْهَدْيَ بِالْحُدَيْبِيَةِ قَالَ أَصْحَابُهُ: أَيْنَ رُؤْيَاكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ فَنَزَلَتْ: ﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ﴾.

’’نبی ﷺ نے حدیبیہ میں خواب دیکھا کہ آپ اور صحابہ رضی اللہ عنہم امن وسلامتی کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے ہیں۔ بعض صحابہ نے بال منڈوائے، بعض نے چھوٹے کروائے ہیں۔ پھر جب آپ ﷺ نے حدیبیہ ہی میں قربانی کر دی تو صحابہ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے جو خواب دیکھا تھا، اس کا کیا ہوا؟ اس وقت اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ’’تحقیق اللہ نے اپنے رسول کو خواب میں حق کے ساتھ سچی خبر دی ہے۔‘‘

اس کے متعلق علامہ زرقانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے نبی ﷺ کو حدیبیہ میں ایک دوسرا خواب دکھایا گیا تھا جس کے ذریعے اللہ نے آپ ﷺ کو دوبارہ خوش خبری سے نوازا، اس لیے اس (دوسرے) خواب کو مدینہ سے نکلنے کا سبب قرار نہیں دیا جا سکتا۔[3]

اس تفصیل سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے دو خواب دیکھے تھے۔ ایک خواب مدینے میں اور ایک

1 مرويات عروة الحديبية، ص: 23. 2 الفتح 48:27. 3 شرح الزرقاني: 170/3، تفسير الطبري، الفتح 48:27.

خواب حدیبیہ میں، دونوں خواب ایک جیسے تھے۔ مدینہ سے مکہ کے سفر کے لیے آپ نے مدینہ میں جو خواب دیکھا تھا، وہی غزوہ حدیبیہ کا سبب تھا۔

غزوۂ حدیبیہ کی تاریخ

اس بات پر تمام محدثین اور مؤرخین کا اتفاق ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال نبی ﷺ عمرے کے لیے سفر پر نکلے۔ اکثر کے نزدیک یہ ماہ ذی القعدہ تھا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حدیبیہ کا واقعہ چھ ہجری ماہ ذی القعدہ میں ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ علامہ عینی نے اس بات پر بھی سب کا اتفاق نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پیر کے روز مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ واقدی اور ابن سعد کہتے ہیں کہ یکم ذی القعدہ بروز پیر رسول اللہ ﷺ نے غسل فرمایا، احرام کی چادریں باندھیں اور گھر سے باہر تشریف لے آئے۔[1]

سیدنا براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ ذوالقعدہ میں عمرے کی غرض سے نکلے لیکن اہل مکہ نے آپ ﷺ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا۔ پھر ان سے اس شرط پر صلح ہوئی کہ ہتھیار نیام میں ڈال کر مکہ میں داخل ہوں گے۔[2]

قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی ﷺ نے کتنے عمرے کیے؟ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کیے۔ ایک عمرہ حدیبیہ، ذوالقعدہ کے مہینے میں جب مشرکین نے آپ ﷺ کو روک دیا تھا۔ دوسرا عمرہ اس سے اگلے سال ذی القعدہ میں جس کے متعلق آپ نے مشرکین مکہ سے صلح کی تھی۔ تیسرا عمرۂ جعرانہ۔ اس موقع پر آپ نے غزوہ حنین کے اموال غنیمت تقسیم کیے، (اور چوتھا عمرہ حجۃ الوداع کے ساتھ کیا) میں نے کہا: آپ ﷺ نے کتنے حج کیے ہیں؟ انس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ایک۔[3]


مسجد جعرانہ (مکہ مکرمہ)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہشام بن عروہ نے اپنے والد کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ مدینے سے حدیبیہ کی طرف رمضان کے مہینے میں روانہ ہوئے جبکہ صلح حدیبیہ شوال کے مہینے میں ہوئی تھی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ

[1] البداية والنهاية : 166/4، عمدة القاري : 6/14، الطبقات لابن سعد : 95/2، المغازي للواقدي : 71/2. [2] صحيح البخاري : 1844. [3] صحيح البخاري : 1778

فرماتے ہیں کہ عروہ کی یہ بات انتہائی غریب (ناقابل اعتبار) ہے۔ اس کے بعد انھوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی درج بالا روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کیے تھے۔ تین ذوالقعدہ میں اور چوتھا حج کے ساتھ۔[1]

حافظ محمد حکمی ہشام بن عروہ کی اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس اثر کی سند عروہ تک صحیح ہے لیکن یہ مرسل ہے اور علماء نے عروہ کی اس روایت کو شاذ شمار کیا ہے۔ اس کے بعد وہ اس روایت کے متعلق حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ وہم ہے کیونکہ رمضان میں غزوہ فتح مکہ ہوا تھا۔[2] حافظ ابن حجر نے بھی اس روایت کو شاذ کہا ہے، البتہ عروہ سے ایک اور روایت منقول ہے، وہ جمہور کے قول کے موافق ہے کہ غزوہ حدیبیہ چھ ہجری ماہ ذی القعدہ میں ہوا۔[3]

مکہ جانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی تیاری

کفار مکہ کو اپنے اتحادیوں کے ساتھ مدینہ پر حملہ کیے ایک سال ہی گزرا تھا اور ان کا ارادہ یہ تھا کہ مدینہ کی اسلامی ریاست کو ختم کر دیا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کی حفاظت فرمائی اور مشرکین خندق پھلانگنے میں ناکام رہ کر خائب و خاسر واپس ہوئے۔ اس وجہ سے مشرکین مکہ کے دل مسلمانوں کے خلاف شدید عداوت سے لبریز تھے۔ مسلمانوں کا مکہ جانا خطرے سے خالی نہ تھا کیونکہ مشرکین تو چاہتے ہی یہ تھے کہ کسی طرح مسلمان ان کی دسترس میں آ جائیں اور وہ انھیں ختم کر ڈالیں۔ رسول اللہ ﷺ مشرکوں کے اس فاسد ارادے سے پوری طرح باخبر تھے۔ اس کے باوجود آپ نے مکہ جانے کا فیصلہ کیا، اس لیے کہ مسلمانوں کا ارادہ نیک تھا۔ وہ صرف بیت اللہ کا طواف کرنے کے آرزومند تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیروکاروں اور عرب کے ان لوگوں میں جو آپ کے حلیف تھے، اعلان کرا دیا کہ وہ آپ کے ساتھ نکلیں کیونکہ آپ ﷺ کو خدشہ تھا مبادا قریش انھیں بیت اللہ کے طواف سے روکیں یا جنگ شروع کر دیں۔ لیکن بادیہ نشینوں نے آپ ﷺ کے ساتھ عمرے پر جانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ مہاجرین و انصار اور عرب کے کچھ لوگوں کے ساتھ نکلے۔ آپ نے اپنے ساتھ قربانی کے ستر اونٹ بھی لے لیے اور عمرے کا احرام بھی باندھا تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ آپ جنگ کے لیے نہیں بلکہ بیت اللہ کی

1 صحيح البخاري: 1780، صحيح مسلم: 1253، البداية والنهاية: 166/4. 2 زاد المعاد: 287/3. 3 فتح الباري: 548/7، مرويات غزوة الحديبية، ص: 32-34.

تعظیم اور اس کا طواف کرنے کے لیے آئے ہیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے آس پاس کے لوگوں کو ساتھ چلنے کے لیے اس لیے کہا تھا کہ آپ کو خدشہ تھا کہ مبادا مشرکین مسلمانوں سے جنگ شروع کر دیں۔ اسلامی ریاست کو خبر رساں دستوں کے ذریعے یہ اطلاعات مل چکی تھیں کہ مدینہ کے جنوب میں واقع قریش اور شمال میں واقع یہود خیبر کے مابین جنگی معاہدہ ہو چکا ہے۔ اس معاہدے کا ناپاک مقصد اسلامی حکومت کو دو تلواروں کے بیچ کچل ڈالنا تھا۔ سیاسی لحاظ سے اس معاہدے کا خاتمہ کر دینے کا وقت بھی آ چکا تھا۔

بسر بن سفیان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

ماہ شوال کے آخر میں بسر بن سفیان الکعبی رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی زیارت کو آئے۔ وہ جب اپنے اہل و عیال کی طرف واپس جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا:

«يا بسر! لا تخرج حتى تخرج معنا، فإنا إن شاء الله معتمرون»

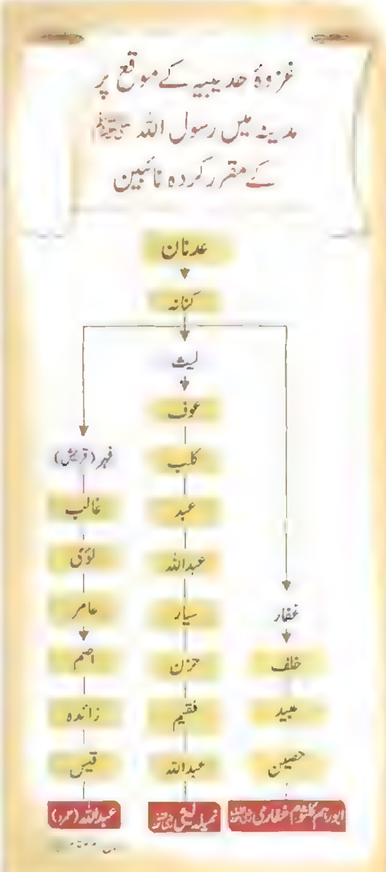
''اے بسر! تم یہیں رہو یہاں تک کہ تم ہمارے ساتھ نکلو، بلاشبہ اگر اللہ نے چاہا تو ہم عمرہ کریں گے۔''

چنانچہ بسر رضی اللہ عنہ وہیں ٹھہرے رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ وہ ان کے لیے اونٹ خرید یں۔ بسر رضی اللہ عنہ

[1] السيرة لابن هشام: 322/3.



آپ ﷺ کے لیے اونٹ خریدتے اور انھیں ذوالجدر بھیج دیتے۔ جب رسول اللہ ﷺ عمرے کے لیے نکلنے لگے تو آپ نے حکم دیا کہ اونٹ مدینہ لائے جائیں۔ اس کے بعد آپ نے ناجیہ بن جندب سلمی ؓ کو حکم دیا کہ اونٹوں کو ذوالحلیفہ لے جائیں۔ آپ نے انھیں اونٹوں کی نگرانی پر مامور کر دیا۔[1]



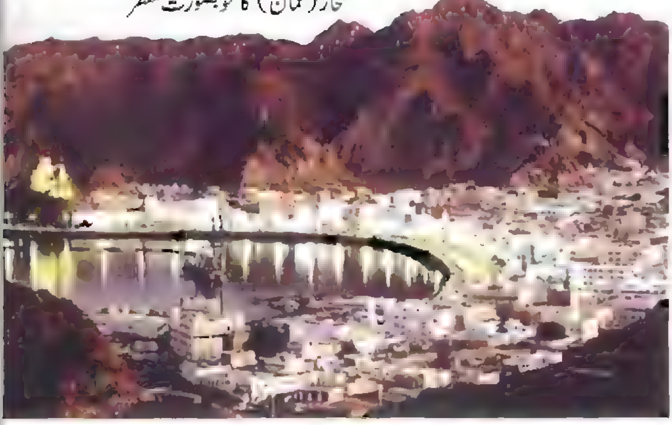
مدینہ میں نائب کا تقرر

رسول اللہ ﷺ نے عمرے پر جانے سے قبل مدینہ میں اپنے نائب کا تقرر فرمایا۔ واقدی اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم ؓ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔[2] جبکہ ابن ہشام کا کہنا ہے کہ نُمیلہ بن عبداللہ اللیثی ؓ نیابت سے نوازے گئے۔[3] بلاذری نے ابنِ ام مکتوم ؓ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابورہم کلثوم بن حصین ؓ کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ بعض لوگوں کا موقف یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان سب حضرات کو نیابت سے سرفراز فرمایا جبکہ ابنِ ام مکتوم ؓ کو نماز کا امام مقرر کیا تھا۔[4]

رسول اللہ ﷺ کی روانگی

رسول اللہ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے غسل فرمایا۔ صحار بستی کی بُنی ہوئی دو چادریں پہنیں، پھر دروازے سے باہر نکل کر اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو گئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام سلمہ ؓ آپ کے ساتھ نکلیں۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہ ؓ کے ساتھ دیگر خواتین میں ام عمارہ، ام منیع اسماء بنت عمرو،

صحار (عمان) کا خوبصورت منظر



1 المغازي للواقدي: 70/2. 2 المغازي للواقدي: 70/2، الطبقات لابن سعد: 95/2. 3 السيرة لابن هشام: 321/3. 4 أنساب الأشراف: 441,440/1، سبل الهدى والرشاد 33/5.

ام عامر اشہلیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔[1] آپ کے ساتھ صحابہ بھی نکلے، آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ میں نماز ظہر ادا کی، پھر اپنے اونٹ منگوائے۔ ان پر پالان ڈالے۔ ان میں سے متعدد اونٹ قبلہ رخ کھڑے تھے، ان کے کوہانوں کے دائیں طرف اشعار کیا، یعنی چیرا لگایا تاکہ انھیں پہچانا جا سکے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے ایک اونٹ کو دائیں جانب اشعار کیا تھا اور پھر ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ باقی ماندہ اونٹوں کو اشعار کریں اور قلادے پہنائیں۔ یہ ستر اونٹ تھے، ان میں ابوجہل کا وہ اونٹ بھی تھا جو رسول اللہ ﷺ کو بدر کے روز غنیمت میں ملا تھا۔ اس اونٹ کو آپ ﷺ نے ذوالجدر کی چراگاہ میں چھوڑ رکھا تھا۔[2]

صحیح بخاری میں سیدنا مروان اور سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ نے قربانی کے جانوروں کو ہار پہنایا اور ان کا اشعار کیا، پھر وہاں سے عمرے کا احرام باندھا۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے جب اپنے اونٹوں کو اشعار کر لیا تو بعد ازاں تمام مسلمانوں نے اپنی اپنی قربانی کے اونٹوں کو اشعار کیا اور انھیں قلادے پہنائے۔[4]

غزوۂ حدیبیہ میں مسلمانوں کی تعداد

غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد کتنی تھی؟ اس بارے میں مختلف روایات ہیں جن میں شرکائے غزوۂ حدیبیہ کی تعداد پر اختلاف پایا جاتا ہے۔

تیرہ سو سے زیادہ صحابہ کا تذکرہ

صحیح بخاری میں سیدنا مروان اور سیدنا مسور رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

خرج النبيُّ ﷺ من المدينة زمن الحُدَيْبِيَة في بضع عشرة مئة من أصحابه.

''نبی ﷺ حدیبیہ کے موقع پر تیرہ سو یا اس سے زیادہ صحابۂ کرام کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔''[5]

یاد رہے کہ اس روایت میں بِضع کا لفظ ہے جو تین سے لے کر نو تک کے عدد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

تیرہ سو کی تحدید

عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

1 سبل الهدى والرشاد : 33/5. 2 المغازي للواقدي : 71,70/2. 3 صحيح البخاري : 4158,4157. 4 المغازي للواقدي : 71/2. 5 صحيح البخاري : 1695.

كَانَ أَصْحَابُ الشَّجَرَةِ أَلْفًا وَّثَلَاثَمِائَةٍ، وَكَانَتْ أَسْلَمُ ثُمُنَ الْمُهَاجِرِينَ.

''اصحاب شجرہ (بیعت رضوان کرنے والے) تیرہ سو افراد تھے اور قبیلۂ اسلم کے لوگ مہاجرین کا آٹھواں حصہ تھے۔''[1]

چودہ سو صحابہ کی شرکت کا بیان

صحیح بخاری میں جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے روز ہم سے فرمایا:

أَنْتُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ

''تم تمام اہل زمین سے افضل ہو۔''

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس دن ہم 1400 افراد تھے۔ اگر آج میں بینا ہوتا تو تمھیں اس درخت کی جگہ دکھاتا جس کے نیچے بیعت ہوئی تھی۔[2]

ایک دوسری روایت میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ حدیبیہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت انگلیوں سے چشمہ پھوٹنے کی روایت بیان کرتے ہیں تو راوی جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہیں کہ اس دن آپ حضرات کی تعداد کتنی تھی؟ انھوں نے کہا کہ ہم اس دن 1400 افراد تھے۔[3]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً.

''حدیبیہ کے دن ہم چودہ سو افراد تھے۔''[4]

سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: درخت والے دن میں نے خود کو دیکھا کہ جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر رہے تھے، میں نے اس درخت کی ٹہنیوں میں سے ایک ٹہنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کرنے کے لیے آپ کے سر مبارک پر تان رکھی تھی، اس روز ہم چودہ سو لوگ تھے۔ اس دن ہم نے موت پر نہیں بلکہ اس بات پر بیعت کی تھی کہ ہم آپ کی ذات اقدس کے دفاع سے کبھی نہیں بھاگیں گے۔[5]

ابن سعد نے بھی معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی ایسی ہی روایت نقل کی ہے۔ اس کے آخر میں راوی کہتے ہیں کہ ہم نے معقل رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس روز آپ حضرات کتنی تعداد میں تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم چودہ سو تھے۔[6]

1 صحيح البخاري: 4155، صحيح مسلم: 1857. 2 صحيح البخاري: 4154. 3 صحيح البخاري: 5639.
4 صحيح البخاري: 3577. 5 صحيح مسلم: 1758. 6 الطبقات لابن سعد: 99/2

پندرہ سو صحابہ کی شرکت کا بیان

سالم بن ابی الجعد سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت بیان فرماتے ہیں، انھوں نے فرمایا: حدیبیہ کے روز لوگوں کو شدید پیاس نے ستایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک چھوٹا برتن موجود تھا۔ آپ نے اس سے وضو کیا۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لپکے۔ آپ نے پوچھا: ... ''تمھیں کیا ہوا ہے؟'' لوگوں نے کہا: ہمارے پاس وضو کرنے اور پینے کے لیے پانی نہیں ہے۔ پانی صرف اتنا ہی ہے جو اس وقت آپ کے اس برتن میں موجود ہے۔ یہ سُن کر آپ نے اپنا دست مبارک اس چھوٹے برتن میں ڈال دیا۔ یکا یک آپ کی انگلیوں سے چشمے کی طرح پانی بہنے لگا۔ ہم نے خوب پانی پیا اور وضو بھی کیا۔ سالم کہتے ہیں: میں نے پوچھا: اس دن آپ لوگ کتنے تھے؟ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا۔ ہم اس روز پندرہ سو افراد تھے۔[1]

ایک روایت میں قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے کہا: مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ وہ چودہ سو افراد تھے۔ سعید رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ جابر رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ بتایا ہے کہ جنھوں نے حدیبیہ کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی، وہ پندرہ سو تھے۔[2]

تاریخ خلیفہ بن خیاط میں ہے کہ سعید بن مسیّب کہنے لگے: جابر رضی اللہ عنہ بھول گئے ہیں۔ وہ پندرہ سو افراد تھے۔

ایک دوسری روایت میں سعید بن مسیب رحمہ اللہ کے یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں: جابر رضی اللہ عنہ پر اللہ اپنی رحمت برسائے! انھیں وہم ہوگیا ہے۔ انھوں نے مجھے خود بتایا تھا کہ ہم پندرہ سو افراد تھے۔[3] یہ روایت امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی نقل کی ہے۔[4]

سات سو صحابہ کی شرکت کا بیان

مسند احمد میں سیدنا مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: حدیبیہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی زیارت کے لیے نکلے۔ آپ ہرگز لڑائی لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ قربانی کے لیے 70 اونٹ بھی لے لیے۔ لوگوں کی تعداد سات سو تھی۔ ہر دس لوگوں کے لیے ایک اونٹ تھا۔[5]

پندرہ سو پچیس صحابہ کی شرکت کا بیان

ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں

[1] صحيح البخاري: 4152. [2] صحيح البخاري: 4153. [3] تاريخ خليفة بن خياط، ص: 10. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 97/4. [5] مسند أحمد: 323/4.

کی تعداد پندرہ سو پچیس (1525) تھی۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ روایت ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً بیان کی ہے۔[2] حافظ محمد حکمی حفظہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔[3]

پندرہ سو چالیس صحابہ کی شرکت کا بیان

علامہ بلاذری، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ خیبر کا مال غنیمت پندرہ سو اسی (1580) صحابہ میں تقسیم ہوا۔ ان میں پندرہ سو چالیس لوگ وہ تھے جو حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ جو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ سے لوٹے تھے، وہ چالیس آدمی تھے۔[4]

سترہ سو افراد کی شرکت کا بیان

تاریخ ابن ابی شیبہ میں سلمہ بن عمرو بن اکوع اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم غزوہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ ہم نے ایک سو اونٹ ذبح کیے۔ ہماری تعداد سترہ سو تھی۔ لوگوں کے پاس اسلحہ تھا۔ کچھ پیدل تھے اور کچھ گھوڑوں پر سوار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں میں ابوجہل کا اونٹ بھی شامل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں ٹھہرے، قریش نے آپ سے اس امر پر مصالحت کی کہ ہم نے آپ کو جہاں روک دیا ہے، آپ وہیں قربانیاں کریں گے۔[5]

اٹھارہ سو کی تعداد کا بیان

ابن ابی شیبہ نے اپنی تاریخ میں عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال نکلے۔ آپ کے ساتھ اٹھارہ سو صحابہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آگے ایک خزاعی جاسوس روانہ فرمایا۔[6]

ان تمام روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صلح حدیبیہ میں شرکت کی، ان کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

بعض روایات میں صرف سات سو کی تعداد بتائی گئی ہے۔ بعض اٹھارہ سو کی تعداد بیان کرتے ہیں۔ کچھ نے ان کے بین بین تعداد بتائی ہے۔ ایسی صورت حال میں حتی الامکان یہ کوشش کی جاتی ہے کہ روایات کو جمع کرنے کی صورت پیدا کی جائے۔ اگر روایات میں توافق نہ ہو سکے تو پھر کسی ایک کو ترجیح دی جاتی ہے۔

1 تاریخ الطبري: 2/1/2. 2 الكافي الشاف في تخريج أحاديث الكشاف، ص: 261. 3 مرويات غزوة الحديبية، ص: 47-49. 4 فتوح البلدان: 32/1. یہ روایت شدید ضعیف ہے۔ 5 المصنف لابن أبي شيبة: 384/7، الطبقات لابن سعد: 103/2. 6 المصنف لابن أبي شيبة: 387/7. یہ روایت ضعیف ہے۔

حافظ محمد حکمی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ کیا یہ تمام روایات صحت کے معیار پر پوری اترتی ہیں یا کچھ روایات ضعیف ہیں تو انھیں الگ کیا جائے۔ وہ فرماتے ہیں: اٹھارہ سو، سترہ سو، پندرہ سو چالیس اور پندرہ سو پچیس والی روایات ضعیف ہیں۔ اسی طرح سات سو کی تعداد والے قول کے بارے میں ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ قول محض وہم پر مبنی ہے۔[1]

حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جنھوں نے سات سو کی تعداد بیان کی ہے، انھوں نے صریحاً غلطی کی ہے۔ ان کا یہ موقف اس لیے ہے کہ ستر اونٹ تھے اور اونٹ سات یا دس افراد کی طرف سے کفایت کرتا ہے جبکہ یہ وضاحت موجود ہے کہ اس عمرے میں ایک اونٹ سات افراد کی طرف سے تھا۔[2] اس طرح اگر ستر اونٹوں کو سات سو کے حساب سے دیکھا جائے تو یہ ٹھیک نہیں ہوگا بلکہ یہ اونٹ 490 افراد کی طرف سے کفایت کریں گے۔[3]

اب ہمارے سامنے تیرہ سو، چودہ سو اور پندرہ سو کی تحدید کرنے والی صحیح روایات باقی رہ جاتی ہیں۔ اگر ان روایات کو سامنے رکھتے ہوئے ترجیح دی جائے تو چودہ سو (1400) صحابہ کی غزوہ حدیبیہ میں شرکت راجح معلوم ہوتی ہے کیونکہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ صحیح ترین روایت ہے جسے صحابہ میں سے براء بن عازب، معقل بن یسار اور سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہم نے بھی بیان کیا ہے۔ اسی طرح امام بیہقی اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کو قابل ترجیح قرار دیا ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اگر ان روایات کو جمع کیا جائے تو ممکن ہے چودہ سو اور کچھ صحابہ ہوں۔ جس نے چودہ سو افراد کی روایت بیان کی ہے، اس نے زائد کو چھوڑ دیا اور جس نے چودہ سو سے اوپر کی تعداد شامل کی ہے اس نے پندرہ سو کہہ دیا۔ البتہ جس نے تیرہ سو کی تعداد بیان کی ہے، اس نے پوری طرح تعداد یاد نہ رہنے کی بنا پر یا کسی اور وجہ سے اضافی تعداد کا ذکر ہی نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی جمع ہی کا طریقہ اختیار کیا ہے اور امام نووی جیسی بات کی ہے، البتہ انھوں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے جو تیرہ سو کی تعداد بیان کی ہے، ممکن ہے انھیں وہی خبر ملی ہو جو انھوں نے بیان کی ہے۔ بقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو زیادہ تعداد معلوم ہوئی ہو۔ اور ثقہ راویوں سے زیادہ بات کا ملنا قابل قبول ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جب مدینہ سے چلے تو تعداد کم ہو، پھر جوں جوں یہ قافلہ آگے چلتا گیا، لوگ آ کر ساتھ ملتے گئے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کم تعداد میں صرف انھی لوگوں کو شمار کیا گیا ہو جو جنگجو تھے اور بچوں، عورتوں اور خدام کو

[1] جوامع السيرة، ص: 107. [2] مسند أحمد: 396/3. [3] زاد المعاد: 288/3

گنا ہی نہ گیا ہو۔[1]

تاہم جن مؤرخین نے سولہ سو کی تعداد بتائی ہے، تو یہ ان کا نص کے مقابلے میں اجتہاد ہے۔ انھوں نے اس کے بارے میں کوئی مستند چیز پیش نہیں کی، لہٰذا امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی جمع ہی کو زیادہ معتبر باور کیا جائے گا۔[2]

غیر مسلح روانگی

واقدی رقم طراز ہیں: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ سے نکلے۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کے خواب کی بنا پر ہرگز یہ شک نہیں تھا کہ وہ عمرہ نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ وہ میانوں میں موجود تلواروں کے علاوہ اور کوئی اسلحہ لے کر نہیں نکلے۔ مال دار صحابہ نے قربانی کے جانور بھی ساتھ لے لیے جن میں سیدنا ابوبکر، عبدالرحمن بن عوف، عثمان بن عفان اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم شامل تھے، تمام صحابہ ذوالحلیفہ پہنچ کر اکٹھے ہو گئے۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی اونٹ اپنے ساتھ لے لیے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو ابوسفیان بن حرب اور اس کے ساتھیوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے جبکہ ہم نے تو لڑائی کے لیے سرے سے کوئی تیاری ہی نہیں کی؟

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

مَا أَدْرِي وَلَسْتُ أُحِبُّ أَنْ أَحْمِلَ السِّلَاحَ مُعْتَمِرًا

”مجھے (ابوسفیان اور اس کے حواریوں کے بارے میں تو کچھ) معلوم نہیں، تاہم مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ عمرے کی غرض سے جاتے ہوئے اسلحہ بھی ساتھ لے لوں۔“

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! کاش! ہم اسلحہ بھی ساتھ لے چلیں۔ اگر ہمیں ان پر شک گزرا تو ہم ان سے جنگ کے لیے تیار رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

لَسْتُ أَحْمِلُ السِّلَاحَ، إِنَّمَا خَرَجْتُ مُعْتَمِرًا

”میں اسلحہ ساتھ نہیں لوں گا، میں تو عمرے کی غرض سے نکلا ہوں۔“[3]

البتہ تاریخ طبری میں ابن ابزیٰ سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ ذوالحلیفہ پہنچے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے گزارش کی کہ آپ دشمن کے علاقے میں اسلحے اور جنگی گھوڑوں کے بغیر جا رہے ہیں، یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مشورے کے بعد کسی شخص کو مدینہ روانہ فرمایا اور وہاں جتنا اسلحہ اور جنگی گھوڑے تھے، منگوا لیے۔[4]

1 فتح الباري :549/7. 2 مرويات غزوة الحديبية، ص :51-54. 3 المغازي للواقدي :70/2. 4 تاريخ الطبري :272/2.



بحیرۂ احمر (بحیرۂ قلزم)
جدہ
ملک عبدالعزیز ایئرپورٹ
لشکر اسلام کی آمد
حدیبیہ اور مکہ مکرمہ
(لشکر اسلام کی آمد)

میقات ذی الحلیفہ

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب ذی الحلیفہ پہنچے تو اپنی سواری سے اترے اور وہاں ظہر کی نماز پڑھی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو مسجد کے دروازے سے اونٹنی پر سوار ہوئے۔ جب وہ قبلہ رخ کھڑی ہوئی تو آپ نے عمرے کی نیت کی اور تلبیہ کہا:

«لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ»

''حاضر ہوں میں اے اللہ! حاضر ہوں۔ حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ بے شک تمام تعریفیں اور نعمتیں تیری ہیں اور ملک بھی تیرا ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔''

تمام مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ ہی احرام باندھ لیے مگر ان میں سے بعض نے احرام وہاں سے نہ باندھے بلکہ جحفہ جو رابغ کے قریب ایک جگہ ہے، وہاں سے احرام باندھے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی عمرے کی نیت کی اور تلبیہ کہا۔[1]

منافقین بھی عمرے کے لیے نکلے

اس تاریخی سفر میں دو منافق بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ایک رئیس المنافقین ابن سلول اور دوسرا منافق جد بن قیس تھا۔ ان دونوں کے علاوہ اور کوئی منافق آپ ﷺ کے ساتھ نہیں نکلا۔ یہ دونوں ایمانی جذبے کے تحت نہیں نکلے تھے بلکہ یہ تو صرف مسلمانوں کی صفوں میں فتنہ اور فساد پھیلانے کے لیے نکلتے تھے۔[2]

ذوالحلیفہ میں بیعت نہیں ہوئی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا: کیا ذوالحلیفہ میں کسی نے نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی؟ جابر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: نہیں، بس آپ نے وہاں نماز پڑھی تھی۔ بیعت تو آپ ﷺ نے صرف اسی درخت کے پاس کی تھی جو حدیبیہ میں ہے۔[3]

1 سبل الهدى والرشاد :34/5. 2 موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل :794/1. 3 صحيح مسلم :1856.


رابغ البحر کی جدید آبادی


میقات جحفہ کا مقام

مکہ کی صورت حال سے آگہی کے لیے جاسوس کی روانگی

مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے:

فَلَمَّا أَتَى ذَا الْحُلَيْفَةِ قَلَّدَ الْهَدْيَ وَأَشْعَرَهُ وَأَحْرَمَ مِنْهَا بِعُمْرَةٍ، وَبَعَثَ عَيْنًا لَهُ مِنْ خُزَاعَةَ وَسَارَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى كَانَ بِغَدِيرِ الْأَشْطَاطِ أَتَاهُ عَيْنُهُ.

''جب نبی کریم ﷺ ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ نے قربانی کے جانوروں کو قلادے پہنائے اور ان کا اشعار کیا۔ وہاں سے آپ نے عمرے کا احرام باندھا، پھر قبیلۂ خزاعہ سے ایک جاسوس بھیجا اور خود نبی ﷺ سفر کرتے رہے۔ جب غدیر اشطاط پہنچے تو آپ کا جاسوس واپس آ گیا۔''[1]

خزاعی جاسوس کو مکہ روانہ کرنے کا تذکرہ مسور بن مخرمہ اور مروان رضی اللہ عنہما کی حدیث میں دو مختلف طرق سے بیان ہوا ہے۔ ایک سفیان بن عیینہ کے طریق سے اور دوسرے محمد بن اسحاق کے طریق سے۔ درج بالا روایت سفیان بن عیینہ کے طریق سے بیان ہوئی ہے۔ اس میں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ آپ نے قبیلہ خزاعہ سے ایک جاسوس بھیجا۔ ابن اسحاق نے خزاعہ کے مذکورہ آدمی کا نام بشر بن سفیان الکعبی لکھا ہے اور غدیر الاشطاط کی جگہ عسفان کا ذکر کیا ہے۔[2]

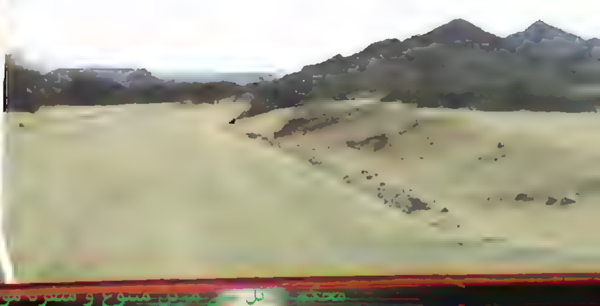
اس کی وضاحت یہ ہے کہ کعب اور خزاعہ ایک ہی قبیلے کے دو نام ہیں کیونکہ کعب ازدی قبیلہ ہے، اسے خزاعہ بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ دوسرا غدیر الاشطاط، عسفان کے اندر یا اس کے ساتھ ہی ایک جگہ کا نام ہے، اس لیے عسفان اور غدیر الاشطاط میں بھی کوئی فرق نہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ ابن اسحاق اور سفیان بن عیینہ کی روایات میں کوئی اختلاف نہیں۔

بشر بن سفیان کا نام احوالِ صحابہ کے متعلق کتابوں میں بُسر بن سفیان مذکور ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بُسر ہی کو صحیح قرار دیا ہے۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے بڑی صراحت سے یہ اعلان فرما دیا تھا کہ ہم عمرے کے لیے نکلے ہیں، ہم جنگ کرنا نہیں

[1] صحیح البخاري، 4179. [2] السیرة لابن هشام: 322/3. [3] فتح الباري: 409/5، مرویات غزوة الحدیبیة، ص 58-61.


عسفان کا جدید منظر


غدیر الاشطاط نزد عسفان

چاہتے، اسی مقصد کے لیے آپ ﷺ نے احرام باندھا اور قربانی کے جانوروں کو قلادے پہنائے اور ان کا اشعار کیا۔ ان سب امن پسندانہ اقدامات کے باوجود آپ ﷺ ان حقائق سے بے خبر نہیں تھے کہ قریش دشمن ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ مسلسل حالت جنگ میں ہیں۔ مزید برآں وہ مشرک ہیں، ان سے مسلمانوں کا محفوظ رہنا ممکن نہیں، چاہے مسلمان احرام کی حالت ہی میں ہوں۔ احرام کی حالت میں اور حرمت والے مہینے میں اہل مکہ بیت اللہ کا طواف کرنے والے سے تعرض نہیں کرتے تھے، چاہے وہ دشمن ہی ہو۔ آپ ﷺ کو یہ اطلاع بھی مل گئی تھی کہ مدینہ کے جنوب میں واقع قریش اور شمال میں واقع یہود خیبر کے مابین جنگی معاہدہ ہو چکا ہے، جیسا کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر یہودی اور مشرک اکٹھے ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ عظیم ترین مدبر اور نہایت معاملہ فہم شخصیت تھے۔ آپ حفظ ما تقدم کے طور پر مکہ والوں کے ارادوں سے باخبر رہنا چاہتے تھے تاکہ اپنا پلہ بھاری رکھا جا سکے۔ دوسرے قبائل کے برعکس بنوخزاعہ کی ہمدردیاں آپ ﷺ کے ساتھ تھیں، اسی وجہ سے آپ نے قبیلہ خزاعہ کے بُسر بن سفیان کو حکم دیا کہ وہ قریش کے ساتھ گھل مل کر سارے احوال معلوم کریں، مسلمانوں کے لیے سراغ رسانی کا اہم فریضہ انجام دیں اور مکہ والوں کی مکمل معلومات حاصل کر کے جلد از جلد رپورٹ دیں۔

مسلمانوں کی جاسوسی ٹیم

بُسر بن سفیان کو مکہ روانہ کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انھیں مسلمانوں کے بیس گھڑ سواروں کا سالار مقرر فرمایا جن میں مہاجرین و انصار دونوں طرف کے افراد شامل تھے۔ ان میں مقداد بن عمرو، ابو عیاش زرقی، حباب بن منذر، عامر بن ربیعہ، سعید بن زید، ابوقتادہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے امیر سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ تھے۔[1]


مدینہ اور بدر کے درمیان مقام روحاء

جنگلی گدھے کا شکار

جب رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مقام روحاء پہنچے جو مدینہ سے 73 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، تو آپ ﷺ نے ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو جنھوں نے عمرے کا احرام نہیں باندھا تھا، صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بحر احمر کے ساحل

1 المعجم الکبیر للطبرانی 71/2.



پر واقع وادیٔ غیقہ کی طرف روانہ کیا۔ آپ کو خبر ملی تھی کہ وہاں کچھ مشرکین ہیں اور اُن کی طرف سے خطرہ ہے مبادا وہ اچانک مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔ اسی سفر میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ایک جنگلی گدھے کا شکار کیا جس کا گوشت سب نے کھایا، پھر انھیں اس کے حالت احرام میں کھانے کے بارے میں شبہ پیدا ہوگیا، اس لیے جب ان کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقام سقیا پر ہوئی جو مدینہ سے ایک سو اسی (180) کلومیٹر کی دوری پر ہے، تو انھوں نے اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپ نے محرم صحابہ کو اس کا گوشت کھانے کی اجازت دے دی، اس لیے کہ انھوں نے شکار کرنے میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی کوئی مدد نہیں کی تھی۔[1]

1 فتح الباري : 31/4

عبداللہ بن ابی قتادہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ حج کے لیے نکلے۔[1] آپ کے ساتھ بہت سے اور لوگ بھی نکلے، آپ ﷺ نے ان میں سے کچھ لوگوں کو دوسرے رستے سے بھیج دیا۔ ان میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا: «خُذُوا سَاحِلَ الْبَحْرِ حَتّٰى نَلْتَقِيَ» ''تم ساحل سمندر کی راہ اختیار کرو یہاں تک کہ ہم آملیں۔'' وہ سمندر کے کنارے کنارے چلتے رہے۔ جب وہ لوٹے تو سب مسلمانوں نے احرام باندھ رکھا تھا جب کہ ابوقتادہ نے احرام نہیں باندھا تھا۔ جب وہ واپس جا رہے تھے، اس وقت انھوں نے کئی جنگلی گدھے دیکھے۔ چنانچہ ابوقتادہ نے ان پر حملہ کر کے ایک جنگلی گدھی کو شکار کر لیا۔ ان کے ساتھی سواریوں سے



مقام سقیا



وادی خریقہ

اتر پڑے اور اس کا گوشت کھایا۔ پھر وہ اس بات پر تأمل کرنے لگے کہ کیا ہم احرام کی حالت میں شکار کا گوشت کھا بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ انھوں نے بقیہ گوشت اپنے ساتھ لے لیا۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہم سب محرم تھے، ابوقتادہ نے احرام نہیں باندھا تھا۔ ہم نے جنگلی گدھے دیکھے۔ ابوقتادہ نے ان پر حملہ کر دیا اور ایک جنگلی گدھی کو شکار کر لیا۔ ہم نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا اور اس کا گوشت کھانے لگے۔ پھر ہم اس سوچ میں پڑ گئے کہ کیا ہمارے لیے احرام کی حالت میں شکار کا گوشت کھانا جائز ہے؟ چنانچہ ہم بقیہ گوشت اپنے ساتھ لے آئے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«أَمِنْكُمْ أَحَدٌ أَمَرَهُ أَنْ يَحْمِلَ عَلَيْهَا، أَوْ أَشَارَ إِلَيْهَا؟»

''کیا تم میں سے کسی نے ابوقتادہ کو شکار کرنے کے لیے کہا تھا یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

1 ''حج کے لیے نکلے'' یہ الفاظ مجازی طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ حج کے معنی اصل میں بیت اللہ کا قصد کرنے کے ہیں، گویا راوی نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا قصد کر کے نکلے۔ اسی لیے عمرے کو بھی حج اصغر کہا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری: 4/39)

«فَكُلُوا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهَا»

’’تو پھر اس کا بقیہ گوشت کھا لو۔‘‘ [1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ذوالحلیفہ میں احرام نہیں باندھا تھا۔ صحابہ کرام میں جن لوگوں نے احرام باندھا ہوا تھا، انھوں نے ابواء کے مقام پر ایک جنگلی گدھا دیکھا۔ ابوقتادہ کہتے ہیں: میں اُس وقت اپنی جوتی گانٹھ رہا تھا۔ مُحرم صحابہ نے مجھے کچھ نہیں بتایا لیکن ان کی خواہش تھی کہ کاش میں دیکھ لوں۔ ایک روایت میں موصوف بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا کہ وہ سب کسی چیز کو دیکھ رہے تھے، ایک روایت میں ہے کہ وہ آپس میں ہنس رہے تھے۔ ابوقتادہ کہتے ہیں میں نے سر اٹھایا تو اچانک میری نظر جنگلی گدھے پر پڑی۔ میں فوراً اٹھا، گھوڑے کی زین کسی اور سوار ہو گیا۔ لیکن جلدی میں کوڑا اور نیزہ لینا بھول گیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے گزارش کی کہ وہ مجھے میرا نیزہ اور کوڑا پکڑا دیں لیکن اُن سب نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ میں غصے میں گھوڑے سے اترا اور کوڑا اور نیزہ لے کر پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور جنگلی گدھا شکار کر لایا۔ سب اسے کھانے لگے، پھر انھیں شک گزرا کہ احرام کی حالت میں ان کا اسے کھانا جائز بھی ہے یا نہیں؟ اس کے بعد ہم روانہ ہو گئے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک دستی سنبھال کر رکھ لی۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور آپ سے اس کے بارے میں وضاحت چاہی...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُوا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهِ، إِنَّمَا هِيَ طُعْمَةٌ أَطْعَمَكُمُوهَا اللَّهُ، هُوَ حَلَالٌ، هَلْ مَعَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ؟»

’’اس کے گوشت سے جو بچ گیا ہے کھا لو۔ یہ کھانا اللہ تعالیٰ نے تمھیں کھلایا ہے۔ وہ حلال ہے، کیا تمھارے پاس اس گوشت کا کچھ حصہ باقی ہے؟‘‘

1 صحيح البخاري: 1824.

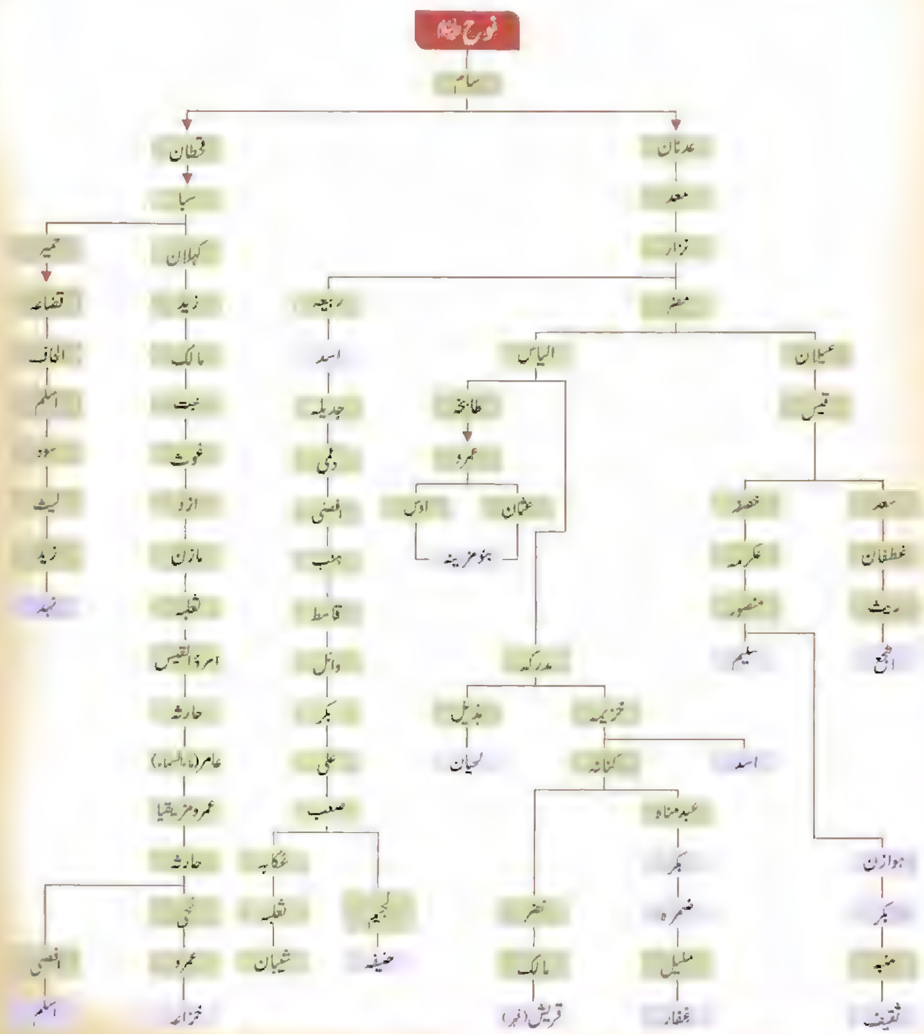


وادی ابواء

میں نے کہا: جی ہاں! موجود ہے۔ پھر میں نے آپ کو دستی کا گوشت پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اسے احرام کی حالت ہی میں کھایا۔[1]

1 سبل الهدى والرشاد: 35,34/5

رسول اللہ ﷺ کی ترغیب پر عمرے کے لیے نکلنے والے قبائل



رسول اللہ ﷺ جب ذوالحلیفہ سے نکلے تو ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو قبیلہ اسلم کے نوجوانوں کے ساتھ قربانی کے جانور دے کر آگے روانہ فرما دیا۔ آپ ﷺ وہاں سے نکلنے کے بعد رستے میں جن لوگوں کے پاس سے گزرتے، انھیں عمرے پر ساتھ چلنے کے لیے فرماتے۔ بنوبکر، مزینہ اور جہینہ کو بھی ساتھ چلنے کی ترغیب دی گئی۔ ان قبائل نے اپنی مصروفیتوں، اپنے اہل و عیال اور مال کی حفاظت کا بہانہ بنایا اور ساتھ چلنے سے معذرت کر دی۔ پھر وہ مسلمانوں کا مذاق اڑانے لگے اور کہنے لگے: محمد (ﷺ) ہمارے ساتھ مل کر ایسی قوم سے لڑائی لڑنا چاہتے ہیں جو پوری طرح مسلح ہے، جبکہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی تو صرف اناج کے دشمن ہیں۔ دیکھ لینا کہ ان میں سے کوئی بھی بچ کر واپس نہیں آنے پائے گا۔ محمد اور اس کے اصحاب کو اس سفر سے کبھی واپسی نصیب نہیں ہوگی۔ یہ تو ایسی قوم ہے جس کے پاس نہ کوئی اسلحہ ہے، نہ عددی قوت![1]

بہرحال ان بادیہ نشینوں نے صرف اس لیے آپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا کہ ان کا خیال تھا کہ مسلمان موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک مسلمان بھی کفار قریش کے ہاتھ سے بچ کر واپس نہیں آئے گا اور یہ سب کے سب وہاں جنگ میں مارے جائیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ فتح میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ بَلْ ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَنقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝ ﴾

’’دیہاتیوں میں سے پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ آپ سے ضرور کہیں گے: ہمارے اموال اور ہمارے اہل وعیال نے ہمیں مشغول کر دیا تھا، لہٰذا آپ ہمارے لیے مغفرت طلب کریں، وہ اپنی زبانوں سے وہ (بات) کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے، آپ کہہ دیجیے: پھر کون تمھارے لیے اللہ سے کسی شے کا اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمھیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا کوئی نفع دینا چاہے؟ (کوئی بھی نہیں) بلکہ جو تم عمل کرتے ہو، اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔ بلکہ تم نے یہ گمان کیا تھا کہ اب رسول اور مومنین کبھی اپنے اہل وعیال کی

[1] سبل الھدٰی والرشاد: 34/5

طرف پلٹنا نصیب نہیں ہوگا، اور یہ بات تمھارے دلوں میں رچ بچ گئی تھی، اور تم نے برا گمان کیا تھا، اور تم لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے۔''[1]

اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مدینہ کے بادیہ نشینوں سے مراد جہینہ اور مزینہ کے لوگ تھے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے بارے میں یہ گمان کر لیا تھا کہ اب یہ کبھی واپس نہیں آسکیں گے اور سب کے سب ہلاک کر دیے جائیں گے، اس لیے وہ آپ کے ساتھ جانے پر تیار نہ ہوئے تھے۔[2]

مشرکین کا ہدیہ نامنظور

روحاء کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قبیلہ بنو نہد کے افراد حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ بعدازاں انھوں نے اپنی اونٹنیوں کا دودھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیتاً پیش کیا تو آپ ﷺ نے اسے یہ کہہ کر واپس کر دیا:

«لَا أَقْبَلُ هَدِيَّةً مِنْ مُشْرِكٍ»

''میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔''

لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم ان لوگوں سے یہ دودھ خرید لو، چنانچہ مسلمانوں نے ان سے دودھ خرید لیا۔

اسی طرح بنو نہد سے مسلمانوں نے تین سانڈے خریدے۔ جن مسلمانوں نے احرام نہیں باندھے تھے، وہ سانڈے کھانے لگے اور احرام والوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہم سانڈے کھا سکتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 الفتح 48:11، 12۔ 2 تفسير الطبري، الفتح 48:11، 12.



وہ مقام جہاں بنو نہد آباد تھے

كُلُوا فَكُلُّ صَيْدِ الْبَرِّ لَكُمْ حَلَالٌ فِي الْإِحْرَامِ تَأْكُلُونَهُ مَا لَمْ تَصِيدُوهُ أَوْ يُصَدْ لَكُمْ

’’کھاؤ کیونکہ خشکی کا ہر شکار تمھارے لیے احرام کی حالت میں حلال ہے، تم اسے کھا سکتے ہو الا یہ کہ جو تم نے خود شکار کیا ہو یا تمھارے لیے شکار کیا جائے۔‘‘[1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! ہم نے اسے شکار نہیں کیا۔ اسے تو اعرابیوں نے شکار کیا ہے اور ہمیں بطور ہدیہ دیا ہے۔ انھیں تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ان کی ہم سے ملاقات ہوگی۔ یہ خانہ بدوش لوگ ہیں، جابجا پھرتے رہتے ہیں۔ آج یہاں کل وہاں، یہ بارش کی جستجو میں رہتے ہیں۔ یہ اس بارش کے متمنی ہیں جو خریف (خزاں کے موسم) میں مَلَل کے علاقے میں برسی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک آدمی کو بلا کر


وادی ملل میں حوض کے آثار

پوچھا: أَيْنَ تُرِيدُونَ؟ ’’تم کہاں جانا چاہتے ہو؟‘‘ اس نے جواب دیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ایک مہینہ گزرا ہے، ہمیں پتہ چلا ہے کہ مَلَل کے علاقے میں بارش ہوئی ہے۔ ہم نے ان علاقوں کی چھان بین کے لیے ایک آدمی کو بھیجا تو اس نے واپس آ کر ہمیں اطلاع دی کہ بکریاں سیر ہو چکی ہیں، اونٹ بوجھل ہو کر چلتے ہیں اور تالاب بریز ہو گئے ہیں۔ ہم اُسی جگہ جانا چاہتے ہیں۔[2]

ہدی کا اونٹ تھک گیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو قربانی کے جانوروں کے ساتھ آگے روانہ فرمایا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابواء پہنچے تو ناجیہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ ہدی کا ایک جانور تھک کر بیکار ہو گیا ہے، اس کا کیا کیا جائے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1 سبل الهدى والرشاد: 34/5. 2 المغازي للواقدي: 72/2

«انحرها واصبغ قلائدها في دمها، ولا تأكل انت ولا احد من اهل رفقتك منها شيئا، وخل بين الناس وبينه»

''اس اونٹ کو نحر کر دو اور اس کے قلادے کو اسی کے خون سے لت پت کر دو، تم اور تمھارے ساتھیوں میں سے کوئی بھی اس کا گوشت نہ کھائے۔ اس کے اور لوگوں کے درمیان سے ہٹ جاؤ، یعنی لوگ اسے استعمال کریں۔''[1]

ایماء بن رحضہ کا ہدیہ

قبیلہ بنوغفار کے شخص ایماء بن رحضہ بن خربہ نے اپنے بیٹے خُفاف بن ایماء رضی اللہ عنہ کے ہاتھ نبی ﷺ کو سو بکریوں اور دودھ دینے والی اونٹنیوں کا تحفہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں برکت کی دعا دیتے ہوئے فرمایا:

«بارك الله فيكم»

''اللہ تمھیں برکت دے۔''



ودان کی فراخ وادی

اسی طرح اہلِ ودان نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مفید لوبیا، کھیرے اور ککڑیاں بطور ہدیہ پیش کیں۔ آپ ﷺ انھیں کھانے لگے اور یہ چیزیں آپ کو پسند آئیں، پھر آپ نے کچھ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی بھیجیں۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہ نئے اور عمدہ تحفے دکھائے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ میں ابواء کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کو ایک جنگلی گدھا ہدیے کے طور پر پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے قبول نہیں فرمایا۔ جب آپ نے میرے چہرے پر ہدیہ قبول نہ ہونے کی بنا پر ملال کے آثار دیکھے تو فرمایا:

«إِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ إِلَّا أَنَّا حُرُمٌ»

1 المغازي للواقدي: 74/2. 2 إمتاع الأسماع: 278/1، سبل الهدى والرشاد: 35/5.

''ہم نے تمھارا ہدیہ اس لیے واپس دے دیا ہے کہ ہم احرام کی حالت میں ہیں۔''[1]

چونکہ یہ شکار آپ ﷺ ہی کے لیے کیا گیا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اسے مسترد کر دیا۔

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام کی حالت میں تھے۔ ہمیں مشرکین نے روک رکھا تھا۔ میرے بال (کانوں کی لو تک) بڑھے ہوئے تھے جن سے جوئیں میرے چہرے پر گر رہی تھیں۔ میرے قریب سے نبی ﷺ گزرے تو آپ نے پوچھا:

«أيؤذيك هوام رأسك؟»

''تمھارے سر کی جوئیں تمھیں تکلیف دے رہی ہیں؟''

میں نے کہا: جی ہاں، تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ﴾ [البقرة: 196]

''پھر اگر کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور وہ سر منڈوا لے) تو فدیے میں روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔''[2]

انھی سے ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میرے چہرے پر جوئیں گر رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ؟»

''کیا تمھاری جوئیں تمھیں تکلیف دے رہی ہیں؟''

میں نے عرض کی: جی ہاں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے سر کے بال منڈوا دو۔'' آپ اس وقت حدیبیہ میں تھے اور آپ نے لوگوں پر واضح نہیں کیا تھا کہ وہ حدیبیہ ہی میں احرام کھول کر اس کی پابندیوں سے آزاد ہو جائیں گے۔ لوگوں کو امید تھی کہ وہ مکہ میں داخل ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فدیے کا حکم نازل فرمایا تو رسول اللہ ﷺ نے کعب رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

«أَنْ يُطْعِمَ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِينَ، أَوْ يُهْدِيَ شَاةً، أَوْ يَصُومَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ»

''وہ ایک فرق (تقریباً چھ کلو تین سو گرام) اناج چھ مسکینوں کو کھلا دیں، یا ایک بکری قربانی کریں، یا تین دن

1 المغازي للواقدي: 73/2. 2 صحيح البخاري: 4191

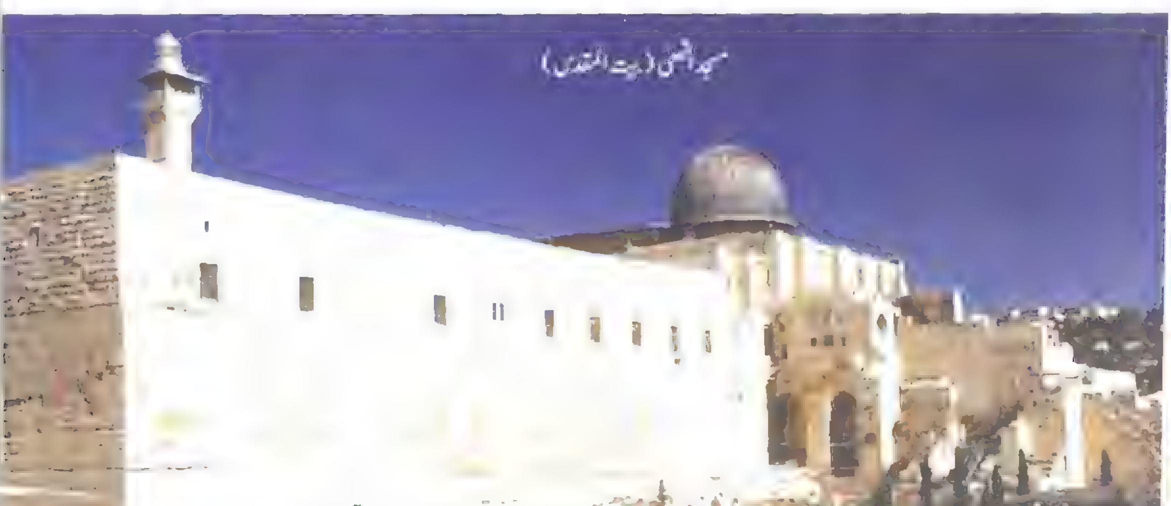
کے روزے رکھیں۔"[1]

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرے۔ اس وقت وہ احرام کی حالت میں اور مکہ میں داخل ہونے سے پہلے حدیبیہ میں قیام پذیر تھے۔ کعب رضی اللہ عنہ ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور جوئیں ان کے چہرے پر گر رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: «أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ هَذِهِ؟» "کیا یہ جوئیں تمھیں تکلیف دے رہی ہیں؟" تو انھوں نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: «فَاحْلِقْ رَأْسَكَ وَأَطْعِمْ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِينَ أَوْصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوِ انْسُكْ نَسِيكَةً» "اپنے سر کے بال منڈوا دو، چھ مساکین کو ایک فرق (تین صاع) کھانا کھلا دو، یا تین روزے رکھو یا پھر ایک بکری ذبح کرو۔"[2]

اہل مکہ کی پریشانی

اہل مکہ کو رسول اللہ ﷺ کی مکہ کی طرف پیش قدمی کا علم ہو گیا تھا۔ انھیں یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ آپ ﷺ عمرے کی نیت سے آرہے ہیں۔ یہ اچنبھے والی بات نہیں تھی کیونکہ عرب میں یہ بات مشہور تھی، کوئی دوست ہو یا دشمن سبھی بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ دشمن اسی غرض سے حرمت والے مہینے میں بیت اللہ کا طواف کرتے تھے، اس طرح وہ بالکل محفوظ ہو جاتے تھے۔ یہ قانون صدیوں سے چلا آرہا تھا۔ حرمت والے مہینے میں لوگ حج کرتے تھے۔ وہ بیت اللہ کے گرد رکھے گئے بتوں کو بھی مقدس سمجھتے تھے۔ مسلمانوں نے بیت اللہ کی بے حد تکریم و تعظیم کی۔ اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں بیت المقدس کو قبلہ برقرار رکھا لیکن پھر بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا۔ اب مسلمانوں کے دلوں میں بیت اللہ کی عظمت دوچند ہو گئی لیکن وہ بتوں سے شدید نفرت کرتے تھے کیونکہ اللہ پر ایمان لانے کے بعد پھر کسی

1 صحيح البخاري: 4159. 2 صحيح مسلم: 1201.



غیر اللہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اللہ کی عبادت اور اس کی وحدانیت ہی اسلام کی اساس ہے۔ تمام انبیاء ﷺ کو صرف اللہ ہی کی عبادت کا حکم تھا لیکن مشرکینِ مکہ اللہ کی عبادت اور بیت اللہ کا طواف کرنے کے ساتھ ساتھ بتوں کی پوجا پاٹ کرتے، ان کے نام کی نذریں مانتے اور جانور ذبح کرتے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا۔ مشرکین اپنے بتوں سے محبت کی بنا پر آپ ﷺ سے دشمنی رکھتے تھے۔ اسی بنا پر انھوں نے آپ اور آپ کے رفقاء کا رستہ روک دیا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے حرمت والے مہینے میں سفر شروع کیا، احرام باندھا، قربانیوں کے جانوروں کا اشعار کیا اور انھیں قلادے پہنائے۔ عرب کے قبائل کو بھی بیت اللہ کے طواف کی دعوت دی تاکہ اہلِ مکہ کو یہ غلط فہمی نہ ہونے پائے کہ مسلمان عمرے کی آڑ میں مکہ پر دھاوا بولنا چاہتے ہیں۔

اہل مکہ بیت اللہ کا طواف کرنے والوں کو طواف سے روکنے کے ہرگز مجاز نہیں تھے۔ قریش کی عظمت کا اصل سبب یہی تھا کہ وہ حج اور عمرہ کرنے والوں کی خدمت کرتے اور انھیں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کرتے تھے۔ ہر قبیلے نے اپنے ذمے کوئی نہ کوئی اہم ذمہ داری لے رکھی تھی۔ سقایہ (پانی پلانا)، رفادہ (کھانا کھلانا) اور حجابت (دربانی) وغیرہ کے مناصب انھی کے پاس تھے۔ لیکن یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں اس قدر اندھے ہو گئے کہ انھوں نے حرمت والے مہینوں میں قتال سے رکنے کا صدیوں سے چلا آنے والا قانون دیوار پر دے مارا۔ وہ سمجھے کہ اتنی بڑی تعداد میں رسول اللہ ﷺ کا مکہ کی طرف کوچ کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ انھیں یہ فکر دامن گیر ہوگئی کہ اس طرح قریش کی سیاسی اہمیت اور عسکری ہیبت ختم ہو جائے گی۔ عرب خیال کریں گے کہ مسلمان اتنی تعداد میں اپنے دشمن کی طرف گئے ہیں کہ قریش انھیں روک ہی نہیں سکے۔ وہی لوگ جو چھپ چھپا کر انتہائی مظلومیت اور مجبوری کی حالت میں مکہ سے بھاگے تھے، اب پانچ سال بعد وہی لوگ نہایت بے باکی اور پوری شان و شوکت سے مکہ چلے آرہے ہیں، حالانکہ ان پر تین بڑی بڑی جنگیں بھی مسلط کی جاچکی ہیں۔

بہر حال اس خبر سے سارے مکہ میں غم و غصے اور قلق و اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ اس صورت حال اور عظیم انقلاب کے مقابلے کے لیے منصوبہ تیار کرنے کی غرض سے ان کے سرداروں نے دارالندوہ میں ایک اہم اجلاس بلا لیا۔ اس کمیٹی کے تین سردار تھے: عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو العامری۔

علامہ واقدی کا بیان ہے کہ اصحاب الرائے نے جمع ہو کر خدشہ ظاہر کیا کہ مسلمانوں کا اصل ارادہ یہ ہے کہ وہ عمرے کے بہانے ہم پر اپنی فوج چڑھا لائیں اور عربوں میں ان کا دبدبہ بیٹھ جائے کہ وہ بزورِ قوت ہم پر چڑھ دوڑے ہیں۔ ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کی حالت ہے۔ اللہ کی قسم! ایسا کبھی نہ ہوگا۔

قریش کا بزور طاقت مسلمانوں کو روکنے کا فیصلہ کرنا

چنانچہ قریش نے مسلمانوں کو بذریعہ طاقت روکنے کے لیے یہ منصوبہ تیار کیا: 1 تمام قریش جو ہتھیار اٹھا سکتے ہیں اور جنگ کر سکتے ہیں، وہ جنگ کے لیے تیار رہیں۔ 2 قریش کے حلیف قبائل سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں قریش کی مدد کریں۔ 3 جنگ کے لیے بھاری فنڈ جمع کرنا تاکہ ان حلیفوں کا خرچہ برداشت کیا جائے جو قریش کی مدد کرنے کے لیے آئیں۔ 4 مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ انھیں بزور طاقت حدود حرم سے باہر ہی روک دیا جائے۔ 5 قریش اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر حدود حرم سے باہر نکلیں تاکہ مسلمانوں کو قریش کے اس ارادے کا پتہ چل جائے کہ وہ ہر صورت انھیں مکہ میں داخلے سے روکیں گے۔ 6 گھڑ سواروں کے دستے بنائے جائیں اور ان کی قیادت خالد بن ولید کو دی جائے۔ 7 یہ دستے مسلمانوں کو روکنے کے لیے مکہ اور مدینہ کی مرکزی شاہراہ پر حدود حرم کے قریب پڑاؤ ڈالیں تاکہ مسلمانوں کو یقین ہو جائے کہ قریش نے مکہ میں ان کا داخلہ روکنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ 8 انٹیلی جنس کے ماہرین تیار کیے جائیں جو مسلمانوں کی عددی قوت، نقل و حرکت اور دیگر حالات کی دمبدم رپورٹ پہنچائیں۔



یہ منصوبہ فوراً نافذ ہوگیا۔ تمام جنگجو قریش مسلح ہو گئے۔ حلیف قبائل کو بھی ساتھ دینے پر آمادہ کر لیا گیا۔ حبشی قبیلے کا سردار حلیس بن علقمہ اور بنو ثقیف کا سردار عروہ بن مسعود بھی قریش کے ساتھ آملا۔ اس سارے لشکر کے جنگجوؤں کی تعداد تقریباً آٹھ ہزار تھی جو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے سربکف بیٹھے تھے۔

فوجی ہیڈ کوارٹر

قریش نے ان مشترکہ افواج کے ساتھ مکہ کے مغربی جانب بلدح کے علاقے میں پڑاؤ ڈالا۔ انھوں نے اپنے ساتھ اپنے بچوں اور عورتوں کو بھی ملایا۔ خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ اس شاہراہ پر متعین کر دیا جہاں مسلمانوں کے گزرنے کا امکان تھا۔ خالد بن ولید نے کراع الغمیم کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ انٹیلی جنس کے لیے قریش نے دس نوجوانوں کو منتخب کیا۔ ان کی قیادت حکم بن عبد مناف کو سونپی، اس نے انھیں تقسیم کر کے ان کی ڈیوٹی ان پہاڑوں پر لگادی جو اس راستے میں واقع تھے جس سے آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو گزرنا تھا۔ پہلے آدمی کو

جو بات بھی سنائی یا دکھائی دیتی، وہ اسے دوسرے آدمی تک پہنچا دیتا اور دوسرا تیسرے آدمی تک، اسی طرح یہ بات درجہ بدرجہ ہوتی ہوئی بلدح میں قریش کی مرکزی قیادت تک پہنچ جاتی۔ یوں مسلمانوں کی لمحہ بہ لمحہ رپورٹ قریش تک پہنچنے لگی۔ اس طرح وہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہی بہتر منصوبہ بندی کے قابل اور لڑائی کے لیے بالکل تیار ہو گئے۔

قریش اپنے پورے جتھے سمیت بلدح میں مقیم تھے۔ انھیں وہاں قیام کے دوران کھانے پینے اور دیگر ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے حلیفوں کی ضروریات کا بھی انتظام کرنا پڑتا تھا۔ اس سلسلے میں چار قریشی سرداروں سہیل بن عمرو، عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور حویطب بن عبدالعزیٰ نے سب اخراجات برداشت کیے۔[1]

بسر بن سفیان الکعبی کی واپسی

رسول اللہ ﷺ نے بسر بن سفیان کو اہل مکہ کی معلومات لینے کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ بسر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق مکہ گئے اور چند ہی دنوں کے بعد قریش کی نقل و حرکت اور دیگر معلومات حاصل کر کے واپس آ گئے۔ اس دوران بسر رضی اللہ عنہ نے پوری طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ قریش مسلمانوں کو بیت اللہ میں داخلے سے روکنے کا مصمم ارادہ کیے بیٹھے ہیں۔ بسر رضی اللہ عنہ جب واپس پہنچے تو اس وقت تک رسول اللہ ﷺ غدیر ذات الاشطاط تک پہنچ چکے تھے۔ یہ علاقہ عسفان کے علاقے سے پہلے آتا ہے۔



ابن ہشام میں ہے: رسول اللہ ﷺ جب عسفان پہنچے تو وہاں سیدنا بشر (بسر) بن سفیان کعبی خزاعی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں آ پہنچے اور انھوں نے رپورٹ پیش کرتے ہوئے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! قریش آپ کی آمد کی اطلاع پا کر بچوں اور عورتوں سمیت نکل آئے ہیں۔ انھوں نے چیتوں کی کھالیں پہنی ہوئی ہیں، وہ ذوطویٰ میں پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں۔ وہ اس بات پر حلف اٹھا رہے ہیں کہ وہ آپ کو کبھی مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ ان لوگوں نے خالد بن ولید کو گھڑ سواروں کی

[1] المغازي للواقدي: 75/2، موسوعة الغزوات الكبرىٰ لباشميل: 801-798/1.

معیت میں کراع الغمیم بھیج دیا ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

"يَا وَيْحَ قُرَيْشٍ! لَقَدْ أَكَلَتْهُمُ الْحَرْبُ، مَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ خَلَّوْا بَيْنِي وَبَيْنَ سَائِرِ الْعَرَبِ، فَإِنْ هُمْ أَصَابُونِي كَانَ ذٰلِكَ الَّذِي أَرَادُوا، وَإِنْ أَظْهَرَنِي اللّٰهُ عَلَيْهِمْ دَخَلُوا فِي الْإِسْلَامِ وَافِرِينَ، وَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوا قَاتَلُوا وَبِهِمْ قُوَّةٌ، فَمَا تَظُنُّ قُرَيْشٌ، فَوَاللّٰهِ! لَا أَزَالُ أُجَاهِدُهُمْ عَلَى الَّذِي بَعَثَنِي اللّٰهُ بِهِ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ أَوْ تَنْفَرِدَ هٰذِهِ السَّالِفَةُ"

"قریش پر افسوس! انھیں جنگوں نے تباہ کر دیا۔ کیا اچھا ہوتا کہ وہ مجھے عرب کے دوسرے لوگوں سے لڑنے بھڑنے دیتے۔ اگر وہ مجھ پر غالب آجاتے تو قریش کا مقصد پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے لوگوں پر غالب کر دیتا تو وہ بھی اسلام قبول کر لیتے اور صحیح سلامت رہتے اور اگر اسلام قبول نہ کرتے تب بھی قوت کے ساتھ تو لڑتے۔ قریش نے کیا سمجھ رکھا ہے؟ اللہ کی قسم! جو دین اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے، میں اس کے غلبے لیے ان سے لڑتا رہوں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب فرما دے یا میری گردن تن سے جدا ہو جائے۔"[1]

سیدنا مسور بن مخرمہ اور سیدنا مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ حدیبیہ کے سال ایک ہزار سے کچھ زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"أَشِيرُوا أَيُّهَا النَّاسُ! عَلَيَّ، أَتَرَوْنَ أَنْ أَمِيلَ إِلٰى عِيَالِهِمْ وَذَرَارِيِّ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَصُدُّونَا عَنِ الْبَيْتِ، فَإِنْ يَأْتُونَا كَانَ اللّٰهُ قَدْ قَطَعَ عُنُقًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، وَإِلَّا

1 المسند لأحمد: 323/3.



''اے لوگو! مجھے مشورہ دو، کیا تم یہ مناسب سمجھتے ہو کہ میں ان لوگوں کے اہل و عیال پر حملہ کر دوں جو ہمیں بیت اللہ کی زیارت سے روکنا چاہتے ہیں؟ اگر وہ لوگ (اپنے اہل وعیال کو بچانے کی خاطر) ہمارے پاس (لڑائی لڑنے) آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی زد سے ہمارے جاسوس کو محفوظ فرما دیا ہے۔ اور اگر وہ نہ آئے تو ہم ان کے بال بچوں پر حملہ کر کے انھیں جنگ کی حالت میں چھوڑ دیں گے۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

يَا رَسُولَ اللهِ! خَرَجْتَ عَامِدًا لِهٰذَا الْبَيْتِ، لَا تُرِيدُ قَتْلَ أَحَدٍ وَلَا حَرْبَ أَحَدٍ، فَتَوَجَّهْ لَهُ، فَمَنْ صَدَّنَا عَنْهُ قَاتَلْنَاهُ.

''اللہ کے رسول! آپ تو بیت اللہ کا ارادہ کر کے تشریف لائے ہیں، نہ آپ کسی کو قتل کرنا چاہتے ہیں، نہ آپ کا کسی سے لڑنے کا ارادہ ہے، اس لیے آپ بدستور بیت اللہ کی طرف سفر جاری رکھیے، جو شخص اس سلسلے میں رکاوٹ بنے گا، ہم اس سے جنگ کریں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امْضُوا عَلَى اسْمِ اللهِ ''(تم نے ٹھیک کہا ہے،) اللہ کا نام لے کر سفر جاری رکھو۔''[1]

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عسفان پہنچے تو آپ کو بنو کعب کا ایک آدمی ملا۔ وہ کہنے لگا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے قریش کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ انھوں نے احابیش کو جمع کر لیا ہے، وہ انھیں آٹے اور قیمے کی یخنی پلاتے ہیں۔ وہ آپ کو بیت اللہ میں جانے سے روکنا چاہتے ہیں۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے چل دیے، پھر جب عسفان سے آگے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قریش کے گھڑ سواروں کا دستہ سامنے موجود ہے جو خالد بن ولید کی قیادت میں تعینات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس طرف چلو، پھر آپ نے دو درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے راستہ تبدیل کر لیا یہاں تک کہ آپ غمیم پہنچے۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، اللہ کی حمد وثنا اس طرح بیان کی جس کا وہ مستحق ہے، پھر ویسی ہی بات ارشاد فرمائی جو درج بالا روایت میں گزر چکی ہے... سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری پر بیٹھے بیٹھے کہا:

إِنَّا وَاللهِ! لَا نَقُولُ لَكَ كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِنَبِيِّهَا: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝﴾ (المائدۃ5:24) وَلٰكِنِ اذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا مَعَكُمْ مُقَاتِلُونَ.

[1] صحیح البخاري: 4179,4178.

''اللہ کی قسم! ہم آپ کو اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر سے کہا تھا کہ تو اور تیرا رب جا کر لڑے، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ آپ چلیں ہم تو حریف سے آپ کے شانہ بشانہ لڑیں گے۔''[1]

نمازِ خوف کی مشروعیت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض قرار دی ہیں۔ ہر بالغ اور عاقل مسلمان پر یہ نمازیں بہرحال فرض ہیں۔ البتہ بعض حالتیں ایسی ہیں جن میں نماز میں تخفیف اور تاخیر کی گنجائش ہے۔

نماز خوف بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے رخصت کی ایک شکل ہے۔ عسفان کے مقام پر مسلمانوں کو پتہ چلا کہ مشرکوں کا دستہ ان کے قریب موجود ہے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نمازِ خوف کی امامت کرائی۔

سیدنا ابوعیاش زرقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِعُسْفَانَ وَعَلَى الْمُشْرِكِينَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فَصَلَّيْنَا الظُّهْرَ، فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ: لَقَدْ أَصَبْنَا غِرَّةً، لَقَدْ أَصَبْنَا غَفْلَةً، لَوْ كُنَّا حَمَلْنَا عَلَيْهِمْ وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ، فَنَزَلَتْ آيَةُ الْقَصْرِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، فَلَمَّا حَضَرَتِ الْعَصْرُ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَالْمُشْرِكُونَ أَمَامَهُ، فَصَفَّ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ صَفٌّ، وَصَفَّ بَعْدَ ذٰلِكَ الصَّفِّ صَفٌّ آخَرُ، فَرَكَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَرَكَعُوا جَمِيعًا، ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدَ الصَّفُّ الَّذِي يَلُونَهُ، وَقَامَ الْآخَرُونَ يَحْرُسُونَهُمْ، فَلَمَّا صَلَّى هٰؤُلَاءِ السَّجْدَتَيْنِ وَقَامُوا سَجَدَ الْآخَرُونَ الَّذِينَ كَانُوا خَلْفَهُمْ، ثُمَّ تَأَخَّرَ الصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ إِلَى مَقَامِ الْآخَرِينَ، وَتَقَدَّمَ الصَّفُّ الْأَخِيرُ إِلَى مَقَامِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَرَكَعُوا جَمِيعًا، ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدَ الصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ وَقَامَ الْآخَرُونَ يَحْرُسُونَهُمْ، فَلَمَّا جَلَسَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ سَجَدَ الْآخَرُونَ، ثُمَّ جَلَسُوا جَمِيعًا، فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا، فَصَلَّاهَا بِعُسْفَانَ وَصَلَّاهَا يَوْمَ بَنِي سُلَيْمٍ.

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عسفان میں تھے۔ مشرکین کے لشکر کی قیادت خالد بن ولید کر رہے تھے۔ ہم نے نماز ظہر ادا کی تو مشرکین کہنے لگے: ہمیں دھوکہ دینے کا موقع ملا تھا، ہمیں مسلمانوں کی غفلت سے فائدہ

1 المصنف لابن أبي شيبة: 381/7

اٹھانا چاہیے تھا، جب مسلمان نماز پڑھ رہے تھے، اگر ہم اُسی وقت ان پر حملہ کر دیتے تو یہ انھیں نقصان پہنچانے کا بہترین موقع تھا، چنانچہ ظہر اور عصر کے درمیان آیت قصر (نماز خوف) نازل ہوگئی۔ پھر جب عصر کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ قبلے کی طرف کھڑے ہوگئے، اس وقت مشرکین آپ کے سامنے موجود تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے پیچھے دو صفیں بنائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا تو صحابہ نے بھی رکوع کیا۔ پھر آپ نے سجدہ کیا تو صرف اگلی صف والوں نے سجدہ کیا۔ اور پچھلی صف والے صحابہ ان کی حفاظت کے لیے کھڑے رہے۔ جب انھوں نے دو سجدے کر لیے اور سیدھے کھڑے ہو گئے تو پھر پچھلی صف والوں نے سجدے ادا کیے۔ پھر اگلی صف والے پیچھے چلے گئے اور پچھلی صف والے آگے آ گئے۔ اب رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا تو تمام صحابہ کرام نے رکوع کیا۔ پھر آپ نے اور اگلی صف والوں نے سجدے کیے لیکن پچھلی صف والے ان کی حفاظت کے لیے کھڑے رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ اور اگلی صف والے بیٹھ گئے تو پھر



بنولحیان کا علاقہ

پچھلی صف والوں نے سجدے ادا کیے۔ بعدازاں سب (تشہد میں) بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے سب صحابہ سمیت اکٹھے سلام پھیرا۔ آپ ﷺ نے عسفان میں نماز خوف پڑھائی، اس کے علاوہ غزوۂ بنی سلیم کے موقع پر بھی اسی طرح نماز (خوف) پڑھائی۔''[1]

اس حدیث سے یہ بات اُجاگر ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عسفان میں صلاۃ الخوف پڑھائی لیکن یہ نماز کس غزوے میں پڑھی گئی؟ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عسفان میں غزوہ بنولحیان اور غزوہ حدیبیہ دونوں مواقع پر پڑاؤ ڈالا۔ ان دونوں غزوات میں کس غزوے میں صلاۃ الخوف پڑھی گئی؟ اس امر کی کوئی وضاحت نہیں ملتی۔ سیدنا ابوعیاش رضی اللہ عنہ کی روایت سے بس اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

1 سنن أبي داود: 1236، سنن النسائي: 1551، صحيح مسلم: 840

نے پہلی مرتبہ عسفان میں صلاۃ الخوف پڑھائی۔ اس میں غزوہ بنولحیان یا حدیبیہ کا کوئی ذکر نہیں۔

حافظ ابن کثیر نے یہ حدیث غزوہ بنولحیان کے تذکرے میں درج کی ہے اور لکھا ہے: اس حدیث کا سیاق یہ تقاضہ کرتا ہے کہ صلاۃ الخوف کی آیات عسفان کے دن اسی غزوے کے موقع پر نازل ہوئیں۔ ان آیت کے نازل ہونے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے اس موقع پر پہلی مرتبہ نماز خوف ادا کی۔[1] واللہ اعلم

جبکہ واقدی، ابن سعد اور ابن جوزی نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ ﷺ نے عسفان میں غزوہ حدیبیہ کے موقع پر نماز خوف ادا کی، ابن سعد کی بات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نماز ظہر کے وقت نماز خوف ادا کی گئی لیکن یہ بات سیدنا ابوعیاش زرقی رضی اللہ عنہ کی روایت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں بتایا گیا ہے کہ نماز عصر کے وقت نماز خوف ادا کی گئی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے واقدی سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں اس بات کی صراحت موجود ہے۔ اس کے راوی خود خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) ہیں، وہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے لیے نکلے تو ہمارا آپ سے عسفان کے مقام پر آمنا سامنا ہوا، ہم آپ کے بالمقابل آ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے ہمارے سامنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز ظہر پڑھائی۔ ہم نے آپ پر چل پڑنے کا ارادہ کر لیا لیکن ہم اسے عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ ہمارے دلوں میں آپ پر حملہ کرنے کا جو منصوبہ تھا، اللہ تعالیٰ نے اس منصوبے سے رسول اللہ ﷺ کو باخبر کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز صلاۃ الخوف کے طریقے پر پڑھائی۔[2]

اس روایت میں یہ بات بڑی صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ نبی ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر عصر کے وقت نماز خوف پڑھائی۔ یوں یہ روایت معنوی حیثیت سے ابوعیاش رضی اللہ عنہ کی حدیث کے موافق ہے، صرف غزوہ حدیبیہ کا اضافہ ہے۔ اگرچہ یہ اضافہ واقدی نے بیان کیا ہے لیکن مغازی میں ان کی روایات کو قبول کیا گیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا:

وَالْوَاقِدِيّ إِذَا لَمْ يُخَالِفِ الْأَخْبَارَ الصَّحِيحَةَ وَلَا غَيْرَهُ مِنْ أَهْلِ الْمَغَازِي، مَقْبُولٌ فِي الْمَغَازِي عِنْدَ أَصْحَابِنَا.

"واقدی جب صحیح روایات اور دیگر اہل مغازی کی مخالفت نہ کر رہے ہوں تو وہ ہمارے شیوخ کے نزدیک مغازی میں مقبول ہیں۔"[3]

1 البداية والنهاية:4/84. 2 فتح الباري:7/529. 3 التلخيص الحبير:2/592.

دوسری بات یہ ہے کہ واقدی کے درج بالا اضافے کی شاہد وہ روایت بھی ہے جو سیدنا مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما نے بیان کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

وَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى إِذَا كَانَ بِعُسْفَانَ لَقِيَهُ بِشْرُ بْنُ سُفْيَانَ الْكَعْبِيُّ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! هٰذِهِ قُرَيْشٌ قَدْ سَمِعَتْ بِمَسِيرِكَ، فَخَرَجَتْ مَعَهَا الْعُوذُ الْمَطَافِيلُ، قَدْ لَبِسُوا جُلُودَ النُّمُورِ، يُعَاهِدُونَ اللّٰهَ أَنْ لَا تَدْخُلَهَا عَلَيْهِمْ عَنْوَةً أَبَدًا، وَهٰذَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فِي خَيْلِهِمْ قَدِمُوا إِلٰى كُرَاعِ الْغَمِيمِ.

”رسول اللہ ﷺ نکلے، جب آپ عسفان پہنچے تو وہاں آپ ﷺ کی ملاقات بشر بن سفیان الکعبی سے ہوئی۔ انھوں نے آپ کو اطلاع دی: اے اللہ کے رسول! قریش آپ کی آمد کی اطلاع پا کر اپنے بچوں اور عورتوں سمیت نکل آئے ہیں۔ انھوں نے چیتے کی کھالیں پہن لی ہیں۔ وہ اس بات پر قسمیں کھا رہے ہیں کہ وہ آپ کو مکہ میں زبردستی داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اور خالد بن ولید (اسی سلسلے میں) اپنے گھڑ سواروں سمیت کراع الغمیم تک پہنچ گیا ہے۔“[1]

اس روایت سے دو چیزیں سامنے آتی ہیں: 1 رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حدیبیہ کے موقع پر عسفان میں پڑاؤ ڈالا۔ 2 خالد بن ولید اسی غزوے میں آپ ﷺ کے مقابلے میں نکلے۔

کسی بھی صاحب سیر و مغازی نے یہ نہیں بتایا کہ خالد بن ولید کا عسفان کے مقام پر حدیبیہ کے علاوہ کسی دوسرے غزوے میں بھی نبی ﷺ سے ٹکراؤ ہوا۔ اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ عسفان میں پڑھی جانے والی نمازِ خوف دراصل غزوۂ حدیبیہ ہی میں پڑھی گئی تھی۔ حافظ محمد حکمی ﷾ نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ غزوہ بنولحیان کے موقع پر کسی بھی قریشی کافر کا رسول اللہ ﷺ سے آمنا سامنا نہیں ہوا بلکہ ابن سعد نے غزوہ بنولحیان کے بعد نبی ﷺ کی واپسی کے متعلق لکھا ہے:

”رسول اللہ ﷺ غزوہ بنولحیان کے بعد عسفان پہنچے۔ آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دس شہسواروں کو قریش کی خبر گیری کے لیے روانہ کیا تاکہ قریش ان کی آمد سے خوف زدہ ہو جائیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ غمیم آئے تو انھوں نے وہاں کسی کو بھی موجود نہ پایا۔“[2]

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے جو موقف اختیار کیا ہے، وہ ان کا وہم ہے۔[3] واللہ اعلم

1 مسند أحمد: 323/4. 2 الطبقات لابن سعد: 79/2. 3 مرويات غزوة الحديبية، ص: 79-82.

پہلی مرتبہ نمازِ خوف

رسول اللہ ﷺ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے نمازِ خوف متعدد غزوات میں ادا کی۔ لیکن صحیح روایات کی روشنی میں یہ بات کہیں بھی واضح نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے نمازِ خوف پہلی مرتبہ کس غزوے میں ادا کی۔

واقدی نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ نمازِ خوف غزوہ ذات الرقاع میں ادا کی، بعدازاں عسفان میں ادا کی۔ غزوہ ذات الرقاع میں نماز اور عسفان میں نماز کے دوران چار سال کا عرصہ حائل ہے۔

حافظ محمد حکمی حفظہ اللہ فرماتے ہیں: یہ روایت ضعیف ہے۔ علاوہ ازیں واقدی نے چار سال کے عرصے کا جو فرق بیان کیا ہے، یہ ناممکن ہے کیونکہ خود واقدی ہی نے غزوہ ذات الرقاع کا وقوع ہجرت کے پانچویں سال بیان کیا ہے اور حدیبیہ چھٹے سال۔ دیگر تمام اہل مغازی کا بھی اتفاق ہے کہ غزوہ حدیبیہ چھٹے سال ہوا۔ تو پھر ان دونوں کے درمیان چار سال کا عرصہ کس طرح واقع ہوگیا؟

اکثر اہل مغازی اس امر کے قائل ہیں کہ نمازِ خوف پہلی مرتبہ غزوہ ذات الرقاع میں پڑھی گئی لیکن وہ اس بات میں متردد ہیں کہ غزوہ ذات الرقاع کب ہوا۔ اس سلسلے میں واقدی، ابن سعد اور ابن حبان نے محرم پانچویں سال کا ذکر کیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ بھی متردد ہیں کہ پتہ نہیں یہ غزوہ بدر سے پہلے ہوا یا بعد میں، احد سے پہلے ہوا یا بعد میں۔ ابومعشر سندھی کہتے ہیں کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خندق اور غزوہ بنوقریظہ کے بعد ہوا ہے۔

جبکہ جمہور محدثین، مثلاً: امام بخاری، حافظ ابن کثیر، ابن قیم اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ کا موقف ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ حدیبیہ کے بعد ہی نہیں بلکہ خیبر کے بھی بعد ہوا ہے۔ اس کی دلیل صحیح بخاری کی یہ روایت ہے کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں غزوہ ذات الرقاع میں شریک تھا جبکہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر کے بعد نبی ﷺ کے پاس آئے تھے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خیبر کے بعد کا واقعہ ہے۔

دوسری دلیل سنن ابوداود کی روایت ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ غزوہ ذات الرقاع میں شریک تھے اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی غزوہ خیبر کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ سے ملے تھے۔

ان دونوں روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوۂ خیبر کے بعد ہوا ہے اور غزوہ حدیبیہ میں پڑھی جانے والی نمازِ خوف ہی اولین نمازِ خوف ہے جو نبی ﷺ نے کسی غزوے میں پڑھائی۔[1] واللہ أعلم

1 [illegible] غزوۂ الحدیبیۃ، ص: 82-88

راستے کی تبدیلی

امام طبرانی ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: جب ہم غمیم پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ قریش نے خالد بن ولید کو گھڑسواروں کی جماعت کے ساتھ آپ ﷺ کا راستہ روکنے کے لیے بھیج دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے لڑنا مناسب نہ سمجھا۔ آپ قریش کے ساتھ شفقت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ رَجُلٌ يَعْدِلُ بِنَا عَنِ الطَّرِيقِ؟»

''ہمیں اس راستے سے ہٹا کر دوسرے رستے سے کون لے جائے گا؟''

ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ ارشاد سن کر میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا باپ آپ پر قربان ہو، میں آپ کو لے جاتا ہوں۔[1]

ابن اسحاق سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب دیکھا کہ خالد بن ولید مسلمانوں کے خلاف گھات لگائے بیٹھا ہے تو آپ ﷺ نے اس وقت مشرکین سے تصادم خلاف مصلحت سمجھا اور راستہ بدل لینے کا ارادہ فرما لیا۔ آپ نے فرمایا:

«مَنْ رَجُلٌ يَخْرُجُ بِنَا عَلٰى طَرِيقٍ غَيْرِ طَرِيقِهِمُ الَّتِي هُمْ بِهَا؟»

''کون ہے جو ہمیں قریش کے راستے سے ہٹ کر کسی دوسرے راستے سے لے چلے؟''

قبیلۂ اسلم کے ایک آدمی نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ خدمت میں انجام دوں گا۔'' یہ اسلمی شخص گھاٹیوں کے اندر سے ہوتا ہوا مسلمانوں کو سخت پتھریلے راستے پر لے گیا۔ مسلمانوں کے لیے یہ راستہ بڑا دشوار گزار تھا۔ اسی سنگلاخ راستے سے تمام لوگ وادی کے کنارے نرم زمین پر پہنچے تو آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا:

«قُولُوا: نَسْتَغْفِرُ اللهَ وَنَتُوبُ إِلَيْهِ»

''سب کہو: ہم اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہیں اور اس کے حضور توبہ کرتے ہیں۔''

پھر فرمایا: «وَاللهِ! إِنَّهَا لَلْحِطَّةُ الَّتِي عُرِضَتْ عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ فَلَمْ يَقُولُوهَا»

''اللہ کی قسم! یہ وہی ''حطہ'' ہے (جس کا ذکر قرآن میں ہے: ﴿وَقُولُوا حِطَّةٌ﴾ [illegible]) جسے کہنے کی بنی اسرائیل کو تاکید کی گئی مگر انھوں نے نہیں کہا۔''

1 المعجم الكبير للطبراني: 194,193/2

اب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ دائیں طرف مقام حمض کے درمیان اسی راستے پر چلو جو ثنیۃ المرار کی طرف جا نکلتا ہے۔ لشکر مکہ کے زیریں جانب حدیبیہ کی طرف چل پڑا اور اس قدر احتیاط اور آہستگی سے چلتا رہا کہ کسی کو ان کی نقل و حرکت کی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

خالد بن ولید نے مسلمانوں کے لشکر کا گرد و غبار اڑتا دیکھا تو وہ اپنے سواروں سمیت اہل مکہ کو نئی صورت حال سے آگاہ کرنے کے لیے بڑی تیزی سے آگے روانہ ہو گیا۔[1]



مقام حمض نزد مکہ مکرمہ

رسول اللہ ﷺ جنگ سے بچنا چاہتے تھے کیونکہ آپ حرمت والے مہینے میں احرام کی حالت میں بیت اللہ کے طواف کی نیت سے نکلے تھے۔ یوں بھی آپ ﷺ قریش کی زندگی کے آرزومند تھے کیونکہ آپ کو یہ امید تھی کہ اگر یہ مسلمان ہو گئے تو اسلام کے لیے بہترین سرمایہ ثابت ہوں گے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«فعن معادن العرب تسألوني؟ خيارهم في الجاهلية خيارهم في الإسلام إذا فقهوا»

''تم خاندان عرب کے متعلق پوچھتے ہو؟ ان میں سے جو زمانۂ جاہلیت میں بہتر تھے، وہی اسلام میں بھی بہتر ہیں بشرطیکہ وہ دین میں فقاہت حاصل کریں۔''[2]

اہل عرب میں قبیلۂ قریش کے لوگ سب سے زیادہ فصیح اللسان اور ذہین و فطین تھے اور معاشرے میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ وہ زندگی کے گوناگوں تجربات سے مالا مال تھے۔ ان کے قبول اسلام سے بڑے فائدے حاصل ہونے کی توقع تھی۔ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ یہ توقعات بالکل درست تھیں۔[3]

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ جب ہم عسفان پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا:

«إنّ عيون المشركين الآن على ضجنان، فأيّكم يعرف طريق ذات الحنظل؟ فقال رسول الله ﷺ حين أمسى: هل من رجل ينزل فيسعى بين يدي الركاب؟»

1 سيرة ابن هشام: 324،323/3. 2 صحيح البخاري: 3353. 3 السيرة النبوية للعمري: 438/2.

''مشرکین کے جاسوس اس وقت ضجنان[1] نامی پہاڑ پر ہیں۔ تم میں سے کون ذات الحنظل کا رستہ جانتا ہے؟ پھر جب شام ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کوئی شخص ہے جو سواری سے نیچے اترے اور سواریوں کے آگے آگے چلے؟''

ایک شخص کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں چلتا ہوں۔ وہ اترا تو اس کے پاؤں پتھروں کی رگڑ سے شل ہونے لگے اور کپڑے جھاڑیوں سے الجھ کر پھٹنے لگے۔ آپ ﷺ نے اسے حکم دیا: «اِرْكَبْ» ''تم سوار ہو جاؤ۔'' پھر ایک دوسرا شخص اترا۔ جب اس کے پاؤں بھی زخمی ہونے لگے اور کپڑے پھٹنے لگے تو آپ نے اسے بھی فرمایا: «اِرْكَبْ» ''سوار ہو جاؤ۔'' اس کے بعد ہم مطلوبہ رستے پر پہنچ گئے یہاں تک کہ ہم ایک گھاٹی سے گزرے جسے الحنظل کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مثل هذه الثنية الليلة كمثل الباب الذي دخل فيه بنو إسرائيل، قيل لهم: ﴿ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ﴾ (البقرة 2:58) لا يجوز أحد الليلة هذه الثنية إلا غفر له»

''اس گھاٹی کی مثال اس دروازے کی سی ہے جس میں سے بنی اسرائیل داخل ہوئے۔ انھیں یہ حکم دیا گیا: ''تم دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور کہنا: اے اللہ! ہمیں بخش دے، تو ہم تمھاری خطائیں معاف کر دیں گے۔'' جو شخص بھی آج رات اس گھاٹی سے گزرے گا، اسے ضرور معاف کر دیا جائے گا۔''[2]

ایک دوسری روایت میں ہے:

«اَلْكَلِمَةُ الَّتِي عُرِضَتْ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا، قَالَ: بَابٌ

1 ضجنان ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اس کے اور مکہ کے درمیان 25 میل کا فاصلہ ہے۔ 2 كشف الأستار عن زوائد البزار: 222/2


ضجنان کا پہاڑی علاقہ

بِيْتَ الْمَقْدِسِ، فَدَخَلُوا مِنْ قِبَلِ أَسْتَاهِهِمْ وَقَالُوا: حَبَّةٌ فِي شَعِيرَةٍ،

''بنی اسرائیل کو جو تلقین کی گئی تھی وہ یہ تھی: اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ اور یہ کہ دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ بیت المقدس کا دروازہ تھا۔ وہ لوگ اس میں سرینوں کے بل داخل ہوئے اور دنیا مانگتے ہوئے کہنے لگے: بالی میں دانہ ہو۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل کو جو بات کہنے کی تاکید کی گئی، وہ یہ تھی:

نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَنَتُوبُ إِلَيْهِ

''ہم اللہ سے بخشش طلب کرتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ جن غیر معروف رستوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ چلے، ان رستوں سے صرف چند دیہاتی واقف تھے۔ آپ ﷺ اور صحابہ کو ان رستوں پر چلتے ہوئے شدید تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ بنوسلیم کے تین آدمی جو ان رستوں سے واقف تھے، وہ بھی اس راستے کو پہچاننے میں ناکام ہو گئے۔ حالانکہ وہ کئی بار ان راستوں سے گزر چکے تھے۔ واقدی بیان کرتے ہیں کہ پہلے رہبر بریدہ بن خصیب اسلمی رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ آپ ﷺ اور صحابہ کو ایک پُر پیچ رستے میں لے گئے۔ وہ اس رستے سے متعدد مرتبہ گزر چکے تھے۔ لیکن وہ تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ پتھروں، جھاڑیوں اور سرکنڈوں میں یوں الجھ کر رہ گئے گویا وہ اس راستے کو جانتے ہی نہ تھے۔ وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں تو جمعہ کے روز کئی بار اس راستے پر چلا کرتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں حیران و پریشان دیکھا تو آپ ﷺ نے انھیں سوار ہو جانے کو کہا۔ پھر آپ نے پوچھا: ''ذات الحنظل کا رستہ ہمیں کون بتائے گا؟'' تو حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے سواری سے اتر کر کہا: اے اللہ کے رسول! میں بتاؤں گا۔ وہ بھی تھوڑی دور جا کر جھاڑیوں میں کھو گئے، انھیں پتہ ہی نہ چلا کہ کس طرف جانا ہے۔ آپ ﷺ نے انھیں بھی سوار ہونے کا حکم دیا اور تیسری مرتبہ دریافت فرمایا: ''کون ہے جو ہمیں ذات الحنظل کا رستہ



بنوسلیم کی کشادہ وادی

1 المغازي للواقدي: 79،78/2.

بتائے گا؟" عمرو بن عبد نُہم اسلمی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو رستہ بتاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "آؤ اور ہمارے آگے آگے چلو۔" عمرو رضی اللہ عنہ ان کے آگے آگے چل پڑے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے ثنیہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: «هٰذِهِ ثَنِيَّةُ ذَاتِ الْحَنْظَلِ؟» "کیا یہ ثنیۃ ذات الحنظل ہے؟" عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں اے اللہ کے رسول! یہ ثنیۃ ذات الحنظل ہے۔ آپ چلتے چلتے اس کی چوٹی پر جا کھڑے ہوئے، پھر اس سے نیچے اترے۔ عمرو رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! مجھے اپنی اور ذمہ داری کی فکر تھی (مبادا میں بھی گھاٹی عبور کرانے میں ناکام ہو جاؤں)۔ وہ گھاٹی تسمے کی طرح لمبی تھی، پھر وہ میرے لیے وسیع اور نمایاں ہوگئی۔ اس رات تمام لوگ گھاٹی عبور کرتے ہوئے اس کی وسعت کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ رات اس قدر روشن ہوگئی کہ یوں محسوس ہوا جیسے ہم چاند پر چل رہے ہیں۔

سرخ اونٹ والے منافق کا عبرتناک انجام

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت فرمایا: «مَنْ كَانَ مَعَهُ زَادٌ فَلْيَصْطَنِعْ» "جس کے پاس زادِ راہ ہو، وہ کھانا تیار کرے۔" وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آٹا موجود تھا اور ہمارا عام زادِ راہ کھجوریں ہوتی تھیں۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم ڈرتے ہیں اگر کھانا تیار کرنے کے لیے آگ جلائی تو مبادا قریش ہمیں دیکھ لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُمْ لَنْ يَرَوْكُمْ، إِنَّ اللّٰهَ سَيُعِينُكُمْ عَلَيْهِمْ»

"وہ ہرگز تمھیں نہیں دیکھ پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف تمھاری مدد کرے گا۔"

پھر جن لوگوں نے کھانا پکانا چاہا، انھوں نے آگ سلگائی اور کھانا پکایا۔ قریب قریب پانچ سو چولہے جلائے گئے۔ صبح ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی، پھر فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لِلرَّكْبِ أَجْمَعِينَ إِلَّا رُوَيْكِبًا وَاحِدًا عَلٰى جَمَلٍ أَحْمَرَ»

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ نے قافلے کے سب آدمیوں کو بخش دیا سوائے سرخ اونٹ والے کے۔"

لوگ اس کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔ اسے لشکر میں تلاش کیا گیا۔ اس کے متعلق یہ سمجھا جا رہا تھا کہ وہ شخص صحابہ میں سے ہے۔ پتہ چلا کہ وہ آدمی سیف البحر کے رہنے والے بنوضمرہ کے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس شخص کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس کا نام جد بن

قیس تھا۔ وہ منافق تھا۔ [1] سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو اس شخص کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان بتایا گیا تو انھوں نے اس سے کہا: تیرا ستیاناس ہو! جا! فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اپنے لیے استغفار کرا۔ وہ کہنے لگا: مجھے رسول اللہ ﷺ کے استغفار سے زیادہ اپنے اونٹ کی فکر ہے۔ پھر اچانک اس کا اونٹ گم ہو گیا۔ وہ لشکر میں اونٹ تلاش کرنے لگا۔ پھر سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے آ کر کہنے لگا: اونٹ تمھارے لشکر میں ہے، میرا اونٹ واپس کرو۔ سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے تو معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ میرے قریب اتنی بڑی مصیبت موجود ہے۔ جاؤ! یہاں سے چلے جاؤ۔ اسے اس قافلے میں اپنا اونٹ نظر نہ آیا تو وہ اپنا اونٹ ڈھونڈنے کے لیے آگے چل دیا۔ وہ سَراوع کے پہاڑوں میں گھوم پھر کر اپنا اونٹ تلاش کر رہا تھا کہ اچانک اس کا جوتا پھسلا اور وہ پہاڑ سے نیچے گر کر مر گیا۔ اسے درندے کھا گئے۔ [2]

ایک دوسری روایت میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ يَصْعَدُ الثَّنِيَّةَ ثَنِيَّةَ الْمُرَارِ فَإِنَّهُ يُحَطُّ عَنْهُ مَا حُطَّ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ"

”جو شخص ثنیۃ المرار کی گھاٹی سے گزرا، اس کے گناہ اس طرح ختم ہوں گے جس طرح بنی اسرائیل کے گناہ ختم ہو جاتے (اگر وہ حکم الٰہی پر عمل کر لیتے)۔“

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سب سے پہلے جو لوگ اس گھاٹی سے گزرے، وہ ہمارے گھڑ سوار بنو خزرج کے لوگ تھے۔ اُن کے بعد پھر دوسرے لوگ گزرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"كُلُّكُمْ مَغْفُورٌ لَهُ إِلَّا صَاحِبَ الْجَمَلِ الْأَحْمَرِ"

”تم سب بخش دیے گئے، سوائے سرخ اونٹ والے کے۔“

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم اس شخص کے پاس آئے اور اس سے کہا: جلدی آ جاؤ اور رسول اللہ ﷺ سے اپنے لیے

[1] شرح النووي على مسلم: 184/17. [2] المغازي للواقدي: 79،78/2



مکہ مکرمہ کے شمال مغرب میں ثنیۃ المرار

استغفار کراؤں۔ وہ شخص ہماری بات سن کر کہنے لگا: میں اپنا گم شدہ اونٹ ڈھونڈ لوں، یہ مجھے تمھارے صاحب کے استغفار سے زیادہ پسند ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر وہ اپنے گم شدہ اونٹ کا اعلان کرتا پھر رہا تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کا جذبۂ صلہ رحمی

رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے قریب پہنچے۔ قریش کو علم ہو گیا اور وہ بڑے چوکنے ہو گئے، ادھر رسول اللہ ﷺ بھی حدیبیہ کے میدان سے حدودِ حرم کی طرف چل پڑے۔ جب آپ ﷺ ثنیۃ المرار پہنچے تو اسی اثنا میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو رُکنا پڑا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ مسلمان عمرے کی نیت سے آئے ہیں، لہٰذا انھیں جنگ کے الاؤ سے بچایا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی فرمانبردار اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے اسے چلانے کے لیے چُمکارا اور آگے بڑھنے کے اشارے دیے مگر اس نے کوئی حرکت نہ کی۔ لوگ کہنے لگے: قصواء اڑ گئی ہے۔ قصواء اَڑ گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ، وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ، وَلٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ»

''قصواء اڑی نہیں، نہ یہ اس کی عادت ہے۔ بلکہ اسے اس ذات نے روک رکھا ہے جس نے ہاتھی کو روک دیا تھا۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا يَسْأَلُونِّي خُطَّةً يُعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ لوگ میرے سامنے جو بھی منصوبہ رکھیں، بشرطیکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تعظیم کریں تو میں اسے ضرور تسلیم کرلوں گا۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے اونٹنی کو ڈانٹا، وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی، پھر آپ ﷺ نے مکہ کے رستے میں تھوڑی سی تبدیلی کی اور آگے چلتے رہے یہاں تک کہ اقصائے حدیبیہ میں ایک چشمے پر پڑاؤ ڈالا۔[2]

مذکورہ بالا فرمانِ نبوی سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ ﷺ ہرگز جنگ نہیں چاہتے تھے بلکہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرنا چاہتے تھے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ قریش سے آخری امکانی حد تک مذاکرات کے لیے تیار تھے۔

[1] صحيح مسلم: 2780. [2] صحيح البخاري: 2732,2731، السيرة لابن هشام: 324/3.

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے کہ اس اونٹنی کو اس ذات نے روک رکھا ہے جس نے ہاتھی کو روکا تھا، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بہت مستحسن نتیجہ اخذ کیا ہے۔ حافظ صاحب کہتے ہیں: ''اس قصے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عمومی لحاظ کا اعتبار کر کے تشبیہ دینی جائز ہے اگرچہ اس کا کوئی خاص پہلو مختلف ہی ہو کیونکہ اصحاب الفیل تو کاملاً باطل پر تھے جبکہ اس اونٹنی والے خالصتاً حق پر تھے، لہٰذا اس مثال میں تشبیہ اللہ تعالیٰ کے حرم سے مطلقاً روک دینے کے اعتبار سے ہے۔''[1]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین، اہلِ بدعت، اہلِ فسق، ظالم اور باغی جب کسی ایسے امر کا تقاضا کریں جس میں شعائر اللہ (دین) کا احترام موجود ہو تو ان کی بات بھی تسلیم کرنی چاہیے، ان سے تعاون بھی کرنا چاہیے اور تعاون صرف اس بات میں ہونا چاہیے جس میں حُرمات اللہ کی عظمت پائی جائے، ان کے کفر اور ظلم و زیادتی میں تعاون کی مطلق اجازت نہیں۔[2]

اللہ جل جلالہ کا فیصلہ تھا کہ اس بار مسلمانوں اور مشرکوں میں جنگ کی نوبت ہی نہ آئے کیونکہ اس میں کئی حکمتیں پوشیدہ تھیں جن کا ظہور بعد میں ہوا، مثلاً:

- مسلمان بزور شمشیر داخل ہوتے تو کشت و خون اور فریقین کے جانی اور مالی نقصانات یقینی تھے۔
- یہ خطرہ بھی تھا کہ مکہ مکرمہ میں موجود وہ کمزور مسلمان بھائی بھی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو جاتے جو اپنی قوم کے ڈر سے اسلام کو اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے تھے۔

یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود تھی کہ یہی لوگ جو آج رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو مسجد حرام سے روک رہے ہیں، عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو اسلام کے لیے کھول دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں بہت سے ملک فتح کرائے گا۔ پھر یہی لوگ پیغامِ الٰہی لوگوں تک پہنچائیں گے اور بھٹکے ہوؤں کو صراطِ مستقیم دکھائیں گے۔[3]

رسول اللہ ﷺ کا معجزہ

مسلمانوں کا قافلہ جب حدیبیہ میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے اس صورت حال میں لڑائی سے بچنے کے لیے کفار قریش سے مصالحت اور مذاکرات کرنے کا عندیہ دیا تو رات کے پچھلے پہر ایک غیر آباد کنویں کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ اس کنویں میں بہت تھوڑا پانی تھا۔ گرمی کی شدت اور سفر کی تھکاوٹ کے باعث صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پانی کے لیے

1 فتح الباري: 412/5. 2 صلح الحديبية لأبي فارس، ص: 48. 3 صلح الحديبية لأبي فارس، ص: 45.

ایک دوسرے پر سبقت لے جانے لگے۔ اسی کشمکش میں وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی ضرورت کا اظہار کرنے لگے کہ پانی تھوڑا سا ہے، قافلے کے افراد کی تعداد زیادہ ہے اور سب کے سب پیاسے ہیں۔ یہ معروضات سُن کر رسول اللہ ﷺ نے بارگاہِ الٰہی میں یہ مسئلہ حل کرنے کی التجا کی اور ترکش سے ایک تیر نکال کر ایک صحابی کو دیا کہ وہ اس کنویں میں پانی میں گاڑ آئے۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے جونہی آپ ﷺ کے تیر کو چشمے میں گاڑا، اسی وقت پانی اُمڈ آیا اور کنواں پانی سے لبریز ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود بھی جی بھر کے پانی پیا اور اپنے جانوروں کو بھی خوب پلایا۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: انزلوا ''پڑاؤ ڈال دو۔'' انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس وادی میں تو لوگوں کے لیے پانی بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور صحابہ میں سے ایک آدمی کو دیا۔ وہ ایک کنویں میں اترا اور کنویں کے بیچ میں تیر گاڑ دیا۔ پانی جوش مار کر اُچھل پڑا، پھر لوگ خود بھی سیر ہوئے اور انھوں نے اپنے اونٹوں کو بھی سیراب کیا۔[1]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں روایت ہے، انھوں نے فرمایا: تم لوگ فتح سے فتح مکہ مراد لیتے ہو، ٹھیک ہے فتح مکہ یقیناً عظیم الشان فتح تھی، لیکن ہم لوگ حدیبیہ کے روز بیعت رضوان کو فتح شمار کرتے ہیں۔ اس دن ہم نبی ﷺ کے ساتھ چودہ سو افراد تھے۔ وہاں حدیبیہ نامی ایک کنواں تھا۔ ہم نے اس سے اس قدر پانی نکالا کہ اس میں ایک قطرہ بھی باقی نہ چھوڑا۔ جب نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ کنویں پر تشریف لائے اور اس کے کنارے پر بیٹھ کر ایک برتن میں پانی طلب فرمایا۔ اس سے آپ نے وضو کیا، پھر کلی کی اور دعا کی، پھر بقیہ پانی کنویں میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر کے لیے ہم نے اس کنویں کو اسی حالت میں رہنے دیا۔ بعدازاں پانی کی ایسی فراوانی ہوئی کہ ہم بھی جی بھر کے سیراب ہوئے اور ہمارے اونٹوں کو بھی خوب سیرابی نصیب ہوئی۔[2]

صحیح بخاری میں سیدنا مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کی طرف سے رخ پھیرا اور حدیبیہ کے انتہائی آخری حصے میں ایک ندی پر پڑاؤ کیا۔ اس میں پانی بہت کم تھا۔ لوگ اس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی لینے لگے اور چند ہی لمحوں میں سارا پانی ختم کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی گئی تو آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور ارشاد فرمایا کہ اسے اس پانی میں گاڑ آؤ۔ اللہ کی قسم! تیر گڑتے ہی پانی جوش مار کر اُچھلنے لگا۔ پھر سب لوگوں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ اور واپسی تک ہماری سیرابی

1 مسند أحمد: 323/4. 2 صحيح البخاري: 4150

کا یہی حال رہا۔[1]

درج بالا روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے تیر گاڑنے کا حکم دیا جبکہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے کنویں میں کلی کی اور دعا کی۔ حافظ محمد حکمی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان دونوں روایات میں کوئی اختلاف نہیں۔ عین ممکن ہے کہ یہ دونوں عمل ہوئے ہوں جیسا کہ حافظ ابن حجر اور امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اسے جمع کیا ہے۔ بعض روایات میں یہ دونوں باتیں اکٹھی بیان ہوئی ہیں جیسا کہ امام طبرانی نے معجم الکبیر میں جندب بن ناجیہ یا ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ جب ہم ہموار زمین پر پہنچے تو پھر ہم حدیبیہ کے کنویں پر جا نکلے۔ اس میں پانی نہ ہونے کے برابر تھا آپ ﷺ نے اس میں اپنے ترکش کے ایک یا دو تیر گاڑے، پھر اس میں لعاب دہن ڈالا اور دعا کی، پھر تو اس سے پانی ابل پڑا۔ اور کنواں اس حد تک لبریز ہو گیا کہ ہم (آپس میں) کہنے لگے کہ اگر ہم چاہیں تو اپنے ہاتھوں ہی سے پانی بھر لیں (ڈول ڈالنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی)۔[2]

اسی طرح عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ قریش مکہ سے نکلے، وہ بلدح کے مقام پر پانی کے پاس پڑاؤ ڈالنے میں سبقت لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب انھیں دیکھا تو آپ نے حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔ شدید گرمی تھی اور وہاں صرف ایک کنواں تھا۔ آپ ﷺ نے جب بڑی تعداد میں پیاسی جماعت کو دیکھا تو آپ کو بڑا ترس آیا۔ آپ نے جانچ پڑتال کے لیے کنویں میں ایک آدمی اتارا۔ پھر آپ ﷺ نے پانی کا ایک ڈول منگوایا، اس میں وضو کیا، کلی کی اور اسے کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا، پھر آپ نے ترکش سے ایک تیر نکالا اور اسے کنویں میں گاڑنے کا حکم دیا، پھر اللہ سے دعا کی۔ آپ کی دعا کے بعد کنویں میں پانی ابل پڑا یہاں تک کہ صحابہ نے منڈیر پر بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے پانی لیا۔[3]

رسول اللہ ﷺ کا تیر لے کر کنویں میں کون اترا؟

رسول اللہ ﷺ کا تیر لے کر کنویں میں اترنے والے صحابی کے بارے میں اہل سیر و مغازی کے مابین اختلاف ہے۔ ابن اسحاق، ابن عبدالبر اور دیگر کا موقف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا تیر لے کر اترنے والے صحابی ناجیہ بن جندب بن عمیر الاسلمی رضی اللہ عنہ تھے۔

مجمع الزوائد میں امام طبرانی کے حوالے سے ابن اسحاق سے روایت ہے کہ مجھ سے بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ قبیلہ اسلم کے لوگ کہتے ہیں: جو صحابی رسول اللہ ﷺ کا تیر لے کر کنویں میں اترے، وہ ناجیہ بن جندب بن

1 صحيح البخاري :2731، 2732. 2 المعجم الكبير للطبراني :2/179، 180. 3 دلائل النبوة للبيهقي :4/112.

عمیر بن معمر بن حازم بن عمرو بن واثلہ بن سہم بن مازن بن سلامان بن اسلم بن افصیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ وہی صحابی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قربانیوں کے جانور اپنی نگرانی میں لے کر گئے تھے۔[1]

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بنو اسلم نے ایسے اشعار سنائے ہیں جو ناجیہ نے کہے تھے۔ ہمارا خیال ہے کہ وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیر لے کر کنویں میں اترے تھے۔ بنو اسلم کا کہنا ہے کہ انصار کی ایک لڑکی اپنا ڈول لیے ہوئے اس کنویں پر آئی۔ ناجیہ اس وقت لوگوں کو پانی بھر بھر کر دے رہے تھے۔ اس لڑکی نے اس وقت یہ اشعار پڑھے:

يَا أَيُّهَا الْمَائِحُ دَلْوِي دُونَكَا إِنِّي رَأَيْتُ النَّاسَ يَحْمَدُونَكَ
يُثْنُونَ خَيْرًا وَيُمَجِّدُونَكَا

ابن ہشام کا کہنا ہے کہ یہ الفاظ بھی روایت کیے گئے ہیں:

إِنِّي رَأَيْتُ النَّاسَ يَمْدَحُونَكَا

''اے پانی دینے والے! میرا ڈول بھی لے لو، میں نے دیکھا ہے کہ لوگ تمھاری بڑی تعریف و توصیف کر رہے ہیں۔''

اس کے جواب میں ناجیہ نے لوگوں کو پانی دیتے ہوئے کنویں کے اندر ہی سے یہ شعر پڑھے:

قَدْ عَلِمَتْ جَارِيَةٌ يَمَانِيَهْ أَنِّي أَنَا الْمَائِحُ وَاسْمِي نَاجِيَهْ
وَطَعْنَةٍ ذَاتِ رَشَاشٍ وَاهِيَهْ طَعَنْتُهَا عِنْدَ صُدُورِ الْعَادِيَهْ

''یمانی لڑکی جانتی ہے کہ میں ہی پانی بھر کر دیتا ہوں اور میرا نام ناجیہ ہے۔ میں نے دشمن کے سینوں میں نیزے کے ایسے کاری وار کیے ہیں جن سے خون کے فوارے اُچھل پڑے۔''[2]

ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں روایات میں تذکرہ ملتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تیر لے کر کنویں میں اترے تھے جیسا کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیر لے کر کنویں میں اترا۔ سیدنا خالد بن عبادہ غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اس روز کنویں میں تیر لے کر اترا۔[3] سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی آیا ہے کہ وہ کنویں میں تیر لے کر اترے[4] لیکن واقدی نے زور دے کر ناجیہ بن اعجم رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا ہے کہ تیر لے کر وہی اترے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ

1 مجمع الزوائد:145/6. 2 السيرة لابن هشام:325/3. 3 المغازي للواقدي 82/2. 4 الإصابة:206/2

ناجیہ بن اعجم کی اولاد میں سے عبدالملک بن وہب اسلمی نے مذکورہ بالا ناجیہ بن جندب سے منسوب اشعار کہے تھے جنھیں ابن اسحاق نے درج کیا ہے۔ اسی طرح وہ ناجیہ بن اعجم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس وقت بلایا جب آپ سے پانی کی قلت کی شکایت کی گئی۔ آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر مجھے دیا اور کنویں سے پانی کا ایک ڈول لانے کا حکم دیا۔ میں ڈول لے کر آیا تو آپ نے وضو فرمایا اور منہ میں پانی بھر کر ڈول میں کلی کر دی، لوگ شدید گرمی میں مبتلا تھے اور کنواں صرف ایک ہی تھا۔ جبکہ مشرکین پہلے ہی سے بلدح کی طرف جا کر پانی پر قابض ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''پانی لے کر اتر جاؤ، اسے کنویں میں ڈال دو اور اس کے پانی کو تیر کے ذریعے سے حرکت دو۔''

میں نے ایسا ہی کیا، اللہ کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں ابھی کنویں سے باہر نکلنے بھی نہیں پایا تھا کہ پانی نے مجھے ڈھانپ لیا اور ہنڈیا کی طرح ایسا جوش مارا کہ اوپر زمین کی سطح کے برابر آ گیا۔ لوگ اس کے کناروں پر بیٹھ کر پانی لینے لگے یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے۔[1]

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے صحابہ نے اپنے اپنے حوالے سے دعویٰ کیا ہے کہ وہ آپ ﷺ سے تیر لے کر کنویں میں اترے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان تمام روایات کو جمع کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عین ممکن ہے ان تمام صحابہ نے اس وقت کنویں میں اترنے اور تیر گاڑنے میں باہم ایک دوسرے کی مدد کی ہو۔[2] واللہ اعلم

اس حوالے سے امام احمد نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کنویں میں چھ حضرات اترے تھے۔ ان میں چھٹا میں تھا۔[3]

معجزے پر منافقین کے تبصرے

اس موقع پر منافقین نے اپنی کھلی ہوئی آنکھوں سے رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ دیکھا۔ اوس رضی اللہ عنہ، جد بن قیس اور عبداللہ بن ابی کنویں کی منڈیر پر بیٹھ کر کنویں کا پانی دیکھ رہے تھے۔ اس موقع پر اوس بن خولی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی سے کہا: اے ابوالحباب! تیرا ستیاناس ہو۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تو اپنے رویوں پر غور کرے؟ کیا اس کھلے معجزے کے بعد بھی کسی چیز کی ضرورت باقی ہے؟ جب ہم اس کنویں پر آئے، اس میں تھوڑا سا پانی تھا، پیالے میں

1 المغازي للواقدي: 81/2. 2 فتح الباري: 413/5. 3 مسند أحمد: 292/4.

پانی کا بمشکل ایک گھونٹ آتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ڈول میں وضو کیا اور اپنے منہ سے ڈول میں کلی کر دی، پھر ڈول کنویں میں انڈیل دیا اور تیر لے کر اس میں اترے۔ پھر کنویں میں تیر کو حرکت دی تو پانی نے زبردست جوش مارا۔ ابن ابی کہنے لگا: میں نے اس قسم کے معجزے دیکھ رکھے ہیں۔ اوس رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تیرا اور تیری سوچ کا ستیاناس کرے۔

ابن سلول کی پریشانی

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ عبداللہ بن ابی نے آپ ﷺ کے اس معجزے کو تسلیم نہیں کیا کہ بھرائے تمام پانی والا کنواں کس طرح پانی کی موجوں سے لبریز ہو گیا۔ آپ ﷺ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عبداللہ بن ابی نے تھوڑی دیر پہلے سیدنا اوس بن خولی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں استہزا کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابن سلول کو بلایا اور فرمایا:

«أي أبا الحباب! أين رأيت مثل ما رأيت اليوم؟»

''اے ابوالحباب! جیسا معجزہ تو نے آج دیکھا ہے، اس جیسا معجزہ اور کہاں دیکھا ہے؟''

اس نے جواب دیا: میں نے اس جیسا معجزہ کبھی نہیں دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فلم قلت ما قلت» ''پھر تو نے جو کچھ کہا، وہ کیوں کہا؟'' ابن ابی کہنے لگا: میں اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں معافی چاہتا ہوں۔ اس کے بعد ابن سلول کے بیٹے سیدنا عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی: اے اللہ کے رسول! اس کے لیے استغفار کیجیے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے لیے استغفار کیا۔[1]

منافق جد بن قیس کی سرداری کا العدم

جد بن قیس اپنی قوم انصار کا سردار تھا۔ وہ اسلام اور مسلمانوں سے بغض و عناد اور منافقت میں ابن ابی سے کم نہ تھا۔ ہر چند بظاہر وہ عمرے ہی کے لیے نکلا تھا لیکن درحقیقت وہ محض اس لیے آیا تھا کہ لوگوں کو ورغلائے، انھیں آپ ﷺ کی مدد کرنے سے روکے اور مسلمانوں کی صفوں میں فتنہ برپا کرے۔ واقدی نے سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ جب ہم نے حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالا تو پانی بہت ہی کم تھا، اس وقت میں نے جد بن قیس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ان لوگوں کے ساتھ ہمارا نکلنا بے فائدہ ہے بلکہ ہم تو پیاسے ہی مر جائیں گے۔ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جد بن قیس سے کہا: ابوعبداللہ! اگر تو ایسی ہی بات کرنا چاہتا تھا تو پھر تو کیوں نکلا؟ اس نے

1 المغازي للواقدي 2/81، 82.

جواب دیا: میں اپنی قوم کے ساتھ نکلا تھا۔ میں نے کہا: کیا تو عمرے کے لیے نہیں نکلا؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے احرام باندھ نہ میں عمرے کے لیے نکلا ہوں۔ ابوقتادہ نے پوچھا: کیا تو نے عمرے کی نیت نہیں کی؟ اس نے جواب دیا: نہیں۔

پھر جب رسول اللہ ﷺ نے ڈول سے وضو کیا اور اس میں کلی کی، پھر اسے کنویں میں انڈیل دیا تو کنواں یکایک پانی سے لبالب بھر گیا۔ ابوقتادہ کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ جد بن قیس کنویں کی منڈیر پر بیٹھا ہے اور اس نے اپنی ٹانگیں پانی میں لٹکا رکھی ہیں۔ میں نے کہا: اے ابوعبداللہ! تمھاری پیاس سے مرجانے والی بات کا کیا بنا؟ اس نے جواب دیا: میں تو مذاق کر رہا تھا۔ میں جس بات کا تذکرہ کر رہا تھا، وہ محمد ﷺ کو ہرگز نہ بتانا۔ میں نے کہا: میں نے تو رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہی تیری بے ہودہ باتیں بتا دی ہیں۔ یہ سُن کر جد بن قیس غصے میں آگیا اور کہنے لگا: ہمیں اپنی قوم کے بچوں سے واسطہ پڑ گیا ہے جو ہماری منزلت جانتے ہیں نہ ہماری عمر کا لحاظ کرتے ہیں۔ آج زمین کا اندرونی حصہ اس کے بیرونی حصے سے بہتر ہے۔

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے جد بن قیس کی یہ بات بھی رسول اللہ ﷺ کو بتا دی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«ابْنُهُ خَيْرٌ مِنْهُ»

''اس کا بیٹا اس سے بہتر ہے۔''

علاقہ بنوسلمہ کا ایک منظر



ابوقتادہ کہتے ہیں کہ پھر میری قوم کے چند لوگ مجھ سے ملے۔ وہ مجھے اس بات پر ملامت کرنے لگے کہ تم نے جد بن قیس کی باتیں رسول اللہ ﷺ کو کیوں بتائی ہیں۔ میں نے کہا: تم بدترین لوگ ہو۔ تم جد بن قیس کو ملامت کرنے کے بجائے اس کا دفاع کرتے ہو۔ وہ کہنے لگے: اس لیے کہ وہ ہمارا سردار ہے۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے اُسے بنوسلمہ کی سرداری سے برطرف کر دیا ہے اور اس کی جگہ بشر بن براء بن معرور کو ہمارا سردار بنا دیا ہے۔ وہی قیامت تک ہمارے سردار ہیں۔[1]

1 المغازی للواقدی: 83،82/2

سیدنا بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ بنوسلمہ کے فرد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بنوسلمہ سے پوچھا:

[illegible]

''اے بنوسلمہ! تمھارا سردار کون ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: ہمارا سردار جد بن قیس ہے مگر ہم نے اسے بخیل پایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[illegible]

''کیا بخل سے بڑھ کر مہلک بیماری بھی کوئی ہے؟ تمھارا سردار بشر بن براء بن معرور ہے۔''[1]

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشر رضی اللہ عنہ کے علاوہ بنوسلمہ کے سردار عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہی الفاظ فرمائے تھے۔ اس کی مکمل تفصیل سیرت انسائیکلو پیڈیا: 177/6 میں گزر چکی ہے۔

خیبر کے بعد ایک یہودی عورت نے زہر آلود بھنی ہوئی بکری سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی تھی۔ اسی بکری کا گوشت کھانے سے بشر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہ غزوہ حدیبیہ کے موقع پر بنوسلمہ کے لوگوں کو بتا رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جد بن قیس کے بجائے بشر رضی اللہ عنہ کو ہمارا سردار مقرر فرمایا ہے، وہی قیامت تک ہمارے سردار ہیں، چونکہ سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ عین ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا ہو اور وہ شہید ہو گئے ہوں۔ یوں جد بن قیس پھر سردار بن گیا ہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ کو بنوسلمہ کا سردار بنا دیا ہو۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عمرو اور بسر کے ہدیے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیبیہ پہنچنے کے بعد حدیبیہ کے قریب رہنے والے بنوخزاعہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی دوستی اور محبت کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ بنوخزاعہ سے بسر بن سفیان رضی اللہ عنہ نے، جو قافلے کے ہمراہ تھے، یہاں اپنے علاقے میں پہنچ کر مسلمانوں کو اونٹ اور بکریاں بطور ہدیہ پیش کیں۔ عمرو بن سالم نے بھی یہ جانور تحفے کے طور پر پیش کیے۔ وہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔ انھوں نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو اونٹ ہدیہ کیے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ وہ اونٹ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے جو عمرو بن سالم نے ہدیہ کیے تھے۔ سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے کہ یہ اونٹ عمرو نے مجھے ہدیہ کیے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1 المستدرك للحاكم: 219/3، المعجم الكبير للطبراني: 35/2. 2 دیکھیے: عمدة القاري: 159/13، 160.

«إن عمرًا قد أهدى لنا ما ترى، فبارك الله في عمرو»

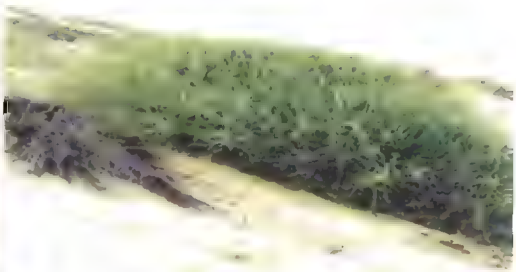
''جو کچھ تم دیکھ رہے ہو، یہ بھی عمرو نے ہمیں ہدیہ دیا ہے، اللہ تعالیٰ عمرو کو برکت عطا فرمائے۔''

پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اونٹوں کو نحر کر کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیا جائے، اسی طرح آپ نے بکریاں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیں۔[1]

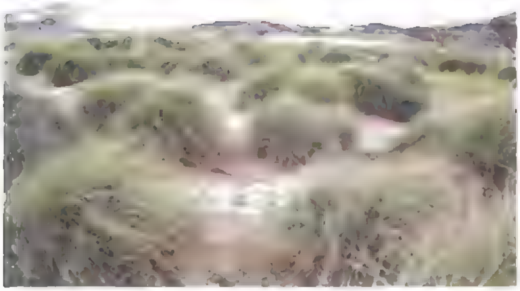
سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے۔ جس طرح دوسرے لوگوں میں اونٹ کا گوشت تقسیم ہوا، اسی طرح ہمارے پاس بھی گوشت کا حصہ آیا۔ ہمیں بکریوں میں سے بھی حصہ ملا۔ یہ ہدیہ لانے والا ایک لڑکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ اس لڑکے نے بوسیدہ چادر اوڑھ رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا:

«يا غلام! أين تركت أهلك؟»

''اے نوجوان! تیرے گھر والے کہاں ہیں؟''



ثمام گھاس



اذخر گھاس

وہ کہنے لگا: میں نے انہیں ضجنان کے گرد و نواح میں چھوڑا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «كيف تركت البلاد» ''تو نے اس علاقے کو کس حالت میں چھوڑا ہے؟'' وہ کہنے لگا: اس حالت میں چھوڑا ہے کہ اس کے خاردار درختوں کے پتے نکلے ہوئے ہیں۔ اذخر گھاس خوب اُگی ہوئی ہے، ثمام گھاس بھی اُگ چکی ہے۔ ترش پودے بھی اُگے ہوئے ہیں۔ زمین تر ہو چکی ہے۔ اونٹ اور بکریاں رات کو واپس آتی ہیں تو سیر ہو کر آتی ہیں۔ زمین میں پانی بہت ہے، جہاں مویشی چرنے جاتے ہیں، وہاں زمین کی قدرتی رطوبت کی وجہ سے مویشیوں کو پانی کی بہت کم ضرورت پڑتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو اس نوجوان کی خوش بیانی سے خوشگوار حیرت ہوئی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ

1 المغازي للواقدي: 84،83/2، سبل الهدى والرشاد: 42/5.

اس نوجوان کو بہترین پوشاک دی جائے۔ چنانچہ اسے بہترین پوشاک پہنا دی گئی۔ نوجوان نے آپ ﷺ سے عرض کیا: میں آپ کے ہاتھ کو چھو کر برکت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریب ہو جاؤ! وہ قریب ہو گیا۔ اس نے آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑ کر چوما۔ آپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: «بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ!» ''اللہ تجھے برکت دے۔'' چنانچہ وہ نوجوان لمبی عمر کو پہنچا اور اپنی قوم میں نہایت برگزیدہ ہوا یہاں تک کہ وہ ولید بن عبدالملک کے دورِ خلافت میں فوت ہوا۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے قریش کو اپنی تشریف آوری کی اطلاع بھیجی

حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے رواج کے مطابق قریش مکہ کو اطلاع دی کہ ہم بیت اللہ کا طواف کرنے آئے ہیں، جنگ کے لیے ہرگز نہیں آئے، نہ عمرے کے علاوہ ہمارا کوئی اور مقصد ہے۔ عمرہ ادا کرنے کے بعد ہم مدینہ واپس چلے جائیں گے۔ آپ ﷺ نے قریش کو یہ پیغام پہنچانے کے لیے سیدنا خراش بن امیہ الکعبی رضی اللہ عنہ کو اپنا خصوصی نمائندہ بنا کر روانہ فرمایا۔ سیدنا خراش رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ قریش کو جنگ ترک کرنے پر رضامند کرنے کی کوشش کرو تاکہ وہ ایسی تباہ کن جنگ کا باعث نہ بنیں جس کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ وہ ہمارا اور بیت اللہ کا راستہ چھوڑ دیں اور ہمیں مناسک ادا کرنے دیں۔ خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ بنو خزاعہ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بلدح کی جانب روانہ ہوئے جہاں کفارِ قریش نے اپنے بال بچوں سمیت ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ خراش رضی اللہ عنہ ابھی قریش کے پڑاؤ تک پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ درمیان میں قریش کے چند جذباتی نوجوانوں نے خراش کو روک کر ان پر حملہ کر دیا اور جس اونٹ پر وہ سوار تھے، اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ پھر انھوں نے خراش رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو قریش کے چند عقلمند لوگوں نے انھیں قتل ہونے سے بچایا۔ خراش رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ارادہ کرنے والوں میں عکرمہ بن ابوجہل پیش پیش تھا۔[2]

واقدی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کی طرف سب سے پہلے ثعلب نامی اپنے اونٹ پر خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا تاکہ وہ قریش کے اشراف تک یہ بات پہنچا دیں کہ آپ کس غرض کے لیے آئے ہیں اور ان پر واضح کر دیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم محض عمرے کے لیے آئے ہیں، ہمارے پاس قربانی کے جانور بھی ہیں، ہم بیت اللہ کے طواف کے بعد حلال ہو جائیں گے اور واپس چلے جائیں گے۔ خراش رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو عکرمہ بن ابوجہل نے آپ ﷺ کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور ایلچی کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس کی قوم

1 المغازي للواقدي: 2/84. 2 موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 1/818، 819

کے کچھ لوگوں نے اسے منع کیا۔اس ایلچی نے واپس آکر رسول اللہ ﷺ کو سارا ماجرا سنا دیا اور گزارش کی کہ ان لوگوں کے پاس مجھ سے زیادہ دبنگ آدمی بھیجیے۔[1]

رسول اللہ ﷺ اور قریش کے مابین سفارتی سرگرمیاں

قبیلہ خزاعہ کو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اطلاع ملی کہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ انھیں یہ بھی اطلاع مل گئی کہ قریش کے کیا ارادے ہیں۔ وہ جان گئے کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ میں آنے سے روکنے کا عزم مصمم کر لیا ہے۔ ہر چند خزاعہ کے لوگ مسلمان نہیں تھے لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ تھے۔ ان کا مسلمانوں کے ساتھ عدم جارحیت کا معاہدہ بھی تھا۔ خزاعہ کے سردار کو جب اس صورت حال کا پتہ چلا تو وہ اپنی مساعی حمیدہ کو بروئے کار لانے کے لیے آیا تاکہ فریقین کے مابین صلح کا نمائندہ بن جائے۔ خزاعہ کا سردار بدیل بن ورقاء مسلمانوں اور قریش کے معاملے میں غیر جانبدار رہنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ مسلمان جس حالت میں آئے ہیں، اس حالت میں قریش ان سے تعرض نہ کریں۔ انھیں بیت اللہ کا عمرہ کرنے دیں۔ قریش کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے بال بچوں سمیت لڑائی کے لیے مکہ سے باہر آگئے تھے اور اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے دو دو ہاتھ کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے، اسی مقصد کے لیے انھوں نے خالد بن ولید کو کچھ سواروں کے ساتھ آگے بھیج دیا تھا۔

بدیل بن ورقاء خزاعی قوم کے چند آدمی لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ اور تہامہ کے با اعتماد لوگوں میں سے تھے۔ اس نے کہا: میں نے کعب بن لؤی اور عامر بن لؤی کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ حدیبیہ کے عمیق چشموں پر فروکش ہیں اور ان کے ساتھ دودھ دینے والی اونٹنیاں ہیں۔ وہ

1 المغازي للواقدي 89/2



تہامہ کی ایک وادی

لوگ آپ سے جنگ کرنا اور آپ کو بیت اللہ آنے سے روکنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّا لَمْ نَجِئْ لِقِتَالِ أَحَدٍ، وَلٰكِنَّا جِئْنَا مُعْتَمِرِينَ، وَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ نَهِكَتْهُمُ الْحَرْبُ وَأَضَرَّتْ بِهِمْ، فَإِنْ شَاءُوا مَادَدْتُهُمْ مُدَّةً وَيُخَلُّوا بَيْنِي وَبَيْنَ النَّاسِ، فَإِنْ أَظْهَرْ فَإِنْ شَاءُوا أَنْ يَدْخُلُوا فِيمَا دَخَلَ فِيهِ النَّاسُ فَعَلُوا، وَإِلَّا فَقَدْ جَمُّوا، وَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأُقَاتِلَنَّهُمْ عَلٰى أَمْرِي هٰذَا حَتّٰى تَنْفَرِدَ سَالِفَتِي، وَلَيُنْفِذَنَّ اللّٰهُ أَمْرَهُ»

”ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے۔ صرف عمرہ کرنے آئے ہیں، بے شک قریش کو لڑائی نے کمزور کر دیا ہے اور انھیں بہت نقصان پہنچایا ہے، لہٰذا اگر وہ چاہیں تو میں ان سے ایک مدت طے کر لیتا ہوں، وہ اس مدت میں میرے اور دوسرے لوگوں کے مابین حائل نہ ہوں، (اگر اس دوران میں کوئی مجھ پر غالب آ جائے تو یہ ان کی مراد ہے اور) اگر میں غلبہ پالوں، پھر وہ چاہیں تو اس دین میں داخل ہو جائیں جس میں اور لوگ داخل ہو گئے ہیں ورنہ وہ مزید چند روز آرام کر لیں گے۔ اگر وہ یہ بات نہ مانیں تو اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تو اس دین کے لیے ان سے لڑتا رہوں گا یہاں تک کہ میری گردن کٹ جائے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے اس دین کو ضرور نافذ کر کے رہے گا۔“[1]

مشرکین مکہ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی صلح اور عدم جنگ کی اعلیٰ ترین سیاسی پیشکش کئی اہم مقاصد پر منتج ہوئی، مثلاً:

1 قریش سے صلح کا مطلب انھیں جزیرۃ العرب میں واقع ہونے والے کسی بھی معرکے سے الگ تھلگ کر دینا تھا، خواہ وہ قریش کے علاوہ دیگر عربی قبائل کے ساتھ ہو یا دغا باز اور گھٹیا دشمن یہود کے ساتھ ہو۔ یہود تو مسلمانوں کے لیے ہر وقت کسی مشکل گھڑی کے منتظر رہتے تھے۔

2 رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ ہمارے اور قریش کے مابین بات چیت کا دروازہ کھلا ہی رہے تاکہ سفارت اور خط کتابت کے ذریعے سے ایک دوسرے کی بات سنتے سناتے رہیں۔ دلوں کو قریب کرنا اور فضا پر امن رکھنا بھی مطلوب و مقصود تھا۔ آپ ﷺ جنگ کی فضا کو ہموار سطح پر لانا اور جنگ کی طرف ان کی پیش قدمی کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔

3 رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ خزاعہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ ان کا حلیف طاقتور ہے، لہٰذا اسلام سے قبل

1 صحیح البخاري: 2732،2731.

بنو ہاشم کے ساتھ طے پانے والے معاہدے پر انھیں اعتماد کرنا چاہیے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر وہ معاہدہ بحال رہا اور ختم ہونے کے بجائے مزید پختہ ہوا۔

4 اہل عقل و دانش اور صاحب ضمیر لوگ جب رسول اللہ ﷺ کی باتیں سنیں گے کہ وہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں اور مشرک اس قدر سفاک ہیں کہ انھیں بیت اللہ کی زیارت جیسی مقدس عبادت بھی نہیں کرنے دے رہے اور انھیں واپس چلے جانے پر مجبور کر رہے ہیں، اس کے باوجود وہ بیت اللہ کی زیارت پر مصر ہیں تو یہ اہل دانش آپ ﷺ کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے اور آپ ﷺ کے لیے نرم گوشہ رکھیں گے جس کے نتیجے میں آپ کا موقف طاقتور اور قریش کا موقف کمزور ہوتا چلا جائے گا۔

5 مشرکین مکہ بدیل کی بات چیت سے مطمئن نہ ہوئے۔ انھیں آپ ﷺ کے حق میں خزاعہ کے ہمدردانہ جذبات کا علم تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ خزاعہ کی حمایت مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

6 رسول اللہ ﷺ نے بدیل بن ورقاء کو جو جواب دیا، اس کا یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اطاعت گزاری یا اس تک پہنچنے کے لیے نرم پہلو اختیار کرنا چاہیے، خواہ ایسا کرنا ضروری نہ ہو۔ آپ ﷺ نے انھیں بڑے کریمانہ اسلوب سے جواب دیا اور اپنی طبعی خوش خلقی کی بنا پر اس ناراضی کا اظہار نہ ہونے دیا جو دل میں موجود تھی کیونکہ جس نیکی کی بجا آوری کے لیے آپ ﷺ گھر سے نکلے تھے، اس طرح اس تک پہنچنے کی امید کی جا سکتی تھی۔[1]

بدیل کی مشرکین مکہ سے گفتگو

واقدی بیان کرتے ہیں کہ بدیل نے رسول اللہ ﷺ کی بات نہایت غور سے سنی اور پھر اپنے سواروں سمیت قریش کی جانب روانہ ہو گیا۔ ان سواروں میں عمرو بن سالم بھی تھا۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! جو شخص اس قسم کی پیشکش کرتا ہے، تم اس کے مقابلے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

جب وہ قریش کے قریب پہنچے تو بدیل کے پہنچنے سے پہلے ہی لوگوں نے کہنا شروع کر دیا: یہ بدیل اور اس کے ساتھی ہیں۔ یہ تمھارے حالات دریافت کرنے آئے ہیں، اس لیے ان سے ایک حرف بھی نہ پوچھو۔ جب بدیل اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ قریش ان سے کوئی بات ہی نہیں پوچھ رہے تو بدیل نے کہا: ہم محمد ﷺ کے پاس سے آئے ہیں۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ ہم تمھیں کوئی بات بتائیں؟ عکرمہ بن ابوجہل اور حکم بن عاص کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہمیں چنداں ضرورت نہیں کہ تم ہمیں ان کی کوئی بات بتاؤ لیکن ان (محمد ﷺ) کو ہماری طرف سے خبردار کر دو

1 صلح الحديبية لأبي فارس، ص:68,67

کہ ہم سب فنا ہو جائیں گے مگر انھیں اس سال یہاں نہیں آنے دیں گے۔

عروہ بن مسعود جو بنوثقیف کا سردار اور قریش کا حلیف تھا اور جنگ کی امکانی صورت میں اہل مکہ کی مدد کرنے آیا تھا، اس نے اس موقعے پر قریش کے نوجوانوں کی بات کا برا منایا اور کہا: اللہ کی قسم! میں نے تو آج جیسی حیران کن بات کبھی نہیں دیکھی۔ تم بدیل اور اس کے ساتھیوں سے بات کیوں نہیں سنتے؟ اگر تمھیں کوئی بات اچھی لگے تو اسے قبول کرلو، اگر بری لگے تو اسے چھوڑ دو۔ تم جیسا سلوک کرنے والی قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ مکہ کے دانشور اور اشراف جن میں حارث بن ہشام اور صفوان بن امیہ بھی تھے، عروہ بن مسعود کا مشورہ قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ انھوں نے نوجوانوں کو خاموش کرایا اور بدیل بن ورقاء اور اس کے وفد کے آدمیوں سے کہا: تم نے جو کچھ دیکھا یا سنا ہے، ہمیں بتاؤ۔[1]

بدیل نے کہا: تم لوگ جلد باز ہو۔ محمد ﷺ لڑائی کے لیے نہیں آئے۔ وہ محض عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں اور تم لوگوں سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔[2] بدیل نے انھیں وہ تمام باتیں بتا دیں جو رسول اللہ ﷺ نے اس سے ارشاد فرمائی تھیں۔ اس میں یہ پیشکش بھی تھی کہ فریقین میں معینہ مدت تک صلح ہو جائے اور اس مدت کا آغاز مسلمانوں کو مناسک عمرہ کی ادائیگی کی اجازت دینے سے ہوگا۔ اس دوران اگر رسول اللہ ﷺ دیگر بت پرست عناصر سے جنگ کریں تو قریش غیر جانب دار رہیں۔ اگر محمد ﷺ عربوں پر غالب آگئے تو قریش بھی عربوں کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ اگر غالب نہ آئے تو قریش مسلمانوں سے جنگ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

مکرز بن حفص بارگاہ رسالت میں

اس کے بعد مکرز بن حفص نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں ان (محمد ﷺ) کے پاس جاتا ہوں۔ چنانچہ قریش نے مکرز بن حفص بن اخیف کو بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے آتے دیکھ کر فرمایا:

هذا رجل غادر

''یہ ایک دھوکے باز شخص ہے۔''

یہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور باتیں کرنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی وہی جواب دیا جو بدیل اور اس کے ساتھیوں کو دیا۔ پھر وہ واپس چلا گیا اور قریش کو ساری بات بتلائی۔[3]

1 المغازي للواقدي: 85,84/2. 2 مسند أحمد: 323/4. 3 السيرة لابن هشام: 326/3

عروہ بن مسعود نبی ﷺ کی خدمت میں

اس دوران عروہ بن مسعود ثقفی کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا: ''اے میری قوم! کیا تم میری اولاد کے درجے میں نہیں ہو؟ کیا میں تمھارے نزدیک باپ کی حیثیت نہیں رکھتا؟'' انھوں نے کہا: ''کیوں نہیں۔'' عروہ کہنے لگا: ''کیا تم مجھ پر کوئی الزام لگاتے ہو؟'' قریش کہنے لگے: ''نہیں۔'' عروہ نے کہا: ''کیا تم جانتے نہیں کہ میں نے اہل عکاظ کو تمھاری مدد کے لیے بلایا۔ انھوں نے جب میری بات نہیں مانی تو میں اپنے بیوی بچوں اور پیروکاروں کو ساتھ لے کر تمھارے پاس آ گیا۔'' قریش نے کہا: ''کیوں نہیں۔'' اس نے کہا: ''اس شخص (بدیل) نے تمھارے سامنے اچھی تجویز رکھی ہے، اسے قبول کرلو اور مجھے ان کے پاس جانے دو۔'' قریش نے کہا: ''ٹھیک ہے آپ جائیں۔'' چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گیا۔ آپ ﷺ نے اس سے بھی وہی گفتگو فرمائی جو بدیل سے کی تھی۔

عروہ نے کہا: ''اے محمد (ﷺ!) یہ بتائیے کہ اگر آپ نے اپنی قوم کا صفایا بھی کر دیا تو کیا آپ نے اب سے پہلے کسی عرب کے متعلق سنا ہے کہ اس نے اپنی قوم کا صفایا کر دیا ہو۔ اور اگر دوسری صورت پیش آئی تو اللہ کی قسم! میں قابلِ اعتماد چہرے نہیں دیکھ رہا۔ میں تو ایسے اوباش لوگ دیکھ رہا ہوں جو آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔''



سوق عکاظ کی چٹان پر امرؤالقیس کا شعر

اس کی یہ لغو بات سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شدید غصہ آیا۔ اُن سے رہا نہ گیا۔ ان کی ایمانی غیرت نے جوش مارا۔ انھوں نے بڑی بلند آہنگی سے عروہ سے کہا: ''جا! لات کی شرمگاہ چوس! کیا ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟''

عروہ نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''یہ ابوبکر ہیں۔'' اس نے انھیں مخاطب کر کے کہا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تمھارا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا تو یقیناً میں تمھاری اس بات کا جواب دیتا۔''[1]

1 صحيح البخاري 2732،2731

عروہ نے مسلمانوں پر نفسیاتی حربے آزمانے کی کوشش کی تاکہ انھیں نفسیاتی طور پر شکست دے دے، اسی لیے وہ خوب بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا رہا۔ اس نے قریش کی جنگی قوت، ان کا موقف اور جنگی تیاری کا حال نہایت مبالغہ آرائی سے بیان کیا اور قریش کو فائدہ پہنچانا چاہا۔

اس تدبیر سے اس نے نفسیاتی طور پر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلانے اور سالارِ اعلیٰ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کے علاوہ مسلمانوں کے لیے مشکلات پیدا کرنا چاہیں تاکہ ان کے ارادے کو پسپا کر دیا جائے اور خیالات پر برا اثر ڈالا جائے۔ مذاکرات کے دوران مسلمانوں کے خلاف نفسیاتی جنگ کے جو مختلف انداز اختیار کیے گئے، یہ ان میں موثر ترین حربہ تھا۔[1] مگر یہ تمام حربے مسلمانوں کے گہرے ایمان، استقامت اور مضبوط صف بندی کے آگے بے کار ثابت ہوئے۔

عروہ بن مسعود سے مذاکرات کے دوران مسلمانوں کے امتیازی اوصاف سامنے آئے، ان میں سے انتہائی تعجب خیز واقعہ وہ تھا جو اصحابِ رسول کی قوتِ ایمانی کی دلیل کے طور پر سامنے آیا۔ اور واضح ہوا کہ دینِ اسلام میں ایک عام عربی بدو کو فضیلت کا حامل اور اخلاقی معراج پر پہنچانے کی کتنی زبردست قدرت و طاقت موجود ہے۔

عروہ بن مسعود سے مذاکرات کے دوران آپ ﷺ کی حفاظت پر جو حضرات مامور تھے، ان میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ[2] بھی تھے جو عروہ بن مسعود ہی کے بھتیجے تھے۔

مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے مغیرہ بن شعبہ ایک ڈاکو اور شراب نوشی کے رسیا نوجوان تھے۔ اسلام سے وابستگی نے ان کی کایا پلٹ دی اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ ایک ممتاز مومن بن چکے تھے۔ جنگ کے بادلوں سے اٹی ہوئی فضا میں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری کا امتحان ان پر آ گیا۔ مذاکرات کے دوران جاہلیت کی عادت کے مطابق فریق مخالف اپنے ہم منصب کی داڑھی ہاتھ میں لے لیتا تھا۔ اسی عادت کے زیر اثر عروہ بن مسعود بھی گفتگو کے دوران رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک کو پکڑنے لگا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ چہرے پر خود چڑھائے رسول گرامی ﷺ کے پہلو میں کھڑے تھے۔ انھیں یہ حرکت دیکھ کر بڑا طیش آیا، انھوں نے اپنے چچا کو سختی سے ڈانٹ دیا اور اس کے ہاتھ پر تلوار کا دستہ مارتے ہوئے کہا:

''خبردار! رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک سے اپنا ہاتھ ہٹا لے ورنہ یہ ہاتھ واپس نہیں آئے گا۔''

1 سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حدیبیہ سے قبل اسلام لائے اور حدیبیہ میں شامل ہوئے۔ یوں بیعت رضوان میں بھی شرکت کی۔ جنگ یرموک میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی۔ جنگ قادسیہ میں رستم کی طرف سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ایلچی کی حیثیت سے جانے والے یہی تھے۔ (الإصابة: 452/3) 2 منهج الإعلام الإسلامي في صلح الحديبية لسليم حجازي، ص: 132,131.

نبی مکرم ﷺ مشرک چچا اور مومن بھتیجے کے معاملے پر تبسم فرما رہے تھے چونکہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اپنے جنگی لباس میں ملبوس تلوار سونتے، زرہ لگائے اور خود چڑھائے کھڑے تھے، اس لیے عروہ نے انھیں نہیں پہچانا۔ عروہ نے غصے سے کہا: ''کاش! مجھے پتا چل جائے کہ تم کون ہو؟'' اس نے پوچھا: ''اے محمد (ﷺ)! یہ کون ہے؟'' رسول گرامی ﷺ نے فرمایا:

هذا ابن أخيك المغيرة بن شعبة

''یہ تمھارا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے۔''

یہ ارشاد سنتے ہی عروہ نے حضرت مغیرہ سے کہا: ''او بدعہد! تو ....؟ تو نے ثقیف قبیلے سے ہمارے لیے دائمی لڑائی کھڑی کر دی ہے۔ اللہ کی قسم! ابھی کل ہی میں نے تیری خباثت دھوئی ہے۔''

واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ جاہلیت میں مغیرہ کچھ لوگوں کے ساتھ تھے، وہ انھیں قتل کر کے ان کا مال لے بھاگے اور مسلمان ہو گئے۔ اس پر نبی ﷺ نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ میں تمھارے اسلام کو تو قبول کر لیتا ہوں لیکن تمھارے مال کے معاملے سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

عروہ کی واپسی

عروہ مذاکرات میں ناکام رہا مگر واپسی پر اس نے قریش کو مسلح تصادم سے ڈرایا اور کہنے لگا:



جامع مغیرہ بن شعبہ (عمان، اردن)

''اے میری قوم! اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے دربار میں بھی وفد لے کر گیا ہوں اور قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی جا چکا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کو اس قدر صاحبِ عظمت نہیں پایا کہ اس کے ساتھی اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد (ﷺ) کے ساتھی ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! وہ تھوکتے بھی تھے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا تھا اور وہ شخص ان کے لعاب دہن کو اپنے جسم پر مل لیتا تھا۔ وہ اگر انھیں کوئی حکم دیتے تو ہر شخص

اسے بجا لانے میں ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کرتا۔ جب وہ وضو کرتے تو ہر شخص وضو کا پانی حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ جب گفتگو کرتے تو سب پر خاموشی چھا جاتی۔ ان کے دلوں میں آپ کی تعظیم کا یہ عالم تھا کہ آپ کو نظر بھر کر دیکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ انھوں نے تمھارے سامنے ایک بھلی صورت رکھی ہے، تم اسے قبول کرلو۔''[1]

واقدی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ عروہ نے کہا: ''میں نے ان کا صحیح صحیح اندازہ لگا لیا ہے۔ یقین جانو! اگر تم لڑنا چاہتے ہو تو وہ اس سے بھی پس و پیش نہیں کریں گے بلکہ لڑائی کا حق ادا کر دیں گے۔ میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ ان کے ساتھ چاہے کچھ بھی ہو جائے، انھیں پروا تک نہیں، لیکن وہ اپنے صاحب (محمد ﷺ) کی حفاظت کے لیے سربکف ہیں۔ اللہ کی قسم! میں نے ان کے ساتھ ایسی جماعتیں دیکھی ہیں جو کسی صورت محمد (ﷺ) کو نہیں چھوڑ سکتیں۔ کوئی مستحکم رائے قائم کرو اور کمزور آراء سے بچو۔ لوگو! ان کے ساتھ معاملہ طے کرلو۔ انھوں نے جو پیشکش کی ہے، قبول کرو۔ میں تمھارا خیر خواہ ہوں۔ یاد رکھو! مجھے ڈر ہے کہ اس کے خلاف تمھیں (غیبی) امداد بھی میسر نہ ہوگی کیونکہ وہ بیت اللہ کی تعظیم کی غرض سے آئے ہیں۔ ان کے ساتھ قربانیاں ہیں جنھیں وہ ذبح کریں گے اور واپس چلے جائیں گے۔'' یہ سن کر قریش نے کہا: ''اے ابو یعفور! ایسی باتیں مت کرو۔ کوئی اور یہ باتیں کرتا تو ہم اسے ملامت کرتے۔ اس سال ہم انھیں بیت اللہ میں نہیں آنے دیں گے۔ انھیں واپس بھیج دیں گے۔ وہ آئندہ سال آجائیں۔''[2]

اب نفسیاتی جنگ مسلمانوں کے بجائے قریش پر مسلط ہوگئی۔ عروہ نے جن حالات کی عکاسی کی، وہ بالکل صحیح تھی۔ اس نے حدیبیہ میں مسلمانوں کی جو کیفیت دیکھی، کھول کر بیان کر دی کہ وہ اپنے پیغمبر ﷺ کی بے حد تعظیم کرتے ہیں اور اپنے پیغمبر سے انھیں بے پناہ محبت ہے۔ وہ ان کے دفاع کے لیے خوب قربانی دینے والے ہیں اور وہ نفسیاتی برتری کے حامل ہیں۔ ان کی جنگی اور نفسیاتی تیاری بیان سے باہر ہے۔ گویا عروہ کی باتوں میں قریش کے لیے براہ راست تنبیہ تھی کہ وہ جلد بازی نہ کریں۔ نبی ﷺ سے جنگ مول نہ لیں۔ عین ممکن ہے کہ جنگ کے نتائج مسلمانوں کے حق میں نکلیں۔

عروہ کی باتوں نے قریش کی قیادت کو پریشان کر دیا۔ وہ معاملے کی سنگینی کا اس حد تک اندازہ ہی نہیں لگا سکے تھے۔ قریشی قیادت پر ثقیف کے سردار کا ایک ایک لفظ بجلی بن کر گر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے تائید یافتہ تھے۔ اس کا اثر عروہ بن مسعود پر بھی پڑا جس سے قریشی لشکر میں پھوٹ پڑنے لگی۔ اور قریشی لشکر سچی، مضبوط، خود دار اور حق کی علمبردار جماعت کے بالمقابل اپنے لیے جائے پناہ ڈھونڈنے لگے۔ یوں نبی ﷺ کے خلاف عرب کو اکٹھا کرنے کا جواز خود بخود ختم ہوگیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حکمت و بصیرت سے بڑی کامیابی حاصل کی۔ آپ ﷺ نے حصول مقصد کے لیے کئی

[1] صحیح البخاري: 2732,2731. [2] المغازي للواقدي: 2/86-88.

حرب کی تدابیر اختیار کیں تاکہ مخالفین کے دلوں میں شکست کا یقین بٹھا دیں اور انھیں ان کے طرفداروں سے دور کر دیں۔ سیاسی اور عسکری سطح پر یہ بہت بڑی فتح تھی جو رسول اللہ ﷺ نے حاصل کی۔[1]

عروہ بن مسعود کی مایوسی

قریش کی ہٹ دھرمی اور ان کی طرف سے جنگ کے اصرار نے عروہ بن مسعود کو بہت مایوس اور رنجیدہ کر دیا۔ جب وہ نبی اکرم ﷺ سے بات چیت کرکے واپس آیا تو اس نے قریش کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہ مانے۔ عروہ ایک خود مختار سردار تھا۔ اسے قریش کی جارحانہ ضد، ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے بڑا غصہ آیا۔ وہ قریش کی صفوں سے نکل کر اپنے ساتھیوں سمیت طائف روانہ ہوا۔ اس کے قریش کے لشکر سے نکلنے کی وجہ سے قریش کی مرکزی قوت بڑی حد تک کمزور ہوئی مگر ان کی ضد کا بل نہیں ٹوٹا۔ وہ مسلح تصادم کے خوف کے باوجود مسلمانوں سے عناد اور دشمنی پر قائم رہے اور مسلمانوں کو روکنے کا تہیہ کیے بیٹھے رہے۔ اہل مکہ کو اپنی جنگی مہارت کا شوق تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان حدیبیہ میں مسلسل احرام بندی، پراگندگی اور غبار آلود حالت میں لمبا قیام کرنے کی وجہ سے تھک آکر بیت اللہ کا طواف کیے بغیر خود ہی مدینہ لوٹ جائیں گے۔ نبی ﷺ نے جنگ سے عدم دلچسپی کا اظہار کر دیا تھا اور آپ حرم کے تقدس اور خون کی حفاظت کی شرط پر قریش کے کسی بھی منصوبے کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے۔ قریش اسے مسلمانوں کی کمزوری سمجھنے لگے۔[2]

حلیس بن علقمہ کی سفارت

پھر قریش نے حلیس بن علقمہ کنانی کو بھیجا۔ یہ شخص اس وقت احابش کا سردار تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھ

1 صحیح [illegible] فی صلح الحدیبیۃ [illegible]، ص: 145۔ 2 [illegible] 1/829، 830.

طائف کا ایک منظر



کر فرمایا:

إنّ هذا من قوم يتألّهون فابعثوا الهدي في وجهه حتى يراه

”اس شخص کا تعلق نیک قوم سے ہے۔ وہ قربانی کے جانوروں کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ اس کے سامنے جانور کھڑے کر دو تاکہ وہ دیکھ لے۔“

اور ساتھ ہی آپ ﷺ نے بہ آواز بلند تلبیہ کہنے کا حکم دیا۔ حلیس بن علقمہ نے قربانی کے اونٹ قلادوں سمیت وادی سے اپنی طرف آتے دیکھے تو وہ رسول اللہ ﷺ سے ملے بغیر ہی واپس چلا گیا۔[1]

صحیح بخاری میں ہے کہ قربانی کے جانور اس کے سامنے کر دیے گئے اور صحابہ نے تلبیہ کہتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ جب اس نے یہ منظر دیکھا تو وہ بے اختیار بول اٹھا: سبحان اللہ! ان لوگوں کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنا ہرگز مناسب نہیں۔[2]

جس وادی میں اونٹ تھے، وہ انتہائی خشک تھی۔ اس میں پانی تھا نہ چارا۔ قربانی کے اونٹ اتنی مدت یہاں ٹھہرنے کی بنا پر اپنی ہی مینگنیاں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ اس نے مسلمانوں کو بھی دیکھا جنھوں نے تلبیہ بلند کرتے ہوئے اس کا استقبال کیا اور وہ احرام پہنے ہوئے تھے۔ زیادہ عرصے تک احرام میں رہنے کی بنا پر ان کی حالت پراگندہ ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر اسے قریش کا سخت رویہ بہت ناگوار گزرا۔ یوں بنو کنانہ کا سردار رسول اللہ ﷺ سے کچھ کہے سنے بغیر ہی قریش کے پاس واپس چلا گیا اور کوئی بات چیت ہی نہیں کی۔ اس نے بیت اللہ کی زیارت کرنے والوں کے خلاف مشرکین مکہ کے ظالمانہ رویے کو دشمنی پر مبنی انتہائی غیر منصفانہ قرار دیا اور کہا کہ اس صورت حال میں قریش کی حمایت کرنا جائز نہیں۔[3]

اس نے قریش سے کہا: میں نے قربانی کے جانور دیکھے ہیں کہ ان کے گلے میں ہار پڑے ہوئے ہیں اور ان کے کوہان زخمی ہیں۔ میں ایسے لوگوں کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنا ٹھیک نہیں سمجھتا۔[4] یہ ایسی صورت حال تھی جس میں قریش کی صفوں میں دراڑیں پڑنے اور قریش کے دیگر قبائل کے ساتھ ہونے والے معاہدے کالعدم قرار پا جانے کے خدشات بڑھ گئے۔ اس لیے قریش نے کوشش کی کہ اس صورت حال کی تلافی کی جائے۔ اب قریش اور دیگر قبائل کے سردار حلیس سے کہنے لگے: ”تم نے جو کچھ دیکھا، وہ محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کی چال ہے۔

1 مسند أحمد: 323/4، السيرة لابن هشام: 326/3. 2 صحيح البخاري: 2732,2731. 3 منهج الإعلام الإسلامي في صلح الحديبية لسليم حجازي، ص: 108. 4 صحيح البخاري: 2732,2731.

ذرا رک جاؤ تاکہ ہم اپنے لیے کوئی ایسی بات طے کرلیں جس پر ہم سب رضا مند ہو جائیں۔‘‘[1]

ابن ہشام میں ہے: جب حلیس نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احرام کی حالت میں دیکھا اور پھر یہی حالت بیان کی تو قریش کہنے لگے: تو زرا بدو ہے۔ تجھے کسی چیز کا پتہ نہیں، لہٰذا بیٹھ جا۔ اس موقع پر حلیس شدید غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: اے قریش! ہم نے اس طرح کے معاملے پر نہ تو تمھارے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔ نہ اس پر ہم حلیف ہی ہیں؟ کیا بیت اللہ کی تعظیم کے لیے آنے والے کو روکا جا سکتا ہے؟

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں حلیس کی جان ہے! یا تو تم محمد کی راہ سے ہٹ جاؤ اور جس کام کے لیے وہ آیا ہے، اُسے پورا کرنے کا موقع دو ورنہ میں تمام احابیش کو ساتھ لے کر تمھیں چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ اس بات پر قریش کہنے لگے: اے حلیس! ٹھہر جاؤ تاکہ ہم اپنے لیے کوئی ایسی راہ نکال لیں جس پر وہ راضی ہو جائیں۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا حسبِ حال فیصلہ

رسول اللہ ﷺ نے حلیس کی نفسیات اور اس کے شخصی پس منظر سے آگہی کی وجہ سے فوراً فرما دیا تھا کہ یہ نیک اور عبادت گزار قوم کا فرد ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کی نفسیات کے بڑے رمز شناس تھے اور اس کے مطابق خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتے تھے۔

حلیس بن علقمہ سارے عرب میں اپنے متوازن اندازِ فکر کی وجہ سے بہترین شہرت رکھتا تھا، اسی بنا پر وہ احابیش کا سردار تھا۔ یوں وہ رسول اللہ ﷺ اور قریش دونوں کی نگاہ میں معزز و محترم تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ مسلمان حق اور انصاف پر ہیں تو وہ ایسی پوزیشن اختیار کر گیا کہ دو مدمقابل گروہوں میں امن و سلامتی کے لیے اہم کردار ادا کر سکے، قریش کو لگام دے سکے اور انھیں ناروا دشمنی سے روک کر مسلمانوں کے لیے زیارت بیت اللہ کی راہ ہموار کر سکے۔ یہیں سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حلیس کی نفسیات کو جانچنا ان مبادیات سے بالکل ہم آہنگ تھا جن مبادیات پر وہ ایمان رکھتا تھا۔ یہ منصوبہ بڑا کارآمد اور موثر تھا، اسی لیے اس سے برآمد ہونے والا نتیجہ توقع کے عین مطابق بڑا پسندیدہ ثابت ہوا۔[3]

قریش کے پاس بھیجنے کے لیے سفیر کا انتخاب

سفرائے قریش کے آنے جانے سے حالات کوئی فیصلہ کن رُخ اختیار نہیں کر رہے تھے۔ اہل مکہ کے جتنے بھی

1 المغازي للواقدي 2/600. 2 السيرة لابن هشام 3/326. 3 منهج الإعلام الإسلامي في صلح الحديبية لسليم حجازي، ص: 111.

سفراء آئے، وہ خود تو بہت مطمئن ہو کر جاتے تھے لیکن قریش اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے تھے۔ اہل مکہ نے جو روش اختیار کر رکھی تھی، اس سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہوتا تھا۔ ہر چند حلیس بن علقمہ اور عروہ بن مسعود قریش سے بالکل جداگانہ موقف رکھتے تھے لیکن قریش کے ذہنوں میں یہ بات راسخ تھی کہ وہ بیت اللہ کے خادم اور مالک ہیں، اگر اب مسلمان ان کی خواہش کے خلاف عمرہ کر گئے تو پھر جزیرہ نمائے عرب میں اُن کی ہوا اُکھڑ جائے گی اور ان کی عزت دو کوڑی کی بھی نہیں رہے گی۔ اس لیے قریش کی یہی کوشش تھی کہ اہل عرب کے دل میں ان کی کمزوری کا تاثر پیدا نہ ہو۔

اسی صورت حال میں رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ اب قریش کے پاس خصوصی سفیر روانہ کیا جائے جو قریش کو رسول اللہ ﷺ کا یہ خصوصی پیغام پہنچا دے کہ ہم ہرگز جنگ نہیں کرنا چاہتے بلکہ صلح صفائی سے عمرہ کرنا چاہتے ہیں اور ادائے مناسک کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بلایا تاکہ انھیں بطور سفیر اہل مکہ کے پاس بھیجیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ احساس تھا کہ پہلے بھی خراش بن امیہ خزاعی کو آپ ﷺ نے سفیر بنا کر بھیجا تھا اور عکرمہ وغیرہ نے آپ ﷺ کے دیے گئے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں اور خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے درپے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلام کے انتہائی جانباز سپاہی تھے۔ آغاز اسلام میں ان کی بدولت اسلام نے بڑی ترقی اور مسلمانوں نے بہت عزت پائی تھی۔ ہجرت کے موقع پر بھی انھوں نے جارحانہ انداز میں مکہ والوں کو للکارا تھا۔ ان وجوہ کے پیش نظر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے دل میں مشرکین مکہ کے لیے جو سخت جذبات ہیں، وہ اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔ مکہ میں بنوعدی کا کوئی فرد ایسا نہیں جو پریشانی کے وقت میرے کام آسکے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے نقصان پہنچائیں گے اور مقصد حاصل نہیں ہو سکے گا۔ میری آپ کی خدمت میں یہ تجویز ہے کہ اگر آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجیں تو وہاں موجود ان کے خاندان والے انھیں تحفظ دیں گے۔ ان پر دست درازی کی کوئی جرأت نہیں کرے گا اور ہمارا مقصد بھی حاصل ہوگا۔ کیونکہ اصل مقصد اہل مکہ کو امن و آشتی اور خلوص نیت کے ساتھ عمرہ کرنے کے موقف سے آگاہ کرنا تھا۔ یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ ان پر دہشت یا رعب طاری کیا جائے۔ اس لحاظ سے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو مشورہ دیا، وہ حالات کی نزاکت کے باعث قرین ثواب تھا جیسا کہ بعد کے


مسجد عثمان (صیدا، لبنان)

حالات نے ثابت کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ تجویز بہت اچھی لگی۔ آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا، انھیں اپنا سفیر خاص بنایا اور مکہ روانہ کرتے ہوئے فرمایا:

«اذهب إلى قريش فخبرهم أنا لم نأت لقتال أحد و إنما جئنا زوارًا لهذا البيت معظمين لحرمته، معنا الهدي ننحره وننصرف»

''قریش کے پاس جاؤ! انھیں بتاؤ کہ ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے۔ ہم محض بیت اللہ کی حرمت کی پاسداری کرتے ہوئے اس کی زیارت کے لیے آئے ہیں، ہمارے ساتھ قربانیاں ہیں، ہم انھیں ذبح کریں گے اور واپس چلے جائیں گے۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ روانہ ہو گئے، ''بلدح'' پہنچے، وہاں کچھ قریشی ملے۔ انھوں نے پوچھا: ''کہاں کے ارادے ہیں؟'' عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمھاری ہی طرف بھیجا ہے کہ تمھیں اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اسلام کی دعوت دوں۔ تم سب اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے دین اور اپنے نبی ﷺ کو غالب کرنے والا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم لڑائی کے ارادے سے باز آؤ۔ یہ کام دوسروں کو کرنے دو۔ اگر عرب محمد ﷺ پر غالب آ گئے تو تمھارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ اور اگر محمد ﷺ نے غلبہ پا لیا تو تمھیں اختیار ہوگا کہ تم چاہو تو اس دین میں داخل ہو جاؤ جس میں لوگ داخل ہو گئے ہیں اور اگر تم لڑنا چاہو تو تازہ دم ہو کر پوری قوت سے لڑو۔ جنگ تمھیں توڑ چکی ہے۔ تمھارے سب بڑے بڑے افراد اس کی نذر ہو چکے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمھیں یہ پیغام ارسال فرمایا ہے کہ ہم کسی سے لڑائی کے لیے نہیں آئے۔ صرف عمرہ کرنے آئے ہیں۔ ہمارے ساتھ قربانیاں بھی ہیں، انھیں ہار بھی پہنائے گئے ہیں۔ ہم انھیں قربان کر کے واپس چلے جائیں گے۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو سن کر انھوں نے جواباً کہا: ''ہم تمھاری باتیں سن رہے ہیں مگر یاد رکھو، ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ محمد (ﷺ) بزور طاقت ہمارے ہاں کبھی نہیں آسکیں گے۔ اپنے ساتھی کے پاس واپس جاؤ اور انھیں بتا دو کہ وہ ہم تک کبھی نہیں پہنچ پائیں گے۔''

ابان بن سعید بن عاص نے آگے بڑھ کر عثمان رضی اللہ عنہ کو مرحبا کہا۔ انھیں اپنی پناہ میں لے لیا اور کہا کہ آپ اپنا کام بھرپور طور پر انجام دیں۔ بعدازاں وہ اپنے گھوڑے سے اترا اور اس پر زین کس کر عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مکہ گئے۔ وہاں باری باری ہر سردار ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ وغیرہ سے ملاقات کی۔ ان میں

سے کچھ لوگ بلدح میں اور کچھ مکہ میں ملے، سب نے یہی جواب دیا کہ محمد (ﷺ) ہمارے ہاں کبھی نہ آ سکیں گے۔[1]

مکہ میں اہل ایمان سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ملاقات

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو مشورہ دیا تھا، وہ بڑا صائب اور برمحل تھا۔ اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ بنوامیہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو فراخ دلی سے پناہ دی اور انھیں مکہ میں سب سے ملنے اور رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچانے کی کھلی اجازت دی۔ اس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بہت آسانی سے مکہ میں مقیم بعض مسلمان خواتین و حضرات کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچانے کا موقع بھی مل گیا۔ حالت یہ تھی کہ مکہ میں مسلمان ابھی تک معتوب تھے یہاں تک کہ انھیں چھپ چھپا کر ہجرت کرنی پڑتی تھی۔ جو مسلمان مکہ میں رہ رہے تھے، مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ وہ ہجرت کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، یا بعض خواتین تھیں جن کے ساتھ مسلمان مرد تو تھے لیکن وہ انتہائی کمزور تھے، کچھ مسلمان غلام بھی تھے جنھیں سماج نے باندھ کر رکھا ہوا تھا اور وہ آزادی کی حسرت میں جی رہے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سب سے فرداً فرداً ملاقات کی۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کا سلام پہنچایا اور خوشخبری دی کہ اب وہ دن دور نہیں جب آپ ظلم و ستم کی چکی سے نجات پا جائیں گے اور آپ کو مکہ میں اپنا دین چھپانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سنایا:

«أُظِلُّكُمْ حَتّٰى لَا يَسْتَخْفِي بِمَكَّةَ الْإِيمَانُ»

''میں تمھیں پناہ دوں گا یہاں تک کہ مکہ میں ایمان پوشیدہ نہیں رہے گا۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں نے انھیں خوشخبری دی تو وہ خوشی کے مارے اتنے گہرے گہرے سانس

[1] المغازي للواقدي: 90,89/2، زاد المعاد: 290/3، السيرة لابن هشام: 329/3.



اموی مسجد اور دمشق کا خوبصورت منظر

لینے لگے کہ مجھے خیال گزرا شاید یہ لوگ خوشی سے مر جائیں گے۔ ان حضرات نے بھی رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا۔ وہ بڑی راز داری سے سوالات کرتے۔ انھیں تو یہ حسرت تھی کہ وہ رسالت مآب ﷺ کا ذکرِ جمیل علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ کریں لیکن وہ جس سفاک ماحول میں زندگی کے دن کاٹ رہے تھے، اُس ماحول میں بقدرِ شوق گفتگو کرنے کا یارا نہ تھا۔ بس وہ اتنا ہی کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو ہماری طرف سے سلام کہیے گا۔ وہ ذات بابرکات جس نے انھیں حدیبیہ تک پہنچایا ہے، وہ پوری طرح قادر ہے کہ انھیں مکہ میں بھی پہنچا دے۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرے کی پیشکش مسترد کر دی

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچا چکے اور مسلمانوں سے بھی ملاقات کر آئے تو قریش نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک زبردست پیشکش کی۔ وہ کہنے لگے: اگر آپ بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو پوری اجازت ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر حبِ نبوی سے لبریز تاریخی جواب دیا۔ انھوں نے فرمایا:

مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ حَتّٰى يَطُوفَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ.

''میں اُس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا طواف نہ کر لیں۔''[2]

عثمان رضی اللہ عنہ کے اس جواب میں رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات سے جس بے پایاں محبت و عقیدت کا اظہار ہو رہا ہے، وہ تو ایک عیاں حقیقت ہے۔ اس کے علاوہ اس جواب میں ان لوگوں کے لیے سبق ہے جو قومی اور سیاسی زندگی کے شعبوں میں کام کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے اجتماعی مفادات کی حفاظت کریں اور بڑے سے بڑے ذاتی مفاد کو نظر انداز کر دیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے رہبرِ اعظم ﷺ کے حکم کو پیشِ نظر رکھا۔ انھی کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اور مثالی سفارت کاری کا حق ادا کر دیا۔ انھیں زیارتِ کعبہ جیسی دولتِ عظمٰی کا موقع دیا جا رہا تھا لیکن انھوں نے صرف ادائے فرض سے واسطہ رکھا اور اپنے محبوب ترین قائد کی عدم موجودگی میں زیارت بیت اللہ کی پیش کش سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اہل مکہ کو دعوت اسلام اور پیغام نبوی پہنچانے کے سلسلے میں تین دن تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔[3]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا رشک

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب مکہ پہنچے تو ابان بن سعید کی پناہ میں تھے اور بنو امیہ کے اثر و رسوخ کی بنا پر تمام اہل مکہ ان سے انتہائی محبت و مروت سے پیش آ رہے تھے۔ اُدھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تو رسول اللہ ﷺ کی عدم موجودگی میں

1 المغازي للواقدي 2/90. 2 السيرة لابن هشام: 3/329. 3 المغازي للواقدي: 2/91

طواف کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن ادھر حدیبیہ میں مسلمان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بڑا رشک کر رہے تھے کہ انھوں نے تو عمرہ کر لیا ہوگا اور اپنے دل کی ساری حسرتیں پوری کر لی ہوں گی۔ اس رشک کا انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار بھی کر دیا کہ اے اللہ کے رسول! عثمان تو بیت اللہ پہنچ گئے ہیں اور انھوں نے طواف بھی کر لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[illegible]

''میں سمجھتا ہوں کہ ہماری یہاں محصوری کے پیش نظر عثمان بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گے۔''

وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! وہ تو بیت اللہ میں پہنچ گئے ہیں۔ اب انھیں طواف کرنے میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذلك ظني به ألا يطوف بالكعبة حتى نطوف معه

''میرا عثمان کے بارے میں یہی خیال ہے کہ وہ اس وقت تک کعبہ کا طواف نہیں کریں گے جب تک کہ وہ ہمارے ساتھ طواف نہ کر لیں۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب واپس تشریف لائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے پوچھا کہ اے ابوعبداللہ! کیا آپ نے بیت اللہ کا طواف کر کے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لی ہیں؟ اس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

بِئْسَ مَا ظَنَنْتُمْ بِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ مَكَثْتُ بِهَا مُقِيمًا سَنَةً، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مُقِيمٌ بِالْحُدَيْبِيَةِ، مَا طُفْتُ بِهَا حَتّٰى يَطُوفَ بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، وَلَقَدْ دَعَتْنِي قُرَيْشٌ إِلَى الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ فَأَبَيْتُ.

''میرے بارے میں تم نے بڑا غلط گمان کیا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر میں احرام کی حالت میں سال بھر بھی مکہ میں مقیم رہتا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں مقیم ہوتے تو میں ہرگز طواف نہ کرتا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر لیتے۔ حالانکہ قریش نے مجھے طواف کرنے کی پیش کش بھی کی تھی لیکن میں نے ان کی پیش کش رد کر دی۔''

یہ بات سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے زیادہ جاننے والے اور آپ کے بارے میں بہترین گمان رکھنے والے ہیں۔[1]

1 دلائل النبوة للبيهقي: 134/4

عرب میں پناہ کی اہمیت

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب مکہ پہنچے تو ابان بن سعید نے یہ اعلان کیا کہ میں نے عثمان کو پناہ دے دی ہے۔ واضح رہے کہ عرب کے ہاں پناہ دینے کا قانون بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اس پر عمل کرنے اور اس کا احترام کرنے پر تمام عرب متفق تھے۔ اس پناہ کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ جو شخص اسے پناہ دے رہا ہے، وہ اس کے مال و جان کا محافظ ہے۔ اور صرف وہی اس کا محافظ نہیں بلکہ اس کا سارا قبیلہ بھی اس کا ہمنوا ہے۔ کوئی دوسرے قبیلے والا یا دشمن اگر اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ اس نے پناہ دینے والے سارے قبیلے کی مخالفت مول لی ہے۔ اسی بنا پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین نے جب دیکھا کہ ابان بن سعید نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پناہ دے دی ہے تو سارے مخالفین خبردار ہو گئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو نقصان پہنچانے سے باز رہے۔ اس کے برعکس خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر ہی کی حیثیت سے گئے تھے لیکن وہ قریش کے پاس پہنچے تو چند بدقماش قریشیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جاہلیت میں سفیر کا وہ مقام نہیں تھا جو ایک پناہ یافتہ شخص کا ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بحیثیت سفیر بھیجنے کا جو مشورہ دیا تھا، وہ نہایت دور اندیشی پر مبنی تھا۔

اسلام نے بھی پناہ دینے کے معاملے کو بڑی اہمیت دی ہے اور اسے ہر مسلمان کا بنیادی حق تصور کیا ہے، خواہ وہ مسلمان مرد ہو یا عورت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذمة المسلمين واحدة فمن أخفر مسلما فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه صرف ولا عدل

''مسلمانوں میں پاسِ عہد کی ذمہ داری مشترکہ ہے۔ اب جو شخص مسلمان کے عہد کو توڑے، اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔ اس کا کوئی نفل قبول ہوگا نہ فرض۔''[1]

اسی بنا پر دورِ نبوی میں سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور گزارش کی کہ میں نے ابن ہبیرہ کو پناہ دی ہے لیکن میرے ماں جائے علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک قاتل کو پناہ دی ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قد أجرنا من أجرت يا أم هانئ!

''ام ہانی! جسے تم نے پناہ دی، اسے ہم نے بھی پناہ دے دی۔''[2]

1 صحيح البخاري: 1870. 2 صحيح البخاري: 3171

اسی طرح سیدہ زینب بنت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے خاوند ابوالعاص کو پناہ دی تھی جسے مسلمانوں نے خوش دلی سے قبول کیا۔ اسی طرح اسلامی حکومت اگر کسی کافر کو پناہ دیتی ہے تو اسلام اسے بھی فراخدلی سے قبول کرتا ہے تاکہ امن وسکون درہم برہم نہ ہو اور تعلقاتِ عامہ کو نقصان نہ پہنچے۔

مشرکین مکہ کی شرانگیزیاں

مشرکین مکہ کی طرف سے جو سفیر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تھے، وہ آپ ﷺ کا یہ موقف بخوبی سمجھ گئے تھے کہ آپ صرف عمرہ کرنے تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ حلیس اور عروہ بن مسعود نے قریش کو یہ باور کرانے کی بڑی کوشش کی کہ محمد ﷺ جنگ کے ہرگز خواہش مند نہیں، وہ محض بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو عمرہ کرنے دیا جائے۔ اس معقول بات کی وجہ سے اگرچہ قریش کی صفوں میں پھوٹ پڑ گئی تھی لیکن اس کے باوجود انھوں نے وہ مذموم حکمت عملی اپنائی جو آج کل بھی مروج ہے کہ جب دو معارض قوتوں کے عوام صلح کا پیغام پھیلانا شروع کرتے ہیں تو مسلح قیادت اپنی سیادت اور دباؤ برقرار رکھنے اور عوام کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کی کارروائی کرتی ہے۔ بالکل اسی طرح جب مکہ کے عوام نے سمجھ لیا کہ مسلمان صرف عمرے کی نیت سے آئے ہیں، انھیں روکنا نہیں چاہیے تو اس وقت اُن کی مسلح قیادت نے اعتدال کی راہ چھوڑ کر کشیدگی کو ہوا دینی شروع کر دی۔ انھوں نے اپنے گمراہ اور شریر لوگوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں تاکہ وہ صلح کے تمام امکانات ناکام بنا دیں اور جنھوں نے مسلمانوں کے لیے راہ آسان کرنے کی کوشش کی، ان کی باتوں کو غلط ثابت کر دیا جائے۔ ظاہر بات ہے کہ جب مکی لشکر مدنی لشکر پر جھپٹے گا تو لازماً مسلمان بھی کارروائی کریں گے۔ اس طرح صلح تو گئی، لڑائی شروع ہو جائے گی۔ مشرکین کی اس مذموم صورت حال کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو ضبط نفس پر کاربند رکھا اور انھیں باور کرا دیا کہ ہم نے کسی صورت ہتھیار استعمال نہیں کرنے۔

ابوسفیان کی مسلمانوں پر یلغار

امام طبری ؒ سلمہ بن اکوع ؓ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ قریش نے سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزی اور حفص کو نبی ﷺ کے پاس صلح کے لیے بھیجا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن عمرو کو اس وفد میں دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«قد سهل الله لكم من أمركم، القوم ماتون إليكم بأرحامكم وسائلوكم الصلح، فابعثوا الهدي وأظهروا التلبية لعل ذلك يلين قلوبهم»

''اللہ نے تمھارے لیے تمھارا کام آسان کر دیا ہے۔ یہ لوگ تمھاری خاندانی قرابت کا سہارا لے کر تمھارے پاس آ رہے ہیں۔ اب یہ تم سے صلح کی درخواست کریں گے۔ تم قربانی کے جانور کھڑے کر دو اور لبیک لبیک پکارو، شاید اس طرح ان کے دل نرم پڑ جائیں۔''

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق تمام مسلمانوں نے اپنے اپنے قربانی کے جانور اس وفد کے سامنے کر دیے اور ہر سمت سے لبیک کا نعرہ بلند کیا جس سے فضا گونج اٹھی۔ وہ وفد آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے صلح کی درخواست کی، صلح کی بات ہونے لگی۔ صورت حال یہ تھی کہ مسلمانوں کے پاس کچھ مشرک قید تھے۔ اسی طرح مشرکین کے پاس کچھ مسلمان اسیر تھے۔ اسی دوران ابوسفیان نے اچانک رسول اللہ ﷺ کے پڑاؤ کی طرف یورش کر دی اور ساری وادی آدمیوں اور اسلحے سے بھر گئی۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی دوران میں چھ مسلح مشرکوں کو بے بس کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آیا۔ آپ ﷺ نے انھیں دیکھا لیکن نہ ان کا جنگی لباس اتروایا، نہ ان کا اسلحہ رکھوایا، نہ انھیں قتل کیا بلکہ معاف فرما دیا اور معا چھوڑ دیا۔[1]

مشرک شہسواروں کی گرفتاری

جمہور مؤرخین نے لکھا ہے کہ مشرکین کے شہسوار رات کے وقت ٹولیوں کی شکل میں چھپتے چھپاتے مسلمانوں کے پڑاؤ میں آگھسے تاکہ رات کی تاریکی میں انھیں نقصان پہنچایا جا سکے۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ پہنچتے ہی بعض صحابہ کو حفاظت کی ذمہ داری دے کر انھیں گشت پر مامور فرما دیا تھا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ مشرکین کی تعداد 80 تھی اور وہ جبل تنعیم کی طرف سے حملہ آور ہوئے۔[2] سنن ابوداود، مسند احمد اور جامع ترمذی میں صبح کی نماز

1 تاریخ الطبری: 2/276، 277. 2 صحیح مسلم: 1808



کے وقت مشرکین کے حملے کا ذکر کیا گیا ہے۔[1] جب مشرکین مختلف اطراف سے حدیبیہ کے میدان کی طرف بڑھے تو مسلمان پہرہ داروں نے انھیں فوراً دھر لیا اور گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد ستر تھی۔[2] مشہور مؤرخ محمد احمد باشمیل نے لکھا ہے کہ مشرکین کے شہسواروں نے کچھ صحابہ کو گرفتار کر لیا تھا مگر گشت پر مامور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ٹولیوں نے ان مسلمانوں کو مشرکوں کی قید سے چھڑا لیا۔[3]

مشرکین کے پچاس جنگی شہسوار

مؤرخ واقدی کے نزدیک اس موقع پر باقاعدہ جنگ بھی ہوئی۔ وہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں: قریش نے رات کے وقت مکرز بن حفص کی سرکردگی میں پچاس افراد بھیجے۔ انھیں حکم دیا کہ وہ نبی ﷺ کے لشکر کے ارد گرد چکر لگائیں، کسی مسلمان کو زد و کوب کریں یا موقع ملتے ہی مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیں۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی ایک گشتی ٹولی کی قیادت کر رہے تھے۔ انھوں نے جب مسلح مشرکین کو دیکھا تو انھیں گرفتار کر لیا اور انھیں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا، جب مشرکین قریش کو اطلاع ملی تو ان کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس آئی۔ اس دوران فریقین میں جنگ شروع ہو گئی۔ اس موقع پر تیر چلائے گئے اور پتھر بھی برسائے گئے مگر مسلمانوں نے ان میں سے کئی مشرکین کو گرفتار کر لیا۔[4]

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سہیل بن عمرو کے ساتھ صلح کا معاملہ طے ہوتے ہوتے مسلمان اور مشرکین آپس میں گھل مل گئے۔ اچانک فریقین میں سے کسی شخص نے دوسرے فریق کے ایک آدمی کو پتھر دے مارا، اس وجہ سے جھگڑا شروع ہو گیا، دونوں طرف سے تیر اور پتھر برسنے لگے۔ دونوں جماعتیں اس (اچانک جھگڑے) پر چیخ اٹھیں جسے ختم کرنے کے لیے دونوں جانب کے لوگوں نے اس میں شامل افراد کو بطور گروی روک لیا۔[5]

زنیم رضی اللہ عنہ کی شہادت اور رسول اللہ ﷺ کی معافی

مشرکین مکہ نے انتہائی جارحانہ قدم اٹھا کر اپنی بیوقوفی کا ثبوت پیش کر دیا تھا اور مسلمانوں نے متعدد مشرکوں کو گرفتار کر کے اپنی دسترس میں لے لیا تھا، یہ ایسا عمل تھا جس کی بنا پر مسلمان اپنے تمام مطالبات منوا سکتے تھے اور پچھلی تمام رقابتوں کا بدلہ لے سکتے تھے، جبکہ بعض صحابہ احرام کی حالت میں بھی نہیں تھے۔ مشرکین کی طرف سے جنگ

1 سنن أبي داود: 2688، جامع الترمذي: 3264، مسند أحمد: 290/3. 2 صحیح مسلم: 1807 3 موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل: 838/1. 4 المغازي للواقدي: 91/2. 5 زاد المعاد: 291/3.

میں پہل بھی حرمت حرم اور احرام کی تمام قیود کو حلال کرنے والی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس جنگ جوئی اور اشتعال انگیزی سے چشم پوشی فرما کر انھیں یہ کہہ کر آزاد کر دیا:

[illegible]

''انھیں چھوڑ دو، برائی کا آغاز انھی سے ہونے دو۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴾

''اور وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے وادی مکہ میں ان (کفار) کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے روک دیے بعد اس کے کہ اس نے تمھیں ان پر کامیابی دی تھی اور اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔''[2]

گزشتہ آیت کا سبب نزول امام مسلم یہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ کے 80 مسلح آدمی جبل تنعیم سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر اچانک حملہ کرنے کے لیے اتر آئے۔ مسلمانوں نے انھیں گرفتار کر لیا مگر رسول اللہ ﷺ نے انھیں معاف کر دیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔[3]

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سارا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں: ''جب مشرکوں نے ہماری طرف صلح کے پیغام بھیجے تو لوگ ایک دوسرے کی طرف آنے جانے لگے اور ہم نے صلح کر لی۔ میں طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی خدمت کرتا تھا، ان کے گھوڑے کو پانی پلاتا، ان کی کمر کھجاتا اور انھی کے ساتھ کھانا کھاتا تھا۔ میں اپنا گھر بار، مال و دولت سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کر کے چھوڑ چکا تھا۔ جب ہماری اور اہل مکہ کی صلح ہو گئی اور ہم ایک دوسرے سے ملنے لگے تو میں ایک درخت کے پاس گیا، اس کے نیچے جگہ صاف کی اور جڑ کے پاس لیٹ گیا۔ اسی دوران اہل مکہ میں سے چار مشرک میرے پاس آئے اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازیبا الفاظ کہنے لگے۔ مجھے ان پر شدید غصہ آیا، میں وہاں سے اٹھ گیا اور دوسرے درخت کے نیچے چلا گیا۔ انھوں نے اپنے ہتھیار زمین پر رکھے اور لیٹ گئے۔ وہ اسی حالت میں تھے کہ اچانک وادی کے نشیب سے کسی نے آواز دی: ''اے مہاجرو! دوڑو، ابن زُنیم رضی اللہ عنہ مارے گئے۔'' میں نے اپنی تلوار سونتی اور ان چاروں کو دھمکانا شروع کر دیا، وہ ابھی سو رہے تھے۔ میں نے ان کے ہتھیار اٹھا لیے، اُن کا گٹھا بنایا اور ایک ہاتھ میں تھام لیا، پھر میں نے ان سے کہا: ''قسم اس ذات کی جس نے محمد ﷺ

1 تاریخ الطبری 277/2. 2 الفتح 24:48. 3 صحیح مسلم: 1808.

کے چہرے کو عزت دی! تم میں سے جس نے بھی سر اٹھایا، میں اس کی کھوپڑی اُڑا دوں گا۔'' وہ ڈر کے مارے دبک گئے۔ پھر میں انھیں پیچھے سے ہانکتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا۔ دوسری طرف سے میرے چچا عامر رضی اللہ عنہ زین کسے گھوڑے پر عبلات (قریش کی ایک شاخ) کے مکرز نامی شخص کو ہانکتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے۔ اس کے ساتھ ستر مشرک اور بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں دیکھا اور فرمایا:

«دَعُوهُمْ يَكُنْ لَهُمْ بَدْءُ الْفُجُورِ وَثِنَاهُ»

''انھیں چھوڑ دو، انھی کی طرف سے عہد شکنی شروع ہونے دو، پھر دوبارہ بھی یہی عہد شکنی کا باعث بنیں۔''

بعدازاں رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو معاف کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت اتاری۔''[1]

وادی حدیبیہ



قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اسی اثنا میں ہمیں اطلاع ملی کہ ایک صحابی زنیم رضی اللہ عنہ جو وادی حدیبیہ سے بلند ٹیلے پر چڑھ کر کفار کے سامنے نمودار ہوگئے تھے، انھیں کفار نے تیر کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے گھڑ سواروں کا ایک دستہ بھیجا، وہ مشرکین کے بارہ شہسواروں کو گرفتار کر کے آپ ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هَلْ لَكُمْ عَلَيَّ عَهْدٌ؟ هَلْ لَكُمْ عَلَيَّ ذِمَّةٌ؟»

''کیا میں نے تم سے کوئی عہد کیا ہے؟ کیا تمھارا مجھ پر کوئی ذمہ ہے؟''

انھوں نے کہا: ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ ﷺ نے انھیں چھوڑ دیا۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝﴾[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں پر احسان جتلانا ہے کہ اس نے ان کی طرف بڑھتے ہوئے مشرکین کے ہاتھ روک لیے اور مشرکین کی طرف سے انھیں کوئی گزند نہیں پہنچا۔ اسی طرح مومنوں کے ہاتھوں کو مشرکینِ مکہ کی طرف بڑھنے سے روکے رکھا۔ انھوں نے مسجد حرام کے پاس ان سے

1 صحیح مسلم: 1807 2 تاریخ الطبری: 2/278.

لڑائی نہیں لڑی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کو محفوظ رکھا اور ان میں صلح کرا دی جس میں مومنوں کے لیے بھلائی اور دنیا و آخرت کی بہتری تھی۔''[1]

﴿ كَفَّ ﴾ کسی کو کسی کام کے ارادے یا اس کام کو شروع کرنے سے باز رکھنا۔ یہ کلمہ ''کف'' بمعنی ہاتھ سے مشتق ہے کیونکہ روکنے میں اصل یہی ہے کہ ہاتھ سے روکا جائے (دھکیلا اور ہٹایا جائے۔) کہا جاتا ہے: كَفَّ يَدَهُ عَنْ كَذَا ''اس نے اپنے ہاتھ کو فلاں کام سے روک لیا۔''[2]

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ بِبَطْنِ مَكَّةَ ﴾ کے بارے میں امام راغب کہتے ہیں: ''ہر چیز کی ظاہری سطح کا متضاد بطن کہلاتا ہے۔ نچلی طرف کو ''بطن'' اور اوپری طرف کو ''ظہر'' کہتے ہیں۔''[3]

جمہور مفسرین نے اس آیت میں مذکور بَطْنِ مَكَّةَ سے مراد حدیبیہ لیا ہے۔ یہاں ''بطن'' کا اطلاق نشیبی جگہ پر ہوا ہے۔[4]

اللہ تعالیٰ نے اس فرمان پر آیت ختم فرمائی:

﴿ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ ﴾

''بعد اس کے کہ اس نے تمھیں ان پر کامیابی دی اور اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔''

یہ اس جانب اشارہ ہے کہ ایک دوسرے کے قتال سے باز رہنا دراصل مسلمانوں ہی کا ظرف و شرف تھا کیونکہ وہی تھے جنھوں نے دشمن پر قابو پانے کے باوجود ان پر احسان کیا تھا۔[5]

امام طبری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عبیداللہ بن موسیٰ کی روایت کے مطابق سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے حملہ کر کے ان تمام مسلمانوں کو چھڑا لیا جو مشرکین کے قبضے میں تھے، اسی طرح مشرکین نے اپنے آدمی ہمارے قبضے سے چھڑا لیے۔ اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو اور حویطب کو صلح کے لیے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا اور رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ مقرر فرمایا۔[6]

1 تفسیر ابن کثیر، الفتح 24:48 2 التحریر والتنویر لابن عاشور، الفتح 20:48. 3 المفردات للراغب، ص: 51. 4 التحریر والتنویر لابن عاشور، الفتح 24:48. 5 حدیث القرآن عن غزوات الرسول ﷺ للدکتور محمد بن بکر آل [illegible] 530/1. 6 تاریخ الطبری 277/2، 278.

بیعت رضوان

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی افواہ

ابھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ ہی میں تھے اور ان کی واپسی میں تاخیر ہوگئی تھی کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ نے شہید کر ڈالا ہے۔ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جونہی یہ خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا نَبْرَحُ حَتّٰى نُنَاجِزَ الْقَوْمَ»

''جب تک ہم اس قوم سے خون کا بدلہ نہ لے لیں، ہرگز حرکت نہ کریں گے۔''[1]

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حدیبیہ میں دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی کی یہ صدا سنائی دی:

أَيُّهَا النَّاسُ! اَلْبَيْعَةَ الْبَيْعَةَ، نَزَلَ رُوحُ الْقُدُسِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

''لوگو! بیعت کے لیے آؤ، بیعت کے لیے آؤ، روح القدس آئے ہیں۔''

یہ ندا سن کر ہم تیزی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ آپ اس وقت ایک خاردار درخت کے نیچے تشریف فرما تھے۔ ہم نے اسی جگہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اسی بارے میں اللہ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح 48:18)

''البتہ تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔''[2]

بیعت کس مقام پر ہوئی؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں بتایا ہے کہ بیعت درخت کے نیچے ہوئی تھی:

1 السيرة لابن إسحاق: 460/2. 2 تفسير الطبري و تفسير ابن أبي حاتم، الفتح 18:48، تاريخ الطبري: 279/2.

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾

''البتہ تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔''

اس کے علاوہ بہت سی احادیث میں بھی اس بات کا تذکرہ موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے درخت کے نیچے بیعت لی تھی۔ مشہور تابعی نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے:

إِنَّ النَّاسَ يَتَحَدَّثُوْنَ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَسْلَمَ قَبْلَ عُمَرَ، وَلَيْسَ كَذٰلِكَ، وَلٰكِنْ عُمَرُ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَرْسَلَ عَبْدَ اللّٰهِ إِلٰى فَرَسٍ لَهُ عِنْدَ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ يَأْتِي بِهِ لِيُقَاتِلَ عَلَيْهِ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُبَايِعُ عِنْدَ الشَّجَرَةِ، وَعُمَرُ لَا يَدْرِي بِذٰلِكَ، فَبَايَعَهُ عَبْدُ اللّٰهِ، ثُمَّ ذَهَبَ إِلَى الْفَرَسِ، فَجَاءَ بِهِ إِلٰى عُمَرَ، وَعُمَرُ يَسْتَلْئِمُ لِلْقِتَالِ، فَأَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُبَايِعُ تَحْتَ الشَّجَرَةِ. قَالَ: فَانْطَلَقَ فَذَهَبَ مَعَهُ حَتّٰى بَايَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، فَهِيَ الَّتِي يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَسْلَمَ قَبْلَ عُمَرَ.

''لوگ باتیں کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد گرامی عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ حدیبیہ کے روز عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک انصاری کے پاس اپنا گھوڑا لانے کے لیے بھیجا تاکہ اسے جہاد میں استعمال کریں۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ درخت کے نیچے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لے رہے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا علم نہیں تھا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پہلے آپ کی بیعت کی، پھر گھوڑا لینے گئے اور اسے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لاکھڑا کیا۔ اس وقت عمر رضی اللہ عنہ جہاد کے لیے زرہ پہن رہے تھے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو بتایا کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ درخت کے نیچے بیعت لے رہے ہیں۔ تب عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبداللہ کو ساتھ لے کر گئے حتی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔ یہ ہے وہ اصل واقعہ جس سے متعلق لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے باپ عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔''[1]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

إِنَّ النَّاسَ كَانُوْا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ تَفَرَّقُوْا فِي ظِلَالِ الشَّجَرِ، فَإِذَا النَّاسُ

[1] صحیح البخاري، 4186.

مُحْدِقُونَ بِالنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا عَبْدَاللّٰهِ! انْظُرْ مَا شَأْنُ النَّاسِ قَدْ أَحْدَقُوا بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَوَجَدَهُمْ يُبَايِعُونَ، فَبَايَعَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى عُمَرَ فَخَرَجَ فَبَايَعَ.

''لوگ حدیبیہ کے دن نبی ﷺ کے ساتھ تھے، وہ درختوں کے سائے میں پھیلے ہوئے تھے۔ پھر اچانک لوگ نبی ﷺ کے اردگرد جمع ہونے لگے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عبداللہ! ذرا دیکھو لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کیوں جمع ہیں؟ چنانچہ انھوں نے دیکھا کہ وہ لوگ آپ ﷺ کی بیعت کر رہے ہیں، چنانچہ انھوں نے بھی بیعت کر لی۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آ کر بتایا تو وہ بھی گئے اور انھوں نے آپ ﷺ کی بیعت کی۔''[1]

ان دونوں روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر ایک درخت کے نیچے بیعت لی تھی۔



مسجد عمر بن خطاب (بن غازی، لیبیا)

بعض روایات میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس درخت کو بھول گئے تھے جس کے نیچے بیعت ہوئی تھی، جیسے طارق بن عبدالرحمن رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں حج کے لیے نکلا، میرا چند لوگوں کے پاس سے گزر ہوا، وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون سی مسجد ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ وہی درخت ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی۔ میں سعید بن مسیب رحمہ اللہ کے پاس گیا اور انھیں یہ بات بتائی تو انھوں نے فرمایا: میرے والد گرامی نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی، وہ ان لوگوں میں شامل تھے جنھوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی۔ انھوں نے فرمایا: جب ہم اگلے سال حج کے لیے نکلے تو اس جگہ کو بھول گئے اور اسے معلوم نہ کر سکے۔ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے کہا: محمد ﷺ کے صحابہ تو اس درخت کو نہ پہچان سکے اور تم لوگوں نے اسے پہچان لیا! کیا تم صحابۂ کرام سے زیادہ جانتے ہو؟[2]

مندرجہ بالا روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کو وہ جگہ نہیں مل سکی جہاں درخت تھا لیکن اس سے یہ یقیناً ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک درخت ہی تھا۔ اس روایت سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ سارے

1 صحيح البخاري: 4187. 2 صحيح البخاري: 4163.

صحابہ بیعت والی جگہ کو بھول گئے تھے کیونکہ بعض صحابہ کے بارے میں یہ تذکرہ ملتا ہے کہ انھیں اس جگہ کا پتہ تھا جیسے جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا: اگر میری بینائی ہوتی تو تمھیں اس درخت کی جگہ دکھاتا۔[1]

درخت کاٹ دیا گیا

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ لوگ اس درخت کے پاس آتے تھے جسے ''شجرۂ رضوان'' کہا جاتا تھا۔ یہاں بیعت کی گئی تھی اور لوگ اس جگہ آ کر نماز پڑھتے تھے۔ جب یہ بات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو انھوں نے اس بارے میں لوگوں کو ڈانٹا، پھر ان کے حکم سے یہ درخت کاٹ دیا گیا۔[2]

بیعت سے محروم بدنصیب

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کا حکم دیا تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیعت کرنے میں سبقت کی۔ ایک آدمی کے سوا کوئی بھی اس بیعت سے پیچھے نہ رہا۔ یہ منافق تھا اور اس کا نام جد بن قیس تھا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جد بن قیس انصاری نے بیعت نہیں کی۔ اس موقع پر وہ اپنی اونٹنی کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔[3]

بیعت کس بات پر کی گئی؟

صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جس امر پر بیعت لی تھی، اس کا تذکرہ مختلف روایات میں ملتا ہے۔ یزید بن ابوعبید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ لوگوں نے حدیبیہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس بات پر بیعت کی تھی؟ انھوں نے فرمایا: موت پر۔[4]

سیدنا عباد بن تمیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حرہ کے دن لوگ عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر رہے تھے تو سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ابن حنظلہ کس بات پر لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں؟ انھیں بتایا گیا کہ وہ موت پر بیعت لے رہے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے شخص سے موت پر بیعت نہیں کروں گا۔ اور عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے۔[5]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس دن موت پر آپ کی بیعت نہیں کی تھی بلکہ اس عہد پر بیعت کی تھی کہ ہم فرار نہیں ہوں گے۔[6] صحیح مسلم میں معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: درخت والے دن میں دیکھ رہا تھا جبکہ

[1] صحیح مسلم: 1856. [2] الطبقات لابن سعد: 100/2. [3] صحیح مسلم: 1856. [4] صحیح البخاري: 4169.
[5] صحیح البخاري: 4167. [6] تاریخ طبري: 279/2.

رسول اللہ ﷺ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے اور اس وقت میں آپ ﷺ کے سر سے ٹہنی دور ہٹا رہا تھا۔ اس روز ہم چودہ سو افراد تھے۔ اس روز ہم نے موت پر بیعت نہیں کی بلکہ اس بات پر بیعت کی کہ ہم پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگیں گے۔[1]

ایک اور روایت میں ہے کہ یہ بیعت دشمن کے خلاف ڈٹ جانے پر تھی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم اگلے سال (عمرۂ قضا کے موقع پر) آئے تو ہم میں سے کوئی دو شخص بھی اس درخت کی نشاندہی پر متفق نہ ہو سکے جس کے نیچے ہم نے بیعت کی تھی۔ اس درخت کا غائب ہو جانا بھی اللہ کی طرف سے رحمت کا معاملہ تھا۔ نافع سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے کس بات پر بیعت لی تھی؟ کیا موت پر بیعت کی تھی؟ انھوں نے کہا: نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے صبر کرنے کی بیعت لی تھی۔[2]

ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی زبانی بیعت کا آنکھوں دیکھا حال

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اور قریش کے مابین ایلچی آتے جاتے رہے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے خیمے کے پاس سے گزرے۔ مجھے خیال ہوا شاید آپ ﷺ کو کوئی کام ہے۔ ٹھیک اسی وقت آپ ﷺ کو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر ملی، رسول اللہ ﷺ اس وقت ہماری قیام گاہ میں بیٹھ گئے اور فرمایا:

إن الله أمرني بالبيعة

''اللہ تعالیٰ نے مجھے بیعت لینے کا حکم دیا ہے۔''

ام عمارہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگ آپ کی بیعت کرنے کے لیے ہماری طرف آئے یہاں تک کہ سب لوگوں نے بیعت کر لی۔ ہمارا سارا سامان پامال ہو گیا۔ غزیہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے۔ وہ فرماتی ہیں: میں یوں محسوس کر رہی ہوں جیسے میں لوگوں کو ہتھیار بندی کی حالت میں دیکھ رہی ہوں، ہتھیار ہمارے پاس بہت کم تھے کیونکہ ہم صرف عمرے کے لیے آئے تھے۔ میں نے اپنے خاوند غزیہ بن عمرو کی طرف دیکھا کہ وہ تلوار لٹکائے ہوئے ہیں۔ میں اٹھ کر ایک ستون کی طرف گئی۔ ہم اُس کے سائے میں بیٹھا کرتے تھے، میں نے اسے پکڑ لیا، میرے پاس ایک چھری تھی جسے میں نے اپنی کمر سے باندھ رکھا تھا۔ میں نے تہیہ کر لیا کہ اگر کسی نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں اسے قتل کر دوں گی۔ اس دن رسول اللہ ﷺ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا دستِ مبارک تھامے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے اس امر پر بیعت لی کہ وہ راہِ فرار اختیار نہیں کریں گے۔[3]

1 صحيح مسلم: 1858. 2 صحيح البخاري: 2958. 3 المغازي للواقدي: 91/2.

ان تمام روایات سے واضح ہوتا ہے کہ صرف ایک منافق کو چھوڑ کر باقی تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بیعت جداگانہ تھی۔ بعض نے موت پر بیعت کی۔ بعض نے فرار نہ ہونے پر اور ڈٹے رہنے پر بیعت کی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ان اقوال میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ صحابہ نے موت پر اور فرار نہ ہونے پر بیعت کی۔ اس لیے کہ موت پر بیعت کرنے سے بھی یہی مراد ہے کہ وہ راہِ فرار اختیار نہیں کریں گے، چاہے جان ہی چلی جائے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ بیعت کرنے والوں پر موت لازماً واقع ہو کر ہی رہے گی۔ نافع رحمہ اللہ نے اسی بات کا انکار کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ انھوں نے صبر پر بیعت کی تھی کہ وہ ثابت قدم رہیں گے چاہے انھیں موت ہی آ جائے۔[1] حافظ محمد حکمی حفظہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن حجر کی اس توجیہ کی تائید شعبی کی اس مرسل روایت سے ہوتی ہے جس میں ابوسنان رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ابوسنان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جو بات آپ کے من میں ہے، مجھ سے اس بات پر بیعت لے لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: «مَا فِي نَفْسِي؟» "بتاؤ میرے نفس میں کیا ہے؟" ابوسنان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: فتح حاصل کریں گے یا شہادت پائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بس اسی بات پر ابوسنان رضی اللہ عنہ سے بیعت لی۔ پھر اس کے بعد لوگ آنے اور وہ یہ کہہ کر بیعت کرنے لگے کہ ہم بھی اس بات پر بیعت کرتے ہیں جس پر ابوسنان نے بیعت کی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دونوں قسم کی روایات صحیح ہیں۔ کچھ صحابہ نے موت پر بیعت کی اور کہا کہ ہم اس وقت تک آپ کے آگے آگے رہیں گے جب تک کہ قتل نہ کر دیے جائیں۔ کچھ صحابہ نے اس بات پر بیعت کی کہ وہ کبھی فرار نہیں ہوں گے۔[2]

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی بیعت

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں درخت کے تنے کے پاس بیعت کے لیے بلایا، سب سے پہلے میں نے بیعت کی، میرے بعد دوسرے حضرات بیعت کرنے لگے۔ جب نصف کے قریب لوگوں نے بیعت کر لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «بَايِعْ يَا سَلَمَةُ!» "سلمہ! تم بیعت کرو۔" میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے تو سب سے پہلے بیعت کر لی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میرے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چمڑے کی ایک ڈھال عطا کی، پھر بیعت لینے میں مصروف ہو گئے۔ جب سب سے آخری شخص نے بیعت کر لی تو آپ نے پھر فرمایا: «أَلَا تُبَايِعُ يَا سَلَمَةُ؟» "اے سلمہ! تم بیعت کیوں نہیں کر لیتے۔" میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں سب سے پہلے اور پھر بیچ میں دو مرتبہ

[1] فتح الباری: 143/6 [2] جامع الترمذی، بعد حدیث: 1594، ومرویات غزوۃ الحدیبیہ، ص: 149،148

بیعت کر چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا: پھر کرلو۔ میں نے تیسری مرتبہ آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا:

«يَا سَلَمَةُ! أَيْنَ حَجَفَتُكَ أَوْ دَرَقَتُكَ الَّتِي أَعْطَيْتُكَ؟»

''وہ ڈھال کہاں ہے جو میں نے تمھیں دی تھی؟''

میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! وہ ڈھال تو میں نے اپنے چچا عامر کو دے دی کیونکہ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا:

«إِنَّكَ كَالَّذِي قَالَ الْأَوَّلُ: اللَّهُمَّ أَبْغِنِي حَبِيبًا هُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي»

''تمھاری مثال ایسی ہے جیسے پہلے زمانے کے کسی آدمی نے یہ دعا کی تھی: الٰہی! مجھے ایسا دوست عطا فرما جو مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہو۔''[1]

ابن بطال نے مہلب رحمہ اللہ کا سلمہ رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ بیعت لینے کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ دراصل اس کا مطلب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ سلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کی مضبوط بیعت کی تاکید فرمانا چاہتے تھے کیونکہ آپ ان کی بہادری اور اسلام کی خاطر طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانے سے واقف تھے۔ ان کی ثابت قدمی بھی مشہور تھی۔ اس بنا پر آپ انھیں بار بار بیعت کا حکم دیتے رہے تاکہ یہ ان کے لیے فضیلت کا باعث بن جائے مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ سلمہ رضی اللہ عنہ کے بار بار بیعت کرنے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب سلمہ رضی اللہ عنہ نے بیعت کرلی تو وہ قریب ہی بیٹھ گئے۔ پھر دیگر صحابہ نے بیعت کرنی شروع کر دی، پھر جب لوگوں کا رش کم ہوگیا تو آپ نے دوبارہ سلمہ سے فرمایا: بیعت کرو تاکہ پے در پے بیعت کرنے والوں میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ کیونکہ جب بیعت کرنے کے دوران وقفہ آجاتا ہے تو پے در پے بیعت کرنے والوں میں اس مقصد کے بارے میں جس پر بیعت ہو رہی ہوتی ہے، خلل واقع ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اُس وقت سلمہ رضی اللہ عنہ کی کوئی امتیازی خصوصیت یا فضیلت تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن بطال نے سلمہ رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور استقامت کی طرف جو اشارہ کیا ہے، وہ خوبیاں ابھی عیاں بھی نہیں ہوئی تھیں کیونکہ وہ تو بعد میں غزوہ ذی قرد میں اُس وقت آشکار ہوئیں جب یہ ان مویشیوں کو چھڑا لائے جن پر مشرکین نے قبضہ کرلیا تھا اور انھوں نے ان مشرکوں کے کپڑے تک چھین لیے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے لیے دو حصے رکھے: ایک پیدل آدمی کا اور ایک شہسوار کا کیونکہ اس موقع پر انھوں نے

[1] صحيح مسلم: 1807.

بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا تھا۔ زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر سلمہ رضی اللہ عنہ کو اس لیے دوبارہ بیعت کا حکم دیا کہ آپ ﷺ نے ان میں علامات خیر دیکھ لی تھیں۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ نے بیعت فرمائی

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بحیثیت سفیر مکہ روانہ فرمایا تھا۔ جب آپ کو یہ اطلاع ملی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے تو آپ نے فرمایا: لَا نَبْرَحُ حَتَّى نُنَاجِزَ الْقَوْمَ ''ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں ہٹیں گے جب تک ہم ان لوگوں سے بدلہ نہ لے لیں۔'' بیعت بھی اس لیے کی گئی تھی کہ کفار سے اس جنگ میں صحابہ ثابت قدم رہیں۔ چونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر محض خبر ہی کی حد تک تھی اور اس خبر کی تصدیق و توثیق نہیں ہوئی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس امر کا التزام و اہتمام رکھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس بیعت کے زبردست فضائل و برکات سے محروم نہ رہنے پائیں۔ اس لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت لیتے ہوئے فرمایا: ''إِنَّ عُثْمَانَ فِي حَاجَةِ اللهِ وَحَاجَةِ رَسُولِهِ'' ''عثمان، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کام کے لیے گئے ہوئے ہیں (اس لیے میں ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں)۔'' چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مار کر فرمایا: ''یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔'' رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک عثمان کے لیے لوگوں کے ہاتھوں سے بہتر تھا۔[2]

سب سے پہلے بیعت کرنے والے صحابی

بعض روایات میں ہے کہ سب سے پہلے بیعت کرنے والے ابوسنان اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ بنو اسد میں اس کنیت سے دو افراد معروف ہیں: ایک ابوسنان جو عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے اور دوسرے ابوسنان بن وہب رضی اللہ عنہ۔ اسی وجہ سے یہ اختلاف ہے کہ ان دونوں میں سے یہاں کون سے صحابی مراد ہیں۔ ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ بیعت رضوان کرنے والے سب سے پہلے ابوسنان اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔[3] ابن ہشام نے بھی یہی بات لکھی ہے۔[4] امام بیہقی نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کے واسطے سے امام شعبی رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے لیے بلایا تو سب سے پہلے جو صاحب آپ ﷺ کے پاس پہنچے، وہ ابوسنان اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ ابوسنان نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اپنا دست مبارک بڑھایئے تاکہ میں بیعت کروں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: عَلَى مَا تُبَايِعُنِي؟

---

1 فتح الباري 246/13. 2 صحيح البخاري: 4066، جامع الترمذي: 3702 3 الطبقات لابن سعد: 100/2.
4 السيرة لابن هشام 330/3

’’تم کس بات پر مجھ سے بیعت کرو گے؟‘‘ ابوسنان کہنے لگے: جو آپ کے دل میں ہے، میں اسی پر بیعت کرنا چاہتا ہوں۔[1]

ابن سید الناس نے بھی ابوسنان اسدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے بیعت کی۔[2] امام طبرانی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ابوسنان بن محصن رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔[3]

اس روایت کی سند ضعیف ہے اور اس کا متن بھی ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ابوسنان بن محصن تو بنوقریظہ کے حصار سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ واقدی نے سنان بن ابی سنان بن محصن کا ذکر کیا ہے۔[4]

دوسری جانب ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے امام شعبی اور زر بن حبیش کے حوالے سے ابوسنان بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔[5] اسی طرح ابن مندہ نے بھی زر بن حبیش سے ابوسنان بن وہب رضی اللہ عنہ ہی کا نام لکھا ہے۔[6] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شعبی اور زر بن حبیش کی روایات صحیح ہیں۔[7] امام بغوی کی روایت میں ابوسفیان بن حارث کا ذکر ہے۔[8] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اہل مغازی کے نزدیک بھی ابوسنان بن وہب رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے صحابی ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔[9]

ابوسنان اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما کی بیعت کا معاملہ

امام سفارینی نے ابوسنان بن وہب رضی اللہ عنہ کے واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہی پہلے شخص تھے جنھوں نے سب سے پہلے بیعت کی تھی اور صحیح مسلم میں پہلے سلمہ رضی اللہ عنہ کے بیعت کرنے کا تذکرہ ہے، وہ ان دونوں روایتوں کو جمع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابوسنان نے مطلق طور پر سب سے پہلے بیعت کی جب کہ انصار میں سے سب سے پہلے بیعت کرنے والے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ تھے، اس لیے سلمہ رضی اللہ عنہ کی اولیت ابوسنان رضی اللہ عنہ کے بعد ہے۔[10]

بیعت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مرکز اسلام مدینہ طیبہ سے تقریباً 400 کلومیٹر دور تھے۔ کفار کے مقابلے میں ان کی کل تعداد 1400 تھی اور وہ بھی باقاعدہ کسی جنگ کے لیے نہیں نکلے تھے۔ دشمن اپنے علاقے میں تھا۔ ان کے حلیفوں کی مدد بھی انھیں پہنچ سکتی تھی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان حالات سے بے نیاز، شوق شہادت سے سرشار دیوانہ وار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

1 دلائل النبوۃ للبیہقی: 137/4. 2 عیون الأثر، ص: 320. 3 المعجم الأوسط للطبرانی: 576/1. 4 المغازی للواقدی: 92،91/2. 5 الاستیعاب: 39/2. 6 الإصابۃ: 162/7. 7 الإصابۃ: 157/3. 8 معجم الصحابۃ للبغوی: 404/5. 9 الإصابۃ: 153/7. 10 شرح ثلاثیات مسند أحمد: 733/2 بحوالہ مرویات غزوۃ الحدیبیۃ، ص: 149-153.

کے دست مبارک پر جان دینے کی بیعت کر رہے تھے۔ چشم فلک نے شوق و جاں نثاری کا یہ ذوق کب دیکھا ہوگا! اللہ تعالیٰ صحابہ کی بے سروسامانی میں اس عزم مصمم پر اس قدر راضی ہوا کہ اپنے حبیب سے اس بیعت کو اپنے سے بیعت قرار دیا، چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾

”بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ تو بس اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پھر جس نے عہد شکنی کی، تو بس وہ اپنی ہی ذات کے خلاف عہد شکنی کرتا ہے، اور جس نے (وہ) عہد پورا کیا جو اس نے اللہ سے باندھا تھا، تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔“[1]

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والوں کی شان بیان کی ہے اور اپنے رسول سے ان کی بیعت کو اپنے ساتھ بیعت قرار دیا ہے۔ اس میں بیعت کرنے والے صحابہ کی بے حد عزت افزائی کی گئی ہے اور انھیں بہت بڑے مرتبے سے نوازا گیا ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کیجیے: ”جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ یقیناً اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔“ جب صحابۂ کرام رسول اللہ ﷺ سے بیعت کر رہے تھے اور آپ اپنا مبارک ہاتھ ان کے ہاتھوں پر رکھ رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ لوگوں اور اللہ تعالیٰ کے مابین سفیر ربانی تھے تو مسلمانوں کی یہ بیعت اللہ تعالیٰ ہی سے ہوئی۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے اور اپنی ساری مخلوق سے اوپر ہے تو اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہی ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ خود بھی ان سے اوپر ہے۔[2]

اسی طرح اللہ تعالیٰ اس بیعت میں شامل ہونے والوں کو اپنی رضا مندی کی خوشخبری دیتے ہوئے فرماتا ہے:

لَّقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿١٨﴾ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٩﴾

”البتہ تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، چنانچہ ان کے دلوں میں جو (خلوص) تھا، اسے اللہ نے جان لیا، تو اس نے ان پر تسکین و طمانیت نازل کی اور بدلے میں انھیں قریب کی فتح عطا فرمائی۔ اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں) جو وہ حاصل کریں گے۔ اور اللہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔“[3]

1 الفتح 48:10. 2 مختصر الصواعق المرسلۃ لابن القیم: 989/3، 990. 3 الفتح 48:18، 19.

یہاں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ ان منتخب افراد سے راضی ہو چکا ہے جو بیعت رضوان والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہو جائے، اُس سے وہ کبھی ناراض نہیں ہوتا۔ اللہ کی قسم! جو مقام و مرتبہ بیعت رضوان والوں کو ملا گیا، اُس کا کوئی صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ اللہ! یہ کتنا رفیع و وقیع مرتبہ ہے، کتنی بڑی فضیلت ہے۔ درج بالا آیت میں یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اے محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے راضی ہو چکا ہے۔ وہ کتنا ایمان افروز اور ولولہ انگیز منظر تھا جب آپ کے ساتھیوں نے درخت کے نیچے آپ کے دست مبارک پر قریش کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی بیعت کی۔ ان کی بیعت کیکر کے درخت تلے تھی۔ اے محمد ﷺ! درخت تلے جب آپ کے صحابہ آپ سے بیعت کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے خوب جان لیا کہ وہ صدقِ نیت، وفاداری اور سمع و طاعت سے بیعت کر رہے ہیں اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے دکھائے ہوئے حق کے رستے پر کس قدر بصیرت اور استقامت کا مظاہرہ کیا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر سکون واطمینان کی چادر تان دی۔

اس فتح سے مراد وہ صلح ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان کرا دی اور اس کے بعد مسلسل خیر و برکت کا دور شروع ہو گیا۔ اس صلح کے فوراً بعد پہلے خیبر فتح ہوا، پھر مکہ مکرمہ اور پھر دیگر تمام علاقے اسلام کے سایۂ رحمت میں آگئے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دنیا و آخرت کی عزت و سربلندی اور فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا۔

غنیمتوں کا وعدہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:



﴿ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴾

''اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انھیں حاصل کرو گے۔ پھر اس نے جلد ہی وہ تمھیں عطا کر دیں، اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے، تاکہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی ہو جائے، اور تاکہ وہ تمھیں صراط مستقیم کی ہدایت دے۔ اور (اللہ نے) دوسری غنیمتوں کا بھی (وعدہ کیا) جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے۔ یقیناً اللہ نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے، اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''[1]

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے غنیمتوں کا جو وعدہ فرمایا، اس سے مراد آج تک حاصل ہونے والی تمام غنیمتیں ہیں۔

آیت کریمہ میں صلح حدیبیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ اللہ نے دشمنوں کے ہاتھوں کو تمھاری طرف بڑھنے سے روک دیا تھا اور وہ جنگ و جدال کے جو منصوبے بنا رہے تھے، ان سے تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان والوں کے بارے میں فرمایا کہ اسی نے انھیں تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہی اس کے زیادہ اہل اور حق دار تھے۔ مزید ارشاد فرمایا:

﴿ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴾

''جن لوگوں نے کفر کیا جب انھوں نے اپنے دلوں میں حمیت (غیرت) پیدا کر لی، جاہلیت کی حمیت (غیرت)، تو اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر تسکین نازل کی اور ان کو تقویٰ کی بات پر ثابت قدم رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے۔ اور اللہ ہر شے کو خوب جانتا ہے۔''[2]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صراحت فرما دی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ ہی نے تقوے کی بات پر ثابت قدم رکھا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک کلمۂ تقویٰ سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہ وضاحت فرما دی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کفار کی نسبت کلمۂ تقویٰ کے زیادہ حقدار تھے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق وہی اس کے اہل تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی نصرت اور پیغمبر کی مصاحبت کے لیے اہل خیر و صلاح لوگوں ہی کو چنا ہے۔[3]

1 الفتح 48:20، 21. 2 الفتح 48:26. 3 تفسیر الطبری، الفتح 48:26

احادیث میں بھی بیعت رضوان کرنے والوں کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ امام احمد بن حنبل ؒ نے سیدنا جابر ؓ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لا يدخل النار أحد ممن بايع تحت الشجرة»

''درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔''[1]

صحیحین میں سیدنا جابر ؓ کی ایک دوسری روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے دن فرمایا:

«أَنْتُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ»

''تم اہلِ زمین میں سب سے بہتر لوگ ہو۔''

ہم اس وقت چودہ سو افراد تھے۔ اگر آج میری آنکھیں بینا ہوتیں تو میں تمھیں اس درخت کی جگہ دکھاتا۔[2]

حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں: اصحاب شجرہ کی فضیلت کے بارے میں یہ روایت بالکل واضح ہے، حالانکہ اس وقت مسلمانوں کی ایک جماعت مکہ اور مدینہ وغیرہ میں بھی موجود تھی (لیکن رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والوں کے بارے میں مندرجہ بالا فضیلت بیان فرمائی)۔[3]

صحیح مسلم میں سیدنا جابر ؓ سے روایت ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ ؓ کا ایک غلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاطب کی شکایت کرنے آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! حاطب ضرور آگ میں داخل ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا:

«كَذَبْتَ لَا يَدْخُلُهَا، فَإِنَّهُ شَهِدَ بَدْرًا وَالْحُدَيْبِيَةَ»

''تو نے جھوٹ بولا ہے، وہ آگ میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شامل ہوا تھا۔''[4]

سیدنا جابر ؓ فرماتے ہیں کہ مجھے ام مبشر ؓ نے بتایا کہ انھوں نے سیدہ حفصہ ؓ کے ہاں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«لَا يَدْخُلُ النَّارَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ أَحَدٌ مِنَ الَّذِينَ بَايَعُوا تَحْتَهَا»

''ان شاء اللہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی آگ میں داخل نہیں ہوگا۔''

یہ سن کر سیدہ حفصہ ؓ نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں؟'' آپ ﷺ نے انھیں ڈانٹا۔ حفصہ ؓ

1 مسند أحمد: 350/3. 2 صحيح البخاري: 4154، صحيح مسلم: 1856. 3 فتح الباري: 552/7. 4 صحيح مسلم: 2495.

نے عرض کیا: پھر قرآن کی اس آیت کا مفہوم کیا ہے: ﴿ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ﴾ ''تم میں سے ہر ایک جہنم پر ضرور وارد ہونے والا ہے۔'' تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible] ﴿ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴾ [illegible]

''اللہ تعالیٰ نے یہ بھی تو فرمایا ہے: ''پھر ہم متقی لوگوں کو نجات دیں گے اور ہم ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔''[1]

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''اصحاب شجرہ میں سے کوئی بھی ان شاء اللہ آگ میں داخل نہیں ہوگا۔'' کے معنی یہ ہیں کہ ان میں سے یقیناً کوئی بھی آگ میں داخل نہ ہوگا۔ آپ نے ''ان شاء اللہ'' برکت کے طور پر کہا ہے، شک کی بنا پر نہیں کہا۔ رہا سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا سوال اور قرآنی آیت تو نبی ﷺ نے اس آیت کے بعد والی آیت پڑھ کر سنا دی اور اپنے ارشاد مبارک کی توضیح کر دی۔

اس میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیے مناظرہ اور اعتراض کرنے اور جواب دینے کی دلیل موجود ہے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا مقصود یہی تھا، وہ آپ ﷺ کی بات تردید کرنے کی ہرگز خواہش مند نہیں تھیں۔ آیت میں وارد ہونے کا جو ذکر ہے تو اس کے متعلق صحیح قول یہی ہے کہ اس سے مراد ''پل صراط'' سے گزرنا ہے۔ پل صراط جہنم کے اوپر نصب کیا جائے گا، جہنمی اس میں جا گریں گے اور باقی بچ نکلیں گے۔[2]

امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''جو شخص مرار گھاٹی پر چڑھ جائے گا، اس کے گناہ اس طرح معاف ہو جائیں گے جیسے بنی اسرائیل کے معاف

1 صحیح مسلم: 2496. 2 شرح مسلم: 85/16.



بیرونِ مکہ کی گھاٹی ''ثنیۃ المرار''

ہو جاتے (اگر وہ حکم الٰہی پر عمل کر لیتے)۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سب سے پہلے اس گھاٹی پر ہمارے، یعنی بنوخزرج کے گھوڑے چڑھے، پھر لوگوں کا تانتا بندھ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَكُلُّكُمْ مَغْفُورٌ لَهُ إِلَّا صَاحِبَ الْجَمَلِ الْأَحْمَرِ»

''تم میں سے ہر ایک کی بخشش ہو گئی سوائے لال اونٹ والے کے۔''

ہم اس شخص کے پاس گئے اور ہم نے کہا: ''تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چل تاکہ وہ تیرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔'' وہ بولا: ''اللہ کی قسم! میں اپنی گمشدہ چیز پا جاؤں، یہ بات مجھے اس امر سے زیادہ پسند ہے کہ تمھارے صاحب کی دعا سے مجھے بخش دیا جائے۔'' سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ شخص اپنی گم شدہ چیز ڈھونڈ رہا تھا۔[1]

اس حدیث میں حدیبیہ والوں کی بہت بڑی فضیلت کا ذکر ہوا ہے، یعنی انھیں اللہ تعالیٰ کی جناب سے مغفرت کا پروانہ نصیب ہوا۔ پروردگار نے انھیں بے مثال فضیلت سے نوازا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان کے اخلاص کا صلہ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع و طاعت کا ثمر تھا۔[2]

درج بالا صحیح نصوص میں حدیبیہ والی جماعت کی متعدد صفات بیان ہوئی ہیں کہ وہ لوگ تمام اہل زمین سے افضل ہیں، انھیں اللہ تعالیٰ نے مغفرت سے نوازا ہے۔ ان میں سے کوئی دوزخ میں نہیں جائے گا۔ اس جلیل القدر جماعت کا جب ہم اہل بدر سے تقابل کرتے ہیں تو ہمیں کل لشکر میں نصف سے زیادہ مہاجرین نظر آتے ہیں۔ بدر میں مہاجرین کی تعداد تراسی تھی جبکہ وہ اس موقع پر آٹھ سو کی تعداد میں تھے۔ ان میں سے اکثر پڑوس میں واقع چھوٹے چھوٹے عرب قبائل سے آنے والے مہاجرین تھے۔ ان کے نوجوان مدینہ منورہ آتے، مسجد نبوی میں تربیت پاتے اور غزوات

1 صحیح مسلم: 2780. 2 عقیدۃ أهل السنة والجماعة: 212/1.



مسجد نبوی رات کے اوقات میں

سے عملی تربیت حاصل کرتے تھے۔ وہ بہترین فوجی تربیت حاصل کرتے اور رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست دین کا فہم حاصل کرتے تھے۔ وہ اپنے سے پہلے مسلمان ہونے والے عظیم مہاجرین و انصار کی زیر تربیت پروان چڑھ رہے تھے۔ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ یوں ان کے قبائل شرف و عزت میں بڑے بڑے قبائل سے بہت آگے بڑھ گئے، جبکہ بڑے بڑے قبائل اسلام کے سائے میں آنے اور مددگار بننے کے شرف سے محروم رہ گئے۔ قبیلہ اسلم اور غفار ان قبائل میں سب سے آگے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کے بعد اس کا سہرا مسلمانوں میں سے سبقت لے جانے والوں اور اسلامی دعوت کے اولین ارکان کے سر جاتا ہے۔ یوں کہہ لیجیے کہ مکہ مکرمہ میں سابقون اولون کے ساتھ اسلام لانے والے صحابی سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو یہ رفعت و فضیلت حاصل ہے کہ وہ اپنی قوم میں داعی بن کر گئے اور غزوۂ احد کے بعد

قبیلہ غفار کا علاقہ





غفار کے ستر گھرانوں کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ یہی فضیلت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل ہے جو ہجرت سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے ملے اور اپنی قوم کے ستر آدمیوں کے ساتھ اسلام لائے تھے۔

رہے بقیہ قبائل جیسے مزینہ، جہینہ، اشجع اور خزاعہ تو ان کے نوجوان بہت تھوڑی تعداد میں اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ آئے تھے، جبکہ ان کی اکثریت شرک و کفر ہی میں گھری رہی۔ یہ لوگ مدینہ منورہ کے تربیتی ماحول سے کنارہ کش رہے۔ لہٰذا حدیبیہ کی طرف آنے والے خوش نصیب مسلمانوں کی صف میں عدم شمولیت کی وجہ سے وہ آیات ان پر بجلیاں بن کر گریں جن میں پیچھے رہنے والوں کو ڈانٹ ڈپٹ کی گئی تھی۔[1]

صلح کے اسباب

حدیبیہ کے موقع پر صلح کا اہم ترین سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا موقف مبنی برحق اور پوری طرح امن و سلامتی

1 التربية القيادية للدكتور الغضبان: 4/ 214-216

والا تھا۔ آپ ﷺ نے صراحت سے فرمایا تھا:

"والَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا يَسْأَلُونِي خُطَّةً يُعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللَّهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا"

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر کفارِ قریش مجھ سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ کریں جس میں وہ اللہ کی حرمت وعزت والی چیزوں کی تعظیم کریں تو میں اسے ضرور منظور کرلوں گا۔''

اس فرمانِ نبوی سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ہی سب سے پہلے صلح اور سلامتی کے بدرجہ غایت آرزومند تھے اور مکہ مکرمہ کے تقدس واحترام کے پیش نظر لڑائی کے ہرگز روادار نہیں تھے۔

دوسری طرف جب قریش مکہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کرنے کی اطلاع ملی تو انھیں یقین ہوگیا کہ مسلمان اپنے موقف سے کسی صورت پیچھے نہیں ہٹیں گے اور موت پر بیعت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر صلح کی طرف جلدی ہاتھ نہ بڑھایا گیا تو شہر امن میں خون ریزی ہوگی۔ اور احرام باندھے ہوئے لوگوں کے خلاف جنگ کرنے سے سارے علاقے میں ہماری عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔ ایسی صورت میں حلیفوں کا ساتھ بھی چھوٹ سکتا ہے۔ اشراف قریش اور حلفائے قریش رسول اللہ ﷺ کے ارادوں سے بخوبی باخبر تھے۔ مسلمانوں کا یہ سفر صرف بیت اللہ کے طواف اور تکریم کے لیے تھا۔ اس سفر میں اللہ کی رضا کے حصول کے علاوہ کوئی اور مقصد کارفرما نہ تھا۔ عرب رسول اللہ ﷺ کی سچائی اور ثابت قدمی سے خوب واقف تھے۔ اسی لیے سردار احابیش حلیس بن علقمہ اور سردار طائف عروہ بن مسعود قریش مکہ کو مسلمانوں سے لڑنے کی ممانعت اور تلقین کر چکے تھے۔

مشرکین مکہ کی پریشانی

مشرکین مکہ اپنی جھوٹی انا اور گرتی ہوئی ساکھ بحال رکھنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کا مکہ میں امن وسلامتی

طائف شہر کا ایک خوبصورت منظر



سے داخل ہونا اور بیت اللہ کا طواف کرنا سخت ذلت کا موجب تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کا بغض و عناد اور صریح دشمنی عروج پر تھی۔ غزوۂ بدر میں ذلت آمیز شکست، احد و خندق میں نامرادی اور یہودیوں کا مدینہ سے دربدر اور تباہ ہونا قریش کی پریشانی میں اضافہ کر رہا تھا۔ انھیں یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ مسلمان اپنی مرضی سے بیت اللہ کا طواف کریں۔

قریش مکہ یہ بھول گئے تھے کہ ان کا شعار حجاج کی تکریم اور اعانت ہے اور اسی وجہ سے انھیں عرب میں عزت و احترام کا مقام حاصل ہے۔ اس وقت قریش اپنا فرض منصبی بھول گئے اور تکبر میں مبتلا ہو کر شیطانی حربوں کے غلام بن گئے۔ اب وہ اپنے عمل بد کی رو سے بیت اللہ کے متولی نہیں رہے تھے بلکہ ان شیطانوں کے آلۂ کار بن گئے تھے جنھیں وہ مورتیوں کی صورت میں پوجتے تھے۔

اگر قریش بزور شمشیر مسلمانوں کو روکتے تو مسلمان موت پر بیعت کر چکے تھے اور جذبۂ جہاد سے پوری طرح سرشار تھے۔ ہرچند قریشی وادی بلدح میں اپنے حلیفوں کے ساتھ آٹھ ہزار جنگجو تیار کیے بیٹھے تھے لیکن چودہ سو مسلمانوں کا ولولہ اور حوصلہ قریشیوں کو یہ باور کرا دینے کے لیے کافی تھا کہ تباہی و بربادی قریش ہی کا مقدر ہوگی۔ چنانچہ قریش نے اسی میں عافیت جانی کہ مسلمانوں سے کسی نہ کسی طرح صلح کر کے انھیں واپسی پر رضامند کیا جائے تاکہ ان کی تیزی سے گرتی ہوئی ساکھ بحال ہو سکے۔

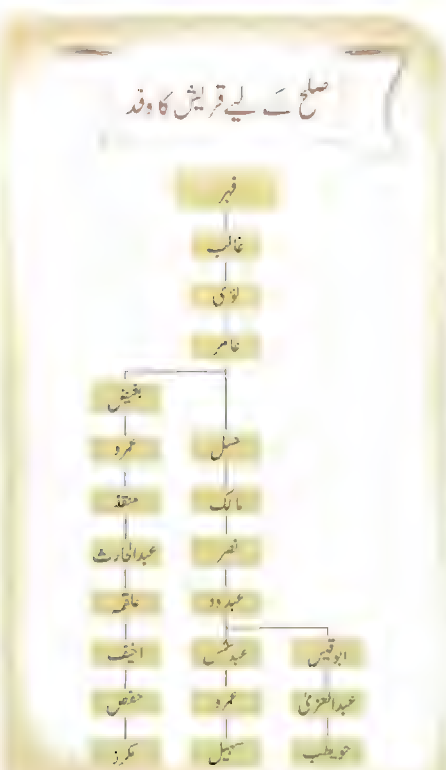
رسول اللہ ﷺ کو بھی حدود اللہ کا احترام بدرجۂ غایت ملحوظ تھا اور آپ بہر صورت صلح کرنا چاہتے تھے۔ آپ کی سب سے بڑی تڑپ اور طلب یہ تھی کہ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں۔ یوں انھیں قتل کر کے جہنم رسید کرنے کے بجائے دعوت کے ذریعے اسلام میں داخل کیا جائے تاکہ ان کے اسلام کی بدولت دیگر عرب بھی خوشی خوشی اسلام قبول کر لیں۔



مسجد نبوی کے مینار سے لیا گیا مدینہ منورہ کا خوبصورت منظر (مسجد نبوی کی چھتریاں نمایاں ہیں)

قریش کے معاہدے

قریش مکہ دوسری قوموں سے صلح صفائی سے رہنے کے خواہش مند تھے اگر چہ ان کا بعض گروہوں سے جھگڑا بھی ہوتا رہتا تھا لیکن وہ اکثر و بیشتر معاہدے بھی کرتے تھے۔ انھوں نے مختلف گروہوں سے تجارتی معاہدے کر رکھے تھے۔ قیصر و کسریٰ سے ان کا تحفے تحائف کا تبادلہ بھی ہوتا تھا۔ جس طرح ہاشم بن عبد مناف نے قیصر و کسریٰ سے معاہدہ کر رکھا تھا۔ دوسری طرف امیہ بن عبد شمس نے شاہ حبشہ نجاشی سے سلام دعا بڑھا رکھی تھی۔ اب وہ قائل ہو گئے کہ اسی طرح کا ایک معاہدہ مسلمانوں کے ساتھ بھی ہونا چاہیے جس کے تحت طرفین امن سے رہ سکیں، چنانچہ سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مکہ سے پلٹے تو اسی اثنا میں سہیل بن عمرو، حویطب اور مکرز قریش کی طرف آئے۔ انھوں نے قریش کو وہ سب کچھ بتایا جو وہ دیکھ کر گئے تھے کہ کس طرح صحابہ نے تنی جاں نثاری کے جذبے سے لپک لپک کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر موت کی بیعت کی ہے اور وہ جنگ کے لیے چوکس بیٹھے ہیں۔ یہ باتیں سن کر کفار قریش پر مسلمانوں کا زبردست رعب طاری ہو گیا۔ قریش کے دور اندیش اور سمجھدار لوگوں نے کہا: اس سے بہتر کوئی حل نہیں کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ اس شرط پر صلح کریں کہ وہ اس سال واپس چلے جائیں، بیت اللہ نہ آئیں تاکہ عرب سمجھ لیں کہ ہم نے مسلمانوں کو بیت اللہ میں داخلے سے روک دیا ہے۔ وہ اگلے سال آئیں، تین دن رہیں، قربانی کریں اور مدینہ چلے جائیں۔[1]



صلح کے لیے قریش کے وفد کی روانگی

سہیل بن عمرو قریش کے سرکردہ سرداروں میں سے تھا۔ وہ دور اندیش، سمجھ بوجھ والا اور سیاسی بصیرت کا حامل تھا۔ اس وفد میں سہیل کے علاوہ حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص شامل تھے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق مکرز پہلے سے وہاں موجود تھا۔[2]

1 المغازي للواقدي : 93/2، سبل الهدى والرشاد : 52/5.

2 صحيح البخاري :2732،2731.

سہیل کو قریش کی ہدایات

قریش نے سہیل کو روانہ کرتے وقت ہدایات دیتے ہوئے کہا:

ائت محمدا فصالحه، ولا يكن في صلحه إلا أن يرجع عنا عامه هذا، فوالله! لا تحدث العرب عنا أنه دخلها علينا عنوة أبدا.

”محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کا عہد و پیمان کرو۔ یہ خوب سن لو کہ صلح کی شرائط میں یہ شرط ضرور رکھنا کہ وہ اس سال واپس چلے جائیں۔ اللہ کی قسم! ہم عرب کے لوگوں سے ہرگز یہ سننا نہیں چاہتے کہ محمد (ﷺ) زبردستی مکہ میں داخل ہوگئے ہیں (اور ہم انھیں روکنے کی طاقت نہیں رکھتے)۔“

وفد قریش حدیبیہ میں

سہیل بن عمرو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دور سے دیکھتے ہی فرمایا:

«قد أراد القوم الصلح حين بعثوا هذا الرجل»

”اس شخص کے آنے کا مطلب یہ ہے کہ قریش نے صلح کا ارادہ کرلیا ہے۔“[1]

صحیح بخاری میں یہ الفاظ ہیں:

«قد سهل لكم من أمركم»

”تمھارے لیے تمھارا معاملہ آسان ہوگیا ہے۔“[2]

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قد سهل الله لكم من أمركم، القوم ماتّون إليكم بأرحامهم، وسائلوكم الصلح، فابعثوا الهدي وأظهروا التلبية لعل ذلك يلين قلوبهم.

”اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے تمھارا معاملہ آسان کر دیا ہے۔ (اب) یہ لوگ تمھاری قرابتداری کا سہارا لے کر تمھارے پاس آرہے ہیں اور تم سے صلح کے طلب گار ہیں۔ ان کے سامنے قربانی کے جانور کھڑے کردو، اور بلند آواز سے تلبیہ پکارو، شاید اس سے ان کے دل نرم پڑ جائیں۔“

---

1 السيرة لابن إسحاق: 461/2. 2 صحيح البخاري: 2732،2731.

آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتنی بلند آہنگی سے تلبیہ پکارنا شروع کر دیا کہ فضا گونج اٹھی۔[1]

سہیل کی طرف سے مذاکرات کا آغاز

قریش مکہ نے سہیل کو جو ہدایات دی تھیں، ان میں اہم بات یہی تھی کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں، اگلے سال عمرہ کرنے آئیں۔ باقی امور میں انھوں نے سہیل کو با اختیار بنایا تھا اور درپیش حالات کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے معاہدے کی جزئیات طے کرنے کی کھلی چھوٹ دی تھی۔ سہیل اپنے وفد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ اس نے سب سے پہلے نبی ﷺ سے قریشی جنگجوؤں کی زیادتیوں پر معذرت کی۔ اس نے کہا: کچھ باؤلے قریشی جنگجوؤں نے اشتعال انگیزی کی ہے۔ یہ ٹھیک نہیں ہوا، اس نے افسوس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ عثمان اور دیگر صحابہ کو مکہ میں محبوس رکھنا بھی غلط بات ہے۔ اس نے افسوس کے ساتھ یہ بھی کہا:

إنَّ قتالك لم يكن من رأي ذوي رأينا ولا ذوي الأحلام منا بل كنا له كارهين حين بلغنا ولم نعلم به وكان من سفهائنا

''جنھوں نے آپ سے لڑائی کی ہے، وہ ہمارے سمجھدار لوگوں میں سے نہیں تھے، نہ انھیں کسی صاحب حیثیت نے لڑنے کے لیے کہا تھا۔ ہمیں اس کا علم تک نہیں تھا۔ جب ہمیں پتہ چلا تو ہم نے اس طرز عمل کو پسند نہیں کیا۔ یہ ہمارے بیوقوفوں کی کارروائی تھی۔''

قیدیوں کی رہائی

سہیل بن عمرو نے معذرت کے بعد کہا: آپ نے پہلی اور آخری دفعہ دونوں مواقع پر ہمارے جن لوگوں کو قید کیا ہے، انھیں چھوڑ دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إني غيرُ مُرسلهم حتى ترسلوا أصحابي"

''میں اُس وقت تک تمھارے افراد کو نہیں چھوڑوں گا جب تک تم لوگ میرے صحابہ کو نہیں چھوڑو گے۔''

سہیل بولا: ''ہاں، یہ بات بالکل قرین انصاف ہے۔''

چنانچہ سہیل نے شتیم بن عبد مناف تیمی کو قریش کی طرف روانہ کیا اور مسلمان قیدیوں کو رہا کرنے پر زور دیتے ہوئے کہا: تم لوگوں نے محمد (ﷺ) کے کچھ لوگوں کو روک رکھا ہے، حالانکہ تمھاری ان کے ساتھ رشتہ داری ہے۔ تم

[1] تاريخ الطبري: 2/277، المصنف لابن أبي شيبة: 7/385

انھیں قتل نہیں کر سکتے، ہمیں یہ ناپسند ہے۔ محمد (ﷺ) نے تمھارے افراد کو اس وقت تک چھوڑنے سے انکار کر دیا ہے جب تک کہ تم ان کے صحابہ کو نہیں چھوڑ دیتے۔ انھوں نے ہمارے ساتھ انصاف کیا ہے۔ تمھیں جاننا چاہیے کہ محمد (ﷺ) تمھارے ساتھیوں کو رہا کر دیں گے۔

اہل مکہ نے یہ پیغام سننے کے بعد اپنے ہاں محبوس صحابہ رضی اللہ عنہم کو چھوڑ دیا۔ یہ کل گیارہ افراد تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہلی اور آخری مرتبہ جو مشرکین قید ہوئے تھے، انھیں بھی رہا کر دیا گیا۔ پہلی مرتبہ قید ہونے والوں میں ابوسفیان کا بیٹا عمرو بھی شامل تھا۔[1]

معاہدے کے لیے بحث

ابتدائی بات چیت اور قیدیوں کی رہائی کے بعد فریقین صلح کی شقوں پر گفتگو کرنے لگے۔ اس بحث میں جانبین کی یہی خواہش تھی کہ صلح کی شرائط ایسی ہوں جن سے اسے فائدہ پہنچے، چنانچہ اس بحث و تکرار کی وجہ سے مناقشہ بڑھتا گیا۔

سہیل کو رسول اللہ ﷺ کے محافظوں کی ڈانٹ

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ آپ کے اردگرد موجود تھے۔ عباد بن بشر اور سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لیے اسلحہ زیب تن کیے ہوئے آپ کے قریب کھڑے تھے۔ مذاکرات کرتے کرتے سہیل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بلند آواز سے بولنے لگا تو عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے سہیل کو ڈانٹا اور کہا: ''خبردار! رسول اللہ ﷺ کے حضور تمھاری آواز بلند نہ ہونے پائے۔''

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں: ''جب صلح حدیبیہ کے لیے بات چیت ہو رہی تھی تو میں اس دن رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ آلتی پالتی مار کر بیٹھے ہوئے تھے۔ سلمہ بن اسلم اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما مسلح ہو کر آپ کی حفاظت کر رہے تھے۔ جب سہیل کی آواز بلند ہوئی تو ان دونوں نے سہیل کو ٹوکا اور کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ کے حضور اپنی آواز پست رکھو۔ اس موقع پر سہیل دوزانو ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ (اپنی بات منوانے کے لیے) بلند آواز سے بات کر رہا تھا۔ میں اس کے ہونٹ کے نشان اور کچلی کے دانت دیکھ رہی تھی۔ مسلمان رسول اللہ ﷺ کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے ہوئے تھے۔''[2]

1 المغازي للواقدي: 92/2. 2 المغازي للواقدي: 94,93/2

جب سہیل آیا تھا تو آپ ﷺ کے سامنے پاؤں پسار کر بیٹھ گیا تھا۔ لیکن جب معاہدے کی جزئیات پر بحث ہونے لگی تو آپ ﷺ نے بھی وہی حالت اختیار کر لی جو اس نے ابتدائے کلام میں اختیار کی تھی تاکہ سہیل اس وہم میں نہ رہے کہ وہ کسی طور معاہدے پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ قریش کی شرط مان گئے

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سمیت وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جو مکہ میں روک لیے گئے تھے، وہ سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آچکے تھے۔ اب رسول اللہ ﷺ امن و سلامتی اور دعوت و تبلیغ جیسے فریضۂ عظمیٰ کے پیش نظر قریش کی یہ شرط ماننے کے لیے رضا مند ہو گئے کہ مسلمان اس دفعہ عمرہ نہیں کریں گے۔ آپ نے یہ معاملہ اگلے سال تک مؤخر کر دیا۔

بظاہر یہ فیصلہ انتہائی صبر آزما اور پریشان کن تھا۔ تمام صحابہ کرام بیت اللہ کی محبت میں اللہ کی رضا کے حصول کے لیے تڑپ رہے تھے لیکن یہاں تو اللہ کی رضا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے مشروط تھی۔ یہ فیصلہ خود رسول اللہ ﷺ کا نہیں تھا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا اور رسول اللہ ﷺ صرف اللہ کے فیصلے کے تابع تھے۔ بعد ازاں اس بارے میں جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ذہنی تحفظات اور تأثرات ظاہر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ وَلَنْ يُضَيِّعَنِي اللَّهُ

''میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔''[1]

اس ارشاد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کیے بغیر واپس چلے جانے کی شرط اللہ تعالیٰ کے حکم سے مانی تھی۔ اس کے زبردست فوائد کا عام مسلمانوں کو اندازہ ہی نہیں تھا۔

سہیل بن عمرو کہنے لگا: آیئے! ہم ایک معاہدہ تحریر کر لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ تحریر کرنے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ انھوں نے یہ معاہدہ تحریر کیا۔

صحیح بخاری میں معاہدۂ حدیبیہ کے بارے میں جو روایت ہے، اس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

لَمَّا صَالَحَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَهْلَ الْحُدَيْبِيَةِ كَتَبَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِ بَيْنَهُمْ كِتَابًا.

[1] صحيح البخاري، 3182.

''جب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والوں سے صلح فرمائی تو اس روز سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کے مابین معاہدہ لکھا۔''[1]

صلح کے مسودے پر اعتراضات اور ان کا جواب

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لکھو: ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' سہیل کہنے لگا: میں رحمٰن کو نہیں جانتا، اس لیے لکھیں: بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ. ''اے اللہ! تیرے نام سے۔'' جیسا کہ آپ پہلے لکھا کرتے تھے۔



مسجد علی بن ابی طالب (آذربائیجان)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس موقع پر تکرار کرنے لگے۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم تو بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی لکھوائیں گے۔ آپ ﷺ نے سیاسی بصیرت کی بنا پر سہیل کی بات مان لی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اُكْتُبْ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ ''باسمك اللّٰهم لکھ دو۔'' اس کے بعد آپ نے یہ لکھوایا: هٰذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ ''یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی ہے۔'' یہ سنتے ہی سہیل نے اعتراض اُٹھایا اور کہا: اللہ کی قسم! اگر ہمیں یہ یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم کبھی آپ کو بیت اللہ کی زیارت سے نہ روکتے، نہ آپ سے لڑائی کرتے۔ یہاں لکھیں: ''محمد بن عبداللہ۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وَاللّٰهِ إِنِّي لَرَسُولُ اللّٰهِ وَإِنْ كَذَّبْتُمُونِي ''اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں چاہے تم مجھے جھٹلاؤ۔''[2]

اس موقع پر سیدنا اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اُن سے کہنے لگے: محمد رسول اللہ ﷺ ہی لکھیے اور کچھ مت لکھیے ورنہ ہمارے اور ان کے مابین تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔ ہم اپنے دین کے معاملے میں یہ ذلت کیوں قبول کریں؟ اس موقع پر آوازیں بلند ہونے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو ہاتھ کے

1 صحيح البخاري: 2698. 2 صحيح البخاري: 2732,2731

اشارے سے آوازیں بلند کرنے سے روکا اور حکم دیا: اُسْکُتُوا ''خاموش ہو جاؤ۔''[1]

''رسول اللہ'' کے الفاظ حذف کرنے سے علی رضی اللہ عنہ کا انکار

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ کے روز رسول اللہ ﷺ اور مشرکین کے مابین صلح نامہ لکھا۔ انھوں نے لکھا: هٰذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ ''یہ وہ معاہدہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے تحریر کرایا ہے۔'' مشرکین کہنے لگے: رسول اللہ نہ لکھو کیونکہ اگر ہمیں یقین ہوتا کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ سے لڑائی نہ لڑتے۔ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اُمْحُهُ ''اسے مٹا دو۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں تو اسے نہیں مٹا سکتا، چنانچہ آپ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: أَرِنِي مَكَانَهُ ''مجھے اس کی جگہ دکھاؤ۔'' انھوں نے آپ کو اس لفظ کی جگہ دکھائی تو آپ نے اسے خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔[2]

پھر رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: اُكْتُبْ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ ''محمد بن عبداللہ لکھو۔'' امام زہری رحمہ اللہ اس حوالے سے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سہیل کی تمام باتیں اس وجہ سے مانتے رہے کہ آپ نے شروع ہی میں یہ فرما دیا تھا: لَا يَسْأَلُونِي خُطَّةً يُعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا ''مشرکین ایسا جو بھی مطالبہ کریں جس میں وہ اللہ کی حرمت وعزت والی چیزوں کی تعظیم کریں تو میں اسے منظور کر لوں گا۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن عمرو سے فرمایا: عَلٰى أَنْ تُخَلُّوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْبَيْتِ فَنَطُوفَ بِهِ ''شرط یہ ہے کہ تم ہمارے اور بیت اللہ کے بیچ سے ہٹ جاؤ تاکہ ہم طواف کر لیں۔'' سہیل کہنے لگا: اللہ کی قسم! عرب ہمیں باتیں بنائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ ہم پر زبردستی کی گئی ہے، البتہ آپ اگلے سال آ جائیں، چنانچہ یہ بات لکھ دی گئی۔

سہیل نے ایک شرط یہ بھی رکھی کہ ہمارے لوگوں میں سے کوئی بھی شخص ہر چند وہ آپ ہی کے دین پر ہو، اگر آپ کے پاس پہنچے تو آپ اسے لوٹا دیں۔ یہ سن کر مسلمان بلبلا اٹھے اور کہنے لگے: سبحان اللہ! ایسا شخص مشرکوں کی طرف کیسے لوٹایا جا سکتا ہے جو مسلمان ہو کر آیا ہو؟ ابھی اسی مسئلے پر بحث ہو رہی تھی کہ اچانک ابوجندل عاص بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ پابہ زنجیر داخل ہوئے۔ وہ مکہ کے نشیبی علاقے سے نکل کر آئے تھے۔ وہ آتے ہی مسلمانوں کی صفوں میں گر پڑے۔ انھیں دیکھتے ہی اُن کا والد سہیل بن عمرو چیخنے لگا: اے محمد! سب سے پہلی بات جس پر ہم صلح کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ آپ اسے میرے حوالے کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّا لَمْ نَقْضِ الْكِتَابَ بَعْدُ

[1] المغازي للواقدي 2/98,97. [2] صحيح مسلم: 1783

"ابھی تو ہم نے معاہدے کی تحریر بھی مکمل نہیں کی۔" سہیل کہنے لگا: اللہ کی قسم! اس صورت میں تو میں آپ سے ہرگز کسی قسم کا معاہدہ نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: «فأجزه لي» "اسے میری خاطر چھوڑ دو۔" سہیل اڑ گیا، کہنے لگا: میں اسے کسی صورت نہیں چھوڑوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کہا: «بلى فافعل» "نہیں، تم اسے ہمارے پاس چھوڑ دو۔" سہیل ہٹ دھرمی پر اتر آیا۔ کہنے لگا: میں اسے ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔

ابوجندل رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

«يا معشر المسلمين! أأرد إلى المشركين وقد جئت مسلما؟ ألا ترون ما قد لقيت؟»

"اے مسلمانوں کی جماعت! کیا مجھے پھر کافروں کی طرف لوٹا دیا جائے گا، حالانکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں؟ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ مجھے کتنی اذیت دی جا رہی ہے؟"

یقیناً انھیں اللہ کی راہ میں نہایت سخت تکلیفیں دی گئی تھیں۔[1]

ابوجندل رضی اللہ عنہ کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

"اے ابوجندل! صبر کرو اور اللہ رب العزت سے ثواب کی امید رکھو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اور تمھارے کمزور ساتھیوں کی رہائی کے لیے کوئی نہ کوئی رستہ نکال دے گا۔ بلاشبہ ہم نے قوم کے ساتھ صلح کا عہد و پیمان کر لیا ہے اور اس پر ہم نے انھیں اور انھوں نے ہمیں یقین دہانی بھی کرا دی ہے۔ بلاشبہ ہم بدعہدی نہیں کرتے۔"

ابوجندل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی سن کر مطمئن ہو گئے۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے زبردست اعتماد، یقین اور حوصلہ ملا۔ جب سہیل اپنے بیٹے کو لے کر جا رہا تھا، اس وقت مسلمانوں کی حالت غیر ہو گئی اور وہ شدید غم سے اس قدر نڈھال ہو گئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی پوری ہو گئی

یہ کتنا الم انگیز منظر تھا۔ ایک طرف رحمت دو عالم ﷺ پابہ زنجیر ابوجندل رضی اللہ عنہ کی حالت زار دیکھ کر بے قرار ہو رہے

1 صحیح البخاری: 2731، 2732

تھے اور ان کے والد سہیل سے اصرار فرما رہے تھے کہ اس مظلوم کو میری خاطر ہی چھوڑ دو۔ ابھی تو معاہدہ بھی طے نہیں ہونے پایا، اس لیے اس ستم زدہ انسان کو چھوڑ دینے کی پوری گنجائش موجود ہے۔ دوسری طرف اس کا سنگدل باپ تھا جو رسول اللہ ﷺ کا اصرار نظر انداز کر کے بڑی ڈھٹائی سے یہی رٹ لگائے جا رہا تھا کہ میں ابوجندل کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اور اگر آپ اسے میرے حوالے کرنے پر راضی نہ ہوئے تو میں آپ سے کسی طرح کا کوئی معاہدہ نہیں کروں گا۔ سہیل کی یہ سنگدلی اور رسول اللہ ﷺ کی غمگینی دیکھ کر سہیل کے ساتھیوں حویطب اور مکرز بن حفص کا دل بھی پسیج گیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یقین دلایا: «يا محمد! نحن نجيره لك» ”اے محمد! ہم اسے آپ کی خاطر پناہ دیتے ہیں۔“ چنانچہ اب سہیل کے لیے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو تعذیب و تشدد کا نشانہ بنانے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ یوں آپ ﷺ کی پیش گوئی فوراً پوری ہوئی۔

حویطب اور مکرز کا حقیقت پسندانہ تبصرہ

ابوجندل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی اور اس کا فوری اثر دیکھ کر مطمئن ہو گئے لیکن دوسری طرف حویطب اور مکرز یہ منظر دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے کہ مسلمان ابوجندل کی حالت دیکھ کر نہایت مغموم ہیں اور ان کی جدائی ان پر اس قدر شاق گزر رہی ہے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک اٹھی ہیں۔ فرطِ تاثر سے مغلوب ہو کر حویطب مکرز سے کہنے لگا: میں نے آج تک کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی جو اپنے ہم مذہب سے اس طرح ٹوٹ کر محبت کرتی ہو جس طرح محمد (ﷺ) کے ساتھی محمد (ﷺ) سے اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آج کے بعد تم محمد سے کبھی کسی آدمی کو لوٹانے کا مطالبہ نہ کرنا الا یہ کہ کوئی شخص از خود مکہ میں داخل ہو جائے۔ مکرز کہنے لگا: تم بالکل ٹھیک کہتے ہو، میرا بھی یہی خیال ہے۔[1]

سیدنا عمر اور سیدنا ابوجندل رضی اللہ عنہما کی ملاقات

سہیل بن عمرو اپنے بیٹے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو لے کر چل دیا۔ اس موقع پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی آگے بڑھے اور ابوجندل رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ چلنے لگے اور ان سے کہنے لگے: اے ابوجندل! صبر سے کام لو۔ بلاشبہ تمھارا باپ مشرک ہے، اس کا خون کتے کے خون کی طرح ہے۔ یہ کہتے ہوئے انھوں نے اپنی تلوار کا دستہ ابوجندل رضی اللہ عنہ کے قریب کر دیا۔ وہ فرماتے ہیں: مجھے امید تھی کہ ابوجندل تلوار کھینچ لیں گے اور اپنے باپ کو قتل کر دیں گے لیکن انھوں نے اپنے باپ کے بارے میں بخل سے کام لیا۔[2]

1 المغازي للواقدي:2/95. 2 السيرة لابن هشام:3/333.

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوجندل رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوجندل! بلاشبہ آدمی اللہ کی راہ میں اپنے باپ کو قتل کر دیتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر ہم راہ جہاد میں اپنے باپ کو مزاحم پاتے تو ضرور قتل کر دیتے (جس طرح بدر کے روز سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا کو قتل کر دیا تھا)۔ ابوجندل نے جواب دیا: آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ اسے قتل نہیں کر رہے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اور دیگر کسی بھی فرد کو قتل کرنے سے منع کر رکھا ہے۔ یہ سن کر ابوجندل رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا: آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حق مجھ سے زیادہ حاصل نہیں ہے۔[1]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابوجندل کو اپنے باپ کے قتل پر اکسایا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«یا عمر! [illegible]»

''اے عمر! شاید وہ اللہ کی راہ میں کوئی ایسا کام کرے جس پر اس کی تعریف کی جائے۔''[2]

بظاہر تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس صلح میں مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی ساری شرطیں مان لیں اور مکہ میں جو کمزور مسلمان تھے، بالخصوص ابوجندل رضی اللہ عنہ، انھیں بھی نہ چھڑا سکے۔ لیکن اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ یہ حقیقی فتح تھی جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ یہاں سب سے اہم اور توجہ طلب بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت پریشان تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ جہاد کے لیے تیار تھے اور اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے کے لیے سربکف بیٹھے تھے لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر مسلمانوں کی تربیت فرما رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ اللہ کی حکمتوں کا سمجھ میں آنا ضروری نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہایت ضروری ہے۔ حالات و حوادث چاہے جیسے بھی ہوں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بہر حال شرط لازم کی حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی شخص چاہے کتنی ہی زبردست اہمیت کا حامل ہو، اسے اجتماعی مفاد اور حکم الٰہی کے سامنے لازماً سرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ مسلمان اتحاد و اتفاق اور وحدت پر یقین رکھتے ہیں۔ امیر کی اطاعت ضروری ہے۔ اُس کی اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے بھائی ابوجندل رضی اللہ عنہ کی المناک حالت پر بڑے صبر کا مظاہرہ کیا۔ ابوجندل رضی اللہ عنہ کا باپ جب مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے انھی کے ایک دینی بھائی کو گریبان سے پکڑ کر کھینچ رہا تھا اور اس کے بدن سے خون بہہ رہا تھا تو مسلمان اپنے بھائی کی حالت زار سے متاثر ہو کر اپنے آنسو نہ روک سکے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

1 [illegible]: 96/2. 2 جامع الأصول فی أحادیث الرسول: 222/9.

فیصلے پر راضی ہو کر اپنے دل پر صبر کی سِل رکھ کر یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ ایک سفاک اور مشرک باپ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے مایۂ ناز بیٹے کو گریبان سے پکڑ کر گھسیٹتا چلا جا رہا ہے تاکہ اس بے قصور کو دوبارہ عقوبت خانے میں دھکیل دے۔

ابو جندل رضی اللہ عنہ نے دین و عقیدہ کی راہ میں صبر کا دامن تھامے رکھا۔ یوں ان پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالی کا اطلاق ہوا:

﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴾

''اور جو شخص اللہ سے ڈرے تو وہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ اور وہ اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہے، بے شک اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ بے شک اللہ نے ہر چیز کے لیے اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔''[1]

چنانچہ معاہدے کے بعد ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ مکہ مکرمہ میں موجود دیگر کمزور مسلمان بھی مکہ کے عقوبت خانوں سے نکل بھاگے اور ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر ایک قوت بن گئے۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ اہل مکہ ان سے خوف کھانے لگے اور یوں شام سے آنے والے قریشی قافلے ان کی دسترس میں آ گئے۔

معاہدے کی عبارت

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں: اختلافات کے بعد جو تحریر لکھی گئی، وہ یہ تھی:

هٰذَا مَا اصْطَلَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو عَلٰى وَضْعِ الْحَرْبِ عَشْرَ سِنِينَ، يَأْمَنُ فِيهَا النَّاسُ، وَيَكُفُّ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ، عَلٰى أَنَّهُ مَنْ أَتٰى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مِنْ أَصْحَابِهِ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهِ رَدَّهُ عَلَيْهِمْ، وَمَنْ أَتٰى قُرَيْشًا مِمَّنْ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَرُدُّوهُ عَلَيْهِ، وَإِنَّ بَيْنَنَا عَيْبَةً مَكْفُوفَةً، وَ إِنَّهُ لَا إِسْلَالَ وَلَا إِغْلَالَ، وَكَانَ فِي شَرْطِهِمْ حِينَ كَتَبُوا الْكِتَابَ: أَنَّهُ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَدْخُلَ فِي عَقْدِ مُحَمَّدٍ وَ عَهْدِهِ دَخَلَ فِيهِ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَدْخُلَ

1 الطلاق 65:2، 3

فِي عَقْدِ قُرَيْشٍ وَعَهْدِهِمْ دَخَلَ فِيهِ... وَأَنَّكَ تَرْجِعُ عَنَّا عَامَنَا هٰذَا فَلَا تَدْخُلُ عَلَيْنَا مَكَّةَ، وَأَنَّهُ إِذَا كَانَ عَامٌ قَابِلٌ خَرَجْنَا عَنْكَ فَدَخَلْتَهَا بِأَصْحَابِكَ فَأَقَمْتَ فِيهَا ثَلَاثًا مَعَكَ سِلَاحُ الرَّاكِبِ، لَا تَدْخُلْهَا بِغَيْرِ السُّيُوفِ فِي الْقُرُبِ

''یہ وہ شرطیں ہیں جن پر محمد بن عبداللہ (ﷺ) اور سہیل بن عمرو کے مابین صلح کا معاہدہ طے پایا ہے۔ اس معاہدے کی رو سے اب دس سال تک جنگ بند رہے گی۔ اس دوران لوگ امن و اطمینان کے ساتھ رہیں گے۔ کسی طرح کی کوئی چھیڑ خوانی نہیں ہوگی۔ محمد ﷺ کے وہ ساتھی جو آج کل مکہ میں رہ رہے ہیں، اگر ان میں سے کوئی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) سے جا ملا، تو لازم ہوگا کہ وہ اسے واپس کر دیں۔ اگر کوئی قریشی مسلمان محمد (ﷺ) کو چھوڑ کر واپس مکہ آ گیا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ طے پا گیا ہے کہ فریقین کے دل اس معاہدے کے بارے میں صاف رہیں گے۔ وہ چوری چھپے یا خیانت کے ذریعے سے اس عہد و پیمان کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ یہ شرط بھی طے پا گئی ہے کہ جو شخص محمد (ﷺ) کے عہد میں داخل ہونا چاہے، وہ اس میں داخل ہونے کا مجاز ہے اور جو قریش کے عہد میں داخل ہونا پسند کرے تو وہ قریش کے ساتھ شامل ہو جائے۔ مزید برآں آپ اس سال واپس تشریف لے جائیں، مکہ میں داخل نہ ہوں۔ آئندہ سال ہم آپ کے لیے مکہ خالی کر دیں گے۔ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہو جائیں۔ آپ صرف تین دن قیام کریں گے۔ آپ اپنے ساتھ صرف ایک سوار کی ضرورت کا اسلحہ (تلواریں) لائیں اور وہ بھی نیام میں ڈالے رکھیں۔''

اس موقع پر خزاعہ کے لوگ کہنے لگے: ہم محمد ﷺ کے عہد میں ہیں۔ بنو بکر کہنے لگے: ہم قریشیوں کے عہد میں ہیں۔[1]

سنن ابی داود میں ہے:

إِنَّهُمُ اصْطَلَحُوا عَلٰى وَضْعِ الْحَرْبِ عَشْرَ سِنِينَ يَأْمَنُ فِيهِنَّ النَّاسُ، وَعَلٰى أَنَّ بَيْنَنَا عَيْبَةً مَكْفُوفَةً، وَأَنَّهُ لَا إِسْلَالَ وَلَا إِغْلَالَ.

''انھوں نے دس سال تک جنگ بندی کا عہد کیا ہے۔ اس دوران لوگ امن و امان سے رہیں گے۔ اس معاہدے کے متعلق ہمارے دل صاف شفاف رہیں گے۔ چوری چھپے یا خیانت سے اس کی کوئی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔''[2]

[1] مسند أحمد: 325/4، السيرة لابن هشام: 332/3. [2] سنن أبي داود: 2766

صلح کے گواہ

امام طبری نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو میں اتفاق ہو گیا اور ابوجندل رضی اللہ عنہ کا معاملہ بھی نمٹ گیا تو اس معاہدے پر مسلمانوں اور کافروں میں سے کچھ لوگوں نے اپنی گواہی کا اندراج کیا۔ گواہوں میں یہ لوگ شامل تھے۔ سیدنا ابوبکر بن ابی قحافہ، عمر بن خطاب، عبدالرحمن بن عوف، عبداللہ بن سہیل بن عمرو، سعد بن ابی وقاص، محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہم۔ مکرز بن حفص مشرکین کی طرف سے گواہ تھا۔ ان کے علاوہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی جنھوں نے یہ معاہدہ تحریر کیا تھا، گواہوں میں شامل تھے۔[1]

واقدی اور ابن سعد نے عبداللہ بن سہیل بن عمرو اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے گواہ بننے کا تذکرہ نہیں کیا جبکہ محمود بن مسلمہ کے بجائے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے، نیز گواہوں میں مسلمانوں کی طرف سے سیدنا عثمان بن عفان اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما کا اور مشرکین کی طرف سے حویطب بن عبدالعزیٰ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔[2]

معاہدے کی شرائط و دفعات

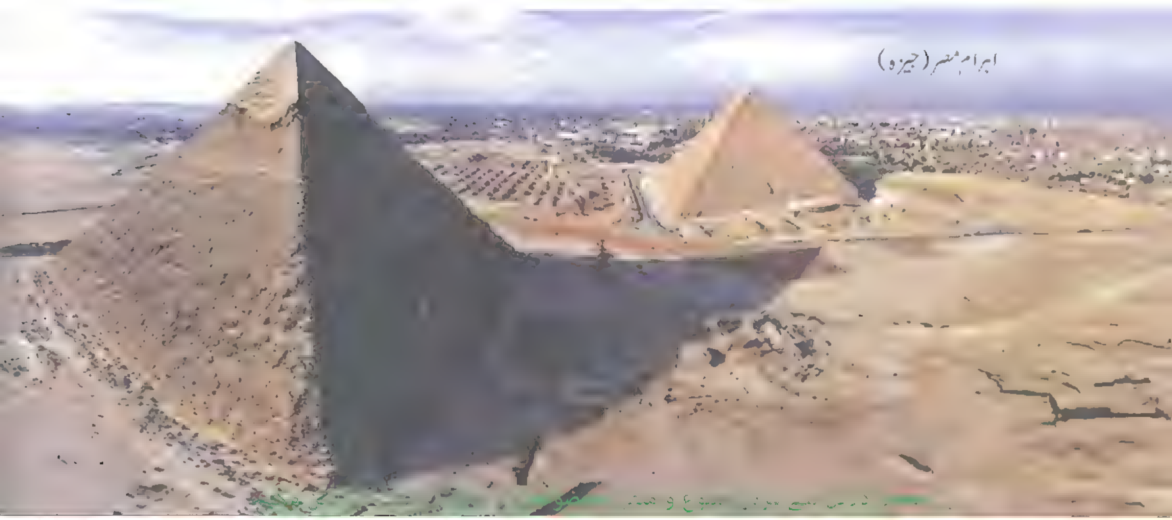
اس معاہدے میں درج ذیل دس دفعات تھیں:

1 «بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ» ''اے اللہ! تیرے نام سے۔''

2 یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے سہیل بن عمرو سے صلح کا معاہدہ کیا ہے۔

3 دونوں نے اتفاق کرلیا ہے کہ دس سال تک جنگ بند رہے گی۔ ان دس برسوں میں لوگ امن کی زندگی بسر کریں گے اور (ایک دوسرے پر حملے سے) ہاتھ روکے رکھیں گے۔

1 تاريخ الطبري:2/282. 2 الطبقات لابن سعد:2/97، المغازي للواقدي:2/98



اہرام مصر (جیزہ)

4 محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو بھی بغرض حج، عمرہ یا کاروبار مکہ جائے گا، اس کا خون اور مال محفوظ رہے گا۔ اسی طرح قریش کا جو کوئی شخص مدینہ پہنچے یا بغرض تجارت مصر یا شام جانے کے لیے وہاں سے گزرے تو اس کا بھی مال و جان محفوظ ہوگا۔

5 قریش کا جو آدمی ولی کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا، اسے محمد (ﷺ) قریش کے پاس واپس بھیج دیں گے اور محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس آئے گا، قریش اسے محمد (ﷺ) کے پاس واپس نہیں بھیجیں گے۔

6 دوں کی عداوتیں دلوں ہی میں رہیں گی۔ انھیں ظاہر نہیں کیا جائے گا۔ نہ بدعہدی کی جائے گی، نہ خیانت روا رکھی جائے گی۔

7 جو محمد (ﷺ) کے عہد میں داخل ہونا پسند کرے، وہ اس میں داخل ہو جائے اور جو قریش کے عہد میں داخل ہونا چاہے، وہ ان کے عہد میں داخل ہو جائے۔ یہ معاہدہ طے پاتے ہی بنوخزاعہ آگے بڑھے اور انھوں نے کہا: ''ہم لوگ محمد (ﷺ) کے عہد میں ہیں۔'' اسی طرح بنوبکر نے بھی آگے بڑھ کر کہا: ''ہم قریش کے عہد میں ہیں۔''

8 آپ اس سال واپس چلے جائیں اور ہمارے ہوتے ہوئے مکہ میں داخل نہ ہوں۔ جب اگلا سال آئے گا تو ہم آپ کے لیے مکہ خالی کر دیں گے۔ آپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مکہ پہنچ جائیں اور یہاں تین دن قیام کریں۔ آپ کے پاس مسافروں جیسے ہتھیار ہونے چاہئیں، تلواریں نیاموں میں ہونی چاہئیں۔ اس اہتمام کے بغیر مکہ میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔

9 جو قربانیاں آپ لے کر آئے ہیں، ان کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔

10 اس صلح پر چند مسلمانوں اور کچھ مشرکین نے گواہی ثبت کی۔[1]

صلح کی مصلحت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾

1 المعاهدات في الشريعة الإسلامية والقانون الدولي للدكتور محمد الديك، ص: 271،270.

”یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تمھیں مسجد حرام (جانے) سے روکا، اور قربانی کے جانوروں کو بھی اپنی قربان گاہ تک پہنچنے سے روکے رکھا، اور اگر (مکہ میں کچھ) مومن مرد اور مومن عورتیں نہ ہوتے جن (کے ایمان) کو تم نہیں جانتے، (اگر یہ خطرہ نہ ہوتا) کہ تم انھیں روند ڈالو گے، یوں بے خبری میں ان (کے قتل) کی وجہ سے تمھیں صدمہ ہوتا (تو تمھیں لڑنے کی اجازت دے دی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا)، تاکہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے۔ اگر وہ (مومن اور کافر) الگ الگ ہوتے تو ان میں جو کافر تھے، ہم انھیں نہایت دردناک عذاب دیتے۔“[1]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اہل بیعت حدیبیہ کے دلوں کو تسکین بہم پہنچائی ہے اور صلح میں پنہاں حکمتوں میں سے ایک بہت بڑی حکمت اُجاگر فرمائی ہے، وہ یہ کہ مکہ مکرمہ میں وہ مظلوم مسلمان بھی موجود تھے جو بے بسی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کے قلوب نورِ ایمان سے منور تھے، لیکن انھوں نے اپنا جوہرِ اسلام کافروں اور مشرکوں کے خوف سے چھپا رکھا تھا، دانائے قلوب پروردگار کو ان مظلوم مسلمانوں کی زندگی بچانی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عمرے کے لیے آنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو غلبہ پانے کا فوری موقع فراہم نہیں کیا گیا۔ اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اہل مکہ پر فوری غلبے کا موقع مل جاتا تو مشرکین مکہ کے ساتھ وہ تہی دامن مسلمان بھی مارے جاتے جن سے صحابۂ کرام واقف نہیں تھے اور جو محض اپنی لاچاری اور بے بسی کی وجہ سے ہجرت کرنے کی سعادت سے بھی محروم تھے۔ اگر لاعلمی میں وہ مخفی مومن مرد و خواتین مارے جاتے تو یہ بہت بڑا المیہ اور بڑا سنگین گناہ ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمت میں داخل کرنا اور مومنوں کے ساتھ شامل کر کے سرخرو کرنا چاہتا تھا اور ان کافروں میں بھی بعض لوگوں کو اللہ ہدایت دینا چاہتا تھا، اس لیے اللہ نے فریقین میں جنگ ہی نہیں ہونے دی اور باہم صلح کرا دی۔

ہاں! اگر کفار اور مومن الگ الگ ہوتے تو کافروں کو اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دیتا اور مسلمانوں کو ان پر مسلط کر دیتا جو انھیں تہ تیغ کر کے رکھ دیتے۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کہتے ہیں: جو شخص اس (معاہدے) کی دفعات کا ان کے پس منظر سمیت جائزہ لے گا، اسے کوئی شبہ نہ رہے گا کہ یہ مسلمانوں کی فتح عظیم تھی، کیونکہ قریش نے اب تک مسلمانوں کا وجود تسلیم نہیں کیا تھا اور انھیں نیست و نابود کرنے کا تہیہ کیے بیٹھے تھے۔ انھیں انتظار تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ قوت دم توڑ دے گی۔ اس کے علاوہ قریش جزیرۃ العرب کے دینی پیشوا اور دنیاوی صدر نشین ہونے کی حیثیت سے اسلامی دعوت

[1] الفتح 25:48

اور عام لوگوں کے درمیان پوری قوت کے ساتھ حائل رہنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اس پس منظر میں دیکھیں تو صلح کی جانب محض جھک جانا ہی مسلمانوں کی قوت کا اعتراف اور اس بات کا اعلان تھا کہ اب قریش اس قوت کو کچلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ پھر کفار کی جانب سے یہ پیش کش کہ قبائل عرب میں سے جو چاہے قریش مکہ کے ساتھ مل جائے اور جو چاہے مسلمانوں کے ساتھ مل جائے، اس کے پیچھے صاف طور پر اہل مکہ کی یہ نفسیاتی کیفیت کارفرما نظر آتی ہے کہ قریش کو دنیاوی صدر نشینی اور دینی پیشوائی کا جو منصب حاصل تھا، اسے انھوں نے بالکل بھلا دیا تھا اور اب انھیں صرف اپنی پڑ گئی تھی۔ ان کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ بقیہ لوگوں کا کیا بنتا ہے۔ یعنی اگر سارے کا سارا جزیرۃ العرب حلقہ بگوش اسلام ہو جائے تو قریش کو اس کی کوئی پروا نہیں اور وہ اس میں کسی طرح کی مداخلت نہ کریں گے۔ کیا قریش کے عزائم اور مقاصد کے لحاظ سے یہ ان کی شکست فاش نہیں ہے؟ اور مسلمانوں کے مقاصد کے لحاظ سے یہ فتح مبین نہیں ہے؟ آخر اہل اسلام اور اعدائے اسلام کے درمیان جو خونریز جنگیں پیش آئی تھیں، ان کا منشا اور مقصد اس کے سوا کیا تھا کہ عقیدے اور دین کے بارے میں لوگوں کو مکمل آزادی اور خودمختاری حاصل ہو جائے۔ یعنی اپنی آزاد مرضی سے جو شخص چاہے مسلمان ہو اور جو چاہے کافر رہے، کوئی طاقت ان کی مرضی اور ارادے کے سامنے دیوار بن کر کھڑی نہ ہو۔ مسلمانوں کا یہ مقصد تو ہرگز نہ تھا کہ دشمن کے مال ضبط کیے جائیں، انھیں موت کے گھاٹ اتارا جائے اور انھیں زبردستی مسلمان بنایا جائے۔ یعنی مسلمانوں کا مقصود صرف وہی تھا جسے علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن   نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس صلح کے ذریعے مسلمانوں کا مذکورہ مقصد اپنے تمام اجزا اور لوازم سمیت حاصل ہو گیا اور اس طرح حاصل ہو گیا کہ بسا اوقات جنگ میں فتح مبین سے ہمکنار ہونے کے باوجود حاصل نہیں ہو پاتا۔ پھر اس آزادی کی وجہ سے مسلمانوں نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں نہایت زبردست کامیابی حاصل کی، چنانچہ مسلمان افواج کی تعداد جو اس صلح سے پہلے تین ہزار سے زائد کبھی نہ ہو سکی تھی، وہ محض دو سال کے اندر فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار ہو گئی۔

دس سالہ جنگ بندی میں بھی درحقیقت اس فتح مبین کا ایک جزو ہے کیونکہ جنگ کی ابتدا مسلمانوں نے نہیں بلکہ مشرکین نے کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ ......

''یعنی پہلی بار ان ہی لوگوں نے تم سے ابتدا کی۔''

جہاں تک مسلمانوں کی طلایہ گردیوں (جاسوسی سرگرمیوں) اور فوجی گشتوں کا تعلق ہے تو مسلمانوں کا مقصود ان

سے صرف یہ تھا کہ قریش اپنے احمقانہ غرور اور اللہ کی راہ روکنے سے باز آجائیں اور مساویانہ بنیاد پر معاملہ کرلیں، یعنی ہر فریق اپنی اپنی ڈگر پر گامزن رہنے کے لیے آزاد رہے۔ اب غور کیجیے کہ دس سالہ جنگ بند رکھنے کا معاہدہ آخر اس غرور اور اللہ کی راہ میں رکاوٹ سے باز آنے ہی کا تو عہد ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ جنگ کا آغاز کرنے والا کمزور اور بے دست و پا ہو کر اپنے مقصد میں ناکام ہوگیا۔

جہاں تک مسلمانوں کو اس سال کے بجائے اگلے سال عمرے کی اجازت دینے کا تعلق ہے تو یہ بھی درحقیقت مسلمانوں کی ناکامی کے بجائے کامیابی کی علامت ہے۔ کیونکہ درحقیقت یہ اس پابندی کے خاتمے کا اعلان ہے جو قریش نے مسلمانوں پر مسجد حرام میں داخلے سے متعلق عائد کر رکھی تھی۔ البتہ اس میں قریش کے لیے بھی تشفی کی اتنی سی بات ضرور تھی کہ وہ اس سال مسلمانوں کو روکنے میں کامیاب رہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ وقتی اور بے حیثیت فائدہ تھا۔

اس کے بعد اس صلح کا یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ قریش نے مسلمانوں کو یہ تین رعایتیں دے کر صرف ایک رعایت حاصل کی کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ گیا تو اسے واپس کیا جائے گا اور اگر کوئی مسلمان بھاگ کر مکہ آیا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ لیکن یہ رعایت حد درجہ معمولی اور بے وقعت تھی اور اس میں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ تھا۔ کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب تک مسلمان مسلمان رہے گا، اللہ، رسول اور مدینۃ الاسلام سے بھاگ ہی نہیں سکتا۔ اس کے بھاگنے کی صرف ایک ہی صورت ہوسکتی ہے کہ وہ مرتد ہو جائے، خواہ ظاہراً خواہ درپردہ، اور ظاہر ہے کہ جب کوئی مرتد ہو جائے تو مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہیں بلکہ اسلامی معاشرے میں اس کی موجودگی سے کہیں بہتر ہے کہ وہ الگ ہو جائے۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا تھا:

«إنه من ذهب منا إليهم فأبعده الله»

''جو ہمیں چھوڑ کر ان مشرکین کی طرف بھاگا، اسے اللہ نے دور (یا برباد) کر دیا۔''[1]

باقی رہے مکے کے وہ باشندے جو مسلمان ہو چکے تھے یا مسلمان ہونے والے تھے تو ان کے لیے اگرچہ اس معاہدے کی رو سے مدینہ میں پناہ گزین ہونے کی گنجائش نہ تھی لیکن اللہ کی زمین تو بہرحال کشادہ تھی۔ کیا حبشہ کی زمین نے ایسے نازک وقت میں مسلمانوں کے لیے اپنی آغوش وا نہیں کر دی تھی، جبکہ مدینہ کے باشندے اسلام کا نام بھی نہ جانتے تھے؟ اسی طرح آج بھی زمین کا کوئی ٹکڑا مسلمانوں کے لیے اپنی آغوش کھول سکتا تھا، یہی بات تھی جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا تھا:

1 صحیح مسلم: 1784

ومن جاءنا منهم سيجعل الله له فرجا ومخرجا

”ان کا جو آدمی ہمارے پاس آئے گا، اللہ اس کے لیے کشادگی اور نکلنے کی جگہ بنا دے گا۔“[1]

ہر چند اس قسم کے تحفظات سے بظاہر قریش نے فوری اور گریز پا وقار حاصل کیا تھا مگر یہ درحقیقت قریش کی سخت نفسیاتی گھبراہٹ، پریشانی، اعصابی دباؤ اور شکستگی کی علامت ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ انھیں اپنے بت پرست سماج کے بارے میں سخت خوف لاحق تھا اور وہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کا یہ سماجی گھروندا ایک کھائی کے ایسے کھوکھلے اور اندر سے کٹے ہوئے کنارے پر کھڑا ہے جو کسی بھی دم ٹوٹ کر گرنے والا ہے، لہٰذا اس کی حفاظت کے لیے اس طرح کے تحفظات حاصل کر لینا ضروری ہیں۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے جس فراخدلی کے ساتھ یہ شرط منظور کی کہ آپ قریش کے ہاں پناہ لینے والے کسی مسلمان کو واپس نہ طلب کریں گے، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو اپنے سماج کی ثابت قدمی اور پختگی پر پورا پورا اعتماد تھا اور اس قسم کی شرط آپ کے لیے قطعاً کسی اندیشے کا سبب نہ تھی۔[2]

علاوہ ازیں کفار قریش سے ہونے والی اس مصالحت سے قریش کا یہود خیبر سے تعلق توڑ دیا گیا۔ یوں اگلے سال خیبر فتح ہوا اور کفار مکہ یہودیوں کی مدد نہ کر پائے۔

پریشان حال صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

مسلمان اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے نکلے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو خواب دیکھا ہے، وہ بالکل حق ہے اور وہ یقیناً مکہ میں داخل ہوں گے۔ مگر یہاں صلح کے معاہدے میں مکہ میں داخلہ ممنوع ہو گیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ اڑی اور سب نے موت پر بیعت کر لی تھی اور پھر ابوجندل رضی اللہ عنہ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے آئے تو مسلمان انھیں روک نہ سکے اور وہ واپس کفار مکہ کی طرف بھیج دیے گئے۔ یہ ساری صورت حال مسلمانوں کے سچے اور پکے جذبۂ ایمانی کے لیے بہت بڑا چیلنج تھی۔ اسی وجہ سے معاہدۂ صلح پر اتفاق سے پہلے مسلمانوں کے مابین معاہدے کے متعلق شدید اختلاف پیدا ہو گیا، خاص طور پر ان دو دفعات کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بہت پریشان تھے جن میں آپ ﷺ پناہ کی غرض سے آنے والے مسلمانوں کو واپس بھیج دینے کے پابند تھے، جبکہ قریش اس کے پابند نہ تھے کہ اپنے پاس آنے والے مرتد کو واپس بھیجیں۔

اسی طرح اس شق کے بارے میں بھی بڑا اختلاف ہوا جس میں طے پایا کہ مسلمان اس سال مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے بغیر واپس مدینہ جائیں گے۔ ان دفعات سے اختلاف کرنے والوں میں سیدنا عمر بن خطاب، اوس کے سردار اسید بن حضیر

1 صحیح مسلم: 1784 2 الرحیق المختوم، ص: 469-472

اور خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بہت نمایاں تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دیگر کئی صحابہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے اور معاہدے سے اختلاف کا اظہار کیا مگر نبی ﷺ نے انھیں صبر و حکمت، بردباری اور قوتِ دلیل سے صلح کی افادیت پر قائل کر لیا اور بتایا کہ یہ سب کچھ سراسر مسلمانوں کے مفاد میں ہے اور ان کے لیے فتح و نصرت کی بشارت ہے۔

روایات میں ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس معاہدے سے اختلاف کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور عرض کیا: ''کیا آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول نہیں ہیں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: بلی ''کیوں نہیں!''

عمر رضی اللہ عنہ: ''کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: بلی! ''کیوں نہیں!''

عمر رضی اللہ عنہ: ''تو پھر دین کے معاملے میں ہمیں ذلت کا سامنا کیوں کرنا پڑ رہا ہے؟''

رسول اللہ ﷺ: إني رسول الله ولست أعصيه وهو ناصري ''بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں اللہ کے حکم کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ وہی میرا مددگار ہے۔''[1]

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

إني عبد الله ورسوله، لن أخالف أمره ولن يضيعني

''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کروں گا اور وہ مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔''[2]

عمر رضی اللہ عنہ: ''کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت اور اس کا طواف کریں گے؟''

رسول اللہ ﷺ: بلى! أفأخبرتك أنا نأتيه العام؟ ''کیوں نہیں! (لیکن) کیا میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال بیت اللہ جائیں گے؟''

عمر رضی اللہ عنہ: ''نہیں۔''

رسول اللہ ﷺ: فإنك آتيه ومطوف به ''تم بہرحال بیت اللہ تک پہنچو گے اور اس کا طواف بھی کرو گے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں ابوبکر کے پاس گیا اور کہا: ''اے ابوبکر! کیا آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول نہیں؟''

1 صحيح البخاري، حديث: 2732,2731 2 تاريخ الطبري: 280/2

ابوبکر ؓ: ''کیوں نہیں!''

عمر ؓ: ''کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟''

ابوبکر ؓ: ''کیوں نہیں!''

عمر ؓ: ''پھر دین کے معاملے میں ہمیں ذلت کا سامنا کیوں ہے؟''

ابوبکر ؓ نے عمر فاروق ؓ کو سمجھاتے ہوئے کہا: بھلے آدمی! بلاشبہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے۔ وہی ان کا مددگار ہے۔ وہ جو حکم دیں، بس اس کی تعمیل کرو۔ اللہ کی قسم! وہ حق پر ہیں۔


مسجد ابوبکر صدیق (دوحہ، قطر)

عمر ؓ: کیا وہ ہم سے یہ نہیں فرماتے تھے کہ ہم بیت اللہ جا کر اس کا طواف کریں گے؟

ابوبکر ؓ: کیوں نہیں، لیکن کیا انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ تم اسی سال بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے؟

عمر ؓ: نہیں۔

ابوبکر ؓ: تم یقیناً بیت اللہ پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے۔[1]

سیدنا عمر ؓ کی غیرت و حمیت کا جوش

سیدنا عمر ؓ بہت غیرت والے تھے۔ وہ اس موقع پر سب سے زیادہ پریشان تھے۔ وہ بار بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے پے در پے سوالات کرتے تھے۔

سیدنا عمر فاروق ؓ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ سے ایسی شرط پر صلح کی اور ان کی ایسی بات قبول فرمائی کہ اگر نبی ﷺ مجھ پر کسی کو امیر مقرر فرماتے اور وہ وہی فیصلہ کرتا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو میں اس امیر کی بھی اطاعت نہ کرتا، نہ اس کی بات سنتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کی یہ شرط منظور کر لی کہ مسلمانوں میں سے جو کفار سے جا ملے، اسے واپس نہیں کیا جائے گا لیکن اگر کفار میں سے کوئی مسلمانوں سے جا ملے گا تو وہ کفار کی

[1] صحیح البخاری: 2732,2731.

طرف واپس بھیج دیا جائے گا۔[1]

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی طرف سے صبر و تحمل کی تلقین

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب رہ رہ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے اور کہتے رہے کہ ہم دین کے معاملے میں ذلت کیوں برداشت کریں تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں یہی جواب مرحمت فرمایا:

«أَنَا عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُولُهُ، لَنْ أُخَالِفَ أَمْرَهُ وَلَنْ يُضَيِّعَنِي»

''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں ہرگز اس کے حکم کے خلاف نہیں چل سکتا اور وہ مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔''

اس کے بعد سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عمر بن خطاب! کیا تم سن نہیں رہے کہ رسول اللہ ﷺ کیا فرما رہے ہیں؟ شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو اور اپنی رائے کو چھوڑ دو۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسی وقت أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھنے لگے۔ وہ کہتے ہیں: مجھے اس روز جیسی پریشانی کبھی لاحق نہیں ہوئی۔ اس روز جو میں نے بحث و تکرار کی تھی، اس پر میں آج تک صدقہ و خیرات کرتا اور روزے رکھتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ میں آج تک صدقہ و خیرات اور غلام آزاد کرتا ہوں، نوافل ادا کرتا ہوں اور روزے رکھتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اس کے بدلے میرے حق میں بھلائی ہوگی۔[2]

معاہدے کے بعد صحابۂ کرام کا ردعمل

جب رسول اللہ ﷺ معاہدے سے فارغ ہوگئے۔ سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھی واپس چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

«قُومُوا فَانْحَرُوا ثُمَّ احْلِقُوا»

''کھڑے ہو جاؤ، اور قربانیاں کرو، پھر سر کے بال منڈواؤ۔''

آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ کہی لیکن کوئی صحابی کھڑا نہ ہوا۔[3] رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کی یہ خاموشی اور حکم پر فوراً لبیک نہ کہنا ناگوار گزرا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلے گئے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

1 الطبقات لابن سعد: 101/2 2 السیرۃ لابن ہشام: 331/3، المغازی للواقدی: 94/2. 3 صحیح البخاری: 2731، 2732.

اَهْلَكَ الْمُسْلِمُونَ! أَمَرْتُهُمْ أَنْ يَنْحَرُوا وَ يَحْلِقُوا فَلَمْ يَفْعَلُوا!
"مسلمان ہلاک ہوگئے! میں نے انھیں قربانی کرنے اور بال منڈانے کا حکم دیا لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔"[1]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

عَجَبًا يَا أُمَّ سَلَمَةَ! إِنِّي قُلْتُ لِلنَّاسِ: انْحَرُوا وَاحْلِقُوا وَحِلُّوا مِرَارًا فَلَمْ يُجِبْنِي أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ إِلَى ذَالِكَ وَهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامِي وَ يَنْظُرُونَ فِي وَجْهِي!

"ام سلمہ! کتنی عجیب بات ہے، میں نے بار بار لوگوں سے کہا: قربانی کرو، بال منڈاؤ اور حلال ہو جاؤ لیکن کسی نے میری بات پر عمل نہیں کیا، حالانکہ وہ میری بات سن بھی رہے تھے اور میری طرف متوجہ بھی تھے۔"

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! انھیں کچھ نہ کہیے کیونکہ صلح کے باعث آپ فتح کے بغیر پلٹ رہے ہیں اور مشقت میں پڑ گئے ہیں، اسی وجہ سے صحابہ بھی شدید پریشان ہیں۔ اے اللہ کے رسول! آپ (ﷺ) خود باہر تشریف لے جائیے، کسی سے کچھ نہ کہیے بلکہ اپنا قربانی کا اونٹ نحر کر دیجیے اور حجام کو بلا کر سر کے بال منڈا دیجیے۔ ایک روایت میں ہے کہ پھر سیدہ نے یہ بھی کہا: یقیناً لوگ آپ کی طرف دیکھ کر آپ کی پیروی کریں گے۔[2]

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کھڑے ہوگئے۔ آپ نے اپنی چادر سمیٹی، نحر کرنے کے لیے نیزہ اُٹھایا، اونٹ کی طرف گئے اور بلند آواز سے "بسم اللہ واللہ اکبر" پڑھ کر اونٹ نحر کر دیا۔ پھر تو ساری بندشیں کھل گئیں اور سارے مسلمان اپنے اپنے جانوروں کی طرف لپکے۔ لوگ اتنی جلدی کرنے لگے کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ایک دوسرے کے اوپر گر پڑیں گے۔ اس طرح سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی فراست سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ معاملہ حل فرما دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے جانوروں میں لوگوں کو بھی شریک فرمایا۔ آپ نے ایک اونٹ کو سات افراد کی طرف سے نحر کیا۔ آپ ﷺ نے کل ستر اونٹ نحر فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ میں جس جگہ روکا گیا تھا، وہیں آپ نے اونٹ نحر کیے۔ بدر کے موقع پر پکڑے گئے ابوجہل کے اونٹ کو نحر کرنے کے لیے قلادہ پہنایا اور اشعار کیا گیا تھا۔ وہ چرتے چرتے اونٹوں کے بیچ سے نکل بھاگا۔ اس کی گردن میں چاندی کا کڑا ڈالا گیا تھا۔ وہ مہرہ اور مہری[3]

1 سبل الہدیٰ والرشاد: 56/5۔ 2 المغازی للواقدی 99/2۔ 3 یہ قضاعہ قبیلے کی ایک شاخ مُہرہ کی طرف نسبت ہے جو مہرہ بن حیدان کی اولاد تھے۔ مہرہ نام کا عمان میں ایک شہر بھی ہے۔ مہری اونٹ ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہیں۔ (سبل الہدیٰ والرشاد: 92/5)

اونٹ تھا۔ آپ ﷺ نے اسے اس لیے بھی قربانی کے لیے مختص کیا تاکہ مشرکین سٹپٹائیں۔ وہ حدیبیہ سے بھاگا اور سیدھا مکہ میں ابوجہل کے گھر کے سامنے پہنچ کر دم لیا۔ عمرو بن عَنَمہ بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ اس اونٹ کو پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے گئے۔ اہل مکہ کے بیوقوفوں نے اونٹ عمرو رضی اللہ عنہ کے حوالے کرنے سے انکار کیا تو سہیل بن عمرو نے حکم دیا کہ اونٹ واپس کیا جائے۔ وہ اس کے بدلے میں بہت سی اونٹنیاں اور ایک روایت کے مطابق سو اونٹنیاں دینے پر تیار ہوئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لولا أنا سميناه في الهدي لفعلنا» "اگر ہم نے اسے قربانی کرنے کے لیے خاص نہ کیا ہوتا تو ہم اسے بدلے میں دے دیتے۔" چنانچہ آپ نے اسے سات افراد کی طرف سے نحر کیا۔ ان میں ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ طلحہ بن عبیداللہ، عبدالرحمن بن عوف اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے اپنے اونٹ نحر کیے۔[1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حدیبیہ کے سال ستر اونٹ نحر کیے۔ ایک اونٹ سات افراد کی طرف سے تھا۔ ہم اس روز 1400 کی تعداد میں تھے۔ اس دن جنھوں نے قربانی نہیں کی، وہ قربانی کرنے والوں سے زیادہ تھے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے گوشت تقسیم فرما دیا

حدیبیہ کے روز جو بھی گوشت لینے آیا، رسول اللہ ﷺ نے اسے مرحمت فرمایا۔ ام کُرز کعبیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جس روز حدیبیہ میں اونٹ نحر کیے گئے، میں اس روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے گوشت کا سوال کیا۔ آپ ﷺ اس روز فرما رہے تھے:

«عن الغلام شاتان مكافئتان وعن الجارية شاة»

"(عقیقے میں) بچے کی طرف سے دو بکریاں ایک جیسی اور بچی کی جانب سے ایک بکری ذبح کی جائے گی۔"

اس روز مسلمان اپنے نحر کیے ہوئے جانوروں کا گوشت کھا رہے تھے اور مسکینوں میں سے جو آیا، اسے بھی کھلا رہے تھے۔

مروہ کے قریب بیس اونٹ نحر کرنے کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ اسلم کے ایک شخص کے ہاتھ بیس اونٹ روانہ کیے کہ انھیں مروہ کے پاس ذبح کیا جائے۔

1 المغازي للواقدي، 100,99/2، سبل الهدى والرشاد: 57,56/5. 2 الطبقات لابن سعد: 102/2.

چنانچہ اس نے وہ اونٹ مروہ کے پاس نحر کیے اور لوگوں میں ان کا گوشت تقسیم کر دیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی سر کے بال منڈوانے والوں کے لیے دعا

رسول اللہ ﷺ کا خیمہ حدود حرم سے باہر تھا لیکن جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ ﷺ حدود حرم کے اندر آ کر نماز ادا کرتے۔ جب آپ ﷺ نے سارے اونٹ نحر کر لیے تو پھر اپنے خیمے میں داخل ہوئے اور خراش بن امیہ کعبی رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انھوں نے نبی ﷺ کے سر کے بال مونڈ دیے۔ پھر قریب ہی موجود سرسبز خاردار درخت کے اوپر ڈال دیے۔ لوگ ان بالوں کو جمع کرنے اور آپس میں تقسیم کرنے لگے۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے کچھ بال لیے، وہ مریض کے لیے انھیں پانی میں ڈالتی اور پانی مریض کو پلاتی تھیں تو وہ ٹھیک ہو جاتا تھا۔ اسی طرح صحابہ نے بھی ایک دوسرے کے بال مونڈ دیے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر مبارک خیمہ سے باہر نکالا اور فرمایا:

«رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِينَ»

''اللہ سر منڈوانے والوں پر رحم فرمائے۔''

لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! بال کٹوانے والوں کے لیے بھی رحم کی دعا فرمائیے۔ آپ نے پھر فرمایا:

«رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِينَ» ''اللہ سر منڈانے والوں پر رحم فرمائے۔''

آپ نے تین مرتبہ یہی کہا اور پھر فرمایا: «وَالْمُقَصِّرِينَ» ''اور بال کٹوانے والوں پر بھی اللہ رحم فرمائے۔''

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے بالوں کے کناروں سے اپنے بال خود کاٹے۔ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا

[1] المغازي للواقدي: 2/100.



قدیم حدیبیہ کا ایک منظر

کہتی ہیں: میرے پاس ایک قینچی تھی، اس سے میں نے اپنے کچھ بال کاٹے۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ نے سر منڈانے والوں کے لیے رحم کی بار بار دعا فرمائی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «لأنهم لم يشكوا» ''کیونکہ وہ شک میں نہیں پڑے۔''[2]


مسجد عبداللہ بن عباس (طائف)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام خطابی کے حوالے سے اس کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ عربوں میں بال رکھنے کا رواج تھا اور وہ بال منڈوانا عجمیوں کی عادت سمجھتے تھے۔ سر منڈوانے کو ان کا دل نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے سر منڈوا لینا تعمیل حکم کا بلند تر درجہ ہے۔[3] یا شک سے مراد تذبذب اور ہچکچاہٹ کا اظہار ہے۔ ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا چلائی۔ اس کے ذریعے مسلمانوں کے بال اڑ کر حرم میں پہنچ گئے۔[4] واللہ اعلم

حدیبیہ میں قیام

رسول اللہ ﷺ حدیبیہ میں کتنے دن قیام فرما رہے؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے انیس دن، بعض نے بیس دن اور بعض نے ڈیڑھ مہینہ مدت بتائی ہے۔[5]

معاہدے سے پہلے مفرور غلاموں کی آمد

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حدیبیہ کے روز صلح سے پہلے کچھ غلام مکہ سے نکل بھاگے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ ان غلاموں کے مالکوں نے رسول اللہ ﷺ کو لکھا کہ اللہ کی قسم! یہ لوگ آپ کے دین کی رغبت کی وجہ سے نہیں آئے بلکہ یہ غلامی کے پھندے سے بھاگ کر آپ کے پاس پہنچے ہیں۔ بعض لوگوں نے بھی کہا: اے اللہ کے رسول! یہ بات ٹھیک ہے۔ انھیں ان کے مالکوں کے پاس واپس بھیج دیجیے۔ یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ انتہائی غضبناک ہوئے، آپ ﷺ نے انھیں واپس بلوانے والوں سے فرمایا:

«ما أراكم تنتهون يا معشر قريش! حتى يبعث الله عليكم من يضرب رقابكم على هذا»

[1] المغازي للواقدي: 2/100، 101. مزید دیکھیے صحيح البخاري: 1728، صحيح مسلم: 1302. [2] سنن ابن ماجه: 3045. [3] فتح الباري: 3/712. [4] الطبقات لابن سعد: 2/104. [5] الطبقات لابن سعد: 2/98، مرويات غزوة الحديبية، ص: 251.

’’اے قریش کی جماعت! میں سمجھتا ہوں کہ تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک اللہ تعالیٰ تم پر کسی ایسے شخص کو مسلط نہ کر دے جو اس ہٹ دھرمی پر تمھاری گردنیں مار دے۔‘‘

چنانچہ آپ نے انھیں واپس بھیجنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

«هم عتقاء الله تعالى»

’’وہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ افراد ہیں۔‘‘[1]

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: حدیبیہ کے روز مشرکین کے کچھ لوگ ہمارے پاس آئے جن میں سہیل بن عمرو اور مشرکین کے دیگر سرکردہ لوگ تھے۔ وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس ہمارے بچوں، بھائیوں اور غلاموں میں سے کچھ لوگ آگئے ہیں۔ ان کو دین کی کوئی سمجھ بوجھ نہیں ہے۔ یہ ہمارے مالوں اور گھروں سے نکل بھاگے ہیں، انھیں ہمارے حوالے کر دیں۔ اگر انھیں دین کی سمجھ نہیں تو ہم انھیں سمجھا دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يا معشر قريش! لتنتهن أو ليبعثن الله عليكم من يضرب رقابكم بالسيف على الدين قد امتحن الله قلبه على الإيمان»

’’اے قریشیو! اپنی ہٹ دھرمی سے باز آجاؤ، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسا شخص مسلط کر دے گا جو اس دین کی خاطر تلوار سے تمھاری گردنیں اڑا دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ایمان کی آزمائش کر لی ہے۔‘‘

وہ کہنے لگے: وہ کون ہے اے اللہ کے رسول! ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے بھی پوچھا: ایسا کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «هو خاصف النعل» ’’وہ جو جوتی کو گانٹھ رہا ہے۔‘‘ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جوتا دیا تھا جسے وہ گانٹھ رہے تھے۔ یہ روایت بیان کرنے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار»

’’جس نے جانے بوجھے مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔‘‘[2]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ حدیبیہ کے واقعے کو یاد کر کے کہا کرتے تھے: اے لوگو! دین کے معاملے میں رائے کو چھوڑ دو کیونکہ میں نے اجتہاد کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اپنی رائے بیان کی۔ اللہ کی قسم! میں حق کے معاملے میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ اور ایسا ابوجندل رضی اللہ عنہ کے واقعے میں ہوا تھا۔[3]

[1] سنن أبي داود: 2700. [2] جامع الترمذي: 3715. یہ روایت ضعیف ہے۔ [3] المعجم الكبير للطبراني: 72/1.

قریش کے ساتھ کنانہ اور خزاعہ کے روابط

صلح حدیبیہ سے پہلے قریش اور کنانہ کے مابین خونریز تصادم ہوتے رہتے تھے۔ ظہور اسلام تک ان کے درمیان بدلہ لینے کا سلسلہ چل رہا تھا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر جب قریش نے مسلمانوں سے جنگ کا پروگرام بنایا تو قریش کو یہ خطرہ پیدا ہوگیا مبادا کنانہ پیچھے سے حملہ کر دیں کیونکہ اس وقت یہ دونوں حالت جنگ میں تھے۔ اس موقع پر سردار کنانہ سراقہ بن مالک نے قریش سے وعدہ کیا کہ جب تک وہ بدر میں مسلمانوں سے لڑیں گے، کنانہ ان سے تعرض نہیں کرے گا۔ اس کے باوجود کنانہ اور قریش کی باہمی عداوت قائم رہی۔

خزاعہ اور قریش کے درمیان طویل زمانے سے کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی بلکہ خزاعہ قریش کے حلیف تھے۔ صلح حدیبیہ سے پہلے ان کے آپس میں بڑے اچھے تعلقات تھے۔ خزاعہ والے قریش کے ماموں تھے اور خزاعی سردار بدیل بن ورقاء مکہ میں اپنے خاندان سمیت رہائش پذیر تھا۔ مگر خزاعہ دعوت اسلام کے ظہور کے وقت ہی سے اسلام نہ لانے کے باوجود رسول اللہ ﷺ سے دوستی کا اظہار کرتے تھے۔ جیسا کہ غزوۂ احد کے موقع پر بنوخزاعہ سے عمرو بن سالم قریش کے ساتھ مکہ سے نکلا۔ جب یہ لشکر ذی طویٰ پہنچا تو عمرو چپکے سے وہاں سے کھسک آیا اور قریشی لاؤ لشکر کی ساری

بنو کنانہ کا علاقہ



تفصیل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گوش گزار کر دی، پھر وہ واپس آکر قریشی لشکر کے ساتھ شامل ہوگیا۔ اس کا تذکرہ سیرت انسائیکلو پیڈیا: 158/6 میں گزر چکا ہے۔

صلح حدیبیہ میں نئی نئی رسم وراہ

کنانہ قریشیوں کے مخالف تھے لیکن اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں دونوں حلیف بن گئے اور ساری باہمی رقابتیں بھول گئے۔ دوسری طرف خزاعہ قریشیوں کے حلیف اور دوست تھے، ان کی آپس میں تعلق داریاں تھیں لیکن اسلام دوستی کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے حلیف ہوگئے۔ اب ان کی قریشیوں سے پہلے جیسی محبت نہیں رہی بلکہ قریشیوں کے دلوں میں ان کے بارے میں بغض وعناد پیدا ہوگیا۔ چنانچہ فتح مکہ کا سبب یہ تھا کہ بنوخزاعہ پر بنوبکر

نے حملہ کیا تھا جنھیں قریشیوں کی حمایت حاصل تھی۔ چنانچہ نبی ﷺ نے خزاعہ کی مدد فرمائی اور مکہ فتح ہوا۔

اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ فطری طور پر مسلمانوں کے دشمن آپس میں دشمن بھی ہوں، تب بھی وہ اسلام دشمنی میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اور جنھیں اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہے، انھیں اسلام سے محبت ہوتی ہے، پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں کے دشمن بن جاتے ہیں، ہر چند وہ کافران کے پرانے حلیف ہی ہوں۔

حدیبیہ سے واپسی پر کھانے کی قلت

رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ سے لوٹے تو پہلے مرالظہران میں پڑاؤ کیا، پھر عسفان آکر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں کھانے پینے کی چیزوں کی قلت پیدا ہوگئی۔ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے شدید بھوک کی شکایت کی اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس کچھ سواریاں ہیں، کیا ہم انھیں ذبح کر لیں، ان کی چربی استعمال کریں اور ان کے چمڑے سے جوتے بنائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت دے دی۔ آپ کی اجازت کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس طرح نہ کیجیے، اگر لوگوں کے پاس سواریاں نہیں ہوں گی تو وہ مشکل میں پڑ جائیں گے۔ ہمارا دشمن سے ٹکراؤ ہو گیا تو پھر ہمارا کیا بنے گا اگر اس وقت ہم لوگ بھوکے اور پیدل ہوئے؟ اگر آپ پسند کریں تو لوگوں سے ان کی بچی کھچی چیزیں منگوائیں، انھیں جمع کریں اور پھر ان میں برکت کی دعا کریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی دعا سے فائدہ پہنچائے گا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اپنے اپنے زادِ راہ میں سے جو کچھ بچا کھچا تھا، لے آنے کو کہا۔ ایک چمڑے کا دستر خوان بچھا دیا گیا۔ کچھ لوگ ہتھیلی بھر کر لائے، کچھ اس سے زیادہ۔ سب سے زیادہ جو شخص لایا، وہ ایک صاع (2100 گرام) کھجوریں تھیں۔ سب کو اس دستر خوان پر جمع کر دیا گیا۔ سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اس کا اندازہ کرنے لگا کہ وہ کتنا ہوگا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ایک ڈھیری کی مانند تھا جبکہ ہم چودہ سو صحابہ تھے۔

مرالظہران (وادی فاطمہ)



رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، آپ نے اللہ سے دعا کی۔ پھر لوگوں نے کھانا شروع کیا یہاں تک کہ وہ سیر ہوگئے، پھر انھوں نے اپنے برتن بھرنے شروع کیے لیکن کھانا اسی طرح باقی تھا جیسے شروع میں تھا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ اتنا ہنسے کہ آپ ﷺ کی مبارک داڑھیں ظاہر ہوگئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله، والله! لا يلقى الله تعالى عبد مؤمن بهما إلا حجب عن النار»

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں اور بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ کی قسم! جو شخص بھی ان دونوں پر ایمان کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملے گا، اللہ تعالیٰ اسے یقیناً جہنم سے دور رکھے گا۔“

جھوم کے آئی گھنگھور گھٹا، ٹوٹ کے برسا پانی

جب سب لوگ سیر ہوگئے تو آپ ﷺ نے وہاں سے کوچ کا حکم دیا۔ جونہی یہ قافلہ آگے چلا، بارش شروع ہوگئی، رسول اللہ ﷺ اپنی سواری سے اتر آئے۔ آپ نے بارش کا پانی پیا۔ دیگر لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

دو سعادت مند اور ایک بدبخت

پھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو وعظ و نصیحت کی۔ اسی دوران تین آدمی آئے۔ دو رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ گئے اور تیسرا منہ پھیر کر چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ألا أخبركم عن الثلاثة؟»

”کیا میں تمھیں (ان) تینوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟“

صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا:

«أما واحد فاستحيا فاستحيا الله منه، وأما الآخر فتاب فتاب الله عليه، أما الثالث فأعرض فأعرض الله عنه»

”ایک نے شرم محسوس کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے شرم کرلی۔ دوسرے نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف رجوع فرمایا اور تیسرے نے منہ موڑ لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی طرف سے منہ موڑ لیا۔“[1]

[1] سبل الهدى والرشاد: 58/5

معاہدۂ حدیبیہ فتح مندی کا اعلان ہے

امام بیہقی رحمہ اللہ کی دلائل النبوہ میں عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو ایک صحابی نے کہا: یہ فتح نہیں ہے۔ ہمیں بیت اللہ کی زیارت سے روک دیا گیا۔ ہماری قربانیوں کو بھی روک دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے دو مومن آدمیوں کو جو آپ کی طرف آئے تھے، لوٹا دیا۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

بِئْسَ الْكَلَامُ هٰذَا، بَلْ هُوَ أَعْظَمُ الْفَتْحِ، لَقَدْ رَضِيَ الْمُشْرِكُونَ أَنْ يَدْفَعُوكُمْ بِالرَّاحِ عَنْ بِلَادِهِمْ، وَيَسْأَلُونَكُمُ الْقَضِيَّةَ، وَيَرْغَبُونَ إِلَيْكُمْ فِي الْأَمَانِ، وَقَدْ رَأَوْا مِنْكُمْ مَا كَرِهُوا، وَقَدْ أَظْفَرَكُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِمْ، وَرَدَّكُمْ سَالِمِينَ غَانِمِينَ مَأْجُورِينَ، فَهٰذَا أَعْظَمُ الْفُتُوحِ، أَنَسِيتُمْ يَوْمَ أُحُدٍ؟ إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلٰى أَحَدٍ، وَأَنَا أَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ!! أَنَسِيتُمْ يَوْمَ الْأَحْزَابِ؟ ﴿إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَٰرُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا۠﴾

’’(جو بات کہی گئی ہے وہ) بہت بری بات ہے۔ درحقیقت یہ صلح بہت بڑی فتح ہے۔ دیکھو مشرکین تمھیں اپنے شہر سے بڑی خوشی سے جانے کی اجازت دے رہے ہیں۔ وہ تم سے صلح کے متمنی ہیں۔ وہ تمھاری طرف سے امان میں رہنے کے خواہش مند ہیں۔ وہ تو تمھیں یہاں دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے لیکن انھیں یہ دن بھی دیکھنا پڑا۔ یہ تمھیں اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلے میں کامیابی عطا فرمائی ہے۔ اور تمھیں اجر عظیم دے کر صحیح سلامت لوٹایا ہے، اسی لیے یہ بہت بڑی فتح ہے۔ کیا تم احد کا دن بھول گئے؟ (اس دن تم پر کتنی بڑی مصیبت آپڑی تھی) تم خوف کے مارے بھاگے جا رہے تھے، کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ میں تمھیں پیچھے سے آوازیں دے رہا تھا۔ تمھیں احزاب کا دن یاد نہیں؟ جب ہر طرف سے تم پر دشمن ٹوٹ پڑے تھے، تمھاری آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ دل حلق تک آپہنچے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔‘‘

لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول نے بالکل صحیح کہا ہے۔ یقیناً یہ سب سے عظیم فتح ہے۔ اللہ کی قسم! اے اللہ کے نبی! ہم نے کبھی اس انداز سے نہیں سوچا جس طرح آپ نے سوچا ہے۔ آپ ہی اللہ کے فیصلے کے بارے میں بہتر جانتے ہیں اور ہمارے معاملات کا بھی آپ ہی کو زیادہ علم ہے۔[1]

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی: 4/160، 161

رستے میں پڑاؤ اور فجر کی نماز میں تاخیر

حافظ محمد حکمی ﷾ مرویات غزوہ حدیبیہ میں ذکر کرتے ہیں: مسلمان جب حدیبیہ سے واپس آ رہے تھے تو اثنائے راہ میں رات ہوگئی، رات گزارنے کے لیے وہ رستے سے تھوڑی دور ہٹ گئے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ قافلے کی حفاظت پر مامور ہوئے لیکن وہ سو گئے اور انھیں سورج کی تپش نے جگایا۔ اس سلسلے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم حدیبیہ کے زمانے میں واپس آ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ يَكْلَؤُنَا؟» ''ہمارا پہرہ کون دے گا؟'' سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں پہرہ داری کروں گا۔ چنانچہ سب سو گئے، یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔ رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور فرمایا: «افْعَلُوا كَمَا كُنْتُمْ تَفْعَلُونَ» ''اس طرح کرو جس طرح تم پہلے کیا کرتے تھے۔'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے اسی طرح کیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «هَكَذَا فَافْعَلُوا لِمَنْ نَامَ أَوْ نَسِيَ» ''جو شخص سو جائے یا بھول جائے، وہ اسی طرح کیا کرے۔''[1] سنن کبریٰ للنسائی میں یہ روایت کچھ مفصل ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب سورج نکلا تو جاگنے والوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور فلاں فلاں حضرات بھی تھے۔ آپ ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی۔ میں نے اسے ڈھونڈا تو اس کی رسی ایک درخت سے اٹکی ہوئی پائی۔ میں اسے پکڑ لایا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس پر سوار ہوئے، پھر ہم چل دیے۔ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو وہ آپ پر بہت بھاری ہو جاتی تھی۔ ہم یہ حالت پہچان لیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ہم سے کچھ پیچھے ہٹ گئے۔ پھر آپ کے سر کو ڈھانپ دیا گیا۔ ہم نے جان لیا کہ اب آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ پھر ایک خبر دینے والا ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ ﷺ پر ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ نازل ہوئی ہے۔[2]

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ یہ حدیبیہ سے واپسی تھی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حدیبیہ سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ہم نے پڑاؤ ڈالا تو آپ نے فرمایا: ''کون شخص نماز کے لیے ہمارا پہرہ دے گا؟'' پھر اسی طرح سارا واقعہ درج ہے۔[3]

حافظ حکمی فرماتے ہیں: بہت سی احادیث ایسی بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ نیند کا واقعہ حدیبیہ کے علاوہ بھی رونما ہوا جیسا کہ صحیح مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خیبر سے واپسی کے موقع پر اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اسی طرح زید بن اسلم سے موطا امام مالک میں مرسلاً مروی ہے کہ یہ واقعہ مکہ کے رستہ میں پیش آیا جبکہ عطاء بن یسار سے مرسلاً بیان ہوا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک سے واپسی پر پیش آیا تھا۔

[1] سنن ابي داود: 447. [2] السنن الكبرى للنسائي: 5/267، 268. [3] السنن الكبرى للبيهقي: 2/218.

چنانچہ بعض علماء نے ان سب کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ غزوہ خیبر سے واپسی پر ہوا اور یہ ایک ہی قصہ ہے کیونکہ زید بن اسلم کے مطابق یہ واقعہ مکہ کے رستے میں پیش آیا۔ خیبر اور مکہ سے مدینہ واپسی کا تقریباً ایک ہی راستہ ہے۔ زمن الحدیبیہ سے مراد اسی سال ہے، نہ کہ حدیبیہ سے واپسی مراد ہے۔ [1]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے تکلف سے تعبیر کیا ہے کیونکہ غزوہ تبوک والی روایت میں اس کی تردید ہے، اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ یہ واقعہ متعدد مرتبہ رونما ہوا ہے۔ [2] اسی کو امام نووی نے ترجیح دی ہے اور ابن کثیر، زرقانی اور ابن حجر بھی اسی بات کی طرف مائل ہیں۔ [3]

1 التمهيد: 5/203-207. 2 فتح الباري: 1/582. 3 مرويات غزوة الحديبية، ص: 251-258



تبوک کے سنگلاخ پہاڑ

سورۂ فتح کا نزول

یہ سورۂ مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں آپ کے اور کفار مکہ کے حالات بیان فرمائے اور اس صلح کو مصلحت اور انجام کے اعتبار سے فتح مبین قرار دیا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر صحابہ سے مروی ہے کہ تم فتح سے مراد فتح مکہ لیتے ہو جبکہ ہم تو صلح حدیبیہ کو فتح قرار دیتے ہیں۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حدیبیہ ہی کے دن کو فتح قرار دیتے تھے۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، میں نے آپ سے ایک چیز کے بارے میں تین بار پوچھا مگر آپ نے کوئی جواب نہ دیا، میں نے اپنے دل میں کہا: ابن خطاب! تجھے تیری ماں گم پائے، تو نے تین بار سوال کیا مگر رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا! عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر میں اپنے اونٹ پر سوار ہوگیا، اسے حرکت دی اور آگے بڑھا۔ مجھے ڈر تھا کہ میرے بارے میں کوئی چیز نازل نہ ہوگئی ہو، اسی دوران میں ایک شخص نے پکارتے ہوئے کہا: اے عمر! میں پلٹا تو ڈر رہا تھا کہ میرے بارے میں کوئی چیز نازل ہوگئی ہوگی۔ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لقد أنزلت علي الليلة سورة لهي أحب إلي من الدنيا وما فيها ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾»

’’رات مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، اس سب سے زیادہ عزیز ہے اور وہ یہ ہے: ’’(اے محمد!) بے شک ہم نے آپ کو فتح دی، فتح بھی صریح و صاف تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے۔‘‘[2]

فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ ہے کیونکہ اس کے سبب بہت خیر و بھلائی حاصل ہوئی، لوگوں کو امن حاصل ہوگیا اور

[1] تفسير الطبري، الفتح 48:1-3. [2] مسند أحمد: 31/1.

انھیں ایک دوسرے سے آزادی کے ساتھ ملنے جلنے کا موقع مل گیا۔ اس طرح کافروں تک وضاحت سے دین حنیف کا پیغام پہنچ گیا۔ یوں علم نافع اور ایمان کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آیت کریمہ: ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حدیبیہ سے واپسی پر نازل ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ آيَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا عَلَى الْأَرْضِ»

"(رات) مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ عزیز ہے۔"[1]

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدیم النظیر فضیلت

اگلے اور پچھلے گناہوں کی بخشش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے وہ خصوصیت ہے جس میں کوئی بھی آپ کا سہیم و شریک نہیں، آپ کے سوا اور کسی کے لیے بھی کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیے ہوں، یہ شرف عظیم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے کیونکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کے لیے پوری جزئیات کے ساتھ ایسی زبردست اطاعت اور صبر و استقامت کا مظاہرہ فرمایا جس تک اولین و آخرین میں سے کسی بشر کی رسائی نہ ہوسکی، آپ کی ذات گرامی بلاشبہ تمام انسانوں سے افضل و اکمل ہے اور آپ دنیا و آخرت میں ساری انسانیت کے سردار ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے اپنے رب تعالیٰ کے سب سے زیادہ اطاعت گزار اور اس کے اوامر و نواہی کی سب سے زیادہ تعمیل کرنے والے تھے، جب آپ کی اونٹنی مکہ مکرمہ کی طرف آگے بڑھنے کے بجائے زمین پر بیٹھ گئی تھی تو آپ نے فرمایا: «حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ» "اسے اس ذات پاک نے آگے بڑھنے سے روک دیا ہے جس نے ابرہہ کے ہاتھیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا يَسْأَلُونِي خُطَّةً يُعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا» "اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آج اگر وہ مجھ سے کوئی بھی ایسی چیز طلب کریں جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت والی اشیاء کی عزت و تکریم کریں تو میں ان کا مطالبہ تسلیم کرلوں گا۔"[2]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے صلح کی دعوت قبول فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے مخاطب ہوکر یہ آیات کریمہ نازل فرما دیں: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا

[1] مسند أحمد: 197/3، صحيح مسلم: 1786. [2] صحيح البخاري: 2731، 2732.

تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ ﴾ ''بے شک (اے محمد!) ہم نے آپ کو فتح دی، فتح بھی صریح و صاف تاکہ اللہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دے اور آپ پر (دنیا و آخرت میں) اپنی نعمت پوری کر دے۔''

مومنوں کے لیے بشارتیں

رسول اللہ ﷺ اور جملہ مومنین عمرے کی سعادت میسر نہ آنے کے بعد کئی بڑے بڑے مراحل سے گزر چکے تھے، مثلاً: مشرکین کا آمنا سامنا، بیعتِ رضوان اور صلح حدیبیہ۔ اس صورتحال پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوش نہ تھے اور ان معاملات کے بارے میں ان کے دلوں میں کئی خیالات جنم لے چکے تھے۔

قرآن کریم نے واضح کیا کہ یہ صلح درحقیقت ''فتح مبین'' ہے اور قبولِ صلح کے سلسلے میں نبی مکرم ﷺ صحیح موقف پر قائم تھے۔ جس وقت رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی، اس وقت آپ ''کراع الغمیم'' میں اپنی سواری پر تشریف فرما تھے۔ لوگ آپ کی طرف لپکے۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے سورۂ فتح کی پہلی آیت تلاوت فرمائی تو ایک شخص نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! کیا یہ فتح ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

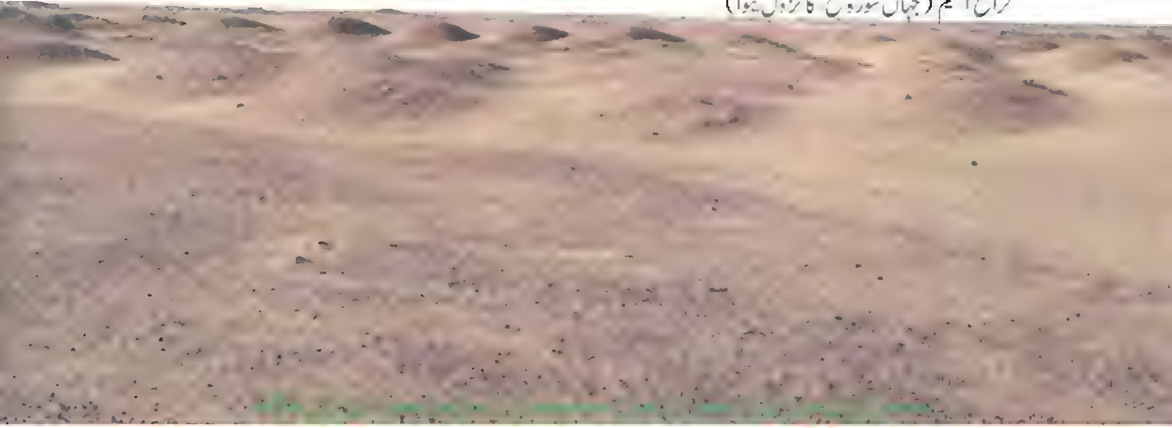
«نَعَمْ! وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! إِنَّهُ لَفَتْحٌ»

''ہاں، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! یہ یقیناً فتح ہے۔''[1]

آپ ﷺ کا ارشاد عالی سن کر مسلمانوں کا غم اور پریشانی انتہائی خوشی میں بدل گئی۔ انھیں یقین ہو گیا کہ ہم اسباب و نتائج کا قطعاً ادراک نہیں کر سکتے۔ ان کی اپنی اور اسلامی دعوت کی ساری بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔[2]

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق مومنوں کے ساتھ تھی۔ اس نے اپنے رسول کو صبر

[1] سنن أبي داود: 2736. [2] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 449/2.



کراع الغمیم (جہاں سورۂ فتح کا نزول ہوا)

کی توفیق بخشی کہ بالآخر مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدۂ صلح پر متفق ہو گئے۔ اور یہ معاہدہ مسلمانوں کے دلوں میں نزول سکینت کا سبب بنا حتی کہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں کو بھی قرار آ گیا جنھوں نے صلح کی بعض شرائط ماننے سے انکار کر دیا تھا اور اسے بڑی بوجھل طبیعت سے تسلیم کیا تھا، ان کی جانب سے بھی صلح کا معاملہ ترک کر دینے کی نوبت نہ آئی۔ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ سکینت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کے فیصلے سے راضی ہو گئے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾

''وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں طمانیت و تسکین نازل کی تا کہ ان کے ایمان میں اور ایمان کا اضافہ ہو اور آسمانوں اور زمین کے (سب) لشکر اللہ ہی کے ہیں، اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ان پر اطمینان نازل فرمایا تا کہ وہ اس کا فضل و احسان یاد رکھیں اور ہمیشہ اس کا شکریہ ادا کریں۔

اطمینان و سکون کے نازل فرمانے کی خبر قرآن پاک نے صرف اسی غزوے کے متعلق دی ہے۔ یہ سکینت غیر حسی ہے۔ اس کی کیفیت نزول اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ قرآن نے بیعت رضوان کی تعریف فرمائی اور اسے ہمیشہ کے لیے ایک یادگار واقعہ بنا دیا۔

مومنوں سے مراد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور یہ صلح حدیبیہ کے دن کی بات ہے جب انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان پر لبیک کہا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے آگے سر اطاعت خم کر دیا۔ جب انھیں اطمینان قلب حاصل ہو گیا تو اس سے ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہو گیا۔

پھر اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ ''یہ اس لیے کہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ہمیشہ کے لیے داخل کرے۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر حدیبیہ سے واپسی کے موقع پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! مبارک ہو! اللہ تعالیٰ نے یہ تو بیان فرما دیا کہ وہ آپ کے ساتھ کیسا حسن سلوک فرمائے گا، سوال یہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ کیا برتاؤ کرے گا؟ تو اس کے جواب میں آپ پر یہ آیت کریمہ

[1] الفتح 48:4.

نازل ہوئی:

﴿ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴾

’’(یہ سب اس لیے کیا) تاکہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے باغات میں داخل کرے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور (تاکہ) ان سے ان کی برائیاں دور کردے، اور یہ اللہ کے ہاں بہت بڑی کامیابی ہے۔‘‘[1]

رسول اللہ ﷺ کی صفات جمیلہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴾

(اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، اور خوشخبری دینے والا، اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور تم اس کی مدد کرو، اور اس کی تعظیم کرو، اور تم صبح اور شام اس (اللہ) کی پاکی بیان کرو۔‘‘

امام بخاری اور امام احمد نے عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملا اور میں نے عرض کی: مجھے بتایئے کہ تورات میں رسول اللہ ﷺ کی کیا صفت لکھی ہوئی ہے؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! تورات میں بھی آپ کی انھی صفات کا ذکر ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں، مثلاً: تورات میں آپ کے بارے میں لکھا ہوا ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴾ ’’اے پیغمبر! ہم نے بلاشبہ آپ کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔‘‘ اور ان پڑھوں کے لیے ذریعۂ حفاظت بنا کر بھیجا ہے، آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے، آپ بدخو، سخت دل اور بازاروں میں شور کرنے والے نہیں ہیں، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ معافی و درگزر سے کام لیتے اور بخش دیتے ہیں، اس وقت تک اللہ تعالیٰ انھیں دنیا سے نہیں بلائے گا جب تک وہ ان کے ذریعے سے کج روملت کو سیدھا نہیں کر دیتا کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہنا شروع کر دیں تو اللہ تعالیٰ اس کلمے سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور

1 مسند أحمد: 197/3، صحيح البخاري: 4172، صحيح مسلم: 1786.

پردے میں بند دلوں کو کھول دے گا۔[1]

وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے بنی اسرائیل میں سے شعیا نامی ایک نبی کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تم اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ، میں اپنی وحی کے ساتھ تمھاری زبان کو قوت گویائی عطا کروں گا اور میں ان پڑھ لوگوں میں اپنے ایک نبی امی کو مبعوث کروں گا جو نہ تند خو ہوگا، نہ سنگ دل، نہ بازاروں میں شور کرنے والا ہوگا۔ اگر وہ جلتے ہوئے چراغ کے پاس سے گزرے تو اس قدر شائستگی کے ساتھ کہ چراغ بجھنے نہ پائے۔ اگر وہ سرکنڈوں پر بھی چلے تو اس کے قدموں کی آہٹ سنائی نہ دے، میں اسے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجوں گا، وہ بے ہودہ بات نہیں کرے گا، اس کے ذریعے سے میں اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردے میں بند دلوں کو کھول دوں گا، میں اسے ہر خوب صورت کام کی توفیق عطا کروں گا، ہر خلق کریم سے اسے سرفراز کروں گا، سکینت کو اس کا لباس، نیکی کو اس کا شعار، تقویٰ کو اس کا ضمیر، حکمت کو اس کی گفتگو، صدق و وفا کو اس کی طبیعت، عفو و نیکی کو اس کا خلق، حق کو اس کی شریعت، عدل کو اس کی سیرت، ہدایت کو اس کا امام اور اسلام کو اس کی ملت بنا دوں گا، اس کا نام احمد ہوگا۔ میں اس کے ذریعے سے گمراہی کے بعد ہدایت دے دوں گا۔ جہالت کے بعد علم دے دوں گا، گمنامی کے بعد سربلندی عطا کر دوں گا، نامعلوم ہونے کے بعد پہچان کرا دوں گا، قلت کے بعد کثرت کر دوں گا، محتاجی کے بعد غنی کر دوں گا، تفرقہ کے بعد جمع کر دوں گا، اور ان کے ذریعے سے متفرق امتوں، مختلف دلوں اور پراگندہ افراد میں الفت اور ہم آہنگی پیدا کر دوں گا اور ان کے ذریعے سے میں بے شمار لوگوں کو تباہی و ہلاکت سے محفوظ کر دوں گا، ان کی امت کو سب سے بہتر امت بنا دوں گا جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے اور اس امت کے لوگ نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے منع کریں گے اور وہ موحد، مومن، مخلص اور میرے رسولوں کے لائے ہوئے دین و شریعت کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔ میں ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دوں گا کہ وہ اپنی مسجدوں، مجلسوں اور آنے جانے کے راستوں میں میری تسبیح، تحمید، ثنا، تکبیر اور توحید کے ترانے گائیں گے، وہ کھڑے اور بیٹھے ہوئے نماز پڑھیں گے، وہ صفیں باندھ کر اور بھاری تعداد میں چل کر اللہ کے رستے میں جہاد کریں گے اور ہزاروں کی تعداد میں میری رضا کے حصول کے لیے اپنے گھروں سے نکلیں گے، وہ اپنے چہروں اور ہاتھ پاؤں کو پاک صاف رکھیں گے، اپنے کپڑوں کو نصف پنڈلیوں تک رکھیں گے، ان کی قربانیاں ان کے خون ہوں گے، ان کی انجیلیں (کتابیں) ان کے سینوں میں ہوں گی، وہ رات کو عبادت گزار اور دن کو شیر ہوں گے، میں ان (ﷺ) کے اہل بیت اور اولاد میں سے سابقین، صدیقین، شہداء اور صالحین پیدا کروں گا، ان کے بعد

1 صحيح البخاري: 2125، مسند أحمد: 174/2

ان کی امت کے لوگ حق کے ذریعے ہدایت کریں گے اور اسی کے ذریعے عدل و انصاف کریں گے۔ جو ان کی مدد کرے گا، میں اسے عزت عطا کروں گا۔ جو ان کے لیے دعا کرے گا، میں اس کی تائید کروں گا۔ جو ان کی مخالفت کریں گے یا ان پر سرکشی کریں گے یا ان کے ہاتھوں سے کچھ چھیننا چاہیں گے، میں ان لوگوں کو بری گردش میں مبتلا کردوں گا۔ میں انھیں اپنے نبی کا وارث اور رب کی طرف دعوت دینے والا بنادوں گا، وہ نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے منع کریں گے، نماز قائم کریں گے، زکاۃ ادا کریں گے، وعدے پورے کریں گے اور انھی پر میں اس خیر و بھلائی کو ختم کردوں گا جس کا ان کے پہلے شخص سے میں نے آغاز کیا تھا، یہ میرا فضل ہے، جس کو چاہوں میں اس سے سرفراز کردوں اور میں تو فضل عظیم کا مالک ہوں۔[1]

پسماندگانِ حدیبیہ کے بارے میں قرآن کا فیصلہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾

”عنقریب جب تم مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے (خیبر کو) چلو گے تو پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ کہیں گے: ہمیں چھوڑو کہ ہم بھی تمھارے ساتھ چلتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا کلام بدل دیں۔ آپ کہہ دیجیے: تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے، اللہ نے پہلے ہی سے یہ فرما دیا ہے، پھر وہ یقیناً کہیں گے: (نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو، (ایسا نہیں) بلکہ وہ لوگ کم ہی سمجھتے ہیں۔“[2]

آیت مبارکہ میں ﴿ كَلَامَ اللَّهِ ﴾ کا مفہوم

عمرۂ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ جانے والے اعراب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا ہے کہ جب نبی ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خیبر فتح کرنے نکلیں گے تو وہ بھی ان کے ساتھ مل کر مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے نکلنے کی اجازت طلب کریں گے، حالانکہ دشمنوں سے جنگ، ان سے مقابلہ اور مشکل وقت میں ساتھ نکلنے کے بجائے وہ پیچھے رہ گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ جب وہ اجازت طلب کریں تو انھیں اجازت نہ دیں اور یہ سزا ان کے گناہ کی نوعیت کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اہل حدیبیہ سے خیبر کی غنیمتوں کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ پیچھے رہ جانے والے اعراب میں سے کوئی ان کے ساتھ شریک نہیں ہوگا، لہٰذا شرعاً اور

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 3140/9 و 3141/10، یہ حدیث ضعیف ہے۔ [2] الفتح 15:48

قدر ا اس کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ﴾ ”یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے قول کو بدل دیں۔“ امام ابن جریر، مجاہد، قتادہ اور جویبر کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول سے مراد وہ وعدہ ہے جو اس نے اہلِ حدیبیہ سے فرمایا تھا۔[1]

جہاد مومنوں اور منافقوں میں حدِّ فاصل ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُل لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِن تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِن تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُم مِّن قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾

”آپ ان پیچھے چھوڑے جانے والے دیہی لوگوں سے کہہ دیجیے: عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے، تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے، پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمھیں اچھا اجر دے گا، اور اگر تم پھر جاؤ گے، جیسا کہ اس سے پہلے تم پھر گئے تھے تو وہ تمھیں نہایت دردناک عذاب دے گا۔“[2]

اس آیت کریمہ میں اللہ نے ان لوگوں کو انتباہ فرمایا ہے جو حدیبیہ سے پیچھے رہ گئے تھے کہ اگر بعد ازاں انھوں نے جہاد کیا اور سخت جنگجو لوگوں کے ساتھ نبرد آزما ہوئے، اور آزمائشوں پر ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ انھیں اس کا اجر عطا فرمائے گا ورنہ جس طرح یہ لوگ حدیبیہ میں پیچھے رہے ہیں، اگر بعد میں بھی پیچھے رہے تو پھر انھیں دردناک عذاب سے دوچار کیا جائے گا۔

مفسرین کا اس امر پر اختلاف ہے کہ ان سخت جنگجو لوگوں سے کون لوگ مراد ہیں جن کے ساتھ لڑائی کے لیے بلائے جانے کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ اس بارے میں کئی اقوال ہیں: بعض کے نزدیک ان سے مراد ہوازن کے لوگ ہیں۔

1 تفسير الطبري، الفتح 15:48. 2 الفتح 16:48.

بنو ہوازن کا علاقہ



بعض کہتے ہیں: ان سے مراد ثقیف کے لوگ ہیں، بعض اس سے بنو حنیفہ مراد لیتے ہیں اور کچھ نے ایرانی اور کچھ نے رومی یا بت پرست لوگ مراد لیے ہیں۔ امام طبری کا موقف ہے کہ ان سے بس جنگجو لوگ ہی مراد ہیں۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ﴾ "یا تو تم ان سے جنگ کرتے رہو گے یا وہ اسلام لے آئیں گے۔" یعنی تمھارے لیے ان سے جہاد اور قتال کا حکم ہے اور ان کے خلاف ہمیشہ جہاد ہوتا رہے گا اور تمھیں ان پر فتح حاصل ہوتی رہے گی یا وہ بغیر قتال ہی اپنی مرضی سے تمھارے دین میں داخل ہو جائیں گے۔

پھر فرمایا: ﴿ فَاِنْ تُطِيْعُوْا ﴾ "پھر اگر تم حکم مانو گے۔" یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے جہاد کے لیے نکل آؤ گے اور اس کا پورا پورا حق ادا کرو گے ﴿ يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ ﴾ "تو اللہ تم کو اچھا بدلہ دے گا اور اگر منہ پھیر لو گے جیسا کہ تم نے پہلے پھیرا تھا۔" یعنی حدیبیہ کے زمانے میں کہ جب تم کو جہاد کے لیے کہا گیا مگر تم نے شرکت نہ کی اور پیچھے بیٹھے رہ گئے ﴿ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ "(تو) وہ تمھیں عذاب دے گا بہت دردناک عذاب۔"

جہاد سے مستثنیٰ کون لوگ ہیں؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ﴾

"(جہاد سے پیچھے رہنے میں) اندھے پر کوئی گناہ نہیں، اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے، اور نہ مریض پر کوئی گناہ ہے۔"[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ترکِ جہاد کے شرعی عذر واضح فرمائے ہیں کہ ان میں سے کچھ تو مستقل نوعیت کے ہیں، مثلاً: اندھا پن اور مستقل لنگڑا پن اور کچھ عارضی نوعیت کے ہیں، مثلاً: چند دن کے لیے آنے والی بیماری جو کچھ مدت کے بعد ختم ہو جائے تو ایسی بیماری میں مبتلا انسان معذور لوگوں میں شمار ہوگا حتی کہ وہ صحت یاب ہو جائے۔

کفار حدیبیہ میں جنگ کرتے تو بھاگ کھڑے ہوتے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴾

[1] تفسير الطبري، الفتح 16:48. [2] الفتح 17:48.

”اور اگر تم سے کافر لڑتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے، پھر کسی کو نہ دوست پاتے اور نہ مددگار۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر مشرکین تم سے لڑتے تو اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں اپنے رسول اور اپنے مومن بندوں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرماتا، کفار و مشرکین کا لشکر دم دبا کر بھاگ جاتا اور اپنا کوئی یار و مددگار نہ پاتا کیونکہ ان کی جنگ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کے مومن بندوں کے خلاف تھی، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا

”یہی اللہ کا طریقہ ہے، جو پہلے سے چلا آتا ہے اور تم اللہ کے طریقے میں کبھی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔“

یعنی مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یہی عادت ہے کہ جب بھی فیصلہ کن جگہ پر کفر و ایمان ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہوں تو اللہ تعالیٰ کفر کے مقابلے میں ایمان کو فتح و نصرت سے سرفراز فرماتا اور حق کو باطل کے خلاف سر بلند کر دیتا ہے جیسا کہ غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اپنے دشمنوں اور مشرکوں کے مقابلے میں فتح یاب فرمایا تھا، حالانکہ مسلمانوں کی تعداد بھی بہت کم تھی اور ان کے پاس ساز و سامان کی بھی شدید قلت تھی جبکہ مشرکین کی تعداد زیادہ تھی اور ان کے پاس اسلحہ کی بہتات اور مال و منال کی بھی فراوانی تھی۔

ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ آمد

جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے، کفار ان کو بے حد اذیتیں دیتے تھے، اس لیے وہ موقع پاتے ہی بھاگ کر مدینہ آ جاتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے فوراً بعد قریش کے حلیف قبیلہ ثقیف سے ابو بصیر عتبہ بن اسید رضی اللہ عنہ مشرکین مکہ کی قید سے نکل بھاگے اور مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ معاہدے کی شرط کے مطابق قریش نے ان کے پیچھے دو آدمی بھیجے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«يا أبا بصير! إنا قد أعطينا هؤلاء القوم ما قد علمت، ولا يصلح لنا في ديننا الغدر، وإن الله جاعل لك ولمن معك من المستضعفين فرجا ومخرجا فانطلق إلى قومك»

''اے ابو بصیر! ہم نے اس قوم سے جو عہد کیا ہے، وہ تمھیں معلوم ہی ہے اور عہد شکنی کی ہمارے دین میں کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اور تمھارے ساتھ دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے کوئی راہ نکالے گا، لہٰذا تم اپنی قوم کے پاس واپس چلے جاؤ۔''

ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے ان مشرکوں کے حوالے کر رہے ہیں جو میرے دین کے معاملے میں مجھے آزمائش میں مبتلا کریں گے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يا أبا بصير! انطلق، فإن الله تعالى سيجعل لك ولمن معك من المستضعفين فرجا ومخرجا»

''ابو بصیر! تم چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ عنقریب تمھارے لیے اور تمھارے ساتھ دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے آزادی کی کوئی نہ کوئی راہ نکال دے گا۔''[1]

چنانچہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ چل دیے۔ مسلمانوں کو یہ بات بہت گراں گزری کہ ان کا مظلوم ہم عقیدہ بھائی

1 السيرة لابن هشام:3/337.

قریش کے ظلم کی چکی سے نجات پانے میں کامیاب ہو گیا تو اُسے دوبارہ مشرکوں کے عقوبت خانے میں بھیجا جا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ عہد کی پاسداری کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے ہاں یہ صرف رسمی یا کاغذی کارروائی نہیں تھی بلکہ یہ آپ کا ناقابلِ تسخیر دائمی معمول تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے قریش سے کیے ہوئے عہد کی پابندی کی اور ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو ان کے بھیجے ہوئے دو آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ ابوبصیر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ چل دیے۔ جب وہ ذوالحلیفہ پہنچے تو دونوں مشرک وہاں بیٹھ کر کھجوریں کھانے لگے۔ ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک شخص سے کہا: اے فلاں! تمھاری تلوار بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اس نے تلوار نیام سے نکال کر کہا: ہاں، اللہ کی قسم! یہ بہت عمدہ تلوار ہے۔ میں اس کا بارہا تجربہ کر چکا ہوں۔ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ذرا دکھاؤ تو سہی، میں بھی تو اسے دیکھوں۔ اس نے وہ تلوار ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو دے دی۔

ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے تلوار ہاتھ میں لیتے ہی اس پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ دوسرا شخص بھاگتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا:

«لَقَدْ رَأَى هٰذَا ذُعْرًا»

''اس نے کوئی خوفناک منظر دیکھا ہے۔''

وہ رسول اللہ ﷺ سے التجا کرنے لگا: آپ کے ساتھی نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا ہے۔ ابھی وہ رسول اللہ ﷺ سے باتیں ہی کر رہا تھا کہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ بھی تلوار سونتے ہوئے پہنچ گئے اور کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ کی ذمہ داری پوری ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کی طرف سے واجب تھا، ادا کر دیا۔ آپ نے مجھے ان کے سپرد کر دیا اور میں اپنے دین کے متعلق فتنے میں پڑنے سے بچ گیا۔'' اس پر نبی ﷺ نے فرمایا:

«وَيْلُ أُمِّهِ مِسْعَرُ حَرْبٍ لَوْ كَانَ لَهُ أَحَدٌ»

''اس کی ماں پر افسوس! اگر اسے کسی کا ساتھ مل جائے تو یہ جنگ بھڑکا دے گا۔''[1]

یہ بات سن کر ابوبصیر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ انھیں پھر کافروں کے حوالے کیا جائے گا، اس لیے وہ مدینہ سے نکل کر ساحل سمندر پر چلے گئے۔

ساحل سمندر پر مظلوم و مفرور مسلمانوں کا اجتماع

اب مکہ میں رہنے والے کمزور اور مظلوم مسلمان مکہ سے بھاگ بھاگ کر ابوبصیر کے پاس ساحل سمندر پر اکٹھے

1 صحيح البخاري :2732،2731، سنن أبي داود :2765

ہونے لگے۔ ادھر ابو جندل ؓ بھی آ گئے۔ پھر قریش میں سے جو بھی مسلمان ہوتا، وہ سیدھا ابو بصیر ؓ کے پاس پہنچ جاتا۔ اس طرح ابو بصیر ؓ کے پاس اچھی خاصی جماعت اکٹھی ہو گئی۔ اس کے بعد جب بھی ان لوگوں کو ملک شام سے آنے والے کسی قریشی قافلے کا پتا چلتا تو وہ اس سے جا ٹکراتے اور قافلے والوں کو قتل کر کے مال لوٹ لیتے۔

قریش نے مجبور ہو کر رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ اور قرابت کا واسطہ دیتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ آپ ان لوگوں کو اپنے پاس ہی بلا لیں۔ اب ہمارے پاس سے جو بھی آپ ﷺ کے پاس جائے گا، وہ مامون رہے گا۔ یوں قریش خود ہی اپنی ظالمانہ شرائط سے دست بردار ہو گئے۔ اس طرح قریش کو اس جگہ سے ذلت ملی جہاں سے انھوں نے عزت حاصل کرنے کی آرزو کی تھی۔[1]

یہ ساٹھ یا ستر افراد جو عیص میں جمع تھے، سب آپ ﷺ کے پاس آ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنے ہاں جگہ دی۔ ان کی آمد سے مسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہوا۔ لیکن اس گروہ کے قائد ''ابو بصیر ؓ'' کی قسمت میں مدینہ آنا نہیں لکھا تھا۔ جب انھیں نبی اکرم ﷺ کا خط موصول ہوا تو وہ بستر مرگ پر تھے۔ عین اس موقع پر جبکہ آپ ﷺ کا نامۂ مبارک پہنچا، ان کے سانس کی ڈوری ٹوٹ گئی۔[2]

خواتین صلح حدیبیہ کے معاہدے سے مستثنیٰ تھیں

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ مکہ مکرمہ میں متعدد ایسے مسلمان بھی تھے جو کمزور ہونے یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے۔ سیدنا عثمان ؓ نے ان سے بھی ملاقات کی اور انھیں تسلی دی تھی۔ انھی لوگوں میں ایک مومنہ

1 صحيح البخاري: 2731، 2732، محمد رسول الله ﷺ، صادق عرجون: 4/281 2 صور و عبر من الجهاد النبوي في المدينة للدكتور فوزي فيض الله، ص: 296



تدمر (شام کے رومی آثار)

خاتون سیدہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا تھیں۔ سیدہ ام کلثوم حالات کی رفتار سے بہت بے چین تھیں، ان کے دل میں اسلام کی محبت موجزن تھی۔ اسی جذبے کی سرشاری میں وہ بے اختیار مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔ اہل مکہ کو پتہ چلا تو انھیں واپس لانے کے لیے ان کے دو بھائی ولید بن عقبہ اور عمارہ بن عقبہ مدینہ پہنچے۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ حدیبیہ میں جو صلح مکمل ہو چکی ہے، اس کی رو سے انھیں واپس کیا جائے۔ آپ ﷺ نے یہ مطالبہ اس وجہ سے مسترد کر دیا کہ صلح کی دفعہ میں جو لفظ لکھا گیا تھا، وہ یہ تھا:

وعلى أنه لا يأتيك منا رجل وإن كان على دينك إلا رددته إلينا.

''یہ معاہدہ اس شرط پر کیا جا رہا ہے کہ ہمارا جو آدمی آپ کے پاس جائے گا، آپ اسے واپس کر دیں گے، ہرچند وہ آپ ہی کے دین پر ہو۔''

اس میں صرف مردوں کا ذکر ہے، عورتیں اس میں شامل نہیں ہیں، اس لیے آپ ﷺ نے اسے لوٹانے سے انکار فرما دیا۔ پھر اللہ نے اسی سلسلے میں یہ آیت بھی نازل فرما دی:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا جَآءَكُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ مُهَٰجِرَٰتٍ فَٱمْتَحِنُوهُنَّ ۖ ٱللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَٰنِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَءَاتُوهُم مَّآ أَنفَقُواْ ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُواْ بِعِصَمِ ٱلْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُواْ مَآ أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُواْ مَآ أَنفَقُواْ ۚ ذَٰلِكُمْ حُكْمُ ٱللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾

''اے ایمان والو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم انھیں مومن جانو تو انھیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ، نہ وہ (عورتیں) ان (کفار) کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان (عورتوں) کے لیے حلال ہیں اور تم ان (کفار) کو دے دو جو (مہر) انھوں نے خرچ کیا اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو جب تم انھیں ان کے مہر دے دو اور تم کافر عورتوں کی عصمتیں قبضے میں نہ رکھو اور مانگ لو جو (مہر) تم نے خرچ کیا اور چاہیے کہ وہ (کفار) بھی مانگ لیں جو (مہر) انھوں نے خرچ کیا، یہ اللہ کا فیصلہ ہے، وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔''[1]

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب کوئی مومنہ مدینہ ہجرت کر کے آتی تو رسول اللہ ﷺ اس سے اس آیت کریمہ کی روشنی میں بیعت لیتے:

1 الممتحنة 60:10، السيرة لابن هشام: 3/340,341، مرويات غزوة الحديبية، ص: 191-195

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِٱللَّهِ شَيْـًٔا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَٰدَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَٰنٍ يَفْتَرِينَهُۥ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِى مَعْرُوفٍ ۙ فَبَايِعْهُنَّ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُنَّ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾

’’اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں (اور) وہ آپ سے (ان امور پر) بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، اور نہ چوری کریں گی، اور نہ زنا کریں گی، اور نہ اپنی اولاد قتل کریں گی، اور نہ بہتان لگائیں گی جو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لیں، اور نہ نیک کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی، تو آپ ان سے بیعت لے لیں، اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگیں، بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔‘‘[1]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ان کا امتحان یہی تھا کہ وہ لا إله إلا الله محمد رسول الله کی گواہی دیں اور اقرار کریں۔ مزید برآں ﴿ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ﴾ یہی وہ آیت ہے جس کے اترتے ہی مسلمان عورتیں مشرکوں پر حرام قرار دے دی گئیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ کے بقول مسلمان عورت کے لیے اس کے (غیر مسلم) خاوند سے علیحدگی کا سبب اس کا اسلام ہے، نہ کہ عورت کی ہجرت۔[2]

مسلم خواتین کا مشرکوں پر حرام قرار دیا جانا

صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار نے ہجرت کر کے آنے والی مسلمان خواتین کی واپسی کا مطالبہ کیا تو جہاں اللہ تعالیٰ نے انھیں کفار و مشرکین کی طرف لوٹانے سے منع فرما دیا، وہاں ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا:

﴿ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ﴾

’’نہ وہ (مسلمان عورتیں) ان (کافروں) کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان (مسلمان عورتوں) کے لیے حلال ہیں۔‘‘

ان الفاظ کے ذریعے سے مسلمان عورتوں کو مشرکوں کے لیے حرام قرار دے دیا گیا۔ اس سے پہلے ابتدائے اسلام میں مشرک کے لیے مومن عورت سے شادی کرنے کی اجازت تھی۔ اسی لیے ابوالعاص نے رسول اللہ ﷺ

1 الممتحنة 12:60. 2 تفسير القرطبي، الممتحنة 10:60


مسجد زید بن حارثہ (فقوعہ، جنین، فلسطین)

کی لختِ جگر زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کی تھی، حالانکہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مسلمان تھیں اور ابوالعاص اپنی قوم کے دین پر تھا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر جب ابوالعاص کو مسلمانوں نے قید کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس شرط پر رہا کیا کہ وہ آپ کی صاحبزادی کو آپ کے پاس بھیج دے گا، چنانچہ اس نے مدینہ جا کر اس عہد کو پورا کیا اور آپ سے کیے ہوئے وعدے کو سچا ثابت کر دکھایا۔ اس نے زینب رضی اللہ عنہا کو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ کر دیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا غزوۂ بدر کے بعد 2ھ سے لے کر 8ھ میں اپنے خاوند ابوالعاص کے مسلمان ہونے تک مدینہ ہی میں رہیں۔ آپ نے ابوالعاص کے مسلمان ہو جانے کے بعد زینب رضی اللہ عنہا کو پہلے نکاح ہی پر ان کے پاس لوٹا دیا اور نیا حق مہر بھی مقرر نہیں فرمایا۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ﴾ یعنی مہاجر خواتین کے مشرک خاوندوں نے ان پر حق مہر کی جو چٹی بھری ہے، وہ انھیں دے دو۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ کے متعلق ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب انھیں ان کا حق مہر دے دو تو ان سے نکاح کر لو بشرطیکہ ان کی عدت گزر جائے اور ولی کی شرط پوری ہو۔[2]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ﴾

1 تفسير ابن كثير، الممتحنة 10:60، سنن أبي داود: 2240، جامع الترمذي: 1143. 2 تفسير ابن كثير، الممتحنة 10:60.

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کافر عورتوں کے نکاح پر قائم رہنے سے منع فرمایا ہے اور انھیں اپنے سے الگ کرنے کا حکم دیا ہے۔ جب یہ آیت اتری تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس دن اپنے پاس موجود دو مشرک عورتوں کو طلاق دے دی۔[1]

امام طبری نے بیان کیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جن دو عورتوں کو طلاق دی تھی، ان میں سے ایک قریبہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ تھی جس سے معاویہ بن ابی سفیان نے شادی کر لی۔ اور دوسری ام کلثوم بنت عمرو بن جرول الخزاعیہ تھی جو عبیداللہ بن عمر کی ماں تھی۔ اس سے اس کے ہم قوم ابوجہم بن حذافہ بن غانم نے شادی کر لی۔ یہ دونوں بھی اس وقت مشرک تھے۔[2]

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَسْـَٔلُوا مَآ أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوا مَآ أَنفَقُوا ۚ ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾

''اور مانگ لو جو (مہر) تم نے خرچ کیا اور چاہیے کہ وہ (کفار) بھی مانگ لیں جو (مہر) انھوں نے خرچ کیا، یہ اللہ کا فیصلہ ہے، وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔''[3]

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا کہنا ہے کہ قاعدہ یہ تھا کہ جو مسلمان عورتیں اسلام چھوڑ کر ایسے کفار کے پاس چلی جاتیں جن کے ساتھ معاہدہ ہے تو کفار سے کہا جاتا کہ ان عورتوں کا حق مہر ہمیں دے دو۔ اور کوئی عورت مسلمان ہو کر ہجرت کر کے ادھر آ جاتی تو کہا جاتا کہ اس کا حق مہر کفار کو لوٹا دو۔ دونوں صورتوں میں یہ قانون عدل و انصاف پر مبنی تھا۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَإِن فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُم مِّثْلَ مَآ أَنفَقُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ﴾

''اور اگر تمھاری بیویوں میں سے کوئی تمھیں چھوڑ کر کفار کی طرف چلی جائیں، پھر تم (کفار سے) بدلہ لو (اور غنیمت ہاتھ لگے) تو جن کی بیویاں چلی گئیں، انھیں اس (مہر) کے برابر دے دو جو انھوں نے خرچ کیا اور تم اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔''[4]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مومنوں کی بیویوں میں سے اگر کوئی عورت

1 صحيح البخاري: 2733. 2 تاريخ الطبري: 285/2. 3 الممتحنة 10:60. 4 الممتحنة 11:60.

(مرتد ہو کر) کفار کی طرف چلی جائے تو مومن اس کے خاوند کو اس مال میں سے نفقہ دیں گے جو ان کے ہاتھوں میں اس مال میں سے موجود ہے جسے مشرکین کی طرف لوٹانے کا انھیں حکم دیا گیا ہے، یعنی ان کی ان بیویوں کی وجہ سے جو ایمان لانے اور ہجرت کرنے کے بعد مسلمانوں کے پاس آگئی ہوں اور اگر اس میں سے کچھ بچ جائے تو وہ مشرکین کو دے دیا جائے گا۔[1]

فوائد، حکمتیں اور مسائل و احکام

اللہ رب العزت کا ہر فیصلہ حکمت و دانش پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے ہر کام میں بے شمار حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں جن کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ ان میں سے کچھ حکمتیں انسانوں کی راہنمائی اور بھلائی کے لیے ظاہر کر دی جاتی ہیں جبکہ اکثر و بیشتر خالق کائنات کے علم ہی میں محفوظ رہتی ہیں۔

صلح حدیبیہ بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے چند حکمتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کمال مہربانی کرتے ہوئے ظاہر فرما دیں اور علمائے کرام نے انھیں احاطۂ تحریر میں لا کر آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کر دیا۔ صلح حدیبیہ سے ماخوذ و مستنبط کچھ فوائد، حکمتیں اور مسائل و احکام درج ذیل ہیں:

1 حج اور عمرے کا احرام میقات سے باندھنا افضل ہے، البتہ نیت میقات ہی سے کی جائے گی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ذوالحلیفہ سے عمرے کی نیت کی تھی، حالانکہ ذوالحلیفہ، مدینہ منورہ سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ میقات سے پہلے احرام باندھنا جائز ہے لیکن میقات سے پہلے نیت کرنا درست نہیں ہے۔

ایک شخص نے امام مالک رحمہ اللہ سے عرض کی: میں مسجد نبوی میں روضۂ رسول کے پاس سے احرام باندھ کر عمرے کی نیت کرنا چاہتا ہوں؟

انھوں نے فرمایا: ایسا مت کرو، مجھے ڈر ہے کہ تم فتنے میں پڑ جاؤ گے۔

سائل نے عرض کی: اس میں کون سا فتنہ ہے؟ میں تو چند میل کا اضافہ کر رہا ہوں، یعنی میقات سے پہلے ہی نیت کر کے احرام کی پابندیاں قبول کر رہا ہوں، کوئی کمی تو نہیں کر رہا۔

امام صاحب نے فرمایا: اس سے بڑا فتنہ اور کیا ہوگا کہ تم بزعم خویش یہ سمجھ رہے ہو کہ تم ایسا فضیلت والا کام کرنے والے ہو جو رسول اللہ ﷺ بھی نہیں کر سکے جبکہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

[1] تفسیر ابن کثیر، الممتحنۃ 11:60

’’لہٰذا چاہیے کہ جو لوگ اس (رسول) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس (بات) سے ڈریں کہ انھیں (دنیا میں) کوئی آزمائش آپڑے یا انھیں (آخرت میں) دردناک عذاب پہنچے۔‘‘[1]

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ بیت المقدس سے احرام باندھ کر عمرے کی نیت کرنے کے بارے میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جو درج ذیل حدیث مروی ہے، یہ ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہے:

’’جس نے بیت المقدس سے عمرے کا احرام باندھا تو وہ اس کے سابقہ گناہوں کی بخشش کا باعث ہوگا۔‘‘

یا یہ روایت کہ ’’اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔‘‘[2]

2 عمرے کے لیے قربانی کا جانور ساتھ لے کر جانا مستحب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کی معیت میں عمرے کے لیے ہدی کے جانور ساتھ لیے تھے۔ پھر صلح نامہ تحریر ہونے کے بعد حدیبیہ ہی میں قربانی کے جانور ذبح کر دیے تھے۔

3 ہدی کے اونٹ کو اشعار کرنا سنت ہے۔ اونٹ کے کوہان کو دائیں جانب سے چیر کر اس کا خون کوہان پر مل دیا جاتا تھا جو اس بات کی دلیل ہوتا تھا کہ یہ اونٹ ہدی کا ہے۔ اس لیے راہزن بھی اس اونٹ سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ آج بھی اس سنت پر عمل کرنا باعث اجر و ثواب ہے۔ فقہائے اہل رائے کا اس کو مثلہ قرار دینا درست نہیں۔ ایک شخص نے جناب وکیع رحمہ اللہ کی مجلس میں کہا: اشعار کو ابراہیم نخعی مثلہ قرار دیتے ہیں۔ یہ سن کر جناب وکیع شدید ناراض ہوئے اور فرمایا: میں تمھیں بتا رہا ہوں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے اور تم مجھے ابراہیم نخعی کا قول سنا رہے ہو۔ تم اس سزا کے مستحق ہو کہ تمھیں تادم توبہ قید میں ڈال دیا جائے۔[3]

یقیناً اتباعِ سنت کا یہ جذبہ قابل فخر اور سنت نبوی سے تغافل قابل گرفت جرم ہے۔

1 عارضة الأحوذي: 35,34/4، موارد الظمآن: 341/3. 2 سنن ابن ماجه: 3002، زاد المعاد: 300/3. 3 جامع الترمذي: 906.



مسجد اقصیٰ کا ایک منفرد منظر (بیت المقدس)

4 حربی کافر دشمن کو زچ کرنا، اسے غصہ دلانا اور چڑانا درست ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہدی کے جو اونٹ مکہ مکرمہ روانہ کیے تھے، ان میں ابوجہل کا وہ خوبصورت اونٹ بھی شامل تھا جس کی ناک میں چاندی کی نکیل تھی۔ جنگِ بدر کے موقع پر ہاتھ آنے والا یہ اونٹ آپ نے مشرکین مکہ کا دل جلانے اور تڑپانے کے لیے بھیجا تھا تاکہ انھیں اپنے سردار کی یادیں تڑپا دیں۔ مشرکین مکہ نے اس کے عوض سو اونٹوں کی پیش کش کی مگر آپ نے یہ کہہ کر ان کی پیش کش ٹھکرا دی کہ ہم اسے قربان کرنے کی نیت کر چکے ہیں۔

کافروں کو تڑپانا، جلانا اور غضبناک کرنا رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کی وہ خصوصی صفت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دو جگہ بیان فرمایا ہے۔[1]

5 سپہ سالار اور قائد عوام کا اپنی سپاہ اور رعایا سے مشورہ کرنا مستحب ہے۔ مشورے سے مشکلات کا حل سامنے آتا ہے، سپاہ اور رعایا میں اعتماد بڑھتا ہے اور بہترین طریق کار کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ ماہرینِ فنِ حرب کی خدمات سے پوری قوم کو فائدہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورے کی بدولت غزوۂ بدر، خندق، طائف اور حدیبیہ میں شاندار حکمت عملی ترتیب دی اور دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیے۔

6 رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی قصواء حدیبیہ کے مقام پر رک گئی اور اس نے حدود حرم میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: ''قصواء اڑ گئی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کی غلط فہمی فوراً دور فرمائی اور کہا:

[illegible]

''قصواء نہ اڑی ہے اور نہ یہ اس کی عادت ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے اس کے رکنے کی وجہ بیان فرمائی کہ اسے اسی ذات بابرکات نے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کے لشکر کو مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہونے سے روک دیا تھا۔ بعدازاں اسے روکنے کی عظیم حکمت بھی مسلمانوں کے لیے آشکارا ہوئی۔ آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کی طرف منسوب کی جانے والی غلط بات کی فوری تصحیح کر دی۔

7 کسی شرعی ضرورت کے لیے یا کسی سچی بات کی تاکید کے لیے قسم اٹھانا جائز ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے [illegible] نفسی [illegible] ''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔'' کہہ کر صلح حدیبیہ کے موقع پر

1 دیکھیے: الفتح 29:48، التوبۃ 120:9۔

قسم کھائی تھی۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر تقریباً 80 مرتبہ قسم کھائی ہے اور قرآن مجید میں تین مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تصدیق کے لیے قسم کھانے کا حکم دیا گیا ہے۔[1]

8 اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک تعلیم یہ ہے کہ امیر اور عوام، قائد اور سپاہ، دولت مند اور غریب سب برابر ہیں۔ کسی امیر، قائد یا افسر کے لیے لوگ تعظیماً کھڑے نہیں ہوں گے جبکہ وہ خود کرسی پر بیٹھا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے لیے شدید وعید سنائی ہے جو اپنی تعظیم کے لیے لوگوں کو کھڑے رکھنا پسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»

''جو شخص یہ بات پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے رہیں تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم بنا لے۔''[2]

البتہ جنگوں میں مسلمان فوج کو فخر و غرور اور دشمن پر رعب طاری کرنے کے لیے سینہ تان کر اور اکڑ اکڑ کر چلنے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ اسی طرح جنگ کے دوران اپنے کمانڈر کے گرد اسلحہ لے کر کھڑے ہونا تاکہ اسلام کی طاقت اور کمانڈر کی عظمت کا اظہار ہو، جائز ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تلوار سونتے کھڑے تھے اور قریشی سفیر جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک پکڑتا تھا، وہ اپنی تلوار کی دستی مار کر اسے پیچھے ہٹا دیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعظیماً آپ کے گرد کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ نہ آپ یہ عمل پسند فرماتے تھے، البتہ حفاظتی مقاصد کے لیے ایسے کرنا درست ہے۔[3]

9 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشی سفیر کی بے ادبی اور گستاخی کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ عروہ ثقفی جب آپ سے گفتگو کر رہا تھا تو عربوں کی عادت کے مطابق بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کو پکڑ لیتا تھا۔ آپ اس کی اس گستاخی سے درگزر فرماتے رہے۔ اسی طرح مسیلمہ کذاب کے دو سفیر جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی بے ادبی کو بھی آپ نے یہ کہتے ہوئے معاف فرما دیا:

«أَمَا وَاللّٰهِ! لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا»

1 دیکھیے: یونس 53:10، سبا 3:34، التغابن 7:64۔ 2 سنن أبي داود، 5229۔ 3 فتح الباري 340/5، زاد المعاد: 304/3۔

''اللہ کی قسم! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سفیروں اور قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔''[1]

10 اسلام میں بدفالی منع ہے لیکن نیک شگون لینا جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے قریشی سفیر سہیل کو دیکھ کر فرمایا: سَهُلَ أَمْرُكُمْ ''تمھارا کام آسان ہوگیا۔'' کیونکہ سہیل کا معنی ہے: آسانی اور نرمی کرنے والا۔ آپ نے اس کے نام سے نیک شگون لیا کہ اب قریش کے ساتھ معاملات طے پا جائیں گے۔

آپ کا اسوۂ حسنہ یہ تھا کہ آپ معنوی لحاظ سے خوبصورت نام پسند کرتے اور ان سے نیک شگون لیتے تھے جبکہ برے معانی والے ناموں کو ناپسند فرماتے اور انھیں تبدیل کر دیتے تھے۔

11 عمرے میں سر کے بال منڈانا افضل ہے جیسا کہ حج میں بال منڈانا افضل ہے۔ ہر چند بال چھوٹے کرانا بھی جائز ہے۔

12 جس شخص کو سفر حج یا عمرے سے روک دیا جائے اور وہ مکہ مکرمہ نہ پہنچ سکے تو وہ جہاں بھی روکا جائے گا، وہیں قربانی کرے گا۔ اس کے لیے قربانی کو حرم تک پہنچانا ضروری نہیں۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ

''اور قربانی کے جانوروں کو بھی اپنی قربان گاہ تک پہنچنے سے روکے رکھا۔''

اسی طرح وہ جونہی قربانی کر کے سر کے بال منڈائے گا یا چھوٹے کرائے گا تو احرام کی پابندیوں سے معاً آزاد ہو جائے گا۔

13 اگر حج یا عمرہ کرنے والے کو مکہ مکرمہ پہنچنے سے روک دیا جائے تو آئندہ سال اس کے لیے حج یا عمرہ کرنا واجب نہیں۔ صلح حدیبیہ کے وقت مسلمانوں کی تعداد تقریباً چودہ سو تھی جبکہ اگلے سال عمرہ کرنے کے لیے جانے والے حضرات اس سے کہیں کم تھے۔ اگر یہ عمرہ واجب ہوتا تو سبھی لوگوں کو عمرے کے لیے جانا چاہیے تھا، البتہ جو شخص احرام کی حالت میں بیوی سے جماع کر لے تو اس صورت میں اس پر اگلے سال حج کرنا ضروری ہے اور اسے فدیہ بھی دینا پڑے گا۔

14 اگر مصلحت اور مسلمانوں کے مفادات کا تقاضا ہو تو کافروں سے ایسی شرائط پر صلح کی جا سکتی ہے جو بظاہر مسلمانوں کے نقصان میں ہوں۔ بڑی برائی کو ختم کرنے کے لیے چھوٹی برائی برداشت کی جا سکتی ہے۔ ممکن ہو تو ایسی صلح

1 سنن أبي داود: 2761

جائز ہے۔

15 قریشی سفیر عروہ بن مسعود ثقفی نے دوران گفتگو رسول اللہ ﷺ سے کہا: میں آپ کے گرد جن لوگوں کو دیکھ رہا ہوں، یہ تو آپ کو میدان کارزار میں تن تنہا چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے۔ اس پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے خوب سنائیں۔ لیکن جب عروہ نے آپ کی خدمت میں کچھ وقت گزارا تو اس نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ کی اتنی عزت وتکریم کرتے ہوئے دیکھا کہ اس کا سابقہ گمان باطل ہو گیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کی محبت وعقیدت کے ایسے دلکش مناظر دیکھے کہ وہ اپنی قوم کے پاس جا کر برملا بول اٹھا: ''اے قریش کی جماعت! اللہ کی قسم! میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں حاضر ہو چکا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے ان



شہر قیصر (قسطنطنیہ) کا نادر خاکہ



طاق کسریٰ (مدائن، عراق)

بادشاہوں کی اتنی عزت وتکریم اور عظمت نہیں دیکھی جتنی عظمت محمد کے صحابہ محمد (ﷺ) کو دیتے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر وہ بلغم بھی تھوک دیتے تھے تو ان کے ساتھی اسے بھی لپک لیتے تھے اور اپنے چہروں اور بدن پر مل لیتے، آپ جو حکم دیتے وہ فوراً اس کی تعمیل کرتے تھے، آپ وضو کرتے تو آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کے حصول کے لیے جھپٹ پڑتے تھے، جب آپ گفتگو کرتے تو وہ خاموش ہو جاتے تھے۔ کوئی شخص آپ کی عظمت و وقار کی وجہ سے آپ کو نظر بھر کر دیکھنے کی بھی تاب نہیں رکھتا تھا۔''

16 مسلمان بھائی کے بارے میں حسن ظن رکھنا چاہیے۔ اس کے بارے میں بُرا گمان رکھنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بطور سفیر قریش کے پاس گئے تو کچھ صحابہ نے ان کے بارے میں کہا کہ وہ تو بیت اللہ کا طواف کر چکے ہوں گے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں حسن ظن کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"ذَاكَ ظَنِّي بِهِ أَلَّا يَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ حَتّٰى نَطُوفَ مَعَهُ"

''ان کے بارے میں میرا گمان یہی ہے کہ وہ تنہا بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گے۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ واپس آئے تو صحابہ نے ان سے دریافت کیا: کیا تم بیت اللہ کے طواف سے اپنا دل ٹھنڈا کر چکے ہو؟ انھوں نے فرمایا: ''تم نے میرے بارے میں بڑا غلط گمان کیا۔ اللہ کی قسم! اگر میں مکہ مکرمہ میں سال بھر بھی ٹھہرا رہتا، تب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کبھی طواف نہ کرتا۔ مجھے قریش نے طواف کرنے کی دعوت دی تھی مگر میں نے ان کی دعوت مسترد کر دی۔''

اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بے اختیار کہا: بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے عالم اور سب سے زیادہ حسن ظن رکھنے والے ہیں۔[1]

17 مسلمانوں کو دشمن کے پراپیگنڈے سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ ایسی کوئی بھی خبر جو مسلمانوں کی پریشانی کا باعث بن سکتی ہو، اسے نشر کرنے سے پہلے اس کی خوب تحقیق کر لینی چاہیے۔ خصوصاً دورِ حاضر کے تیز ترین ذرائع ابلاغ کی موجودگی میں خبروں کی اشاعت میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔ بلا تحقیق کوئی خبر پھیلانا مسلمانوں کے لیے اذیت ناک بھی ہو سکتا ہے اور یہ دشمن کی ایک چال بھی ہو سکتی ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو پریشان کرنا ہو۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر اڑا کر قریش نے مسلمانوں کو بہت پریشان کیا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو دشمن کے پراپیگنڈے سے ہر وقت چوکنا رہنا چاہیے۔

18 سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے بڑھ کر محبت کرنے والے، آپ کی تائید و حمایت میں سب سے آگے اور آپ کے مفہوم و مراد کو سب سے بڑھ کر جاننے والے تھے۔ دینی فہم و فراست میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔


مسجد ابوبکر صدیق (غلیبیہ، تیونس)

اس کا ایک ثبوت اس وقت سامنے آیا جب بظاہر مسلمانوں کے خلاف طے پانے والی شرائط پر صلح نامہ لکھا جا رہا تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ان شرائط کو

1 دلائل النبوة للبیہقی 134/3، زاد المعاد: 290،291/3.

قبول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ سیدنا عمر فاروق ؓ بہت آزردہ تھے، وہ پہلے رسول اللہ ﷺ اور پھر سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے پاس گئے اور ان شرائط کے بارے میں اپنا ردعمل ظاہر کرنے لگے۔

اس موقع پر سیدنا عمر ؓ کا سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر صلح نامہ کی شرائط پر گفتگو کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ مبارک اور دین حنیف کی جو بصیرت ابوبکر صدیق ؓ کو حاصل تھی، وہ کسی اور کو نصیب نہ تھی۔ اسی لیے وہ اس موقع پر کمال رضا و تسلیم کے ساتھ پر سکون تھے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فیصلہ کیا ہے، اسی میں خیر و بھلائی ہے۔

19 شرعی احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے ہی میں نجات ہے۔ شرعی احکام کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا یا ان کی حکمتوں کو جاننے کے لیے عقل گھوڑے دوڑانا درست نہیں کیونکہ شارع ان کی حکمتوں کو خوب جانتا ہے اور وہ جو احکام دیتا ہے، انھی میں انسانوں کی خیر و بھلائی مضمر ہوتی ہے۔ انسانی عقل ناقص ہے۔ یہ احکام ربانی کی منشا و حکمت کا ادراک نہیں کر سکتی۔ اس لیے مسلمان کو ہر دم اطاعت و فرمانبرداری ہی کو اپنا شیوہ بنانا چاہیے۔

سیدنا عمر ؓ نے صلح حدیبیہ والے دن صلح نامہ کی شرائط پر رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی۔ شرائط بظاہر قریش کے حق میں تھیں، اس لیے صحابۂ کرام ؓ کے لیے اس صلح نامے کو قبول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ مگر وہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے زیر اثر خاموش رہے۔ سیدنا عمر ؓ نے جو جرأت مندی کا مظاہرہ کیا، اس پر وہ بعد میں سخت نادم ہوئے اور اس بارے میں صدقہ دیتے اور توبہ کرتے رہے۔ انھوں نے پھر کبھی اپنی عقل کو بروئے کار لانا گوارا نہیں کیا بلکہ وہ لوگوں کو نصیحت کیا کرتے تھے:

أَيُّهَا النَّاسُ! اتَّهِمُوا الرَّأْيَ عَلَى الدِّينِ، فَقَدْ رَأَيْتُنِي أَرُدُّ أَمْرَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِرَأْيِي اجْتِهَادًا، فَوَاللّٰهِ! مَا آلُو عَنِ الْحَقِّ، وَذٰلِكَ يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ.

''اے لوگو! دینی معاملات میں اپنی رائے کو ناقص سمجھو۔ ابوجندل والے دن میں نے خود کو دیکھا کہ میں اپنی رائے اور اجتہاد کے ذریعے اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کو ماننے سے پس و پیش کر رہا تھا۔ اللہ کی قسم! میں حق بات بیان کرنے میں ہرگز سستی نہیں کروں گا۔''[1]

20 انسان غلطی کا پتلا ہے۔ اللہ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ لوگ وہ ہیں جو اپنی غلطی پر نادم ہو کر اپنے رب سے معافی کے طلب گار ہوتے ہیں۔ معافی کو یقینی بنانے کے لیے نیک اعمال کرنے چاہئیں۔

1 المعجم الكبير للطبراني: 32/1

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کی شرائط پر جو مکالمہ کیا، انھیں بعد میں اس پر سخت افسوس ہوا۔ وہ فوراً توبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے رب سے معافی کے طلب گار رہے، وہ فرماتے ہیں:

«مَا زِلْتُ أَصُومُ وَأَتَصَدَّقُ وَأُصَلِّي وَأُعْتِقُ مِنَ الَّذِي صَنَعْتُ مَخَافَةَ كَلَامِي الَّذِي تَكَلَّمْتُ بِهِ يَوْمَئِذٍ حَتَّى رَجَوْتُ أَنْ يَكُونَ خَيْرًا»

''میں نے صلح حدیبیہ والے دن جو گفتگو کی، اس کے ڈر سے مسلسل روزے رکھتا رہا، صدقہ کرتا اور نفل نماز پڑھتا رہا حتی کہ مجھے امید ہوگئی کہ میری خطا معاف ہوگئی ہوگی۔''[1]

21 مسلمانوں کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ معاہدوں کی پاسداری کرتے ہیں اور وعدہ وفا کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے وقت قریشی شرط کے مطابق ابوجندل رضی اللہ عنہ کو قریش کے حوالے کر کے امت کو ایفائے عہد کا شاندار سبق دیا۔ ہر چند یہ معاہدہ ابھی مکمل بھی نہیں ہوا تھا اور مسلمانوں پر سیدنا ابوجندل رضی اللہ عنہ کی واپسی سخت ناگوار گزر رہی تھی، مگر آپ نے اپنے اسوۂ مبارک سے ثابت کر دیا کہ مسلمان کو ہر قسم کے حالات میں ایفائے عہد کرنا چاہیے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اگر اپنا مفاد ہو تو وعدے پر پکے رہے لیکن دوسروں کے مفاد کو نقصان پہنچانے کے لیے معاہدوں اور وعدوں کو پس پشت ڈال دیا، جیسا کہ آج کل مسلمانوں کا عمومی حال ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایفائے عہد کی خوبی پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔

22 صلح حدیبیہ کی شرائط پر مسلمان اس قدر رنجیدہ تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں سر منڈانے اور قربانی کرنے کا حکم دیا تو کوئی بھی فوری عمل کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر مشورہ دیا کہ آپ قربانی کرنے میں پہل کریں۔ پھر سر کے بال منڈا دیں تو تمام صحابہ آپ ﷺ کی پیروی کریں گے، کوئی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ آپ نے یہ مشورہ مانتے ہوئے جب اپنی قربانی نحر کی اور سر کے بال منڈانے شروع کیے تو تمام صحابہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر انھوں نے قربانیاں کرنی شروع کیں اور بال منڈانے لگے۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ امیر، سپہ سالار، قائد، گھر کے سربراہ اور والد کو اپنا کردار مثالی بنانا چاہیے تا کہ اس کے ماتحت بھی اس کے کردار کو اپنے لیے نمونہ بنائیں۔ اسی طرح استاد کو اپنے طلبہ اور داعی کو عوام کے لیے نمونہ ہونا چاہیے تا کہ طلبہ اور عوام ان کے کردار کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں۔

1 مسند أحمد: 323/4.

23 مسلمان کو اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت کی دعا کرنی چاہیے۔ تمام اسباب و وسائل اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اچھے نتائج کی امید رکھنی چاہیے۔ کسی کام کا پکا ارادہ کر لے تو اسے کر گزرنا چاہیے۔ نتیجہ مثبت نکلے تو شکر ادا کرے اور اگر نتیجہ حسب منشا نہ ہو تو صبر سے کام لے۔

صلح حدیبیہ کی شرائط سے مسلمان ابتدائی طور پر سخت کبیدہ خاطر ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے مسلمانوں کے لیے فتح عظیم بنا دیا۔ اس صلح سے مسلمانوں کو ایسی کامیابی ملی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ اس لیے مسلمان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہیے اگرچہ بظاہر حالات اس کے مخالف ہی ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

''اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

24 صلح حدیبیہ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو بھی فرصت کے چند ایام میسر آ گئے۔ آپ نے غیر ملکی بادشاہوں کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے خطوط لکھے۔ پھر چند دن آرام کرنے کے بعد یہود خیبر کو سبق سکھانے کے لیے اسلامی لشکر کو خیبر روانہ ہونے کا حکم دیا۔ اور بالآخر یہودیوں کے آخری مرکز خیبر کو فتح کر کے جزیرہ عرب سے یہودیوں کی طاقت کو نیست و نابود کر دیا۔ اس طرح یہودیوں کی سازشوں کا ہمیشہ کے لیے قلع قمع ہو گیا جیسا کہ تفصیل آگے آ رہی ہے۔

25 رسول اللہ ﷺ نے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو جب ان کے سر میں جوئیں پڑ گئی تھیں، احرام کے باوجود سر منڈانے کی اجازت دی تھی اور انھیں پابند کیا تھا کہ وہ فدیے کے طور پر ایک بکری ذبح کریں یا تین روزے رکھیں یا چھ



خیبر کا نخلستان

مسکینوں کو کھانا کھلا دیں۔

نمازِ خوف کے مسائل

نماز ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ خوشی ہو یا غمی، امن ہو یا جنگ، سفر ہو یا حضر، آدمی بیمار ہو یا صحت مند، ہر حالت میں بروقت نماز ادا کرنا ضروری ہے۔ البتہ مخصوص افراد کو مخصوص حالات میں کچھ رخصت بھی دی گئی ہے کیونکہ اسلام نرمی، سہولت اور آسانی والا دین ہے، اپنے ماننے والوں کو آسانی کرنے اور دوسروں کو خوشخبری سنانے کا حکم دیتا ہے۔

نمازِ خوف بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو دی گئی رخصت اور آسانی ہی کی ایک شکل ہے تاکہ مسلمان میں اس وقت بھی اپنے رب کے حضور بروقت حاضر ہو سکیں جب ان کے سامنے دشمن صف آرا ہو اور کسی بھی لمحے مسلمانوں کی مصروفیت سے فائدہ اٹھا کر انھیں نقصان پہنچانے کے لیے کمر کس چکا ہو۔ ایسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی گھٹا کس طرح چھا جاتی ہے؟ فرمانِ ربانی پڑھیے:

﴿ وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا۟ أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا۟ فَلْيَكُونُوا۟ مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا۟ فَلْيُصَلُّوا۟ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا۟ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَٰحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَن تَضَعُوٓا۟ أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا۟ حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ فَإِذَا قَضَيْتُمُ ٱلصَّلَوٰةَ فَٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ قِيَٰمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا ٱطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ ۚ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَٰبًا مَّوْقُوتًا ﴾

’’اور (اے نبی!) جب آپ مومنوں کے درمیان ہوں، پھر انھیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں تو ان میں سے ایک گروہ اپنے ہتھیار لگائے ہوئے آپ کے ساتھ جماعت میں کھڑا ہو، پھر جب وہ سجدہ کر لے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی، وہ آپ کے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ ساتھ لے اور اپنے ہتھیار لگائے رکھے۔ کافر چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یکبارگی دھاوا بول دیں۔ اور اگر تمھیں بارش سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے ہتھیار (ایک طرف) رکھ دو، اور اپنا بچاؤ ساتھ لو۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور لیٹے

ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے رہو، پھر جب تمھیں اطمینان ہو جائے تو (پوری) نماز پڑھو، بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات میں فرض ہے۔''[1]

سیدنا ابوعیاش زرقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عسفان میں تھے۔ مشرکین کے لشکر کی قیادت خالد بن ولید کر رہے تھے۔ ہم نے نماز ظہر ادا کی تو مشرکین کہنے لگے: ہمیں دھوکہ دینے کا موقع ملا تھا، ہم نے مسلمانوں کو بے پروا پایا تھا، اگر ہم ان پر اس وقت حملہ کر دیتے جب وہ نماز ادا کر رہے تھے (تو یہ انھیں نقصان پہنچانے کا بہترین وقت تھا)، چنانچہ ظہر اور عصر کے درمیان آیتِ قصر، یعنی نماز خوف ادا کرنے کا حکم نازل ہوگیا۔ عصر کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ قبلے کی جانب کھڑے ہوگئے جبکہ مشرکین آپ ﷺ کے سامنے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے پیچھے دو صفیں بنائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا تو سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی رکوع کیا۔ پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو اگلی صف والوں نے بھی سجدہ کیا۔ اس دوران میں پچھلی صف والے ان کی حفاظت کے لیے کھڑے رہے۔ جب انھوں نے دو سجدے کر لیے اور سیدھے کھڑے ہوگئے تو پھر پچھلی صف والوں نے سجدے کیے۔ پھر اگلی صف والے پیچھے چلے گئے اور پچھلی صف والے آگے آگئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا تو سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی رکوع کیا۔ پھر آپ نے اور اگلی صف والوں نے سجدے کیے جبکہ پچھلی صف والے ان کی حفاظت کے لیے کھڑے رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ اور اگلی صف والے بیٹھ گئے تو پچھلی صف والوں نے سجدے کیے۔ پھر سب (تشہد میں) بیٹھ گئے۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے سب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر سلام پھیرا۔ آپ ﷺ نے عسفان میں نماز خوف پڑھائی اور غزوۂ بنی سلیم کے موقع پر بھی اسی طرح نماز (خوف) پڑھائی۔''[2]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلی نماز خوف عسفان میں ادا کی تھی جیسا کہ ابوعیاش الزرقی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔[3]

نمازِ خوف کی حالتیں

نبی کریم ﷺ نے نمازِ خوف متعدد طریقوں سے ادا کی ہے۔ ہر موقع پر جو طریقہ زیادہ موزوں تھا وہی اپنایا۔ ان

1 النسآء 4:102، 103. 2 صحیح مسلم: 840، سنن أبي داود: 1236 واللفظ له، سنن النسائي: 1551. 3 زاد المعاد: 3/251.

کی تفصیل کتب احادیث میں موجود ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں کہ نماز خوف کی تقریبا سولہ اقسام ہیں جو صحیح مسلم میں تفصیل سے مذکور ہیں اور کچھ سنن ابی داود میں بھی ہیں۔[1]

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے 14 اقسام لکھی ہیں، امام حاکم رحمہ اللہ نے آٹھ اقسام بیان کی ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''المفہم'' میں نماز خوف کی دس احادیث تبصرہ سمیت درج کی ہیں۔[2]

امام ابو داود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ سے مروی تمام طریقے جائز ہیں (موقع کی مناسبت سے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔) ہم ان میں کسی کو ترجیح نہیں دیتے۔

جبکہ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس مسئلے میں صحیح احادیث مروی ہیں اور میں سیدنا سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی روایت پسند کرتا ہوں۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب ''زاد المعاد'' میں نماز خوف کے چھ طریقے بیان کیے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: نماز خوف کے چند اور طریقے بھی بیان کیے جاتے ہیں لیکن وہ سب انھی چھ طریقوں کے گرد گھومتے ہیں، البتہ بعض دفعہ الفاظ مختلف ہوتے ہیں۔...... صحیح بات یہی ہے کہ یہ تمام طریقے کل چھ ہی ہیں۔ راویوں کے بیان میں اختلاف کو دیکھتے ہوئے علمائے کرام نے انھیں الگ الگ قسم شمار کر لیا ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔[3]

نبی کریم ﷺ نے ہر موقع پر خوف کی شدت اور مسلمانوں کی حفاظت و سلامتی کو مدنظر رکھتے ہوئے جو طریقے اختیار فرمائے، وہ اگرچہ ادائیگی کے لحاظ سے مختلف ہیں لیکن مقصود سب کا ایک ہی ہے۔ آیئے وہ طریقے ملاحظہ فرمائیں۔

1 غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جس طریقے سے نماز خوف پڑھائی، وہ سورۂ نساء میں مذکور طریقے کے مطابق ہے۔ اسی لیے امام احمد رحمہ اللہ نے اسے پسند کیا ہے۔

سیدنا سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس طرح نماز خوف پڑھائی کہ مجاہدین کی ایک جماعت نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ صف بنائی جبکہ دوسری جماعت دشمن کے سامنے ڈٹ کر کھڑی رہی۔ آپ ﷺ نے اس جماعت کو ایک رکعت پڑھائی اور دوسری رکعت انھوں نے خود ادا کر کے نماز مکمل کر لی۔ پھر یہ جماعت جا کر دشمن کے سامنے صف آرا ہوگئی اور دوسری جماعت نبی کریم ﷺ کے پیچھے آ کر کھڑی ہوگئی۔ اس دوران نبی کریم ﷺ ایک رکعت پڑھا کر سیدھے کھڑے تھے۔ جب دوسری جماعت آئی تو آپ ﷺ نے اسے دوسری رکعت پڑھائی جو آپ کی نماز سے رہ گئی تھی۔ پھر آپ ﷺ تشہد میں بیٹھ گئے اور مجاہدین نے اپنی دوسری رکعت ادا کی۔ پھر (تشہد پڑھنے کے بعد) آپ ﷺ نے سب کے ساتھ سلام پھیرا۔[4]

1 شرح النووي على صحيح مسلم: 375/6. 2 المفهم: 476،468/2. 3 الإعلام بفوائد عمدة الأحكام لابن الملقن: 352/4، زاد المعاد: 532/1. 4 صحيح البخاري: 4129، صحيح مسلم: 842،841.

2 جب دشمن قبلہ رخ صف آرا ہو تو نماز پڑھنے کی کیفیت کیا ہوگی؟ اس بارے میں صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے، جبکہ وہی روایت نماز خوف کی صراحت کے ساتھ سنن ابی داود میں سیدنا ابوعیاش الزرقی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو گزشتہ صفحات پر گزر چکی ہے۔

3 نمازِ خوف کی تیسری صورت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نجد کے علاقے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے میں شرکت کی۔ جب دشمن سے آمنا سامنا ہوا تو ہم نے صف بندی کی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز خوف پڑھائی تو ہم میں سے ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے لگی جبکہ دوسری جماعت دشمن کے سامنے ڈٹ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ نماز پڑھنے والے مجاہدین کو ایک رکوع اور دو سجدے کرائے، پھر یہ مجاہدین ان کی جگہ چلے گئے جنھوں نے نماز نہیں پڑھی تھی۔ وہ دوسری جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑی ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک رکوع اور دو سجدے کرانے کے بعد (تشہد پڑھ کر اکیلے) سلام پھیر دیا۔ پھر اس جماعت کے ہر فرد نے کھڑے ہو کر اپنا اپنا رکوع کیا اور دو سجدے کیے (اور نماز مکمل کر لی)۔[1]

سنن ابو داود میں مزید وضاحت موجود ہے کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا تو اس جماعت نے کھڑے ہو کر اپنی دوسری رکعت مکمل کر کے سلام پھیرا۔ پھر یہ دوسری جماعت کی جگہ چلے گئے اور انھوں نے آکر دوسری رکعت ادا کر کے سلام پھیرا۔[2]

اس طرح دونوں گروہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی دوسری رکعت مکمل کر کے سلام پھیرا۔ اس دوران میں دونوں گروہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل بھی ہوئے۔ ان کا نماز میں چلنا زیرِ ضرورت تھا، اس لیے ایسی صورت حال میں نماز میں چلنا جائز ہے۔

4 نمازِ خوف کی چوتھی صورت یہ ہے کہ امام دونوں گروہوں کو الگ الگ دو دو رکعتیں پڑھائے۔ اس سلسلے میں سیدنا جابر اور سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ خوف ادا کی۔ (آپ نے مجاہدین کو دو گروہوں میں تقسیم کیا، ایک گروہ دشمن کے سامنے صف آرا ہوگیا جبکہ) آپ نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں (اور سلام پھیر دیا۔) پھر یہ گروہ دشمن کے سامنے چلا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے گروہ کو بھی دو رکعتیں پڑھائیں۔

1 صحيح البخاري: 942، صحيح مسلم: 839. 2 سنن أبي داود: 1244، 1245.

اس طرح نبی کریم ﷺ کی چار رکعات اور دونوں گروہوں کی دو دو رکعتیں ہو گئیں۔[1]

امام ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مغرب کی نماز بھی اسی طریقے سے ادا کی جائے گی۔ امام کی چھ رکعات ہو جائیں گی جبکہ دونوں گروہوں کی تین تین رکعتیں ہوں گی۔[2]

درج بالا حدیث سے ایک اور مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ اگر امام نفل کی نیت سے نماز پڑھا رہا ہو تو مقتدی فرض کی نیت سے اس کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے دوسرے گروہ کو نفل کی نیت سے نماز پڑھائی جبکہ خود ان کی وہ فرض نماز تھی۔

5 علمائے کرام نے نمازِ خوف کی پانچویں صورت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے لی ہے۔ اس روایت میں جو صورت بیان ہوئی ہے، وہ بالکل وہی ہے جو چوتھی صورت میں ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ اس روایت میں نبی کریم ﷺ کے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرنے کا تذکرہ نہیں ہوا۔ اسی عدمِ ذکر کی بنا پر اس صورت کو الگ شمار کیا گیا ہے جبکہ کچھ علمائے کرام نے اسے چوتھی صورت ہی شمار کیا ہے۔[3]

6 سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی مکرم ﷺ کی زبانی حضر کی نماز چار رکعات، سفر کی دو اور خوف کی ایک رکعت فرض کی ہے۔[4]

نمازِ خوف کی ایک رکعت کیسے ادا ہوگی؟ اس بارے میں سیدنا حذیفہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت پیش خدمت ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى بِذِي قَرَدٍ وَصَفَّ النَّاسُ خَلْفَهُ صَفَّيْنِ، صَفًّا خَلْفَهُ وَصَفًّا مُوَازِيَ الْعَدُوِّ، فَصَلَّى بِالَّذِي خَلْفَهُ رَكْعَةً، ثُمَّ انْصَرَفَ هٰؤُلَاءِ إِلٰى مَكَانِ هٰؤُلَاءِ، وَجَاءَ أُولٰئِكَ فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَةً، ثُمَّ لَمْ يَقْضُوا.

”رسول اللہ ﷺ نے ذی قرد مقام پر نماز (خوف) پڑھائی۔ ایک جماعت آپ ﷺ کے پیچھے صف آرا ہو گئی جب کہ دوسری دشمن کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ آپ ﷺ نے اپنے پیچھے والی جماعت کو ایک رکعت پڑھائی۔ پھر یہ جماعت دوسری جماعت کی جگہ (دشمن کے سامنے) چلی گئی اور وہ حضرات (نبی کریم ﷺ کے پیچھے) آ گئے۔ آپ ﷺ نے انھیں بھی ایک رکعت پڑھائی۔ (پھر آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا) اور دونوں گروہوں نے دوسری رکعت ادا نہیں کی۔“

1 صحیح مسلم: 843، سنن النسائی: 1553-1555. 2 سنن أبي داود: 1248. 3 دیکھیے: صحیح البخاري: 4136، صحیح مسلم: 843، المغني لابن قدامہ: 313/3، زاد المعاد: 529/1. 4 سنن ابي داود: 1247.

اس طرح نبی کریم ﷺ کی دو رکعتیں ہو گئیں اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک ایک رکعت ہوئی۔[1]

حضر میں نمازِ خوف

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نمازِ خوف میں رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے سفر اور خوف کی حالت میں نماز کے ارکان اور تعدادِ رکعات میں قصر کرنا جائز کر دیا۔ پر امن سفر میں صرف تعدادِ رکعات میں قصر کرنا جائز قرار دیا۔ اور جب حالتِ اقامت میں خوف لاحق ہو تو صرف ارکانِ نماز میں قصر کی اجازت مرحمت فرمائی (مطلب یہ ہے کہ کھڑے کھڑے یا سواری پر بیٹھے ہی یا چلتے پھرتے اشارے کے ساتھ جس طرح بھی ممکن ہو، نماز ادا کرلیں)۔ اس تفصیل کی رو سے آیتِ کریمہ میں سفر اور خوف کی قید لگانے کی حکمت بھی واضح ہو جاتی ہے۔[2]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا ﴾

''اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر کرلو، اگر تمھیں ڈر ہو کہ کافر (حملہ کرکے) تمھیں فتنے میں ڈال دیں گے، بے شک کافر تمھارے کھلے دشمن ہیں۔''[3]

اگر حالتِ اقامت میں دشمن کا خوف طاری ہو تو نمازِ خوف ادا کرنا جائز ہے، مثلاً: دشمن نے مسلمانوں کا گھیراؤ کر رکھا ہو یا مسلمان اپنے علاقے میں دفاعی پوزیشن لیے ہوئے ہوں۔

جمہور علمائے کرام کے نزدیک حضر میں نمازِ خوف ادا کرنا جائز ہے لیکن اس میں پوری رکعتیں ادا کی جائیں گی۔ چار رکعات والی نماز میں امام دو گروہوں میں سے ہر گروہ کو دو دو رکعتیں پڑھائے گا اور بقیہ نماز وہ خود مکمل کریں گے۔ جمہور علماء کی دلیل یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ ﴾

''اور (اے نبی!) جب آپ مومنوں کے درمیان ہوں، پھر انھیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں تو ان میں سے ایک گروہ اپنے ہتھیار لگائے ہوئے آپ کے ساتھ جماعت میں کھڑا ہو۔''[4]

1 صحیح البخاري، 944، سنن أبي داود: 1246، سنن النسائي: 1531 و 1534۔ 2 زادالمعاد 529/1 3 النسا
101:4۔ 4 النسآء 102:4

یہ حکم تمام حالتوں کے لیے ہے کہ مسلمان جب بھی خوفناک صورتِ حال سے دو چار ہوں، وہ پوری طرح مسلح ہو کر نماز ادا کرلیں۔ اس لیے حضر میں بھی نمازِ خوف جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضر میں اس لیے نمازِ خوف ادا نہیں کی کیونکہ ایسی کوئی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔[1]

مغرب کی نماز میں قصر نہیں ہے

نماز مغرب میں قصر نہیں ہے۔ اس پر علمائے کرام کا اجماع ہے۔ نمازِ خوف کی صورت میں امام مقتدیوں کے پہلے گروہ کو دو رکعتیں اور دوسرے کو ایک رکعت پڑھائے گا یا اس کے برعکس عمل کرے گا؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس میں اختیار دیا ہے، البتہ پہلے گروہ کو دیگر نمازوں کی کیفیت دیکھتے ہوئے دو رکعات پڑھانا افضل ہے۔ دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھا کر امام سلام پھیر دے گا جبکہ دونوں گروہ اپنی اپنی نماز مکمل کریں گے۔[2]

امام ابن المنذر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: امام حضر میں نمازِ خوف پڑھاتے وقت لوگوں کی دو جماعتیں بنائے گا۔ پہلی جماعت کو دو رکعتیں پڑھانے کے بعد تشہد میں بیٹھا رہے گا۔ یہ لوگ اپنی نماز مکمل کر کے چلے جائیں گے۔ پھر دوسری جماعت آئے گی۔ انھیں بھی دو رکعتیں پڑھانے کے بعد امام تشہد بیٹھ جائے گا اور یہ لوگ بقیہ نماز مکمل کریں گے۔ پھر امام سب کے ساتھ سلام پھیرے گا۔ اور اگر مغرب کی نماز ہو تو پہلے گروہ کو دو رکعتیں اور دوسرے کو ایک رکعت پڑھائے گا۔ پھر دونوں گروہ اپنی اپنی نماز مکمل کریں گے اور امام دوسرے گروہ کے ساتھ مل کر سلام پھیرے گا۔[3]

دشمن سے مقابلے کے وقت نمازِ خوف

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نماز کا اہتمام اور حفاظت کرنے کا تاکیدی حکم دیا تو وہ حالت بھی بیان کر دی جس میں مشغولیت کی بنا پر نماز کے اہتمام میں کمی آسکتی تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾

''پھر اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیدل یا سوار ہی (نماز پڑھ لو)۔''[4]

یعنی عین جنگ کے دوران میں یا دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت جس طرح بھی نماز پڑھنا ممکن ہو، پڑھ لو۔ پیدل چلتے چلتے یا سواری پر بیٹھے بیٹھے، چاہے تم قبلہ رخ ہو یا قبلہ رخ نہ ہو۔

1 المغنی لابن قدامة: 305/3. 2 فتح الباري: 558/2- نيل الأوطار: 630/2. 3 الإقناع: 123/1. 4 البقرة 2:239.

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان کفار سے ٹکرا جائیں تو کھڑے کھڑے نماز پڑھ لیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ

[illegible]

''اگر کافروں کی تعداد بہت زیادہ ہو (اور کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو) تو پھر کھڑے کھڑے یا سواری پر بیٹھے بیٹھے ہی (جیسے بھی ممکن ہو) نماز پڑھ لو۔''[1]

صحیح مسلم میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ ''اشارہ کر کے نماز ادا کر لو۔''[2]

سنن ابوداود میں عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی طرف راہنمائی کرتی ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خالد بن سفیان ہذلی کے تعاقب میں وادی عرنہ اور عرفات کی طرف بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اذهب فاقتله»

''جاؤ اور اسے قتل کر دو۔''

جب میں نے خالد بن سفیان کو دیکھا تو عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے سوچا: اگر میں نے نماز مؤخر کی تو اس شخص سے میرا تصادم ہو جائے گا (اور نماز ادا نہ ہو سکے گی)، لہٰذا میں اس کی طرف بڑھتا رہا اور چلتے چلتے اشارے کے ساتھ نماز بھی پڑھتا رہا۔ جب میں اس کے قریب ہوا تو اس نے مجھ سے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: میں اہل عرب میں سے ہوں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلے کے لیے لشکر جمع کر رہے ہو۔ میں بھی اسی غرض سے تمھارے پاس آیا ہوں۔ اس نے کہا: (ہاں) میں اسی تیاری میں ہوں، چنانچہ میں تھوڑی دیر اس کے ساتھ چلتا رہا، پھر جونہی میں نے موقع پایا، تلوار کا وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔[3]

اس سے معلوم ہوا کہ دوران جنگ میں اگر باجماعت نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو تو مجاہدین چلتے پھرتے، اشارے سے بھی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

نمازِ خوف میں رکعات کی تعداد

نمازِ خوف ایک رکعت ہے۔ یہ سیدنا ابوہریرہ، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما اور بہت سارے تابعین کا موقف ہے۔ ان کے دلائل یہ ہیں:

1 صحیح البخاري:943. 2 صحیح مسلم:839. 3 سنن أبي داود:1249.

1 سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام ذی قرد میں نماز (خوف) پڑھائی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے دو صفیں بنائیں۔ ایک صف آپ ﷺ کے پیچھے (نماز کے لیے) کھڑی ہوگئی جبکہ دوسری صف دشمن کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھ کھڑی ہونے والی صف کو ایک رکعت پڑھائی، پھر یہ دشمن کے سامنے چلے گئے اور وہ صف آپ ﷺ کے پیچھے آکر کھڑی ہوگئی۔ آپ ﷺ نے انھیں بھی ایک رکعت پڑھائی۔ دونوں گروہوں نے دوسری رکعت مکمل نہیں کی۔[1]

2 سیدنا ثعلبہ بن زہدم بیان کرتے ہیں کہ ہم سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ طبرستان میں تھے۔ انھوں نے پوچھا: تم میں سے کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز خوف پڑھی ہے؟ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے پڑھی ہے، لہٰذا انھوں نے دونوں گروہوں کو ایک ایک رکعت پڑھائی اور انھوں نے دوسری رکعت مکمل نہیں کی۔[2]

3 سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی ﷺ کی زبانی حضر کی نماز چار رکعات، سفر کی دو رکعتیں اور خوف کی ایک رکعت فرض کی ہے۔[3]

جبکہ کچھ علماء کا موقف یہ ہے کہ شدید خوف میں ایک رکعت ادا کی جائے گی۔

جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ نماز خوف حضر میں مکمل اور سفر میں قصر کر کے ادا کی جائے گی۔ حضر میں نمازِ خوف کی تعداد رکعات میں قصر نہیں ہوگی، البتہ نماز کی ہیئت و ترکیب میں قصر ہوگی۔ جو شخص جس حال میں نماز ادا کر سکتا ہو کر لے۔ اگر باجماعت نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو تو اکیلے اکیلے، چلتے ہوئے، اشارے سے نماز ادا کر لیں۔ اس دوران میں وہ قبلہ رخ نہ بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں۔[4]

دورِ حاضر میں نمازِ خوف کی ادائیگی

دورِ حاضر میں چونکہ جنگی صورت حال ماضی کے حالات سے یکسر تبدیل ہو چکی ہے۔ اب تیروں اور نیزوں کی جگہ بم، راکٹ اور میزائل دشمن کو تہس نہس کرتے دکھائی دیتے ہیں اور آن کی آن میں جنگی جہاز وہ تباہی مچا دیتے ہیں جو ماضی میں کئی کئی دنوں کی مجموعی جنگ میں بھی نہیں ہوتی تھی، للہٰذا ایسی خوفناک صورت حال میں مسلمان کمانڈر کو اپنی فوج کی سلامتی اور نماز کی ادائیگی دونوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جو طریقہ مناسب معلوم ہو، اسی کے مطابق عمل کر لے۔ اگر باجماعت نماز ادا کرنا ممکن ہو تو نبی کریم ﷺ کے طریقوں میں سے کسی بھی طریقے پر عمل کیا

1 سنن النسائي: 1531 و 1534 2 سنن النسائي: 1531، سنن أبي داود: 1246 3 صحيح مسلم: 687، سنن أبي داود: 1247 4 دیکھیے: فتح الباري: 557/2، نيل الأوطار: 9/4.

جائے۔ اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے، چلتے ہوئے، جہاز اُڑاتے یا ٹینک چلاتے ہوئے، اشارے کنائے سے نماز ادا کر لے، یا اپنے بنکر اور مورچے میں نماز پڑھ لے۔

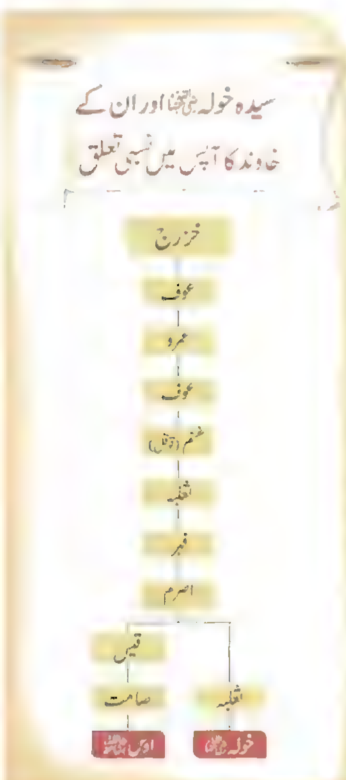
علامہ مختار الشنقیطی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: نماز خوف کے لیے نبی کریم ﷺ سے ثابت طریقوں میں سے افضل وہ ہے جو (حالات کے مطابق) نماز کے لیے زیادہ محتاط اور نمازیوں کو دشمن سے محفوظ رکھنے کے لیے زیادہ موثر اور تحفظ کا باعث ہو۔[1]

اگر جنگ یا کسی اور خوف کے دوران میں جمعہ اور عیدین آ جائیں تو یہ بھی نماز خوف کے طریقے پر ادا کیے جائیں گے۔ اور اگر صرف ایک ہی رکعت ادا کرنا ممکن ہو تو ایک رکعت ہی ادا کر لینی چاہیے۔[2]

1 أضواء البيان: 263/1. 2 تفسير ابن كثير، النسآء 102:4.

ظہار کے بارے میں قرآن کی صراحت و ہدایات

6ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ظہار سے متعلقہ احکام نازل فرمائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ احکام خیبر کے بعد نازل ہوئے۔[1] ظہار، ظہر (پیٹھ) سے مشتق ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کرتا تو اسے یہ کہہ دیتا: أنت علي كظهر أمي "تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔" ان الفاظ کے ذریعے وہ اپنی بیوی کو نہ صرف اپنے لیے حرام قرار دے لیتا بلکہ بیوی کو یہ جملہ کہہ دینا طلاق سمجھا جاتا تھا۔ زمانۂ جاہلیت سے لوگوں میں یہ رواج پڑ چکا تھا کہ جب کوئی اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا تھا تو وہ اس سے ظہار کر لیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لیے آسانی فرما دی اور اس معاملے کا کفارہ مقرر کر دیا۔ اسے زمانۂ جاہلیت کی طرح طلاق قرار نہیں دیا۔[2]



اس آسانی کا سبب وہ واقعہ بنا جو سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کا اپنے خاوند اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔ اس کی تفصیل سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں، فرماتی ہیں کہ میں اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی۔ وہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے، اس وجہ سے ان کے مزاج میں تلخی اور چڑ چڑا پن آ گیا تھا۔ ایک دن وہ میرے پاس آئے۔ کسی چیز کے بارے میں ان سے میری تکرار ہو گئی تو وہ غصے میں آ گئے اور انھوں نے یہ کہہ دیا:

أنت علي كظهر أمي

"تو میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔"

اس کے بعد وہ باہر چلے گئے، کچھ دیر اپنی قوم کی مجلس میں بیٹھے رہے۔ پھر میرے پاس واپس آ گئے۔ اب انھوں نے مجھ سے اپنی خواہش پوری کرنی چاہی۔ میں نے کہا: ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں خویلہ (خولہ)

1 تفسیر الحنبلية: 501/3 و 722/2. 2 تفسير ابن كثير، المجادلة 2:58

کی جان ہے! آپ کو جو کچھ کہنا تھا، وہ کہہ چکے۔ اب آپ اس وقت تک میرے قریب نہیں پھٹک سکتے جب تک کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہمارے بارے میں فیصلہ صادر نہ فرما دیں۔ انھوں نے میرے ساتھ زبردستی کی کوشش کی لیکن میں نے انھیں اپنے پاس نہیں آنے دیا۔ پھر میں اپنی ایک پڑوسن کے پاس گئی، اس سے چادر لے کر اوڑھی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئی۔ میں نے سارا ماجرا عرض کیا اور مجھے اوس کی جس تند مزاجی کا سامنا تھا، اس کی آپ ﷺ سے شکایت کرنے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا خُوَيْلَةُ! ابْنُ عَمِّكِ شَيْخٌ كَبِيرٌ فَاتَّقِي اللهَ فِيهِ»

''خویلہ! تمھارا چچا زاد بہت بوڑھا ہے۔ تم اس کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔''[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللهِ! أَكَلَ شَبَابِي، وَنَثَرْتُ لَهُ بَطْنِي، حَتَّى إِذَا كَبِرَتْ سِنِّي وَانْقَطَعَ وَلَدِي ظَاهَرَ مِنِّي، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَشْكُو إِلَيْكَ

''اللہ کے رسول! میری ساری جوانی اس (اوس) کے ساتھ گزر گئی۔ میرے بطن سے اس کے بہت سے بچے بھی ہوئے۔ اب جبکہ میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور اولاد کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا ہے۔ اے اللہ! میں تیری ہی بارگاہ میں اس کی شکایت کرتی ہوں۔''[2]

خولہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: اللہ کی قسم! ابھی میں رسول اللہ ﷺ ہی کی خدمت میں موجود تھی کہ میرے بارے میں قرآنی آیات نازل ہوگئیں۔ رسول اللہ ﷺ پر وہی کیفیت طاری ہوگئی جو نزول وحی کے وقت طاری ہوا کرتی تھی۔ پھر وہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

«يَا خُوَيْلَةُ! قَدْ أَنْزَلَ اللهُ فِيكِ وَفِي صَاحِبِكِ»

''خویلہ! اللہ تعالیٰ نے تمھارے اور تمھارے شوہر کے بارے میں قرآن کی آیات نازل فرما دی ہیں۔''

پھر آپ ﷺ نے مجھے یہ آیات مقدسہ پڑھ کر سنائیں:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ

1 مسند أحمد: 411,410/6. 2 سنن ابن ماجه: 2063.

مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ
فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ
وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾

”(اے نبی!) اللہ نے اس عورت (خولہ بنت ثعلبہ) کی بات سن لی جو اپنے خاوند (اوس بن صامت) کے متعلق آپ سے جھگڑ رہی تھی اور وہ اللہ سے شکوہ کر رہی تھی، اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ”ظہار“ کرتے ہیں، وہ ان کی مائیں نہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے انھیں جنا اور بے شک وہ ناگوار بات اور جھوٹ کہتے ہیں اور بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں، پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہیں، تو ایک گردن آزاد کرنی ہے، اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، اس (حکم) کی تمھیں نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ اس سے باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ پھر جو شخص (غلام) نہ پائے تو دو ماہ کے لگاتار روزے (رکھنے) ہیں، اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، پھر جو شخص یہ ہمت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینا ہے۔ یہ (حکم) اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔“[1]

خولہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

[illegible]

”اسے (اپنے خاوند کو) کہو کہ ایک گردن آزاد کرے۔“

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اس کے پاس آزاد کرنے کے لیے کوئی غلام نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

”پھر وہ مسلسل دو مہینے کے روزے رکھے۔“

میں نے کہا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! وہ تو بہت بوڑھا ہے۔ اس میں روزے رکھنے کی طاقت نہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

1 المجادلۃ 58: 1-4.

[illegible]

''پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق کھجور کھلا دے۔''

میں نے کہا: اللہ کے رسول! واللہ! اس میں تو اتنی سکت بھی نہیں۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''ہم کھجوروں کے ایک ٹوکرے سے اس کی مدد کر دیں گے۔''

میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں بھی کھجوروں کا ایک ٹوکرا دے کر اس کی مدد کروں گی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ أَصَبْتِ وَ أَحْسَنْتِ فَاذْهَبِي فَتَصَدَّقِي عَنْهُ ثُمَّ اسْتَوْصِي بِابْنِ عَمِّكِ خَيْرًا»

''شاباش! بہت خوب، جاؤ، اس کی طرف سے صدقہ کرو، اور اپنے چچازاد کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔''

چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ اپنے دلنشین اسلوب میں بیان کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِي وَسِعَ سَمْعُهُ الْأَصْوَاتَ، لَقَدْ جَاءَتِ الْمُجَادِلَةُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَ أَنَا فِي نَاحِيَةِ الْبَيْتِ، تَشْكُو زَوْجَهَا، مَا أَسْمَعُ مَا تَقُولُ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا﴾

''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو ہر قسم کی آوازیں سنتا ہے۔ جھگڑنے والی عورت (خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا) نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئی، اس وقت میں گھر کے ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ وہ اپنے خاوند کی شکایت کر رہی تھی، میں اس کی باتیں سن نہیں پائی۔ اللہ تعالیٰ نے (سات آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہونے کے باوجود نہ صرف اس کی باتیں سن لیں بلکہ) یہ آیات مقدسہ (بھی) نازل فرما دیں:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا﴾ ۔''[2]

[1] مسند أحمد: 411/6، سنن أبي داود: 2214. [2] سنن ابن ماجه: 188، مزید دیکھیے: صحيح البخاري، قبل الحديث: 7386.

استسقاء کا واقعہ

اسی سال رمضان 6ھ میں استسقاء کا واقعہ پیش آیا۔[1] اس کا تذکرہ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں لوگ قحط سالی کا شکار ہوگئے۔ مسلمان اکٹھے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! بارش نہیں ہو رہی۔ درخت خشک ہو چکے ہیں۔ مویشی ہلاک ہو رہے ہیں اور لوگ قحط میں مبتلا ہیں۔ آپ ہمارے لیے بارش کی دعا کر دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ پریشان کن صورت حال سن کر ارشاد فرمایا:

«[illegible] يَوْمَ كَذَا وَكَذَا فَاخْرُجُوا وَأَخْرِجُوا مَعَكُمْ بِصَدَقَاتٍ»

''جب فلاں فلاں دن ہو تو تم (عیدگاہ کی طرف) آجانا اور اپنے ساتھ صدقات بھی نکال لانا۔''

جب مقررہ دن آیا تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے سکون و وقار کے ساتھ عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔ آپ نے ان رکعتوں میں جہری قراءت کی۔ آپ عیدین اور نماز استسقاء میں پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ اعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ غاشیہ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو آپ نے اپنا چہرۂ مبارک لوگوں کی طرف کیا اور اپنی چادر کو الٹا کر دیا۔ پھر آپ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ آپ نے اپنے مبارک ہاتھ اٹھا لیے، پھر تکبیر کہی۔ اس کے بعد ان الفاظ میں بارش کی دعا کی:

«اللّٰهُمَّ اسْقِنَا وَأَغِثْنَا، اللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيثًا رَحْبًا رَبِيعًا وَجْدًا غَدَقًا طَبَقًا مُغْدِقًا، هَنِيئًا مَرِيئًا مَرِيعًا وَابِلًا شَامِلًا مُسْبِلًا مُجَلِّلًا دَائِمًا دَرًّا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ، عَاجِلًا غَيْرَ رَائِثٍ، غَيْثًا، اللّٰهُمَّ! تُحْيِي بِهِ الْبِلَادَ، وَتُغِيثُ بِهِ الْعِبَادَ، وَتَجْعَلُهُ بَلَاغًا لِلْحَاضِرِ مِنَّا وَالْبَادِ، اللّٰهُمَّ!

[illegible]

طَهُورًا، فَأَحْيِي بِهِ بَلْدَةً مَيْتَةً وَاسْقِهِ مِمَّا خَلَقْتَ لَنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا»

''اے اللہ! ہم پر رحمت کی برکھا برسا۔ اے اللہ! ہم پر ایسی موسلا دھار بارش برسا جو مددگار ثابت ہو، کھل کر برسے، باغ و بہار لائے، ہر جگہ برسے، خوب برسے، زوردار، خوشگوار اور زرخیز ہو۔ ہماری ضرورت پوری

[1] تاریخ الخمیس: 14/2، غایة السول فی سیرة الرسول ﷺ، ص: 35

کر دے، زبردست اور عام ہو۔ جل تھل کر دینے والی ہو، جاری رہنے والی ہو۔ مفید ہو، نقصان دہ نہ ہو۔ جلدی برسے، تاخیر نہ ہو۔ اے اللہ! تو اس کے ذریعے شہروں کو نئی زندگی عطا کر اور اپنے بندوں کی مدد فرما۔ اسے شہروں اور دیہات میں رہنے والوں تک پہنچا دے۔ اے اللہ! ہماری زمین پر اس کی زیب و زینت اور برکت نازل فرما دے۔ اے اللہ! ہم پر آسمان سے پاکیزہ پانی نازل فرما۔ اس کے ذریعے مردہ شہر کو زندہ کر دے اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو اس سے سیراب کر دے۔"

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ لوگ ابھی وہیں موجود تھے کہ مختلف ٹکڑوں کی صورت میں ہر طرف سے بادل آ گئے، پھر وہ آپس میں جڑ گئے اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ یہ بارش مسلسل ایک ہفتہ جاری رہی۔ مدینہ میں مسلسل بادل چھائے رہے۔ چھٹنے کا نام ہی نہ لیا۔ اب مسلمان پھر اکٹھے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! زمین پانی میں ڈوب گئی ہے، گھر منہدم ہو گئے ہیں اور رستے منقطع ہو چکے ہیں، آپ اللہ سے دعا کر دیجیے کہ وہ ان بادلوں کو دور پھیر دے۔ آپ ﷺ اس وقت منبر پر جلوہ افروز تھے۔ آپ لوگوں کی یہ بات سن کر مسکرا دیے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک دکھائی دینے لگے۔ آپ تعجب فرما رہے تھے کہ آدم کی اولاد کس قدر عجلت پسند ہے، جلد تنگ پڑ جاتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ دعا کی:

«اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، اللَّهُمَّ عَلَى رُؤُوسِ الظِّرَابِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ وَبُطُونِ الْأَوْدِيَةِ وَظُهُورِ الْآكَامِ»

"اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش برسا (اب) ہم پر نہ برسا۔ اے اللہ! پہاڑیوں کی چوٹیوں پر، درختوں کے اگنے کے مقامات پر، وادیوں کے اندر اور ٹیلوں کی پشتوں پر بارش برسا۔"

آپ کے دعا کرتے ہی مدینہ منورہ سے بادل چھٹ گئے۔ اب بادل مدینہ کی چراگاہوں کو تو سیراب کر رہے تھے لیکن مدینہ کے اندر ایک قطرہ بھی نہیں گر رہا تھا۔[1]

1 المعجم الأوسط للطبراني: 8/301، 302.

شاہانِ عالم اور امرائے وقت کو دعوتِ اسلام

قیصر و کسریٰ، دیگر ہم عصر بادشاہوں اور مطلق العنان حکمرانوں کے نام رسالت مآب ﷺ کے مکاتیب مقدس جن میں اسلام کی حقانیت اُجاگر فرما کر قبولِ حق کی دعوت دی گئی ہے



”اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

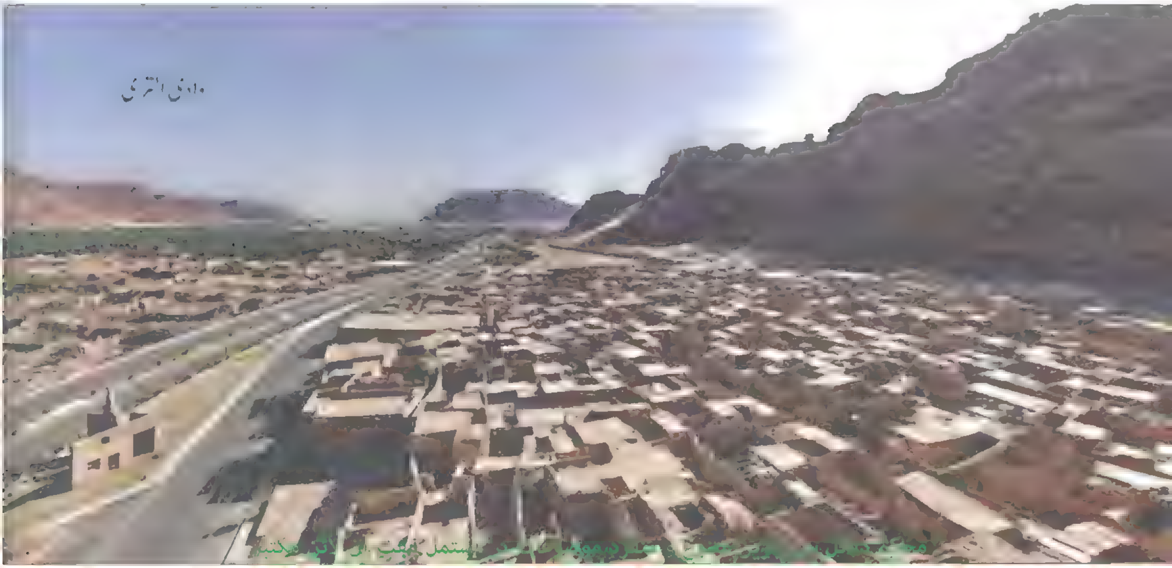
اس باب میں

آپ پر اسلام کے فروغ کی ارتقائی منزلوں کا حال روشن ہوگا۔ آپ دیکھیں گے کہ صلح حدیبیہ کے بعد امن عامہ مستحکم ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ فوراً بیرونی ملکوں کے بادشاہوں اور قبائلی سرداروں کی طرف متوجہ ہوگئے۔ آپ ﷺ نے اُن کے نام مکتوبات ارسال فرمائے۔ انھیں نورِ توحید کی طرف متوجہ کیا، شرک اور کفر کا بطلان کیا اور دینِ حنیف قبول کرنے کی دعوت دی۔ یہ خطوط کیا ہیں، نور کی کرنیں ہیں جن میں بے شمار سبق چمک رہے ہیں۔ ان خطوط گرامی سے دین حنیف کی سچائی نمایاں ہوئی، بین الاقوامی تعلقات کی ضرورت واضح ہوئی، اُمور خارجہ کی اہمیت اور سفارت کاری کی افادیت کا ادراک و احساس کیا گیا اور حشو و زوائد سے پاک مختصر اور مدلل خطوط نویسی کا جدید ترین اسلوب سکھایا گیا۔ اگلے اوراق میں آپ یہی مکاتیب مقدس پڑھیں گے۔ اسی دوران آپ دو اور اہم واقعات پڑھیں گے۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ عبیداللہ بن جحش مرتد ہوکر مرگیا تو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوکر دُور افتادگی کی حالت میں تنہا رہ گئیں، چنانچہ ان سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کرلیا۔ دوسرا واقعہ آپ ﷺ کی علالت کا ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے بڑی اذیت جھیلی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے آپ ﷺ کو آگاہ فرمایا کہ آپ ﷺ پر جادو کیا گیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کا سدباب فرمایا۔

مکاتیبِ گرامی اور مہرِ نبوی

اسلامی تاریخ میں صلح حدیبیہ کو دعوت اسلام کے فروغ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہر چند ظاہری طور پر صلح کی شرائط زیادہ تر کفار کے مفاد میں دکھائی دیتی تھیں لیکن یہی شرائط آخر کار مسلمانوں کے لیے فتح مبین ثابت ہوئیں۔ اس معاہدے کے تحت دس سال کے لیے جنگ بند ہوگئی۔ اب ہر قبیلہ آزاد تھا اور کسی بھی گروہ کے ساتھ شامل ہونے کے لیے پوری طرح خود مختار تھا۔

صلح کا مطلب یہ تھا کہ کفار نے اسلامی حکومت کو بادلِ ناخواستہ تسلیم کر لیا تھا۔ گویا صلح حدیبیہ اسلامی قلمرو کے استحکام کی طرف پہلا قدم تھا۔ اس کے بعد اسلامی حکومت جزیرہ نمائے عرب کے کونے کونے تک پھیلتی چلی گئی۔ حجاز کے شمال میں خیبر، وادی القریٰ، تیماء اور فدک کے یہودی مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئے۔ داخلی امن و امان کے استحکام کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حجاز کی حدود سے باہر اسلام کی نشر و اشاعت کا آغاز کر دیا، اس لیے کہ آپ کو جو منصب نبوت سونپا گیا تھا، وہ ابدی اور آفاقی تھا۔ کسی خاص قوم یا علاقے تک محدود نہیں تھا۔ اسلام کی جتنی ضرورت عرب میں تھی، اتنی ہی اشد ضرورت عجم کے ممالک میں بھی تھی۔ نبی ﷺ صرف عربوں ہی کے لیے مبعوث نہیں ہوئے تھے بلکہ پوری انسانیت کی رہنمائی کے لیے بھیجے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:



﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ﴾

''اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں ہی کے لیے بھیجا ہے۔''[1]

مزید فرمایا:

﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾

''کہہ دیجیے: اے لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''[2]

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً»

''(مجھ سے پہلے ہر) نبی کو صرف اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا جبکہ مجھے ہر خاص و عام کی طرف بھیجا گیا ہے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ کا شاہانِ عالم اور دوسری ہم عصر بڑی شخصیتوں کو دعوتِ اسلام دینا آپ ﷺ کے فرائض عظیمہ میں شامل تھا۔ رؤساء اور قبائل کو دعوت دینے کے لیے آپ ﷺ نے ایک نیا انداز اختیار فرمایا، سربراہوں کے نام خطوط لکھ کر سفیر روانہ کیے۔ اس خط کتابت کے بڑے واضح اثرات مرتب ہوئے۔ بعض امراء نے اسلام قبول کر لیا اور بعض فرمانرواؤں نے اسلام سے صرف محبت وعقیدت کا اظہار کیا۔ اس طرح آپ ﷺ کے خطوط سے نہ صرف اس دور کے حکمرانوں کو دعوتِ اسلام سے آگاہی حاصل ہوئی بلکہ وہ اسلامی ریاست کے احوال وظروف سے بھی باخبر ہو گئے اور انھیں معلوم ہو گیا کہ اب اسلام کا آفتاب طلوع ہو گیا ہے اور دنیا کے سامنے اصلی سچائی کا چہرہ دمک

1 سبا 28:34. 2 الاعراف 158:7. 3 صحيح البخاري :335.



تیماء کے کھنڈر



بحر اوقیانوس
روم
صقلیہ
بحیرۂ روم
صحرائے اعظم
الجزائر
مصر
اسکندریہ
فسطاط
نوبیا
دریائے نیل
سوڈان
قسطنطنیہ
سلطنت بازنطینی
بحیرۂ اسود
آرمینیا
جزیرہ نمائے عرب
فارس
خراسان
خلیج عمان
بحیرۂ عرب
قازقستان

اٹھا ہے۔ یوں ان خطوط سے بہت اہم نتائج اخذ کیے گئے اور اسلامی حکومت نے خطوط نبوی کے مختلف ردعمل کا جائزہ لے کر ایک نیا سیاسی منہج تشکیل دیا۔

عہد نبوی کے دوران جغرافیائی صورت حال پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے مشرقی، شمال مشرقی اور جنوبی حصے پر ایرانی قبضہ جمائے ہوئے تھے اور شمالی اور شمال مغربی علاقوں پر رومیوں کی حکومت تھی۔ ایرانیوں کے زیر نگیں علاقوں پر مجوسی حاکم تھے۔ جن علاقوں پر رومیوں کا قبضہ تھا، وہاں غسانی عرب عیسائی حکمران تھے۔ یہ عیسائی اور مجوسی حکمران روم اور ایران کے مقرر کردہ تھے اور ان کی حکومتیں دراصل باجگزار تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے وقت کی ان بڑی حکومتوں کے بادشاہوں اور جبراً قبضہ میں لی گئی سلطنتوں کے امراء کی طرف دعوتی مراسلات روانہ فرمائے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ، قیصر، نجاشی اور ہر متکبر بادشاہ کی طرف خطوط ارسال کیے اور انھیں اللہ کی بندگی کی دعوت دی۔[1]

خطوط کب لکھے گئے؟

مکتوبات نبوی پر تاریخ درج نہیں ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت کم از کم عرب میں کوئی مخصوص تقویم رائج نہیں تھی، تاہم مورخین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد ہی مراسلات روانہ فرمائے۔

مکتوبات گرامی کی ترسیل کی وضاحت طبقاتِ ابن سعد میں اس طرح کی گئی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ذوالحجہ 6ھ میں حدیبیہ سے واپس تشریف لے آئے تو پھر آپ ﷺ نے دنیا کے مختلف بادشاہوں کے نام دعوتی مراسلات ارسال فرمائے، چنانچہ محرم 7ھ میں ایک ہی دن چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کے خطوط لے کر روانہ ہوئے۔[2]

روم ثانی (قسطنطنیہ) کی بندرگاہ کا ایک منظر





قلعہ سریزد (یزد، ایران)

1 صحیح مسلم: 1774. 2 الطبقات لابن سعد: 258/1.

علامہ ابن اسحاق خطوط بھیجنے کی کوئی معین تاریخ بیان نہیں کرتے، البتہ وہ اتنا ضرور بتاتے ہیں کہ ترسیل مکتوبات کا زمانہ صلح حدیبیہ کے بعد سے لے کر آپ ﷺ کی وفات تک پھیلا ہوا ہے۔ تاریخ طبری میں ابن اسحاق کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ اور اپنی وفات تک کی درمیانی مدت میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین اسلام کی دعوت دینے کے لیے عرب وعجم کے بادشاہوں کی طرف روانہ فرمایا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے کاتب

رسول اللہ ﷺ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ﴾

''پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول امی نبی پر۔''[2]

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾

''وہی ہے جس نے ان پڑھوں (اُمیوں) میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا۔''[3]

اس آیت مبارکہ میں ﴿الْأُمِّيِّينَ﴾ سے مراد عرب کے لوگ ہیں جن کی اکثریت اَن پڑھ تھی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو ﴿النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ﴾ قرار دیا گیا ہے۔ یہ آپ کی ایک خاص صفت ہے۔ امی کے معنی ہیں: ان پڑھ، یعنی آپ نے کسی استاد کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیے اور کسی انسان سے کسی قسم کی تعلیم حاصل نہیں کی۔ آپ کو خود اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعے تعلیم دی۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اپنے لیے چند کاتب مقرر کر رکھے تھے۔ ان کی تعداد کے بارے میں سیرت نگاروں میں اختلاف ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے ان کی تعداد 40 سے بھی اوپر بتائی ہے۔ یہ حضرات مختلف مصروفیات اور سرگرمیوں کے سلسلے میں آپ ﷺ کے لیے لکھا کرتے تھے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے تھے جو وحی لکھنے پر مامور تھے۔ بعض صحابہ ایسے تھے جو حادثاتی امور لکھنے پر تعینات تھے۔ کچھ صحابہ کرام معاملات اور معاہدے لکھا کرتے تھے جبکہ بعض خطوط اور مراسلات تحریر کیا کرتے تھے۔ کچھ صحابہ ایسے تھے جو دوسرے کاتب صحابہ کی عدم موجودگی میں ان کی نیابت کا فریضہ سرانجام دیا کرتے تھے۔[4]

1 تاریخ الطبري: 2/288. 2 الأعراف 7:158. 3 الجمعة 62:2. 4 إعلام السائلین، ص: 25.

مشہور کاتبینِ وحی کے نام درج ذیل ہیں:

سیدنا ابوبکر صدیق ؓ

سیدنا عمر فاروق ؓ

سیدنا عثمان بن عفان ؓ

سیدنا علی بن ابی طالب ؓ

سیدنا ابان بن سعید ؓ

سیدنا ابی بن کعب ؓ

سیدنا ارقم بن ابی ارقم ؓ

سیدنا ثابت بن قیس ؓ

سیدنا حنظلہ بن ربیع ؓ

سیدنا خالد بن سعید ؓ

سیدنا خالد بن ولید ؓ

سیدنا زبیر بن عوام ؓ

سیدنا زید بن ثابت ؓ

سیدنا سجل ؓ

سیدنا عبداللہ بن ارقم ؓ

سیدنا عامر بن فہیرہ ؓ

سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ

سیدنا عبداللہ بن زید ؓ

سیدنا علاء بن حضرمی ؓ

سیدنا علاء بن عقبہ ؓ

سیدنا محمد بن مسلمہ ؓ

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان ؓ

سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ

سیدنا معیقیب بن ابی فاطمہ ؓ

سیدنا جہیم بن صلت ؓ

سیدنا شرحبیل بن حسنہ ؓ

سیدنا عمرو بن عاص ؓ

سیدنا عبداللہ بن رواحہ ؓ [1]

مذکورہ صحابہ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی لکھا کرتے تھے، چاہے وہ وحی متلو ہوتی یا غیر متلو۔ البتہ وحی متلو، یعنی قرآن پاک تو رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی ہی میں مدون ہو چکا تھا جبکہ وحی غیر متلو، یعنی احادیث اور سنن آپ کی وفات کے بعد باضابطہ طور پر مدون کی گئیں۔ جب سیدنا عثمان بن عفان ؓ اور سیدنا علی ؓ موجود ہوتے تھے تو وحی یہی حضرات لکھا کرتے تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں سیدنا ابی بن کعب اور زید بن ثابت ؓ کتابت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے یہ چاروں حضرات موجود نہ ہوتے تو متذکرہ بالا حضرات میں سے کوئی بھی شخصیت یہ تحریری خدمت انجام دیتی تھی۔ [2]

1 البدایۃ والنہایۃ: 5/295-308، المصباح المضي: 1/28. 2 إمتاع الأسماع: 9/334.

رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی

رسول اللہ ﷺ نے جب مختلف ملکوں کے بادشاہوں اور امراء کو خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو اس بات کی بھی ضرورت



پیش آئی کہ کوئی ایسی مہر ہونی چاہیے جو ان خطوط پر لگائی جائے کیونکہ امراء و سلاطین اس خط کو پڑھتے ہی نہیں تھے جس پر مہر نہ لگی ہوتی۔ مہر کی حیثیت ایک سند کی ہوا کرتی تھی۔ خادم رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ نے شاہِ روم کو خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا گیا کہ وہ لوگ اس وقت تک آپ کا نامۂ مبارک نہیں پڑھیں گے جب تک اس پر مہر نہ لگی ہو، چنانچہ آپ نے اپنے لیے انگوٹھی بنوائی۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی مبارک انگوٹھی کے حوالے سے مختلف روایات میں جو کچھ بیان ہوا ہے، اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ابتدا میں رسول اللہ ﷺ نے زیب و زینت کے لیے سونے کی انگوٹھی بنوائی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہر معاملے میں آپ ﷺ کی اتباع کرتے تھے۔ جب انھوں نے آپ کو انگوٹھی پہنے دیکھا تو انھوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں۔ ابھی تین دن ہونے تھے کہ مردوں کے لیے سونا پہننے کی ممانعت نازل ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا:

«اِنِّي كُنْتُ اَصْطَنَعْتُهُ وَ اِنِّي لَا اَلْبَسُهُ»

''میں نے سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی۔ اب میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا۔''

پھر آپ نے اسے اتار کر پھینک دیا تو لوگوں نے بھی اپنی سونے کی انگوٹھیاں پھینک دیں۔ اس کے بعد آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس پر آپ نے اپنا نام مبارک کندہ کروایا۔[2] یہ دیکھ کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح چاندی کی انگوٹھیاں بنوائیں اور ان میں آپ ﷺ کا نام مبارک بھی کندہ کروالیا۔ اس صورت حال کو بھانپ کر آپ ﷺ نے اپنی انگوٹھی اتار دی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب یہ دیکھا تو انھوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں اتار دیں۔[3] آپ ﷺ کا اپنی انگوٹھی اتار دینے کا مقصد اپنے نام مبارک کے نقش کی انگوٹھی کو اس سے مشابہ دوسری انگوٹھیوں سے بچانا اور محفوظ کرنا

1 صحیح البخاري :5875. 2 صحیح البخاري :5876، سنن النسائي :5220. 3 صحیح البخاري :5868.

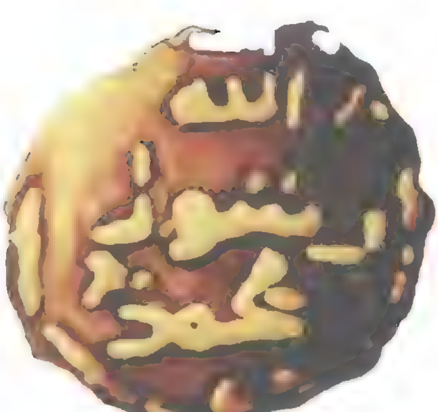
تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں سے انگوٹھیاں اتر گئیں تو آپ نے اپنی انگوٹھی ہاتھ میں پہن لی، اس سے آپ خطوط پر مہر لگاتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آیندہ اپنے نام مبارک کے نقش والی انگوٹھیاں بنانے سے منع فرما دیا جیسا کہ صحیح بخاری میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّا اتَّخَذْنَا خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ وَنَقَشْتُ فِيهِ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ، فَلَا يَنْقُشَنَّ أَحَدٌ عَلَى نَقْشِهِ!

”میں نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی ہے اور اس میں ”محمد رسول اللہ“ کے حروف نقش کرائے ہیں، اب کبھی کوئی شخص اپنی انگوٹھی پر یہ نقش کندہ نہ کرائے۔“[1]

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کے علاوہ لوہے سے بنی ہوئی انگوٹھی، جس پر چاندی کا خول چڑھا ہوا تھا، بھی پہنی ہے جیسا کہ سنن ابی داود،[2] سنن نسائی[3] اور التاریخ الکبیر[4] میں سیدنا معیقیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس کے کچھ شواہد طبقات ابن سعد میں مرسل و متصل اسانید سے مروی ہیں۔[5] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری میں ان کا ذکر کیا ہے۔[6]

انگوٹھی کا نقش



بادشاہوں یا امرائے وقت کے نام مکتوبات کے لیے جو انگوٹھی بنوائی گئی تھی، اس پر تین سطروں میں ”محمد رسول اللہ“ لکھا ہوا تھا۔ یہ الفاظ انگوٹھی کے نگینے پر الٹے لکھے ہوئے تھے۔ جب اس انگوٹھی پر سیاہی لگا کر اسے دستاویزات پر لگایا جاتا تھا تو یہ الفاظ مبارک بالکل صحیح شکل میں نظر آتے تھے۔ رہی یہ بات کہ ان الفاظ کو کس ترتیب سے لکھا گیا تھا تو اس کے بارے میں بعض شیوخ کا کہنا ہے کہ اوپر کی پہلی لائن میں لفظ ”اللہ“ تھا، درمیان میں ”رسول“ اور نیچے تیسری سطر میں ”محمد“ تھا۔ گویا ان الفاظ کو نیچے سے اوپر کی طرف پڑھا جاتا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ میں نے کسی حدیث میں یہ نہیں دیکھا کہ ان کے لکھنے کی ترتیب کیا تھی۔[7] تاہم ماضی قریب میں آپ کے جو خطوط دستیاب ہوئے ہیں، ان پر لگی ہر مہر کی یہی ترتیب ہر انسان بچشم خود دیکھ سکتا ہے۔ ان سے

1 صحيح البخاري: 5877، فتح الباري: 10/393-395. 2 سنن أبي داود: 4224. 3 سنن النسائي: 5208.
4 التاريخ الكبير للبخاري: 8/52، 53. 5 الطبقات لابن سعد: 1/473، 474. 6 فتح الباري: 10/396. 7 فتح الباري: 10/404

صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سطریں اسی ترتیب سے اوپر نیچے تھیں اور انگوٹھی کا نگینہ گولائی میں تھا۔ اور یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا مقصد وحید ہر حالت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے نام کی سربلندی تھا اور اسی حقیقت کا مظہر آپ ﷺ کی انگوٹھی مبارک بھی تھی۔

انگوٹھی کی انگلی

رسول اللہ ﷺ انگوٹھی مبارک کس ہاتھ میں اور کس انگشت مبارک میں پہنتے تھے، اس بارے میں روایات مختلف ہیں مگر اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آپ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگشت مبارک میں انگوٹھی پہنتے تھے جیسا کہ سیدنا ابن عباس، ابن عمر، عبداللہ بن جعفر، جابر، ابوامامہ، ابوہریرہ، علی بن ابی طالب، انس بن مالک اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، جبکہ سیدنا انس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگشت میں پہننے کی روایات بھی آئی ہیں۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایات میں بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کی روایت ہی محفوظ (زیادہ صحیح) ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر راجح ہے۔[1]

روایات کے اسی اختلاف کی بنا پر فقہائے کرام کے مابین اختلاف ہے۔ بعض بائیں ہاتھ میں اور بعض دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا افضل قرار دیتے ہیں۔ علامہ بغوی نے تو کہا ہے کہ آپ کا آخری عمل بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا تھا مگر انھوں نے اس بارے میں جس روایت سے استدلال کیا ہے، وہ ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: فَلَوْ صَحَّ هٰذَا لَكَانَ قَاطِعًا لِلنِّزَاعِ وَلٰكِنْ سَنَدُهُ ضَعِيفٌ. ''اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو اس سے اختلاف ختم ہو جاتا مگر اس کی سند ضعیف ہے۔''[2]

انگوٹھی پہننے کے حوالے سے یہ بات بھی منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی جانب رکھتے تھے۔[3] سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے انگلی کی ظاہری (پچھلی) جانب نگینہ رکھنے کا ذکر بھی آیا ہے۔[4] اور حافظ ابن رجب نے موقوفاً یہی عمل عبداللہ بن جعفر سے بھی نقل کیا ہے۔[5] لیکن ہتھیلی کی طرف ہونے کی روایات زیادہ صحیح اور تعداد میں بھی زیادہ ہیں۔ اسی بنا پر علماء نے فرمایا ہے کہ یہی افضل ہے۔[6]

مہر نبوی کی گمشدگی

صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔

1 العلل للدارقطني: 12/178، حديث 2586، احكام الخواتم، ص: 146-155. 2 فتح الباري: 10/400-403.
3 صحيح البخاري: 5866، 5876. 4 سنن أبي داود: 4229. 5 احكام الخواتم، ص: 165. 6 عون المعبود: 4/146.


بئر اریس کی ایک پرانی تصویر

وہ آپ ﷺ کے دست مبارک میں رہی۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی۔ ان کی وفات کے بعد جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے پہنی۔ اس کے بعد یہ انگوٹھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بئر اریس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انگوٹھی اتار کر اسے ہاتھوں میں الٹ پلٹ کرنے لگے، اچانک وہ کنویں میں گر گئی۔ ہم تین دن تک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کنویں پر جاتے رہے اور پانی نکالتے رہے لیکن انگوٹھی نہیں ملی۔[1]

ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ یہ انگوٹھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چھ سال تک رہی۔[2]

سفیرانِ محمد ﷺ

رسول اللہ ﷺ بہت بڑے حکیم، دانا، مردم شناس اور ماہر نفسیات تھے۔ شاہانِ عالم کو خطوط پہنچانے کے لیے آپ ﷺ نے اپنے جاں نثاروں میں سے چند صحابہ کا انتخاب فرمایا۔ یہ حضرات بڑے عقل مند، ذہین و فطین، معاملہ فہم اور نہایت فصیح و بلیغ گفتگو کرنے والے تھے۔ آپ ﷺ نے جس ملک کی طرف جس صحابی کو بھی بھیجا، وہ وہاں کے حالات سے باخبر اور ان لوگوں کی زبان سے خوب واقف تھے۔ ان حضرات کی قوت گویائی اور حاضر جوابی کا اندازہ آپ کو اس وقت ہوگا جب آپ بادشاہوں سے ان کے مکالمات کا مطالعہ کریں گے۔

ذیل میں ہم ان عظیم المرتبت سفارت کاروں کے اسمائے گرامی کے علاوہ بادشاہوں کے نام بھی درج کر رہے ہیں جن کے لیے مکتوبات مقدس تحریر فرمائے گئے۔

نمبر شمار	حامل مکتوب	شہر / ملک	مکتوب الیہ
1	سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ	اکسوم (حبشہ)	نجاشی
2	سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ	ہجر (بحرین)	منذر بن ساوی عبدی
3	سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ	مدائن (ایران)	کسرائے فارس خسرو پرویز

1 صحیح البخاری: 5873، 5879. 2 الطبقات لابن سعد: 1/476، 477

4	سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ	بیت المقدس (یروشلم)	قیصر روم ہرقل
5	سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	اسکندریہ (مصر)	مقوقس
6	سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ	صحار (عُمان)	جُلندی کے بیٹے جیفر وعبد
7	سیدنا سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ	یمامہ (نجد)	ہوذہ بن علی
8	سیدنا شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ	غوطہ (نواح دمشق)	حارث بن ابی شمر غسانی
9	سیدنا مہاجر بن ابی امیہ اور جریر رضی اللہ عنہما	یمن	ذوالکلاع حمیری
10	سیدنا سائب رضی اللہ عنہ	یمامہ	مسیلمہ کذاب [1]

خطوط کی تعداد

رسول اللہ ﷺ نے اپنی مبارک زندگی میں مختلف لوگوں کو مختلف نوعیتوں کے خطوط اور مراسلات بھیجے۔ ان میں سے کچھ معاہدات پر مشتمل تھے، کچھ امان نامے تھے۔ بعض اسلامی تعلیمات پر مشتمل تھے۔ اسی طرح کچھ وثیقہ جات اور جاگیر نامے بھی تھے۔ بعض خطوط ایسے تھے جن میں تعزیتی جذبات کا اظہار فرمایا گیا تھا۔ اکثر مراسلات دعوتی اور تبلیغی نوعیت کے تھے۔ ہم اس باب میں دعوتی اور تبلیغی خطوط کا تذکرہ کریں گے۔ ان تمام خطوط کی صحیح تعداد تو اللہ عالم الغیب ہی جانتا ہے، البتہ سیرت نگاروں اور مؤرخین نے ان کی تعداد مختلف بتائی ہے۔ جناب ڈاکٹر حمیداللہ ان خطوط کی مجموعی تعداد کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''آنحضرت ﷺ نے مختلف بادشاہوں یا قبائل کے سرداروں کے نام جو خطوط روانہ فرمائے، ان کی تعداد اب سوا دو سو تک دریافت ہوگئی ہے۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ نے شاہانِ عالم، امرائے وقت اور قبائلی رہنماؤں کے نام جو خطوط لکھے، ان میں سے بعض کے متون کتب حدیث، کتب سیرت اور تاریخ میں موجود ہیں جبکہ کچھ خطوط ایسے بھی ہیں جن کا اصل متن معلوم نہیں ہو سکا۔ اب ہم معروف مکتوباتِ نبوی کا تذکرہ کریں گے اور خطوط کا متن اور ان کی جزئیات بیان کرنے سے پہلے متعلقہ بادشاہوں کا تعارف کرائیں گے۔

1 فتح الباری: 160/8۔ 2 رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص: 153۔

مکتوب گرامی بنام اصحمہ نجاشی

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دعوتی خطوط میں سے پہلا خط شاہ حبشہ نجاشی کو بھیجا۔ یہ خط 6ھ کے آخر میں یا محرم سات ہجری میں بھیجا گیا۔ اس طرح یہ مکتوب اول شمار کیا جاتا ہے۔ اسے سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ لے کر گئے۔ اس سے پہلے دوسری ہجرت حبشہ کے موقع پر بھی رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اصحمہ نجاشی کو ایک خط لکھا تھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی تھی اور یہ تاکید فرمائی تھی کہ وہ مسلمانوں کو اپنے ملک میں ٹھہرائے اور ان کا اچھی طرح خیال رکھے۔ اس خط کا متن ہم سیرت انسائیکلوپیڈیا کی تیسری جلد کے صفحات 334-336 میں ذکر کر آئے ہیں۔ تاہم آپ نے صلح حدیبیہ کے بعد شاہان عالم کو جو باقاعدہ دعوتی خطوط لکھے، ان میں سے سب سے پہلا خط وہی تھا جو سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔

نجاشی

قدیم زمانے میں حبشہ کے بادشاہوں کا لقب نجاشی تھا، جیسے فارس کے فرمانروا کو کسریٰ، روم کے بادشاہ کو ہرقل



اور ترکوں کے شاہ کو خاقان کہتے تھے۔ اس نجاشی کا نام اصحمہ بن ابجر تھا۔ اصحمہ حبشی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب عطیہ ہے اور نجاشی درحقیقت ''نجوس'' (Negus) کی تعریب ہے جس کے معنی حبشی زبان میں بادشاہ کے ہیں۔ یہ بہت نیک، عادل اور عقل مند شخص تھا۔ یہ نسطوری مذہب پر قائم تھا۔ یہ مذہب اس وقت توحید کا حامل اور ربوبیت مسیح

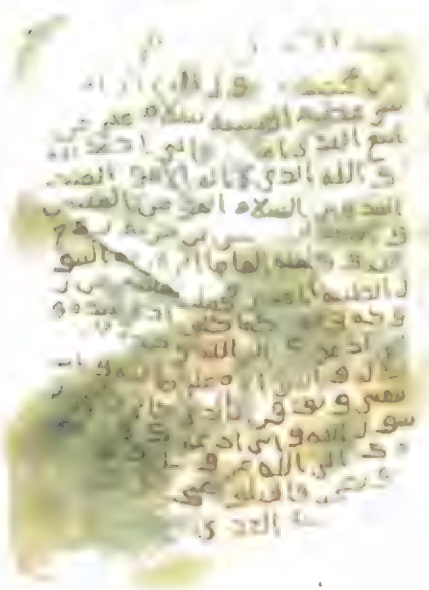
کا انکاری تھا۔ دعوت اسلام کے آغاز کے بعد سن 5 نبوی میں مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ اس نیک فطرت انسان نے مسلمانوں کو اپنے ملک میں نہ صرف امن و عافیت کے ساتھ رہنے کی اجازت دی بلکہ قریشیوں کے اس وفد کو بھی خائب و خاسر لوٹا دیا جو مسلمانوں کو حبشہ بدر کرانے اور واپس مکہ لے جانے کے لیے آیا تھا۔[1]

نامہ مبارک کی عبارت

سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نجاشی کے نام جو نامہ مبارک لے کر گئے تھے، اس کی عبارت یہ ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم. من محمد رسول الله إلى النجاشي الأصحم ملك الحبشة سلم أنت، فإني أحمد إليك الله الذي لا إله إلا هو الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن، وأشهد أن عيسى ابن مريم روح الله وكلمته ألقاها إلى مريم البتول الطيبة الحصينة، فحملت بعيسى، فخلقه الله من روحه ونفخه كما خلق آدم بيده، وإني أدعوك إلى الله وحده لا شريك له والموالاة على طاعته، وأن تتبعني وتؤمن بالذي جاءني، فإني رسول الله، وإني أدعوك وجنودك إلى الله عز وجل، وقد بلغت [illegible]

[illegible]



اصحمہ نجاشی کے نام مکتوب نبوی

''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے شاہِ حبشہ اصحم نجاشی کے نام! تم سلامتی حاصل کر لو۔ میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو قادرِ مطلق شہنشاہ ہے، نہایت پاک ہے، سلامتی والا ہے، امن دینے والا ہے اور نگران ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں

1 زاد المعاد: 120/1، نسب قریش: 188،117/1، سلسلة الإسلام، ص 61 (حاشیہ)، تاریخ ارض القرآن (کامل)، ص: 240، 241

جسے اس نے پاکیزہ اور پاکدامن کنواری مریم کی طرف ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو روح اور پھونک سے پیدا کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ میں تمھیں اللہ وحدہ لاشریک کی طرف بلاتا ہوں اور اس کی اطاعت کی بنیاد پر دوستی کی اور اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم میری پیروی کرو اور جو کچھ میرے پاس آیا ہے، اس پر یقین و ایمان لاؤ کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں تمھیں اور تمھارے لشکر کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے تبلیغ و نصیحت کر دی ہے، میری نصیحت قبول کرو۔ سلامتی ہو ہر اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔''[1]

(محمد رسول اللہ)

رسول اللہ ﷺ کے نامہ بر: عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ نجاشی تک یہ مکتوب گرامی سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے پہنچایا۔ یہ صلح حدیبیہ کے بعد نامۂ مبارک لے کر جانے والے پہلے سفیر تھے۔ ان کا تعلق کنانہ کی شاخ بنو ضمرہ سے تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی بڑے بہادر اور بزرگی میں معروف تھے۔ انھوں نے غزوۂ بدر و احد میں مشرکین کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تھی۔ جب مشرکین احد سے واپس گئے تو یہ مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے سب سے پہلے سریۂ بئر معونہ میں شرکت کی جو ہجرت کے چوتھے سال پیش آیا۔ اس معرکے میں بنو عامر نے انھیں قید کر لیا لیکن عامر بن طفیل





امیر معاویہ ڈیم (طائف)

نے انھیں آزاد کر دیا۔ اس کے بعد بھی انھوں نے کئی ایک معرکوں میں شرکت کی۔ یہ بڑے ماہر، جری اور پھرتیلے انسان تھے۔ یہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں 55ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔[2]

[1] زاد المعاد: 689/3، تاریخ الطبری: 294/2. [2] أسد الغابة: 352,351/3، الإصابة: 496/4

سفیر نبوی اور نجاشی کے مذاکرات



سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نہایت اعتماد اور بڑی بے باکی سے نجاشی کے پاس پہنچے اور اس سے نہایت فصیح و بلیغ گفتگو کی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بڑی اچھی قوت گویائی عطا فرمائی تھی۔ انھوں نے نجاشی سے کہا: ''اے اصحمہ! میں جو بات کرنے والا ہوں، اسے غور سے سنیے۔ یقیناً آپ ہم پر بہت مہربان ہیں اور ہمیں آپ پر اعتماد ہے۔ بلاشبہ جب بھی ہم نے آپ کے ہاں سے خیر چاہی، وہ ہمیں حاصل ہوئی۔ جب ہمیں خوف لاحق ہوا، آپ نے ہمیں امن فراہم کیا۔ ہم نے آپ کے کلام ہی کے ذریعے آپ پر حجت قائم کر دی ہے۔ ہمارے اور آپ کے مابین انجیل معتبر گواہ اور انصاف پسند قاضی ہے۔ یہ بھلائی اور فضیلت حاصل کرنے کا موقع ہے۔ اگر آپ نے یہ باتیں تسلیم نہ کیں تو اس امی نبی کے متعلق آپ کی وہی رائے تصور کی جائے گی جو یہودی جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف لوگوں کی طرف اپنے سفیر روانہ فرمائے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ سے وہ امید رکھی ہے جو دوسروں سے نہیں رکھی۔ جس قسم کا خدشہ رسول اللہ ﷺ کو ان سے تھا، آپ سے بالکل نہیں ہے۔''

نجاشی نے کہا: ''میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ یہ (محمد ﷺ) وہ نبی ہیں جن کا اہل کتاب انتظار کر رہے تھے۔ اور بے شک عیسیٰ علیہ السلام کا شتر سوار (یعنی وہ نبی ایسا ہوگا جو اونٹ کی سواری کرے گا) کی بشارت دینا ایسا ہی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے گدھے کی سواری کرنے والے (جناب عیسیٰ علیہ السلام) کی بشارت دی تھی۔ اور بے شک خبر مشاہدے کی مانند نہیں ہوتی۔ حبشہ میں میرے حمایتی بہت کم ہیں۔ آپ مجھے اس وقت تک مہلت دیں جب تک کہ میرے طرف دار بڑھ جائیں اور لوگوں کے دل نرم پڑ جائیں۔''[1]

ابن سعد نے لکھا ہے کہ نجاشی نے نامۂ مبارک بڑے احترام سے اپنی دونوں آنکھوں پر پھیرا۔ تخت سے نیچے اتر

1 الروض الأنف: 487/3، السيرة الحلبية: 294/3

آیا، عاجزی اور احترام کرتے ہوئے زمین پر بیٹھ گیا، پھر اسلام قبول کر لیا اور حق کی گواہی دی اور کہا: لَوْ كُنْتُ أَسْتَطِيعُ أَنْ آتِيَهُ لَأَتَيْتُهُ. ''اگر اس نبی تک پہنچنا میرے بس میں ہوتا تو ضرور حاضر خدمت ہوتا۔''[1]



سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بشارت دی تھی کہ وہ گدھے کی سواری کریں گے۔ حسب بشارت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام گدھے پر سوار ہو کر گلیل (طبریہ) منتقل ہوئے تھے۔ پھر جب وہ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو گدھے پر سوار تھے۔ یہ بات چاروں انجیل میں لکھی ہوئی ہے۔

گلیل (طبریہ) اور جھیل طبریہ

عیسیٰ علیہ السلام گدھے کی سواری کرنے میں مشہور تھے لیکن رسول اللہ ﷺ اونٹ کی سواری کرنے میں اُن سے زیادہ مشہور تھے۔ آپ ﷺ نے اونٹ ہی پر سوار ہو کر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ آپ اکثر غزوات میں اونٹ ہی پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے۔[2]

نجاشی کا جوابی خط

نجاشی نے نبی ﷺ کی خدمت میں تحفے بھی بھیجے اور آپ ﷺ کے مکتوب گرامی کا درج ذیل جواب دیا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، إِلٰى مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ مِنَ النَّجَاشِيِّ الْأَصْحَمِ بْنِ أَبْجَرَ، سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ مِنَ اللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، الَّذِي هَدَانِي لِلْإِسْلَامِ. أَمَّا بَعْدُ: فَقَدْ بَلَغَنِي كِتَابُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فِيمَا ذَكَرْتَ مِنْ أَمْرِ عِيسٰى، فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ! إِنَّ عِيسٰى مَا يَزِيدُ عَلٰى مَا ذَكَرْتَ ثُفْرُوقًا، إِنَّهُ كَمَا قُلْتَ، وَقَدْ عَرَفْنَا مَا بُعِثْتَ بِهِ إِلَيْنَا وَقَدْ قَرَّبْنَا ابْنَ عَمِّكَ وَأَصْحَابَهُ، فَأَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَادِقًا مُصَدَّقًا وَقَدْ بَايَعْتُكَ وَبَايَعْتُ ابْنَ عَمِّكَ وَأَسْلَمْتُ عَلٰى يَدَيْهِ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَقَدْ بَعَثْتُ إِلَيْكَ بِابْنِي أَرْهَا بْنِ الْأَصْحَمِ بْنِ أَبْجَرَ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ آتِيَكَ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!

1 الطبقات لابن سعد: 259,258/1. 2 عالمية الإسلام، ص: 102,101.

فَإِنِّي أَشْهَدُ أَنَّ مَا تَقُولُ حَقٌّ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!

''بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے نام من جانب نجاشی اصحم بن ابجر۔ اے اللہ کے نبی! آپ پر اس اللہ کی طرف سے سلامتی، رحمتیں اور برکتیں ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت فرمائی۔ اما بعد! اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کا خط موصول ہوا۔ اس میں آپ نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، زمین و آسمان کے رب کی قسم! وہ کھجور کی پینڈی کے برابر بھی اس سے کم یا زیادہ نہیں ہیں۔ وہ بالکل اسی طرح ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے۔ آپ نے جو پیغام ہماری طرف بھیجا ہے، ہم نے اسے بخوبی جان لیا ہے۔ ہم نے آپ کے چچا زاد اور ان کے ساتھیوں کو عزت و احترام سے نوازا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے اور (گزشتہ انبیاء کی) تصدیق کرنے والے رسول ہیں۔ میں نے آپ کی اور آپ کے چچازاد کی بیعت کر لی ہے اور میں ان کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کی فرمانبرداری قبول کر چکا ہوں۔ میں نے آپ کی طرف اپنے بیٹے ارہا بن اصحم بن ابجر کو بھیجا ہے۔ مجھے صرف اپنے اوپر اختیار حاصل ہے۔ اے اللہ کے رسول! اگر آپ چاہیں تو میں خود بھی حاضر خدمت ہونے کو تیار ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں، وہ حق ہے۔ اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو۔''[1]

مکتوب نبوی کا سائز

رسول اللہ ﷺ نے اصحمہ نجاشی کو جو درج بالا دعوتی خط روانہ کیا تھا، اس کی دستاویز اکتوبر 1938ء میں دمشق میں حاصل ہوئی۔ یہ نامۂ مبارک ایک چمڑے کی جھلی پر ہے۔ یہ جھلی 13.5 انچ لمبی اور 9 انچ چوڑی ہے۔ خط کی کل سترہ سطریں ہیں جو جلی حروف میں لکھی گئی ہیں اور صاف پڑھی جاتی ہیں۔ اس خط کے آخر میں ایک دائرے کی شکل میں مہر بھی لگی ہوئی ہے جس کا عرض تقریباً ایک انچ ہے۔[2]

نجاشی کو مہاجرین حبشہ کو روانہ کرنے کی ہدایت

طبقات ابن سعد میں ہے کہ نبی ﷺ نے نجاشی کو ایک اور خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ جعفر اور جو مہاجرین باقی ہیں، انھیں واپس بھیج دیا جائے، چنانچہ نجاشی نے ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو کشتیوں میں

1 عیون الأثر، ص: 427. 2 [illegible]، ص: 103-106، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید اللہ، ص: 142-151.

سوار کر کے روانہ کر دیا۔[1]

مذکورہ نجاشی فتح مکہ کے بعد غزوۂ تبوک (رجب 9ھ) سے پہلے فوت ہو گئے۔ نبی ﷺ نے اسی دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی وفات کی اطلاع دے دی اور آپ ﷺ نے وہیں مدینہ میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن نجاشی فوت ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے اسی دن ان کی موت کی خبر دی۔ پھر آپ ﷺ عیدگاہ کی طرف گئے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے پیچھے صفیں بنائیں اور آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ میں چار تکبیرات کہیں۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو۔''[2]

اس نجاشی کی وفات کے بعد اس کے جانشین کی طرف رسول اللہ ﷺ نے دعوتی خط لکھا۔ اس بدبخت نے نامۂ مبارک پھاڑ دیا۔ نبی کریم ﷺ نے پیش گوئی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اسے ہلاک و برباد اور اس کی حکومت کو تباہی سے دوچار کر دے گا۔[3] صحیح مسلم میں بھی اس بات کی تائید موجود ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں تھا جس کی آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔[4]

1 الطبقات لابن سعد: 1/259. 2 صحيح البخاري: 1327 و 1333. 3 مسند أحمد: 3/442. 4 صحيح مسلم: 1774.



تبوک شہر کا جدید منظر (سعودی عرب)

رسول اللہ ﷺ کا سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کو اپنے ایک مکتوب گرامی میں یہ پیغام بھی بھجوایا تھا کہ ابوسفیان بن حرب کی بیٹی ام حبیبہ کی مجھ سے شادی کر دو۔ نجاشی نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا آپ سے نکاح کر کے آپ ﷺ کی طرف سے حق مہر بھی ادا کر دیا۔ [1]

نام و نسب

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نام ''رملہ'' اور کنیت ''ام حبیبہ'' تھی۔ ان کے والد کا نام ابوسفیان تھا۔ باپ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: ''رملہ بنت ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔''

اور والدہ کی طرف سے شجرۂ نسب یہ ہے:

''رملہ بنت صفیہ بنت ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔''

ان کی والدہ صفیہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ [2]

مدرسہ ام حبیبہ (سعودی عرب)

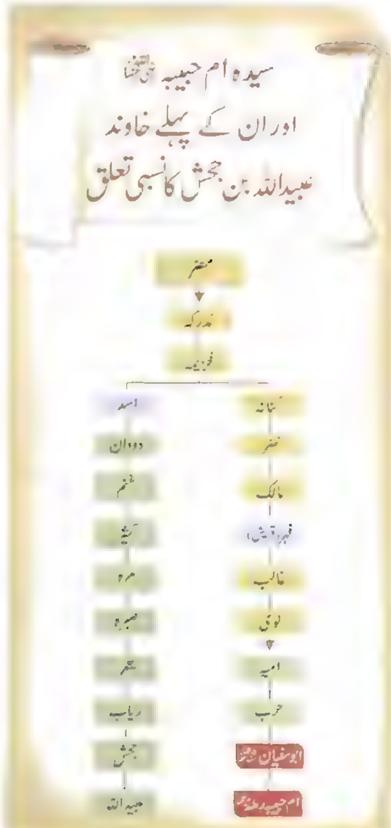


ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے ''رملہ'' بیان کیا ہے اور بعض مؤرخین کے نزدیک ان کا نام ''ہند'' تھا لیکن صحیح نام رملہ ہی ہے۔ یہ عظیم خاتون نام سے زیادہ اپنی کنیت سے معروف ہیں۔ [3]

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے 17 سال پہلے پیدا ہوئیں۔ [4]

1 الطبقات لابن سعد: 259/1. 2 الطبقات لابن سعد: 96/8. 3 الاستيعاب، ص: 886، الإصابة: 140/8. 4 الإصابة: 140/8.

پہلا نکاح



سیدہ ام حبیبہ ؓ کی پہلی شادی عبیداللہ بن جحش سے ہوئی۔ وہ حرب بن امیہ کا حلیف تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب نبوت کا اعلان کیا تو ان دونوں میاں بیوی نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ بڑا کٹھن دور تھا۔ ام حبیبہ ؓ کا والد اسلام قبول کرنے والوں کو ظلم وستم کی چکی میں پیسنے والے مشرکین کا سردار تھا۔ کوئی حربہ اور ظلم ایسا نہ تھا جو ابوسفیان نے مسلمانوں کے خلاف روا نہ رکھا ہو لیکن قدرت کے فیصلے عجیب ہوتے ہیں اور ہمیشہ عجیب ہی رہیں گے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی تھی کہ ابوسفیان جیسا کفر وشرک کا سرغنہ بے پناہ دنیاوی وسائل کے باوجود خود اپنی ہی بیٹی کو اسلام کی کشش وانجذاب سے نہ بچا سکا۔ وہ خود مدتوں کفر وشرک کی پستیوں میں ٹھوکریں کھاتا رہا لیکن اُس کی نیک اختر دختر آفتاب اسلام کی اولین شعاعیں دیکھتے ہی نہ صرف مسلمان ہوگئی بلکہ اس کی تقدیر ایسی چمکی کہ وہ کاشانہ نبوت کی ملکہ بن کر ام المومنین کے منصب جلیلہ پر فائز ہوگئی ﴿ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ﴾۔

جب مسلمانوں کے لیے مکہ مکرمہ میں رہ کر اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت مرحمت فرما دی تاکہ وہ حبشہ میں رہتے ہوئے سکون کے ساتھ اپنے دین پر عمل کر سکیں۔ ان دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ وہاں عیسائیت چھائی ہوئی تھی۔ عبیداللہ بن جحش پہلے ہی سے عیسائیت کی طرف مائل تھا، اس لیے عیسائیوں کے ملک میں پہنچ کر اسلام پر قائم نہ رہ سکا اور عیسائی ہو گیا۔

سیدہ رملہ ؓ نے حبشہ میں ایک بچی کو جنم دیا اور اس کا نام ''حبیبہ'' رکھا۔ اسی بچی کے نام پر انھوں نے اپنی کنیت ام حبیبہ رکھی اور نام کے بجائے اسی کنیت سے شہرت پا گئیں۔

عبیداللہ عیسائی ہو گیا تو اس نے سیدہ ام حبیبہ ؓ کو بھی مرتد ہو جانے اور اسلام چھوڑنے کی ترغیب دی۔ وہ کہنے لگا: میرے خیال میں عیسائیت سے بہتر کوئی دین نہیں ہے، تم بھی عیسائیت اختیار کر لو۔ سیدہ ام حبیبہ ؓ کا

ایمان ناقابلِ تسخیر تھا۔ انھوں نے اس کا یہ گمراہ کن مطالبہ ماننے سے یکسر انکار کر دیا اور اسے سمجھایا:

وَاللّٰهِ! مَا خَيْرٌ لَكَ.

''واللہ! یہ دین تمھارے لیے بہتر نہیں ہے۔''

اسلام ترک کرنے کے بعد عبید اللہ نے عیاشی کی زندگی بسر کرنا شروع کر دی۔ وہ عیسائیوں کے ساتھ رہتے ہوئے مے نوشی کا بھی عادی ہو گیا اور جلد ہی اسی حالت میں مر گیا۔[1]

نبی اکرم ﷺ کی زوجیت میں آمد

خاوند کے مرتد ہونے کے بعد سیدہ ام حبیبہ ؓ دیارِ غیر میں بے سہارا ہو گئی تھیں۔ اپنے وطن سے دور، اہل و عیال سے بعید، اس غریب الدیار تن تنہا خاتون کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ وہ غمگین رہنے لگیں لیکن انھوں نے نہایت صبر و استقامت سے کام لیا اور نامساعد حالات کے باوجود اپنی بچی کی تربیت اور پرورش میں لگی رہیں۔

سیدہ ام حبیبہ ؓ فرماتی ہیں کہ عبید اللہ بن جحش کی وفات کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص مجھے ''یا ام المومنین'' کہہ کر پکار رہا ہے۔ میں یہ صدا سن کر چونک پڑی۔ پھر یکا یک اس خواب کی تعبیر دل میں آئی کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کے حرمِ محترم میں آنے کی بشارت ہے۔

اُدھر مدینہ منورہ میں جب نبی اکرم ﷺ کو سیدہ ام حبیبہ ؓ کے حبشہ میں بیوہ ہو جانے کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کی عدت کے دن پورے ہونے پر عمرو بن امیہ ضمری ؓ کو شاہِ حبشہ اصحمہ نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ وہ آپ کی طرف سے سیدہ ام حبیبہ ؓ کو پیغامِ نکاح پہنچا دیں۔ ام حبیبہ ؓ فرماتی ہیں کہ جب میری عدت ختم ہوئی

[1] الطبقات لابن سعد: 8/97,96، الإصابة: 8/140.

حبشہ (ایتھوپیا) کا خوبصورت پہاڑی علاقہ



تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے پیغامِ نکاح آ گیا۔

نجاشی کو رسول اللہ ﷺ کا یہ پیغام ملا تو اس نے اپنی خاص باندی ابرہہ کو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا اور یہ اطلاع دی کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ پیغام میرے پاس پہنچا ہے کہ میں آپ کی ان سے شادی کر دوں۔ آپ اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کر فرما دیں۔ پھر میں آپ کا نکاح نبی اکرم ﷺ سے کر دوں گا۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ ایمان افروز اور روح پرور پیغام سنا تو معا باندی کو یہ دعا دی:

بَشَّرَكِ اللّٰهُ بِخَيْرٍ.

''اللہ تجھے بھی خیر کی خوشخبری دے۔''

سیدہ اس خوشخبری سے اس قدر خوش ہوئیں کہ بے اختیار اپنے ہاتھوں سے کنگن، پیروں سے پازیب اور انگلی سے انگوٹھی اتار کر سارا زیور ابرہہ کنیز پر نچھاور کر دیا۔ پھر انھوں نے سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنایا۔ وہ ددھیال کی طرف سے آپ کے رشتہ دار تھے اور ہجرت کر کے حبشہ ہی میں مقیم تھے۔[1]



مسجد جعفر بن ابی طالب (طرابلس، لیبیا)

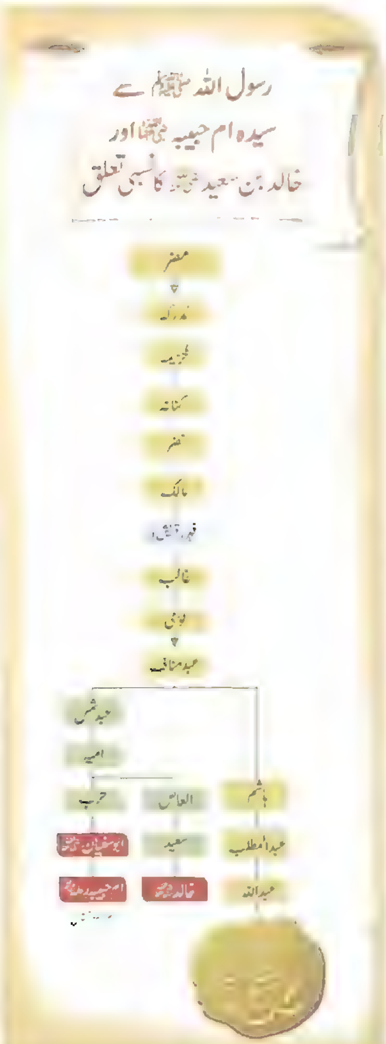
بعد ازاں شام ہوئی تو نجاشی نے سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور وہاں پر مقیم دیگر مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ پھر اسی باوقار اجتماع میں خطبۂ نکاح پڑھا جس کے الفاظ اس طرح روایت کیے گئے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيْمِنِ الْعَزِيزِ الْجَبَّارِ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنَّهُ الَّذِي بَشَّرَ بِهِ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ كَتَبَ إِلَيَّ أَنْ أُزَوِّجَهُ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ، فَأَجَبْتُ إِلَى مَا دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ، وَقَدْ أَصْدَقْتُهَا أَرْبَعَ مِائَةِ دِينَارٍ.

''تمام تعریفیں اللہ، شہنشاہ، پاک، سلامتی اور امن دینے والے، پناہ میں لینے والے غالب اور اپنی بات

[1] الطبقات لابن سعد: 97/8.

منوانے والے کے لیے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور آپ ﷺ وہی پیغمبر ہیں جن کے بارے میں عیسیٰ ابن مریم نے بشارت دی تھی۔ حمد وثنا کے بعد! رسول اللہ ﷺ نے مجھے مکتوب گرامی ارسال فرمایا ہے کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ ام حبیبہ بنت ابی سفیان ؓ کی شادی کر دوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر لبیک کہا اور اس خاتون کو چار سو دینار مہر ادا کیا۔"



پھر سیدہ ام حبیبہ ؓ کے وکیل سیدنا خالد بن سعید بن عاص ؓ نے خطبہ پڑھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ أَحْمَدُهُ وَأَسْتَعِينُهُ وَأَسْتَنْصِرُهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَرْسَلَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ، أَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ أَجَبْتُ إِلٰى مَا دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ، وَزَوَّجْتُهُ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ، فَبَارَكَ اللّٰهُ رَسُولَ اللّٰهِ.

"تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، میں اسی کی حمد کرتا ہوں، اسی سے مدد ونصرت مانگتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اس نے انھیں ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے ہرچند مشرک اسے ناپسند کریں۔ امابعد! میں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر لبیک کہا اور ام حبیبہ بنت ابی سفیان ؓ کی شادی آپ ﷺ سے کر دی۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو برکت سے نوازے۔"

نجاشی نے مہر کی رقم چار سو دینار خالد بن سعید ؓ کے سپرد کی۔

مسلمان اس تقریب کے بعد جانے کے لیے کھڑے ہوئے تو نجاشی نے کہا: بیٹھ جاؤ۔ انبیاء ؑ کی روایت اور اسوہ یہی رہا ہے کہ انھوں نے جب بھی شادی کی تو کھانے کا اہتمام کیا، پھر اس نے کھانا منگوایا، سب نے مل کر کھایا،

بعدازاں سب گھروں کو چلے گئے۔

جب ام حبیبہ ؓ کو مہر کے چار سو دینار موصول ہوئے تو انھوں نے خوشخبری دینے والی کنیز ابرہہ کو اپنے پاس بلایا۔ وہ مسکراتی ہوئی آئی۔ ام حبیبہ ؓ نے کہا: پہلے میں نے تمھیں معمولی تحائف دیے تھے۔ اس وقت میرے پاس ان اشیاء کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے میرے لیے وافر مالی وسائل مہیا کر دیے ہیں۔ یہ لو پچاس مثقال، انھیں بھی اپنے مصرف میں لاؤ۔ کنیز نے یہ بات سنتے ہی ایک تھیلی سیدہ ؓ کی خدمت میں پیش کر دی۔ اس میں اعلیٰ قسم کی خوشبو اور وہ زیور بھی تھے جو اسے ایک روز پہلے ام حبیبہ ؓ نے بطور تحفہ مرحمت فرمائے تھے۔

نجاشی نے اپنی تمام بیگمات سے کہا: رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ کی خدمت میں خوشبو کا تحفہ ضرور پیش کرو۔

اس کے بعد کنیز ابرہہ نے سیدہ سے عرض کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی پیروکار (مسلمان) ہو گئی ہوں، آپ سے درخواست ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کر دیں۔[1]

مدینہ منورہ آمد

شاہ حبش نے مسلمانوں کے لیے دو کشتیوں کا انتظام کیا اور سیدنا جعفر بن ابی طالب ؓ کی قیادت میں مسلمان مہاجرین کو روانہ کیا۔ ان میں سیدہ ام حبیبہ ؓ بھی شامل تھیں۔ شاہ حبش نے سیدنا شرحبیل بن حسنہ ؓ کو بھی ان کے ساتھ روانہ کیا۔

مہاجرین کا یہ قافلہ مدینہ کی قریبی بندرگاہ پر اترا۔ آنحضرت ﷺ اس وقت خیبر میں تشریف فرما تھے۔ یہ واقعہ 7ھ کا ہے، اس وقت سیدہ ام حبیبہ ؓ کی عمر 32 سال سے زیادہ تھی۔[2]

1 الطبقات لابن سعد: 98,97/8. 2 الطبقات لابن سعد: 99/8.



جب سیدنا جعفر ؓ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے ان کا نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا اور بوسہ دے کر فرمایا:

"واللّٰہ! ما أدري بأيهما أفرح؟ بفتح خيبر أو بقدوم جعفر"

''اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ مجھے کس بات پر زیادہ خوشی ہو رہی ہے؟ خیبر کی فتح پر یا جعفر کی آمد پر۔''[1]

ابوسفیان کا اعترافِ شکست

جب نبی اکرم ﷺ نے سیدہ ام حبیبہ ؓ کو اپنے حرم مکرم میں داخل فرمایا، اس وقت ابوسفیان اسلام کے دشمنوں کے لیڈر تھے۔ اس کے باوجود جب انھیں اپنی بیٹی کے نکاح کا علم ہوا تو سیدنا محمد ﷺ کے بارے میں انھوں نے بے اختیار یہ الفاظ کہے:

هو الْفَحلُ لَا يُقْدَعُ أَنْفُهُ.

''آپ نہایت معزز و اعلیٰ نسب شخص ہیں۔''

(مطلب یہ تھا کہ محمد ﷺ نہایت نیک نام اور انتہائی معزز شخصیت ہیں۔) ہم ان کی عظمت پر کوئی دھبہ نہیں لگا سکتے۔ ادھر ہم ان سے لڑ رہے ہیں اور ادھر ہماری بیٹی ان کے نکاح میں چلی گئی ہے۔ ابوسفیان نے اس حقیقت کو تسلیم کر کے ایک طرح سے اعترافِ شکست کر لیا۔[2]

ابوسفیان کے ساتھ بے لاگ برتاؤ

سیدہ ام حبیبہ ؓ کا ایمان بہت مضبوط تھا۔ دین کے حوالے سے انھوں نے اپنے باپ کی کبھی کوئی بات قبول نہیں کی۔ وہ ایک سعادت مند صاحبزادی ہونے کے ناتے اپنے والد کو بتوں کی پوجا چھوڑنے اور ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ اور اس معاملے میں باپ کے رعب و دبدبے کو کبھی خاطر میں نہ لاتی تھیں۔

صلح حدیبیہ کے بعد قریش کی طرف سے معاہدہ توڑ دیا گیا۔ فتح مکہ سے پہلے معاہدے کی تجدید کی کوشش کرنے کے لیے ان کے والد ابوسفیان مدینہ منورہ گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کی تجاویز مسترد کر دیں۔ وہ مایوس ہو گئے۔ مدد حاصل کرنے کی غرض سے اپنی بیٹی ام حبیبہ ؓ کے پاس گئے۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگے تو ام المومنین نے فوراً بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان بہت برہم ہوئے۔ بیٹی سے پوچھا: تم نے یہ بستر کیوں اٹھایا؟ کیا تم نے

1 دلائل النبوة للبيهقي 246/4. 2 المستدرك للحاكم: 22/4، الطبقات لابن سعد: 99/8، الإصابة: 141/8.

بستر کو میرے قابل نہیں سمجھا یا مجھے شایانِ بستر نہیں گردانا؟

ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: آپ مشرک ہیں۔ مشرک نجس ہوتا ہے۔ میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ ابوسفیان نے کہا:

وَاللهِ! لَقَدْ أَصَابَكِ بَعْدِي يَا بُنَيَّةُ شَرٌّ.

''میری بیٹی! اللہ کی قسم! تو میرے بعد شر میں مبتلا ہوگئی ہے۔''

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہرگز نہیں! مجھے تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی ہے۔ ابا جان! آپ قریش کے سردار ہیں۔ افسوس آپ کی عقل پر کہ آپ پتھر کے بتوں کو پوجتے ہیں، حالانکہ وہ کسی نفع یا نقصان کے مالک نہیں۔[1]

فضل و کمال

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نہایت متقی خاتون تھیں۔ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتی تھیں۔ دنیا اور اس کی زیب و زینت کو ہیچ اور ناقابل توجہ سمجھتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نہایت انہماک سے سنتی تھیں اور ان پر پوری طرح عمل کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ صَلَّى اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، بُنِيَ لَهُ بِهِنَّ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ"

''جو شخص ایک دن رات میں بارہ رکعات پڑھ لے، اُسے جنت میں محل عطا کیا جائے گا۔''

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ ارشاد سنا، اس وقت سے آج تک ان بارہ رکعتوں کو کبھی ترک نہیں کیا۔ ان کے شاگرد عنبسہ کہتے ہیں: جب سے میں نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث سنی ہے، یہ نوافل کبھی نہیں چھوڑے۔ ان کے شاگرد عمرو بن اوس نے بھی یہ نوافل ہمیشہ پابندی سے پڑھے۔ اسی طرح ان کے شاگرد نعمان بن سالم نے بھی یہی عمل کیا۔ یعنی ان میں سے ہر ایک نے جب اپنے اپنے استاد سے یہ روایت سنی، اس کے بعد زندگی بھر ان نوافل کا التزام کیا۔[2] محدثین کی اصطلاح میں اسے مسلسل روایت کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ جامع ترمذی میں ان بارہ رکعات کی تفصیل اس طرح ہے: چار رکعات ظہر سے پہلے، دو اس کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد اور دو فجر سے پہلے۔[3]

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ہر معاملے میں سنت کا اتباع فرماتی تھیں۔ جب ان کے والد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا

1 الطبقات لابن سعد: 100،99/8، نساء حول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، ص: 82. 2 صحیح مسلم: 728. 3 جامع الترمذي: 415

تو تین دن بعد انھوں نے خوشبو منگوائی، اپنے چہرے اور بازوؤں پر ملی اور فرمایا:

وَاللّٰہِ! مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَرَسُولِهِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا[1]

''اللہ کی قسم! مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں (میں تو صرف رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کر رہی ہوں) میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا، آپ ﷺ نے منبر پر فرمایا تھا: ''کسی عورت کے لیے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتی ہے، حلال نہیں کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے، البتہ شوہر کے مرنے پر چار مہینے دس دن سوگ منائے گی۔''[1]

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد

جب نبی اکرم ﷺ رفیق اعلیٰ سے جا ملے تو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حرم نبوی کے اندر اپنے گھر ہی میں مقیم رہیں اور انھوں نے نہایت پاکیزہ، عابدانہ اور زاہدانہ زندگی بسر کی۔ لوگ ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ انھوں نے ہمیشہ ہر قسم کے فتنوں سے اپنا دامن بچائے رکھا۔

تمام خلفائے راشدین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بڑے قدر شناس تھے۔ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما امہات المومنین کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو ان کی خصوصی خبر گیری فرماتے تھے۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے طویل زندگی پائی۔ انھوں نے اپنے بھائی امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت بھی دیکھا۔ وہ بھائی کے اصرار پر ان سے ملاقات کے لیے دمشق بھی گئیں۔ انھوں نے سیدہ پر زور دیا کہ آپ یہیں دمشق میں میرے ساتھ رہیں لیکن سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ سے دوری گوارا نہ تھی، اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس رہنے کے بجائے پھر مدینہ منورہ واپس آ گئیں۔ انھوں نے ساری زندگی زہد وقناعت سے گزاری۔[2]

وفات حسرت آیات

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں 44ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ وفات سے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر کہا کہ ہم سوکنوں کے مابین کچھ باتیں ہوتی رہی ہیں، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ

1 صحیح مسلم: 1486 2 نساء حول الرسول ﷺ، ص: 83.

کو معاف فرمائے۔ یہ سن کر ام المومنین عائشہ ؓ نے فرط مسرت سے فرمایا:

سررتني سرك الله.

''آپ نے مجھے خوش کر دیا، اللہ تعالیٰ آپ کو بھی خوش رکھے!''

اسی قسم کا پیغام انھوں نے سیدہ ام سلمہ ؓ کی خدمت میں بھی بھیجا تھا۔[1]

سیدہ ام حبیبہ ؓ نے اس مایۂ ناز حالت میں وفات پائی کہ ان کا دل ہر فرد کی طرف سے پاک تھا اور ہر شخص کا دل ان کی طرف سے پاک تھا۔ کینہ یا بغض کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔

روایات کی تعداد

سیدہ ام حبیبہ ؓ سے 65 احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے دو احادیث متفق علیہ ہیں اور دو احادیث میں امام مسلم منفرد ہیں۔ ان سے کبار صحابۂ کرام اور تابعین عظام نے روایت کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔[2]

1 المستدرك للحاكم: 23/4، الطبقات لابن سعد: 100/8. 2 سير أعلام النبلاء: 219/2



مکتوب گرامی بنام قیصر روم ہرقل اعظم

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں رومی حکمران ہرقل کے نام خط بھیجا تھا۔ یہ نامہ مبارک صلح حدیبیہ کے بعد بھیجا گیا جو محرم 7ھ میں ہرقل کو موصول ہوا۔

الروم یا سلطنتِ روم

قدیم رومی سلطنت کا آغاز اٹلی کے دارالحکومت روم سے ہوا تھا۔ بتدریج یہ سلطنت بحیرۂ روم (البحر الابیض یا البحر المتوسط) کے اردگرد یورپ، ایشیا اور افریقہ میں پھیل گئی۔ قسطنطین اعظم (306-337ء) پہلا رومی بادشاہ تھا جس نے عیسائیت قبول کی اور یہ سلطنت روم کا سرکاری مذہب بن گئی۔ 330ء میں قسطنطین اعظم نے روم کے بجائے بیزنطیم کو دارالحکومت بنا لیا اور اسے کانسٹنٹینو پولس (قسطنطنیہ) کا نام دیا جو اب استنبول کہلاتا ہے۔ 395ء میں رومی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ مغربی رومی سلطنت (دارالحکومت روم) 476ء میں ختم ہوگئی مگر قسطنطنیہ مشرقی رومی سلطنت (بازنطینی سلطنت) مزید ایک ہزار برس قائم رہی حتی کہ عثمانی سلطان محمد فاتح نے 857ھ/1453ء میں اسے فتح کر لیا۔ اس رومی یا بازنطینی سلطنت اور اس کے باشندوں کو الروم کہا گیا ہے۔

روم، رومیہ اور روم ثانی

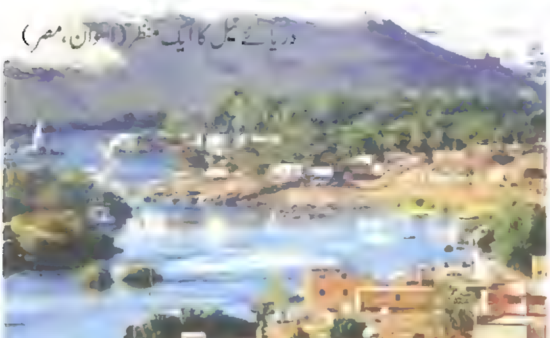
قدیم سلطنت روم کا دارالسلطنت اور موجودہ اٹلی کا دارالحکومت (اطالوی میں Roma اور انگریزی میں Rome)

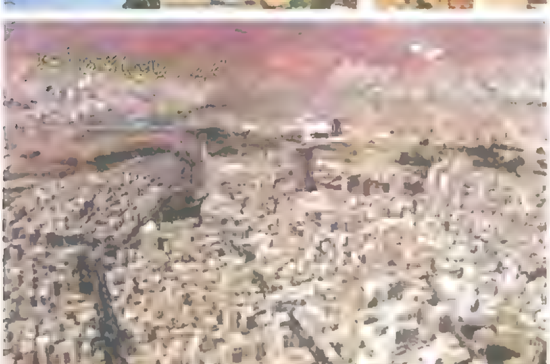


اگریجنٹو (سسلی، اٹلی) میں ہرکولیس ٹیمپل کے آثار









عربی میں رومیہ یا روما کہلاتا ہے۔ 330ء میں قسطنطین اعظم نے بیزنطیم (قسطنطنیہ) کو نیا دارالسلطنت بنایا جسے تاریخ میں روم ثانی یا رومیہ ثانیہ کہا گیا۔ یہ روم ثانی یا قسطنطنیہ قیصر ہرقل کا دارالسلطنت تھا۔ ایرانی دارالسلطنت مدائن کا مغربی دجلہ پار کا حصہ بھی رومیہ کہلاتا تھا۔

شاہِ روم ہرقل

سلطنت روم (بازنطینی سلطنت) کے بادشاہ کا نام ہرقل اور لقب قیصر تھا۔ ہرقل کا زمانہ ایک متواتر جنگی زمانہ تھا۔ ہرقل خود بڑا بہادر اور جری انسان تھا۔ جنگ ہوتی تو سب سے آگے آگے وہی ہوتا تھا۔ اس کے دور میں ایرانیوں نے انطاکیہ، القدس اور مصر پر قبضہ کر لیا تھا لیکن چند سال بعد قیصر نے اپنے لشکر منظم کر کے ایرانیوں کو فرات تک دھکیل دیا، تبریز پر قبضہ کر لیا اور صلیب بھی واپس حاصل کر لی۔ یہی وہ دور تھا جب اسلامی فتوحات کا آغاز ہوا۔

سفیر نبوی: دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ

شاہِ روم کے دربار میں خط لے کر جانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ رومی سلطنت کے بادشاہ کا کیا ردِعمل ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کے لیے خود کسی صحابی کو نامزد کرنے کے بجائے صحابہ کے درمیان یہ اعلان فرمایا جیسا کہ صحیح ابن حبان میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«مَنْ يَنْطَلِقُ بِصَحِيفَتِي هٰذِهِ إِلٰى قَيْصَرَ وَلَهُ الْجَنَّةُ؟»

”کون ہے جو میرا یہ خط لے کر قیصر کے پاس جائے، اس کے لیے جنت ہے؟“

ایک صحابی نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر مجھے قتل نہ کیا جائے، پھر بھی میرے لیے جنت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «وَإِنْ لَّمْ تُقْتَلْ» ”ہاں، چاہے تمھیں قتل نہ بھی کیا جائے۔“[1]

اس خطرناک مہم کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنے والے یہ عظیم صحابی سیدنا دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ تھے۔ آغاز اسلام ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بدر کے سوا تمام غزوات میں شریک رہے۔ نہایت خوبصورت تھے۔ ان کی خوبصورتی کی جابجا مثال دی جاتی تھی۔ جبرائیل علیہ السلام بسا اوقات انھی کی شکل وصورت میں وحی لے کر آتے تھے۔ دحیہ رضی اللہ عنہ اس وقت کے شام کے تمام شہروں سے واقف تھے۔ معرکۂ یرموک میں بھی شامل ہوئے تھے۔ انھوں نے چاروں خلفائے راشدین کا زمانہ پایا ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ملک شام میں تقریباً 45ھ میں فوت ہوئے۔[2]

قیصرِ روم کو خط کی ترسیل

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیصر روم کو ایک خط لکھا جس میں آپ ﷺ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ یہ خط آپ ﷺ نے سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ کیا۔ آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ تم یہ خط بصریٰ کے حاکم کو دینا، وہ یہ خط آگے ہرقل تک پہنچا دے گا۔



بصریٰ (شام) کا فضائی منظر



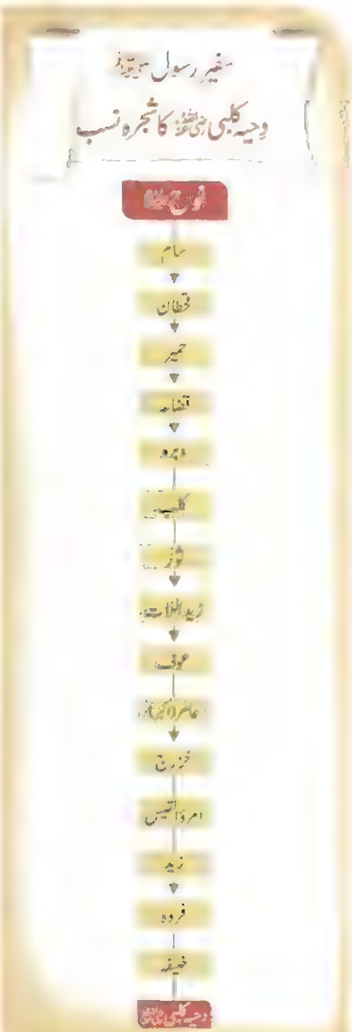
حمص کا قدیم شہر

ان دنوں قیصر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے حمص سے ایلیاء (بیت المقدس) جا رہا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایرانیوں کے لشکر پر فتح دی تھی۔[3]

1 صحیح ابن حبان: 357/10. 2 أسد الغابة: 137/2، الإصابة: 322,321/2، الأعلام للزركلي: 337/2. 3 صحيح البخاري: 2940، صحيح مسلم: 1773(4608).


قسطنطنیہ کے قدیم قلعے کا گولڈن گیٹ

طبقات ابن سعد میں ہے کہ قیصر نے نذر مانی تھی کہ اگر روم ایران پر غالب آگیا تو میں قسطنطنیہ سے ایلیاء تک پیدل چل کر جاؤں گا۔[1] یہ وہ دن تھے جب روم اپنے عروج پر تھا اور ہرقل دنیا کا نہایت طاقتور شخص تھا۔ ایرانیوں نے اپنی شکست کے بعد تمام مقبوضہ علاقے رومیوں کو واپس کر دیے تھے۔ رومیوں نے ان سے وہ صلیب بھی واپس چھین لی تھی جس کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اس پر سولی دی گئی تھی۔ بس انھی باتوں کے شکرانے کے طور پر قیصر حمص سے بیت المقدس جا رہا تھا۔ اُس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ صلیب کو اس کے اصلی مقام پر رکھ دے۔[2]



سفیر رسول ﷺ
دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب

ہرقل کی پریشانی

سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ زبان نبوت سے جنت کی بشارت سننے کے بعد خط لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ وہ حاکم بُصریٰ کے پاس پہنچے تو اس نے ان کے ساتھ عدی بن حاتم کو روانہ کر دیا تاکہ وہ انھیں قیصر تک پہنچا دیں۔[3] قیصر بیت المقدس کی طرف رواں دواں تھا۔ ابن ناطور ایلیاء (بیت المقدس) کا حاکم، ہرقل کا مصاحب اور شام کے نصاریٰ کا لاٹ پادری تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ہرقل جب ایلیاء پہنچا تو ایک دن وہ صبح کو بڑا پریشان حال اٹھا۔ اس کے پادریوں نے دریافت کیا کہ آج ہم آپ کی صورت بدلی ہوئی پاتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ ابن ناطور کا بیان ہے کہ ہرقل علم نجوم میں مہارت رکھتا تھا۔ اس نے ہم نشینوں کے پوچھنے پر بتایا کہ آج رات میں نے ستاروں پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ختنہ کرانے والوں کا بادشاہ نمودار ہوگیا ہے۔ اس زمانے میں کون لوگ ختنہ کراتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ یہود

1 الطبقات لابن سعد: 259/1. 2 البداية والنهاية: 262/4. 3 السيرة الحلبية: 284/3.

کے سوا کوئی ختنہ نہیں کراتا۔ آپ ان کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ اپنی سلطنت کے تمام شہروں میں یہ حکم لکھ بھیجیے کہ وہاں جتنے یہودی ہوں، سب قتل کر دیے جائیں۔

ابھی وہ لوگ انھی باتوں میں مشغول تھے کہ ہرقل کے پاس ایک شخص لایا گیا جسے شاہ غسان نے بھیجا تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ کے حالات بیان کیے۔ جب ہرقل نے سارے حالات سن لیے تو اس نے کہا: جا کر دیکھو آیا اس نے ختنہ کرایا ہوا ہے یا نہیں؟ انھوں نے اسے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ختنہ شدہ ہے۔ ہرقل نے جب اس شخص سے عربوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتلایا کہ عرب ختنہ کراتے ہیں، تب ہرقل نے کہا: یہی محمد (ﷺ) اس امت کے بادشاہ ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں۔[1]

ابن اسحاق کی روایت میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ ایک دن صبح جب قیصر بیدار ہوا تو پریشان دکھائی دے رہا تھا اور بار بار آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے پادریوں نے پوچھا: بادشاہ سلامت! آج آپ کچھ پریشان نظر آرہے ہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ پادریوں نے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا: میں نے آج رات خواب میں دیکھا ہے کہ ختنے والا بادشاہ ظاہر ہو چکا ہے۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے علم کے مطابق صرف یہودی ہی ختنہ کراتے ہیں اور وہ آپ کے ماتحت اور آپ ہی کی سلطنت میں ہیں۔ اگر آپ کو ان یہودیوں سے کوئی خدشہ ہے تو آپ اپنی مملکت کے تمام یہودیوں کے سر قلم کرادیں۔ اس طرح آپ کی پریشانی جاتی رہے گی۔

ابھی وہ انھی باتوں میں مشغول تھے کہ بُصریٰ کے حاکم کا قاصد ایک عربی آدمی کو لے کر وہاں آپہنچا۔ قاصد نے ہرقل سے کہا: بادشاہ سلامت! یہ شخص عرب سے آیا ہے جو اونٹوں اور بکریوں والے لوگ ہیں۔ یہ آپ کو اپنے شہر میں ہونے والے نئے حالات وحوادث کے بارے میں بتائے گا۔ آپ ذرا اس سے پوچھیے۔ بادشاہ نے اپنے ترجمان سے کہا: اس سے پوچھو وہ کیا خبر ہے جو اس کے شہر میں پھیلی ہوئی ہے؟ عربی نے جواب دیا: وہ عرب کا ایک قریشی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہے۔ کچھ لوگوں نے اس کی بات مان لی ہے اور اس کی پیروی کر رہے ہیں جبکہ بہت سے لوگ مخالفت کر رہے ہیں۔ ان کے درمیان کئی جنگیں بھی ہوئی ہیں۔ جس وقت میں اپنے ملک سے چلا تو وہاں یہی صورت حال جاری تھی۔

جب اس نے یہ خبر بتائی تو ہرقل نے کہا کہ اس کے کپڑے اتار کر دیکھو۔ چنانچہ اس کے درباریوں نے دیکھا تو وہ ختنہ شدہ نکلا۔ ہرقل نے کہا: اللہ کی قسم! یہی وہ چیز ہے جو میں نے خواب میں دیکھی ہے۔ جو تم کہہ رہے ہو، وہ بات نہیں ہے۔ اسے اس کے کپڑے دے دو اور چھوڑ دو۔ اس کے بعد ہرقل نے اس عربی سے کہا: جاؤ، تم جا کر اپنا کام کرو۔[2]

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ پھر ہرقل نے رومیہ میں اپنے ایک دوست کو اس بارے میں خط لکھا۔ وہ علم نجوم

1 صحيح البخاري: 7. 2 دلائل النبوة للبيهقي: 382/4.

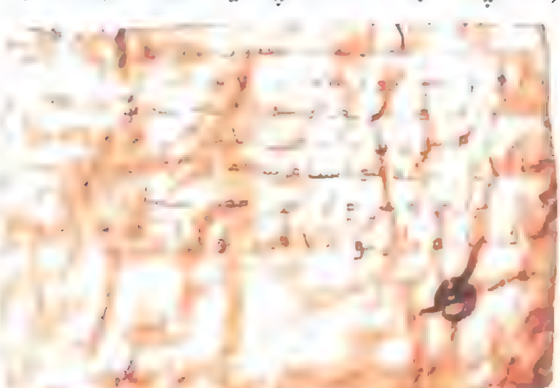
میں ہرقل کا ہم پلہ تھا۔ ہرقل خود حمص چلا گیا۔ ابھی وہ حمص ہی میں تھا کہ اس کے دوست کا جوابی خط آ گیا۔ اس کی رائے بھی رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے بارے میں ہرقل کی رائے کے مطابق تھی کہ محمد ﷺ پیغمبر ہیں۔ اس کے بعد ہرقل نے روم کے بڑے بڑے آدمیوں کو حمص کے محل میں طلب کیا۔ بعدازاں اس کے حکم سے محل کے دروازے بند کر دیے گئے۔ پھر وہ اپنے خاص محل سے باہر آیا اور کہنے لگا:

''اے رومیو! کیا کچھ ہدایت اور کامیابی تمھارے لیے بھی ہے؟ اگر تم اپنی سلطنت کی بقا چاہتے ہو تو پھر اس نبی کی بیعت کر لو۔''

یہ سننا تھا کہ وہ سب لوگ وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف دوڑے مگر انھیں بند پایا۔ آخر جب ہرقل نے اس بات سے ان کی یہ نفرت دیکھی اور وہ ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا تو کہنے لگا کہ ان لوگوں کو دوبارہ میرے پاس لاؤ۔ جب وہ دوبارہ آئے تو اس نے کہا: میں نے تم لوگوں سے جو بات کہی تھی، اس سے تمھاری دینی پختگی کی آزمائش مقصود تھی۔ وہ میں نے دیکھ لی ہے۔ یہ بات سن کر سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور اس سے خوش ہو گئے۔[1]

دحیہ رضی اللہ عنہ کا نامۂ مبارک ہرقل کو پہنچانا

سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ جب شاہ روم ہرقل کے پاس پہنچے تو اس وقت وہ بیت المقدس آ رہا تھا۔ اس کے راستے پر ایک خوبصورت بچھونا (قالین) بچھایا گیا تھا۔ اس بچھونے پر کسی اور کو چلنے کی اجازت نہیں تھی۔ سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے نامۂ مبارک ایک ایسی جگہ رکھ دیا جہاں سے قیصر کو گزرنا تھا اور وہ خود ایک طرف ہو گئے۔ جب قیصر وہاں سے گزرا تو اس کی نظر خط پر پڑی۔ اس نے اسے اٹھا لیا اور سردار بشپ کو طلب کر کے وہ خط پڑھوایا تو اس نے ہرقل سے کہا کہ مجھے بھی اس خط کے بارے میں اتنا ہی معلوم ہے جتنا کہ آپ کو ہے۔ ہرقل نے بہ آواز بلند اعلان کیا کہ جس نے بھی یہ خط یہاں ڈالا ہے، اسے امان دی جاتی ہے، وہ سامنے آ جائے۔ یہ سن کر دحیہ رضی اللہ عنہ سامنے آ گئے تو اس نے کہا: جب دربار لگے تم اس وقت آ جانا۔[2]


قیصر روم ہرقل کے نام مکتوب نبوی

[1] صحیح البخاري: 7. [2] صحیح ابن حبان: 358/10.

قیصرِ روم کے نام خط کا متن

ہرقل کو بھیجے گئے خط کی عبارت درج ذیل تھی:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ: سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ وَ ﴿ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾

"شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، محمد رسول اللہ کی طرف سے شاہِ روم ہرقل کی طرف! جو سیدھے راستے پر چلے اس پر سلام ہو، اما بعد! میں تمھیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں، مسلمان ہو جاؤ، تم سلامت رہو گے۔ اسلام قبول کرو، اللہ تعالیٰ تمھیں دہرا ثواب دے گا۔ اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو غریب رعایا کا گناہ بھی تمھی پر ہوگا۔ اور اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب بنائیں۔ پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔"[1]

سفیرِ نبوی اور ہرقل کا مکالمہ

جب دربار لگا تو سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ شاہِ روم سے ملاقات کے لیے گئے۔ اس نے ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا اور ان کی بات بڑے غور سے سنی۔ دونوں کے مابین جو گفتگو ہوئی، سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تفصیل بتائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے قیصر سے کہا: "اے قیصر! مجھے تمھارے پاس اس شخصیت نے بھیجا ہے جو تم سے بہتر ہے اور جس ذات نے انھیں مبعوث فرمایا ہے، وہ ان سے اور تم سے بہتر ہے۔ میری بات عاجزی سے سننا اور پھر خیرخواہانہ طریقے سے جواب دینا۔ اگر تم نے میری بات انکسار سے نہ سنی تو تم بات سمجھ نہیں پاؤ گے اور اگر تم خیرخواہی کا جذبہ بروئے کار نہیں لائے تو انصاف کرنے سے قاصر رہو گے۔"

قیصر: ٹھیک ہے، آپ اپنا پیغام سنائیے۔

1 صحيح البخاري: 4553، صحيح مسلم: 1773

دحیہ رضی اللہ عنہ: کیا آپ کو معلوم ہے کہ مسیح علیہ السلام نماز پڑھتے تھے؟

قیصر: جی ہاں، مجھے معلوم ہے۔

دحیہ رضی اللہ عنہ: تو پھر میں آپ کو اس ذات کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کے لیے مسیح علیہ السلام نماز پڑھتے تھے۔ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت دیتا ہوں جس نے زمین و آسمان پیدا کرنے کی تدبیر کی جبکہ مسیح علیہ السلام ابھی اپنی ماں کے پیٹ ہی میں تھے۔ میں تمھیں اسی نبی کی دعوت پیش کرتا ہوں جن کی بشارت جناب موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ اس کے بارے میں خود آپ کے پاس اس قدر معلومات ہیں کہ آپ اس نبی کو نہ بھی دیکھیں تب بھی آپ کی معلومات کفایت کر جائیں گی اور آپ کو صرف خبر ہی پر یقین آجائے گا۔ اگر آپ نے یہ دعوت قبول کر لی تو آپ کو دنیا ملتی رہے گی اور آپ کی آخرت بھی سنور جائے گی۔ اگر آپ نے یہ دعوت قبول نہیں کی تو آخرت تو خراب ہوگی ہی، ساتھ ہی دنیا بھی چلی جائے گی۔ یاد رکھیے! آپ کا ایک رب ہے جو بڑے بڑے جابروں کو ہلاک کر دیتا ہے اور نعمتوں کو چھین لیتا ہے۔

قیصر نے یہ باتیں سننے کے بعد رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا، پھر کہا: ''اللہ کی قسم! میں نے ساری کتابیں پڑھ رکھی ہیں اور اپنے تمام علماء سے پوچھ لیا ہے۔ بس میں نے خیر ہی دیکھی ہے۔ اب تم مجھے اتنی مہلت دو کہ میں یہ دیکھوں کہ مسیح علیہ السلام کس ذات کے لیے نماز پڑھتے تھے۔ اس لیے کہ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ آج تمھیں ایک جواب دوں اور کل اس سے اچھا جواب مل جائے تو مجھے اپنے جواب سے رجوع کرنا پڑے جس سے مجھے نقصان پہنچے اور کوئی فائدہ نہ ہو۔ جب تک میں پوری طرح غور وفکر نہ کر لوں، تم یہیں رہو۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ جب سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ ہرقل کے دربار میں داخل ہوئے تو اس نے محل کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا، پھر اس نے اعلان کرایا: ''سن لو! قیصر نے محمد ﷺ کی اتباع قبول کر لی ہے اور عیسائیت چھوڑ دی ہے۔'' یہ سن کر اس کے مسلح سپاہی آگے بڑھے اور انھوں نے اس کے محل کو گھیرے میں لے لیا۔ پھر ہرقل نے نبی ﷺ کے قاصد کو مخاطب کر کے کہا: تم دیکھ رہے ہو کہ مجھے اپنی حکومت چھن جانے کا خطرہ ہے، پھر اس نے یہ اعلان کرایا: ''سن لو! قیصر تم سے راضی ہے۔ اس نے محض تمھیں آزمایا تھا کہ تم اپنے دین پر کتنے پکے ہو۔ اب تم لوٹ جاؤ۔'' چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کو جوابی خط لکھا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ اس نے آپ کی طرف کچھ دینار بھی تحفے کے طور پر بھیجے۔ قیصر کا جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 الروض الأنف. 4/389، 390.

«كَذَبَ عَدُوُّ اللّٰهِ، لَيْسَ بِمُسْلِمٍ وَهُوَ عَلَى النَّصْرَانِيَّةِ»

"اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے۔ وہ مسلمان نہیں ہوا۔ وہ ابھی تک عیسائیت ہی پر قائم ہے۔"

بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے قیصر کے بھیجے ہوئے دینار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیے۔[1]

ابوسفیان اور ہرقل کے مابین سوال و جواب

بہرحال ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک وصول کر لینے کے بعد آپ کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہیں۔ اس نے پولیس افسر کو طلب کیا اور حکم دیا کہ پورے شام کو چھان مارو اور جو شخص بھی اس شخص (محمد ﷺ) کی قوم کا ملے، اسے میرے پاس حاضر کرو، چنانچہ انھوں نے تلاش کیا۔ انھیں غزہ کے علاقے میں عرب کے ایک تجارتی قافلے کے لوگ مل گئے۔ ان میں ابوسفیان بھی تھا۔ ان سب کو بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔[2]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہرقل کی روداد مجھے ابوسفیان نے خود سنائی۔ اس نے بتایا کہ ہرقل نے ان کے پاس ایک آدمی بھیجا، اس وقت یہ لوگ تجارت کی غرض سے شام گئے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ نے کفارِ قریش اور ان کے سردار ابوسفیان سے صلح حدیبیہ کا معاہدہ کیا ہوا تھا۔ ہرقل کے بلاوے پر ابوسفیان اور دوسرے لوگ ہرقل کے پاس ایلیا، (بیت المقدس) پہنچے۔ ہرقل نے انھیں اپنے دربار میں طلب کیا۔ اس وقت اس کے آس پاس سلطنت روم کے بڑے بڑے زعماء بیٹھے ہوئے تھے۔ ہرقل نے قافلۂ قریش کے لوگوں اور اپنے ترجمان کو بلوایا۔ پھر اہل قافلہ سے پوچھا کہ تم میں سے وہ شخص کون ہے جو مدعی رسالت کا قریبی عزیز ہے؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بول اٹھا کہ میں ہی اس کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں۔ یہ سن کر ہرقل نے حکم دیا کہ ابوسفیان کو میرے قریب لاؤ اور اس کے ساتھیوں کو اس کی پشت کے پیچھے بٹھا دو، پھر اپنے ترجمان سے کہا: ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں ابوسفیان سے اس شخص (محمد ﷺ) کا حال پوچھنا چاہتا ہوں۔ اگر

1 صحيح ابن حبان: 358/10. 2 دلائل النبوة للبيهقي: 382/4.



یہ آدمی مجھ سے جھوٹ بولے تو تم اس کا جھوٹ ظاہر کر دینا۔ ابوسفیان کا بیان ہے: اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے تو میں محمد (ﷺ) کے بارے میں ضرور جھوٹی باتیں کرتا۔ ہرقل نے سب سے پہلے یہ پوچھا: تم لوگوں میں اس (محمد ﷺ) کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان: وہ تو بڑا عالی نسب ہے۔

ہرقل: اس سے پہلے بھی تم لوگوں میں کسی نے یہ (دین اسلام کی) بات کہی تھی؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: اس کے بڑوں میں کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے؟

ابوسفیان: نہیں، ایسا نہیں ہوا۔

ہرقل: بڑے لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی ہے یا کمزور لوگوں نے؟

ابوسفیان: بڑے لوگوں نے نہیں، کمزور لوگوں نے اس کی اتباع کی ہے۔

ہرقل: یہ بتاؤ کہ اس کے پیروکار روز بروز بڑھ رہے ہیں یا کم ہوتے جا رہے ہیں؟

ابوسفیان: اس کے پیروکار بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔

ہرقل: کیا اس کے دین کو برا سمجھ کر کوئی اس سے پھر بھی جاتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: یہ بتاؤ کہ اس کے دعوائے نبوت سے پہلے تم لوگ اس پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟

ابوسفیان: نہیں، اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

ہرقل: کیا وہ بدعہدی کرتا ہے؟

تدمر (شام) کا رومی تھیٹر



ابوسفیان: نہیں، البتہ اب ہماری اس سے صلح کی ایک مدت ٹھہری ہوئی ہے، معلوم نہیں وہ کیا کرتا ہے۔ ابوسفیان کا بیان ہے کہ بس اس بات کے سوا میں اپنی گفتگو میں کوئی اور (جھوٹی) بات شامل نہ کر سکا۔ (ابوسفیان کا جھوٹ اس طرح تھا کہ اسے بخوبی معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ معاہدے کو ہر صورت میں پورا کرتے ہیں اور عہد شکنی بالکل نہیں کرتے۔ اس کے باوجود اس نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے کہا: ''مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا کرتا ہے۔'')

ہرقل: کیا تمھاری کبھی اس سے لڑائی بھی ہوئی ہے؟

ابوسفیان: ہاں! لڑائی ہوئی ہے۔

ہرقل: تمھاری اس سے جنگ کیسی رہی؟

ابوسفیان: لڑائی ڈول کی طرح ہوتی ہے۔ کبھی وہ میدان مار لیتے ہیں اور کبھی ہم۔

ہرقل: وہ تمھیں کس بات کا حکم دیتا ہے؟

ابوسفیان: وہ کہتا ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، اپنے باپ دادا کی (شرکیہ) باتیں چھوڑ دو۔ وہ ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔

ابوسفیان کے جوابات پر ہرقل کا تبصرہ

اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ابوسفیان سے کہہ دے میں نے تم سے اس کا نسب پوچھا۔ تم نے کہا کہ وہ ہم میں عالی نسب ہے۔ ہاں صحیح بات یہی ہے کہ پیغمبر اپنی قوم میں عالی نسب ہی بھیجے جاتے ہیں۔

میں نے تم سے پوچھا کہ اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی اور نے دعوائے نبوت کیا تھا یا نہیں؟ تم نے جواب دیا کہ نہیں۔ تب میں نے سوچا کہ اگر یہ بات اس سے پہلے کسی اور نے بھی کہی ہوتی تو میں یہ سمجھتا کہ اس شخص نے بھی اُسی بات کی تقلید کی ہے جو پہلے کہی جا چکی ہے۔

میں نے تم سے پوچھا: اس کے بڑوں میں کوئی بادشاہ ہوگزرا ہے؟ تم نے کہا نہیں۔ میں نے سوچ لیا کہ اگر اس کے بزرگوں میں سے کوئی بادشاہ ہوگزرا ہوگا تو میں کہہ دوں گا کہ وہ شخص اس بہانے سے اپنے آباء و اجداد کی بادشاہت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

میں نے تم سے پوچھا: کیا دعوائے نبوت سے پہلے تم نے کبھی اس پر دروغ گوئی کا الزام لگایا ہے؟ تم نے کہا نہیں۔ تو میں سمجھ گیا کہ جو شخص لوگوں کے ساتھ دروغ گوئی سے بچے، وہ اللہ کے بارے میں جھوٹی بات کس طرح کہہ سکتا ہے۔

پھر میں نے تم سے پوچھا کہ بڑے لوگ اس کی پیروی کر رہے ہیں یا کمزور لوگ تو تم نے کہا کہ کمزور لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے۔ دراصل ایسے ہی لوگ پیغمبروں کے پیروکار ہوتے ہیں۔

میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے ساتھی بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں۔ تم نے کہا کہ وہ بڑھ رہے ہیں، واقعی ایمان کی یہی کیفیت ہوتی ہے حتی کہ وہ کامل ہو جاتا ہے۔

پھر میں نے تم سے پوچھا کہ کوئی شخص اس کے دین سے ناخوش ہو کر پھر بھی جاتا ہے، تم نے کہا نہیں۔ ایمان کی خاصیت یہی ہے۔ جن دلوں میں ایمان کی مسرت سما جائے، ان دلوں سے ایمان نہیں نکلتا۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے۔ تم نے کہا نہیں۔ واقعی پیغمبروں کا یہی حال ہوتا ہے۔ وہ عہد کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

اس کے بعد میں نے تم سے پوچھا کہ وہ کس بات کا حکم دیتا ہے۔ تم نے کہا کہ وہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، وہ ہمیں بتوں کی پوجا سے روکتا ہے۔ نماز پڑھنے، سچ بولنے اور پاکدامنی کا حکم دیتا ہے۔ لہٰذا اگر یہ باتیں جو تم کہہ رہے ہو، سچ ہیں تو عنقریب وہ اس جگہ کا بھی مالک بن جائے گا جہاں میرے یہ دونوں قدم ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ پیغمبر آنے والا ہے۔ مگر مجھے یہ گمان بھی نہ گزرا تھا کہ وہ تم لوگوں میں سے ہوگا۔ اگر میں جانتا کہ اس تک پہنچ سکوں گا تو اس سے ملنے کے لیے ہر تکلیف گوارا کر لیتا۔ اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔

پھر ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا وہ مکتوب گرامی منگوایا جو آپ ﷺ نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے حاکم بُصریٰ کے پاس بھیجا تھا اور اس نے وہ ہرقل کے پاس بھجوا دیا تھا۔ ہرقل نے نبی ﷺ کا خط پڑھا۔ اس مکتوب مبارک کا متن گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ جب ہرقل نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو وہ کہنا چاہتا تھا اور خط پڑھ کر فارغ ہوا تو اس کے اردگرد شور مچ گیا اور بہت سی آوازیں آنے لگیں۔ اس وقت ہمیں فوراً باہر نکال دیا گیا۔ تب میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابوکبشہ (محمد ﷺ) کا معاملہ تو بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ اس سے بنو اصفر (رومیوں) کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے۔ مجھے اسی وقت یقین ہو گیا کہ نبی ﷺ عنقریب غالب آ کر رہیں گے حتی کہ اللہ نے مجھے مسلمان کر دیا۔[1]

اریسیین کون لوگ تھے؟

آخر میں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہرقل کی طرف جو خط روانہ کیا، اس میں "اریسیین"

[1] صحیح بخاری / 7

کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ علمائے حدیث اور اہل لغت اس امر پر اختلاف کرتے ہیں کہ اس لفظ سے کون سی قوم مراد ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ ''اریسیین'' لفظ ''اریس'' کی جمع ہے اور اس کا مطلب غلام یا کاشت کار ہے۔

علامہ ابوالحسن کے مطابق ''اریسیین'' سے مراد آریوس (Arius) کے پیروکار ہیں جو مصری تھا۔ اس نے ایک مسیحی فرقے کی بنیاد رکھی۔ اس کا مسیحی عقائد کی تاریخ اور دینی اصلاح میں بڑا اہم کردار ہے۔ اس کا بازنطینی حکومت اور مسیحی گرجا پر مدتوں بڑا اثر و رسوخ رہا۔ آریوس وہی شخص ہے جس نے توحید، خالق اور مخلوق میں امتیاز اور باپ بیٹے میں تمیز کی صدا بلند کی اور تادیر جاری رکھی۔

آریوس کا عقیدہ اور دعوت حضرت مسیح کو خدا اور ایک خدا کے مساوی قرار دینے کے عقائد سے عرصۂ دراز تک ٹکراتے رہے۔ باہم لڑائی برابر جاری رہی۔ بازنطینی حکومت کے مشرقی علاقوں میں بہت سے عیسائی اس عقیدے کو اپنا چکے تھے، تاآنکہ تھیوڈوسیس اول (395-379ء) نے قسطنطنیہ میں ایک مسیحی کانفرنس کا انعقاد کیا۔ اس میں حضرت مسیح کے خدا ہونے اور خدا کا بیٹا ہونے کے عقیدے کا فیصلہ کیا۔ اس مشرکانہ اعلان نے ''آریوس'' کے پھیلائے ہوئے عقیدے کو پس پشت ڈال دیا اور اس طرح وہ پردہ اخفاء میں روپوش ہوگیا۔ لیکن اس کے بعد یہ عقیدہ مکمل طور پر ختم نہیں ہوا بلکہ عیسائیوں کا ایک گروہ اس پر بدستور کاربند رہا جو آہستہ آہستہ ''اریسیہ'' یا ''اریسیین'' کے نام سے مشہور ہوگیا، لہٰذا راجح یہی ہے کہ آپ ﷺ کے نامۂ مبارک میں یہی لوگ مراد تھے۔ یہی گروہ عالمی بازنطینی حکومت میں توحید پرست تھا اور اس گروہ کا سردار خود ہرقل تھا۔[1]

بظاہر متضاد احادیث میں تطبیق

یہاں یہ بیان کر دینا بھی بے جا نہ ہوگا کہ قیصر و کسریٰ کے متعلق دو روایتیں ایسی ہیں جو بظاہر آپس میں متضاد نظر آتی ہیں جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ ایک روایت تو صحیح بخاری میں ہے، سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ، وَإِذَا هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتُنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ.

[1] علامہ سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی اریسیون کے متعلق یہی رائے ڈاکٹر معروف دوالیبی نے بھی اختیار کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے فرمان عالی میں آریوس کے پیروکار مسیحی فرقے ہی کی طرف حکم فرمایا ہے۔ وہ دنیائے عیسائیت کا واحد رہنما تھا جو بشریت مسیح کا قائل اور الوہیت مسیح کا منکر تھا۔ یہ بحث ''نظرات اسلامیہ''، ص:83-86 میں بھی قابل مطالعہ ہے۔ ملاحظہ کیجیے: السیرة النبویة للندوي، ص 304-308.

”جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا اور جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ان دونوں کے خزانے اللہ کے راستے میں ضرور خرچ کیے جائیں گے۔“ [1]

دوسری روایت دلائل النبوہ وغیرہ میں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ کا نامہ مبارک کسریٰ کو دیا گیا تو اس نے اسے پھاڑ دیا۔ نبی ﷺ نے اسی وقت فرمایا:

«يمزق ملكه»

”اس کے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔“

کسریٰ کے برعکس قیصر نے نبی ﷺ کے خط کا احترام کیا اور اسے خوشبو میں بسا کر رکھا۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

”اس کا ملک قائم رہے گا۔“

یہ دونوں احادیث جمع کرنے کے لیے امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک علیحدہ باب باندھا ہے۔ اس میں انھوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ قریش تجارت کی غرض سے اکثر شام جایا کرتے تھے۔ بڑی حد تک ان کی معیشت کا دارومدار شامی تجارت پر تھا۔ اسی طرح وہ عراق بھی جایا کرتے تھے، چنانچہ جب قریش نے اسلام قبول کر لیا تو انھوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں اپنے شام اور عراق سے تجارتی روابط منقطع ہونے کا خدشہ ظاہر کیا کیونکہ شام اور عراق کے بادشاہ مسلمانوں کے مخالف تھے۔ اس وقت نبی ﷺ نے فرمایا:

«إذا هلك كسرى فلا كسرى بعده»

”جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں آئے گا۔“

چنانچہ کسریٰ (خسرو پرویز) کی ہلاکت کے بعد سرزمین عراق (اور ایران) میں کسی کسریٰ کی پائیدار حکومت قائم نہیں ہو سکی، حتی کہ آخری کسریٰ یزدگرد شاہ کی 31ھ/651ء میں ہلاکت پر ساسانی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ نبی ﷺ نے مزید فرمایا:

«إذا هلك قيصر فلا قيصر بعده»

1 صحیح البخاري: 6629.

”جب یہ قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں آئے گا۔“

چنانچہ اس قیصر کی موت کے بعد شام سے رومیوں کی حکومت ختم ہوگئی۔ اس طرح آپ ﷺ کا یہ فرمان بالکل سچ ثابت ہوا اور اللہ تعالیٰ نے عراق اور فارس (ایران) سے کسریٰ کی حکومت ختم کر دی اور شام بھی مکمل طور پر رومیوں کی دسترس سے باہر ہوگیا۔ اور جو قیصر کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

يثبت ملكه

”اس کا ملک قائم رہے گا۔“

تو ایسا ہی ہوا، چنانچہ رومیوں کی سلطنت بلادِ روم میں اب بھی قائم ہے،[1] البتہ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق شام ان کی سلطنت سے باہر ہوگیا ہے۔ لہٰذا ان دونوں احادیث کے درمیان جمع و تطبیق ہوگئی۔ واللہ اعلم.[2]

1 دلائل النبوہ کے مصنف امام بیہقی (متوفی 458ھ) کے عہد میں بلادِ روم (قسطنطنیہ) میں ابھی بازنطینی رومی سلطنت قائم تھی، تاہم جنگ ملاذ کرد 463ھ/1071ء میں رومی بادشاہ رومانوس دیوجانوس کی شکست و گرفتاری کے بعد سلجوقی ترک بیشتر اناطولیہ (ایشیائے کوچک) پر قابض ہوگئے۔ پھر 857ھ/1453ء میں عثمانی ترک سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں بازنطینی رومی سلطنت کا خاتمہ ہوا جب آخری قیصر قسطنطین دوازدہم لڑتا ہوا مارا گیا۔ 2 دلائل النبوۃ للبیہقي: 394,393/4، البدایۃ والنہایۃ: 271,270/4.

بابل (عراق) کے کھنڈر



مکتوب گرامی بنام کسریٰ شاہ فارس

اہل فارس یعنی ایرانیوں کے بادشاہوں کا لقب کسریٰ تھا جو فارسی نام خُسرَو کا معرب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو کسریٰ تھا، اس کا نام خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیروان تھا۔ یہ خسرو اول (نوشیروان) کا پوتا اور ساسانیوں کا آخری بڑا بادشاہ تھا۔ اسے خسرو ثانی کہا جاتا تھا۔ اس کا دورِ اقتدار 589ء تا 628ء ہے۔ اس نے 39 سال حکومت کی۔[1] رسول اللہ ﷺ نے محرم 7ھ میں اس کے نام مکتوب گرامی بھیجا تھا۔ سیدہ شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی پر سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو خط دے کر کسریٰ کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے اس خط پر مہر بھی ثبت کرائی تھی۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے کسریٰ کے خط کا تذکرہ غزوہ تبوک (9ھ) ذکر کرنے کے بعد کیا ہے۔[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تعدد کا قول ذکر کرتے ہوئے کہا ہے: اہل مغازی نے یہ ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ جب تبوک میں تھے، اس وقت بھی آپ نے قیصر وغیرہ کی طرف خطوط روانہ کیے تھے۔ یہ اس پہلی مرتبہ کے علاوہ ہے جب آپ نے صلح کی مدت میں سات ہجری میں سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ کو خط دے کر قیصر کی طرف بھیجا تھا جیسا کہ روایت میں اس کی صراحت موجود

1 انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 132/2. 2 الاکتفاء: 386/2، عیون الأثر، ص: 425. 3 صحیح البخاري: 4424

کسریٰ (خسرو پرویز) کی شکارگاہ (کرمانشاہ، ایران)



ہے۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ممکن ہے رسول اللہ ﷺ نے شاہان فارس کو ایک سے زائد خطوط روانہ کیے ہوں۔

خط کی عبارت

نبی ﷺ نے جو خط بادشاہِ فارس کسریٰ (خسرو پرویز) کے نام بھیجا تھا، اس کی عبارت یہ ہے:



شاہانِ فارس کے سکے

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلٰى كِسْرٰى عَظِيمِ فَارِسَ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، وَآمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَشَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَدْعُوكَ بِدُعَاءِ اللّٰهِ، فَإِنِّي أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً، لِأُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ، فَأَسْلِمْ تَسْلَمْ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَإِنَّ إِثْمَ الْمَجُوسِ عَلَيْكَ"

''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی جانب سے شاہِ فارس کسریٰ کے نام، سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تمھیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں تاکہ زندوں کو (ان کے انجام بد سے) ڈراؤں اور کافروں پر حق بات ثابت ہو جائے۔ تم اسلام قبول کر لو، سلامتی کے ساتھ رہو گے۔ اگر تم نے انکار کیا تو مجوسیوں کا گناہ بھی تمھارے سر ہوگا۔''[2]

سفیرِ رسول سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ

یہ خط سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ لے کر گئے۔ ان کی کنیت ابوحذافہ ہے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنوسہم سے ان کا تعلق تھا۔ انھوں نے دعوتِ اسلام کے آغاز ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ مہاجرین حبشہ کے دوسرے

[1] فتح الباري: 160/8 و 162 [2] تاريخ الطبري: 296/2، زاد المعاد: 688/3، عيون الأثر، ص: 426,425.

گروہ میں بھی شامل رہے۔ ان کے ساتھ ان کے بھائی سیدنا خنیس اور قیس ؓ بھی تھے۔ خنیس ؓ حفصہ بنت عمر ؓ کے پہلے خاوند تھے۔ سیدنا عمر بن خطاب ؓ کے دور خلافت میں رومیوں نے سیدنا عبداللہ بن حذافہ ؓ کو قید کرلیا، عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کیا اور انھیں شدید تکلیفیں دیں لیکن انھوں نے انکار کردیا۔ آپ بڑے ماہر جنگجو اور شاعر تھے، آواز بھی بہت دلکش تھی۔ یہ سیدنا عثمان ؓ کے دور خلافت میں مصر میں فوت ہوئے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کو خط بھیجنے کے لیے عبداللہ بن حذافہ ؓ کو منتخب فرمایا کیونکہ یہ بار بار فارس کے شہروں کا دورہ کرچکے تھے اور وہاں کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے۔[2]

خط کی ترسیل

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی ؓ کے ہاتھ کسریٰ کو خط بھیجا۔ آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ یہ خط بحرین کے حکمران کو دے دینا۔ سیدنا عبداللہ بن حذافہ ؓ ارشاد نبوی کے مطابق بحرین کے حاکم منذر بن ساویٰ عبدی کے پاس پہنچے اور وہ خط اس کے حوالے کردیا۔ اس نے اپنے قاصد کے ذریعے وہ خط کسریٰ تک پہنچا دیا، یا پھر منذر خود ہی کسریٰ کے پاس نامۂ مبارک لے کر چلا گیا۔[3] یہ بھی ممکن ہے کہ حاکم بحرین نے عبداللہ بن حذافہ ؓ کو کسریٰ کے پاس بھجوا دیا ہو اور انھوں نے خود ہی وہ خط کسریٰ کے حوالے کیا ہو



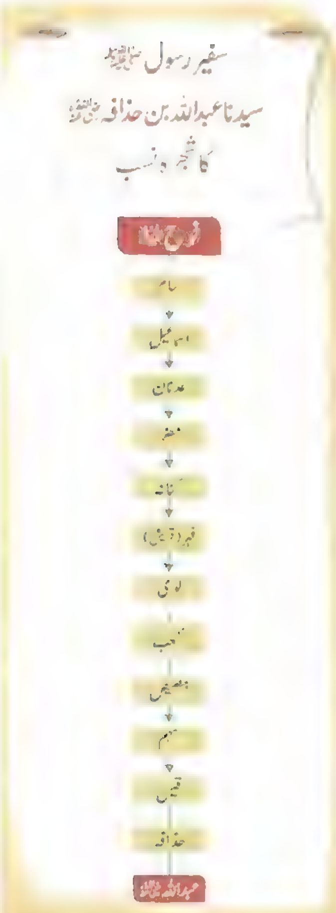
منامہ (بحرین) کا ایک جدید ہوٹل

جیسا کہ ایک روایت میں عبداللہ بن حذافہ ؓ کہتے ہیں کہ میں کسریٰ کے ایوان تک پہنچا اور اس کے دربار میں جانے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر میں کسریٰ کے پاس پہنچا اور رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک اس کے حوالے کیا۔[4]

سفیر اور کسریٰ کی باہمی گفتگو

بعض مؤرخین نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب سیدنا عبداللہ بن حذافہ ؓ کسریٰ کے دربار میں پہنچے تو انھوں نے کسریٰ اور اس کے درباریوں کے روبرو یہ گفتگو کی:

1 أسد الغابة 2/577،578. 2 الروض الأنف 4/108. 3 صحيح البخاري، 4424، فتح الباري 8/159. 4 الاكتفاء 2/386.



''اے فارسیوں کی جماعت! تم نے ایک طویل مدت سے نبی اور رہنما کتاب کے بغیر اپنی زندگی خوابوں میں بسر کر دی ہے۔''

پھر انھوں نے خاص طور پر بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا:

''تو زمین کے اتنے ہی حصے کا مالک ہے جتنے پر تیرا حکم چلتا ہے۔ وہ زمین اس سے کہیں زیادہ ہے جس پر تیرا حکم نہیں چلتا۔ تجھ سے پہلے بہت سے دنیادار اور آخرت کے طلب گار بادشاہ اس زمین کے مالک بنے اور اس پر ان کی حکومت تھی۔ اہل آخرت نے تو آخرت کے ساتھ دنیا کا حصہ بھی حاصل کیا مگر اہل دنیا اپنی آخرت گنوا بیٹھے۔ دنیا طلبی کی کوشش میں تو وہ جدا جدا رہے اور آخرت کے عدل میں وہ برابر رہے (اہل دنیا اور اہل آخرت کے درمیان دنیا کی مقدار کم اور زیادہ ہوتی رہی لیکن آخرت کے معاملے میں وہ برابر ہیں کہ اہلِ دنیا نے دنیا کمائی مگر ان کی آخرت تباہ ہوئی جبکہ اہل آخرت نے اپنی آخرت بھی مکمل طور پر محفوظ کر لی۔) ہمارا اس پیغام کو تم تک پہنچانا تمھارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا، حالانکہ اللہ کی قسم! یہ معاملہ تم تک وہیں سے آیا ہے جہاں سے تمھیں خوف لاحق تھا۔ تمھارا اسے حقیر سمجھنا تمھارے خوف کو زائل نہیں کرے گا، نہ تمھارا اسے جھٹلانا تمھارے لیے خطرے سے نجات کا باعث ہوسکتا ہے۔ واقعۂ ذی قار[1] اس بات کی بڑی واضح دلیل ہے۔''

1 ذی قار بصرہ کے قریب، کوفہ اور واسط کے درمیان ایک مقام ہے۔ یہاں عربوں اور ایرانیوں کے درمیان جنگ لڑی گئی تھی۔ علامہ اصفہانی کہتے ہیں: یہ جنگ غزوۂ بدر کے چند ماہ بعد ہوئی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے عربوں کی فتح کے لیے دعا کی تھی۔ کہتے ہیں کہ حیرہ کے بادشاہ نعمان بن منذر نے کسریٰ کے درباریوں میں سے عدی بن زید کو قتل کر دیا تھا۔ کسریٰ نے نعمان کو گرفتار کرنا چاہا تو اس نے اپنے اہل و عیال اور مال و اسلحہ ہانی بن قبیصہ بن ہانی بن مسعود شیبانی کے پاس بطور امانت رکھا اور خود کو کسریٰ کے حوالے کر دیا۔ کسریٰ نے اسے قید میں ڈالا اور پھر ہلاک کر دیا، نیز ہانی بن قبیصہ سے نعمان کے اہل و عیال اور مال و اسلحہ کا مطالبہ کیا لیکن ہانی نے انکار کر دیا جس کی وجہ سے ان کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ جنگ میں بنو شیبان کو فتح حاصل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کو پتا چلا تو آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''آج کے دن عربوں نے عجمیوں سے بدلہ لے لیا ہے اور میرے ذریعے ان کی مدد کی گئی ہے۔'' [illegible] الأغاني للأصفهاني 72/24، الكامل في التاريخ 166/1، معجم البلدان 293,294/4

سفیر رسول عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی اس عمدہ اور جامع گفتگو کا کسریٰ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کی بدبختی اس پر غالب آ گئی۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک لے کر اسے پھاڑ دیا اور متکبرانہ انداز میں بولا:

''میرے پاس بڑی زبردست حکومت ہے۔ مجھے اس کے چھن جانے کا کوئی خوف نہیں۔ اس میں میرا کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔ فرعون نے بنی اسرائیل پر حکومت کی تھی، تم لوگ بنی اسرائیل سے بہتر نہیں ہو۔ تم پر حکمرانی کرنے میں بھلا میرے لیے کیا رکاوٹ ہوسکتی ہے جبکہ میں فرعون سے بھی بہتر ہوں؟ رہا یہ ملک تو ہمیں معلوم ہے کہ یہ کتوں کے منہ میں جانے والا ہے۔ اور وہ تم ہی ہو۔ تمھارے پیٹ بھر جاتے ہیں، پر آنکھیں پھر بھی بھوکی رہتی ہیں۔ ذی قار کا واقعہ تو واقعۂ شام[1] کا بدلہ ہے۔''[2]

ایک روایت میں ہے کہ کسریٰ پرویز نے نامہ مبارک پڑھا تو اسے پھاڑ دیا اور فخر و غرور کرتے ہوئے بولا کہ میرا غلام ہوکر مجھے ایسی بات لکھتا ہے۔ جبکہ ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے کہا: ''میری رعایا میں سے ایک حقیر غلام اپنا نام میرے نام سے پہلے لکھتا ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی کہ اس کے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔[3]

ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مُزِّقَ وَمُزِّقَتْ أُمَّتُهُ» ''اس کے اور اس کی امت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔''[4]

1 واقعۂ شام سے کسریٰ پرویز کی مراد اس کی فتوحات شام و فلسطین تھیں جب 14-613ء میں اس نے دمشق اور غسانی عرب سلطنت کے علاقے روند ڈالے تھے اور 614ء میں بیت المقدس پر قبضہ کرکے 90 ہزار عیسائی قتل کر ڈالے تھے۔ (اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات، دارالسلام، ص: 158) 2 الاکتفاء: 387/2، الروض الأنف 108،107/4. 3 تاریخ الطبري 296/2. 4 المصنف لابن أبي شیبة 347/7



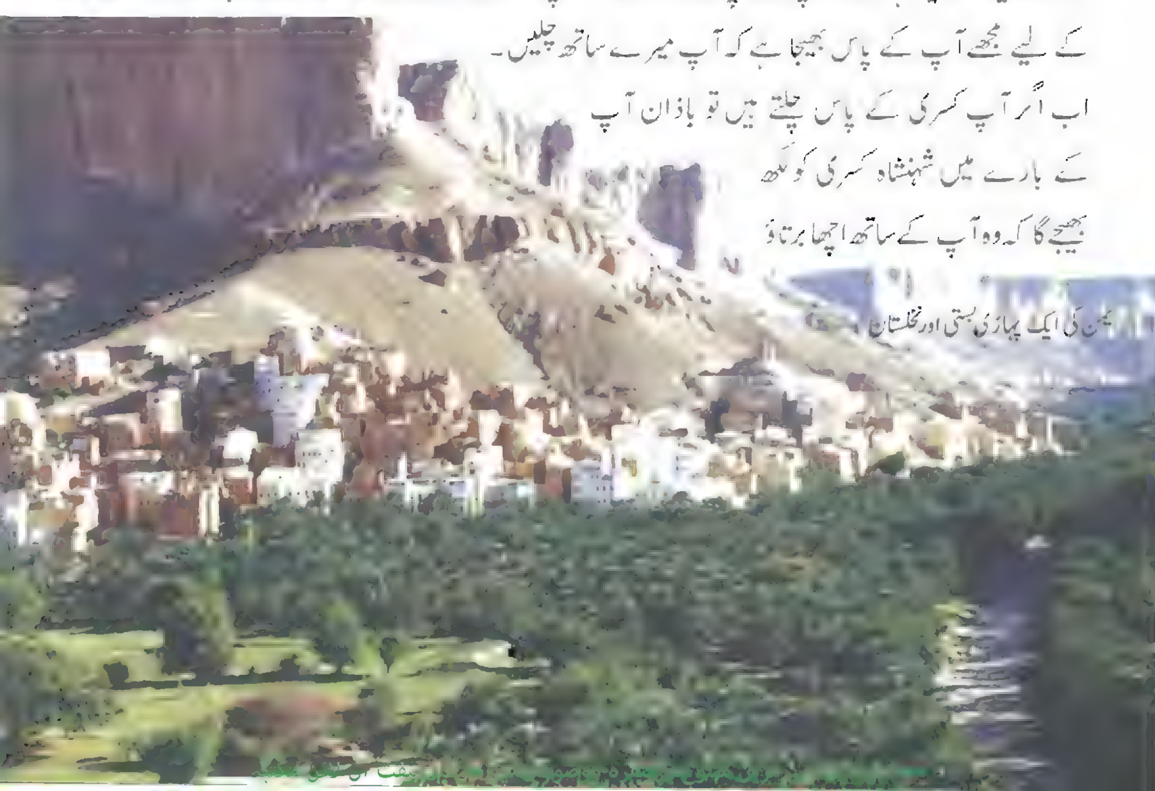
جامعہ ذی قار (عراق)

کسریٰ کی ہلاکت

نامۂ مبارک کو پارہ پارہ کرنے کے بعد کسریٰ نے اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا: یہ شخص جو حجاز میں ہے، اس کے ہاں اپنے دو مضبوط اور طاقتور آدمی بھیجو کہ وہ اسے گرفتار کر کے میرے حوالے کریں۔ باذان نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دو مضبوط آدمی منتخب کیے۔ ان میں سے ایک کا نام بابویہ تھا۔ یہ اس کا سیکرٹری اور اکاؤنٹنٹ تھا۔ دوسرے کا نام خرخرہ تھا۔ یہ ایرانی تھا۔ اس نے انھیں ایک خط دے کر رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ کیا جس میں آپ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ کسریٰ کے پاس حاضر ہو جائیں۔ باذان نے بابویہ سے کہا: اس آدمی کے شہر میں جاؤ، اس سے بات چیت کرو اور واپس آکر مجھے اس کے حالات سے آگاہ کرنا۔

یہ دونوں شخص نکل پڑے اور طائف جا پہنچے۔ وہاں انھیں قریش کے کچھ لوگ مل گئے۔ ان دونوں نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ مدینہ میں ہیں۔ طائف اور قریش کے لوگ ان دونوں کی آمد پر بہت خوش ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: خوش ہو جاؤ! بادشاہوں کے بادشاہ کسریٰ نے ان (محمد ﷺ) سے دشمنی مول لی ہے۔ تم اس آدمی سے بچا لیے گئے ہو۔ یہ دونوں آدمی طائف سے نکل پڑے۔ جب وہ مدینہ پہنچے اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بابویہ نے کہا: ''شہنشاہ کسریٰ نے شاہ باذان کو ایک مکتوب کے ذریعے حکم دیا ہے کہ وہ آپ کے پاس آدمی بھیج کر آپ کو کسریٰ کے روبرو حاضر کرے۔ باذان نے اس کام کے لیے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔

اب اگر آپ کسریٰ کے پاس چلتے ہیں تو باذان آپ کے بارے میں شہنشاہ کسریٰ کو لکھ بھیجے گا کہ وہ آپ کے ساتھ اچھا برتاؤ



یمن کی ایک پہاڑی بستی اور نخلستان

کرے اور اسے اس بات سے روکے گا کہ وہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے اور اگر آپ نے وہاں حاضر ہونے سے انکار کر دیا تو آپ اسے جانتے ہی ہیں، وہ آپ کو اور آپ کی قوم کو ہلاک کر دے گا اور آپ کے شہر کو تباہ کر دے گا۔"

رسول اللہ ﷺ نے بڑی خاموشی سے یہ باتیں سنیں اور ان کی دھمکی کو کوئی اہمیت نہ دی۔ آپ ﷺ نے ان دونوں پر اپنی مبارک نظر ڈالی تو دیکھا کہ انھوں نے داڑھی کو مونڈا ہوا ہے اور بڑی بڑی مونچھیں رکھی ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف دیکھنا پسند نہیں کیا اور ان سے دریافت فرمایا: «وَيْلَكُمَا مَنْ أَمَرَكُمَا بِهٰذَا؟» "تمھاری ہلاکت ہو! تمھیں اس (داڑھی مونڈنے) کا کس نے حکم دیا ہے؟"

انھوں نے کہا: ہمیں ہمارے رب (کسریٰ) نے اس عمل کا حکم دیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لٰكِنَّ رَبِّي قَدْ أَمَرَنِي بِإِعْفَاءِ لِحْيَتِي وَقَصِّ شَارِبِي»

"لیکن میرے رب نے مجھے داڑھی کو معاف کرنے اور مونچھیں کاٹنے کا حکم دیا ہے۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: «ارْجِعَا حَتّٰى تَأْتِيَانِي غَدًا» "فی الحال تم جاؤ کل میرے پاس آ جانا۔"[1]

طبقات ابن سعد میں ہے کہ جب یہ دونوں افراد نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور انھوں نے باذان کا خط آپ ﷺ کے حوالے کیا تو آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور ان دونوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ یہ دونوں نبی ﷺ کے رعب سے گھبرائے ہوئے تھے اور ان کا بدن کانپ رہا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: «ارْجِعَا عَنِّي يَوْمَكُمَا هٰذَا حَتّٰى تَأْتِيَانِي الْغَدَ فَأُخْبِرَكُمَا بِمَا أُرِيدُ» "اس وقت تو تم واپس چلے جاؤ۔ کل میرے پاس آنا، پھر میں تمھیں بتاؤں گا کہ میرا کیا ارادہ ہے۔"

ادھر یمن اسی وقت جبکہ مدینہ میں یہ کارروائی ہو رہی تھی، خود خسرو پرویز کے گھرانے میں اس کے خلاف بغاوت کا شعلہ بھڑک رہا تھا۔ قیصر کی فوج کے ہاتھوں فارسی فوجوں کی پے در پے شکست کے بعد اب کسریٰ کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ یہ منگل کی رات 10 جمادی الاولیٰ 7 ھ کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کا علم وحی کے ذریعے ہوا، چنانچہ اگلے روز جب وہ دونوں افراد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے انھیں یہ خبر سناتے ہوئے فرمایا:

«أَبْلِغَا صَاحِبَكُمَا أَنَّ رَبِّي قَدْ قَتَلَ رَبَّهُ كِسْرٰى فِي هٰذِهِ اللَّيْلَةِ لِسَبْعِ سَاعَاتٍ مَضَتْ مِنْهَا، وَأَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى سَلَّطَ عَلَيْهِ ابْنَهُ شِيرَوَيْهِ فَقَتَلَهُ»

1 تاریخ الطبری 2/297,296، البدایۃ والنہایۃ 4/269,268.

’’اپنے گورنر کو جا کر بتا دو کہ اس رات کے پچھلے پہر میرے رب نے اس کے رب کسریٰ کو قتل کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اس کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر دیا ہے اور اس نے اسے قتل کر دیا ہے۔‘‘[1]

یہ سن کر دونوں کہنے لگے: آپ جانتے ہیں کہ آپ کتنی بڑی بات کہہ رہے ہیں؟ ہم نے تو آپ کی اس سے کہیں معمولی بات بھی قابل اعتراض سمجھی ہے۔ کیا ہم آپ کی طرف سے یہ بات لکھ دیں اور بادشاہ باذان کو بتا دیں!

نبی ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ، أَخْبِرَاهُ بِذَالِكَ وَبِمَا أَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ، أَخْبِرَاهُ أَنَّ دِينِي وَسُلْطَانِي سَيَبْلُغُ مَا بَلَغَ كِسْرٰى، وَيَنْتَهِي إِلٰى مُنْتَهَى الْخُفِّ وَالْحَافِرِ، وَقُولَا لَهُ: إِنْ أَسْلَمْتَ أَعْطَيْتُكَ مَا تَحْتَ يَدِكَ، وَمَلَّكْتُكَ عَلٰى قَوْمِكَ مِنَ الْأَبْنَاءِ»

’’ہاں، تم اسے میری بات کی اطلاع دے دو، بلکہ اس سے بھی بڑی بات کہو کہ میرا دین اور میری سلطنت وہاں پہنچے گی جہاں کسریٰ کی حکومت پہنچی ہے بلکہ اس سے بھی آگے وہاں تک چلی جائے گی جہاں تک گھوڑے اور اونٹ پہنچ سکتے ہیں۔ اس سے کہہ دینا: اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو جو علاقے تمھارے زیر انتظام ہیں، وہ میں تمھی کو دے دوں گا اور تمھیں تمھاری قوم ابناء کا بادشاہ بنا دوں گا۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے خرخرہ کو سونے چاندی سے مزین پٹی دی جو آپ کو کسی بادشاہ نے ہدیے میں پیش کی تھی۔

باذان کا حقیقت پسندانہ جواب

باذان کے بھیجے ہوئے دونوں ایلچی رسول اللہ ﷺ کا پیغام لے کر مدینہ سے صنعاء (یمن) واپس پہنچے اور باذان کو رسول اللہ ﷺ کا جواب پہنچایا۔ باذان نے کہا: ’’اللہ کی قسم! یہ کسی بادشاہ کا کلام نہیں ہے۔ میرے خیال میں وہ یقیناً نبی ہی ہیں جیسا کہ وہ خود کہہ رہے ہیں۔ جو کچھ انھوں نے کہا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔ اگر یہ (کسریٰ کے قتل ہو جانے والی) بات سچ نکلی تو وہ واقعی اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے سچے نبی ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو ہم ان کے بارے میں کوئی رائے اختیار کریں گے۔‘‘

اس موقع پر بابویہ نے باذان سے کہا: ’’مجھے زندگی میں بہت سے لوگوں سے بات چیت کرنے کا موقع ملا ہے لیکن میں نے ان (محمد ﷺ) سے زیادہ بارعب شخصیت کبھی نہیں دیکھی۔‘‘ باذان نے کہا: ’’کیا اس کے ساتھ کوئی سپاہی یا محافظ بھی تھے؟‘‘ بابویہ نے کہا: ’’نہیں۔‘‘ اس نے یہ سوال اس لیے کیا تاکہ اسے یہ پہچاننے میں مدد ملے کہ وہ واقعی نبی ہیں۔

[1] الطبقات لابن سعد: 260/1

کسریٰ کی ہلاکت کی تصدیق اور باذان کا قبول اسلام

تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ باذان کو شیرویہ کا خط موصول ہوا، اس میں لکھا تھا:

''امابعد! میں نے کسریٰ کو قتل کر دیا ہے کیونکہ اس نے ایرانیوں پر ظلم کی انتہا کر دی تھی اور انھیں تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ (اے باذان!) تمھیں میرا یہ خط موصول ہو جائے تو اپنے لوگوں سے میری اطاعت کا عہد لے لینا اور اس شخص کے پاس جاؤ جس کے بارے میں کسریٰ نے تمھیں خط لکھا تھا اور میرا اگلا حکم آنے تک اس سے کوئی تعرض نہ کرنا۔''

باذان نے شیرویہ کا خط پڑھا تو بے ساختہ کہا: إِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ لَنَبِيٌّ ''بلاشبہ وہ شخص (محمد ﷺ) رسول ہی ہیں۔''

اس کے بعد وہ اور یمن میں موجود ابنائے فارس مسلمان ہوگئے۔ باذان نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے قبولِ اسلام کی خبر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لکھ بھیجی۔ آپ ﷺ نے ان کے اسلام قبول کرنے پر مسرت کا اظہار فرمایا اور انھیں ان کے مناصب پر برقرار رکھا۔

کسریٰ (خسرو پرویز) کے قتل کے بعد ایرانیوں میں خلفشار برپا ہوا اور ان کی حکومت کہیں بھی قائم نہ رہ سکی۔ رومیوں کی حکومت پر بھی اتنا زوال نہیں آیا جتنا زوال ایرانیوں کو دیکھنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی بددعا سے کسریٰ اور اس کی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔[1] ایرانی تخت پر قابض ہونے کے بعد شیرویہ صرف چھ مہینے زندہ رہ سکا۔ بعدازاں تخت پر چار سال میں دس حکمران پے در پے آئے۔ حکومت کی چولیں ڈھیلی ہوگئیں، تا آنکہ لوگ یزدگرد پر متفق ہوئے جو بنو ساسان کا آخری فرمانروا ثابت ہوا۔ یہ شخص ساسانی سلطنت کو زمین بوس کرتی اسلامی یلغار کے سامنے آیا۔ چار سو سال پھلنے پھولنے والی یہ حکومت کلیتاً 637ء میں پارہ پارہ ہوگئی۔ یوں صرف آٹھ سال کی قلیل مدت میں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی پوری ہوئی۔[2]



قتل گاہ یزدگرد، قلعہ زبد ( )

1 البدایۃ والنہایۃ: 269,268/4، الاکتفاء: 388-386/2۔ 2 السیرۃ النبویۃ للندوی، ص: 300۔

نامۂ مبارک کی دریافت

رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کے نام جو خط روانہ فرمایا تھا، وہ مدائن میں پایا گیا۔ اب تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ مدینہ سے مدائن تک کس طرح پہنچا۔ ڈاکٹر منجد کے مطابق یہ مکتوب مبارک ''رق'' یعنی چمڑے کی جھلی کے ایک ٹکڑے پر لکھا گیا ہے۔ اسے ایک سبز کپڑے پر چسپاں کر کے شیشے کے فریم میں محفوظ کیا گیا ہے اور یہ بوسیدہ ہو چکا ہے۔ اس کا رنگ کہیں کہیں کالا اور زیادہ تر بھورا ہے۔ حاشیے سیاہ پڑ گئے ہیں۔ اس کی لمبائی 28 سینٹی میٹر اور چوڑائی ساڑھے 21 سینٹی میٹر ہے۔ اس کا اوپری حصہ نچلے حصے سے چھوٹا ہے۔ یہ مکتوب گرامی پندرہ سطروں پر مشتمل ہے جن کی لمبائی ڈیڑھ سینٹی میٹر سے ساڑھے اکیس سینٹی میٹر تک ہے۔ خط کے آخر میں ایک تین سینٹی میٹر قطر کی مہر ہے، یہ گول شکل کی ہے۔ اس کی تحریر پر پانی کے بہاؤ کے نشانات بھی ہیں جو اوپر سے نیچے کی طرف جاتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس وجہ سے چند حروف اور الفاظ مٹ چکے ہیں۔ جگہ جگہ روشنائی مدھم پڑ گئی ہے اور مہر کا مضمون تو بالکل غائب ہو چکا ہے، صرف ایک حرف ''ر'' موجود ہے جو انتہائی دائیں جانب مہر کے بیچ میں ہے۔ غالباً یہ ''ر'' کا حرف لفظ ''رسول'' سے تعلق رکھتا ہے۔ مکتوب مبارک دیکھ



کسریٰ شاہ فارس کے نام مکتوب نبوی

کر صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسریٰ نے اسے پھاڑنے کی جسارت کی تھی۔ مکتوب کی تیسری سطر سے لے کر نویں سطر تک شگاف پڑا ہوا ہے جو اسی مذموم جسارت کا نشان ہے۔ یہ نشان خط کے درمیان تک ہے اور انگریزی حرف ''L'' کی الٹی شکل بناتا ہوا نیچے تک چلا گیا ہے۔ چمڑا پھاڑنا آسان نہیں تھا، شاید اسی لیے اس نے تھوڑا سا حصہ پھاڑا اور زمین پر پھینک دیا تھا۔ اس چاک ہو جانے والے حصے کی باریک دھاگے سے سلائی کر دی گئی ہے۔[1] واللہ اعلم۔

1 پیغمبر اسلام از ڈاکٹر حمید اللہ، ص: 372,371، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص: 234، عظمتہ الاسلام، ص: 129، 130۔

مکتوب گرامی بنام مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ

حدیبیہ سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے فرمانروائے مصر و اسکندریہ مقوقس کے نام بھی دعوتی خط ارسال فرمایا تھا۔

شاہ مصر کا تعارف

مصر کے بادشاہوں کا لقب مقوقس تھا، اُسی طرح جس طرح ماضی میں مصر کے بادشاہ فرعون کہلاتے تھے۔ مقوقس کے معنی ہیں: عمارت کو بلند کرنے والا۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو مقوقس تھا، اس کا نام جریج بن مینا (مَتّٰی) بن قرقوب قبطی تھا۔ یہ عیسائی تھا اور قیصر روم کا تابع تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام بنیامین تھا اور اسی کے عہد میں مسلمانوں نے مصر فتح کیا تھا۔ اس نے رومیوں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی۔[1]

معروف مصری محقق احمد عادل کمال کی تحقیق کے مطابق مقوقس یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں: بڑی شان والا، معزز اور لائق احترام۔ وہ مقوقس جسے نبی ﷺ کا خط ملا، اس کا نام جارج تھا۔ یہ ان دنوں ہرقل کی طرف سے مصر کا حکمران تھا۔ علاوہ ازیں وہ کلیسائے اسکندریہ کا اسقف اعظم بھی تھا۔ دوسرا مقوقس سیروس یا سائرس ہے جس کا ذکر عربی تواریخ ''قیرس'' یا ''فیرس'' کے نام سے کرتی ہیں۔ فتح مصر کے وقت مقوقس سائرس حکمران تھا۔[2]

1 الاصابة: 296,295/6، السيرة الحلبية: 295/3، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص: 164، عالمية الإسلام، ص: 131 (حاشية). 2 اٹلس فتوحات اسلامیہ (دارالسلام)، ص: 483,482.



اسکندریہ (مصر) میں قدیم قلعے کے آثار

مقوقس کے نام خط کا متن

مقوقس کے نام رسول اللہ ﷺ کے نامۂ مبارک کی عبارت یہ ہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الْمُقَوْقِسِ عَظِيمِ الْقِبْطِ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْقِبْطِ، ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾» (آل عمران 64:3)

”بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے قبطیوں کے حکمران مقوقس کی طرف۔ سلامتی اس کے لیے ہے جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ امابعد! میں تمھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ، سلامتی میں رہو گے۔ اسلام قبول کرلو، اللہ تعالیٰ تمھیں دہرا اجر دے گا اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو قبطیوں کا گناہ بھی تمھارے ہی سر ہوگا۔“اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے۔ وہ یہ کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور ہم میں سے بعض لوگ بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو تم کہہ دو: تم گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔“

اس خط کے آخر میں مہر بھی لگائی گئی۔[1]

سفیر رسول حاطب رضی اللہ عنہ کا تعارف

رسول اللہ ﷺ نے مقوقس کو خط روانہ کرنے کے لیے اپنے صحابہ کے درمیان یہ اعلان فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! أَيُّكُمْ يَنْطَلِقُ بِكِتَابِي هٰذَا إِلٰى صَاحِبِ مِصْرَ وَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ؟»

”اے لوگو! کون ہے جو میرا یہ خط شاہ مصر تک پہنچائے، اس کا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوگا۔“

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سُننا تھا کہ سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ لبیک کر آگے آ گئے اور عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! یہ خط میں پہنچاؤں گا۔“ نبی ﷺ نے فرمایا:

1 زاد المعاد: 691/3، عیون الأثر، ص: 427.



«بارك الله فيك يا حاطب!»

''اے حاطب! اللہ تعالیٰ تمھیں برکت دے۔''[1]

سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ لخمی رضی اللہ عنہ یمن سے مکہ آ کر آباد ہو گئے تھے۔ بڑے ذہین و فطین تھے، ماہر تیرانداز تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں عظیم شہسواروں اور بڑے شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ بلحاظ پیشہ بہت بڑے تاجر تھے۔ غزوۂ بدر میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد بھی تمام معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شامل جہاد رہے۔ جب خط لے کر گئے تھے، اس وقت ان کی عمر 42 سال تھی۔ 30ھ میں 65 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔[2]

خط نبوی کی ترسیل

سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے نامہ مبارک لیا اور آپ کو اور صحابہ کو الوداع کر کے اپنے گھر آ گیا۔ پھر میں نے فوراً اپنی سواری تیار کی، گھر والوں کو اللہ حافظ کہا اور اپنی منزل کی طرف چل دیا۔[3]

سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ مصر پہنچے۔ مقوقس کو وہاں نہ پا کر وہ اسکندریہ گئے۔ انھیں بتایا گیا کہ مقوقس ساحل سمندر کی اونچی جگہ پر ایک مجلس میں موجود ہے۔ حاطب رضی اللہ عنہ کشتی میں سوار ہو کر اس کے سامنے نمایاں ہوئے اور اشارے سے بتایا کہ میرے پاس بادشاہ کے لیے ایک خط ہے۔ جب بادشاہ نے یہ دیکھا تو حکم دیا کہ انھیں میرے پاس لایا جائے۔

حاطب رضی اللہ عنہ اور مقوقس کے درمیان گفتگو

جب حاطب رضی اللہ عنہ دربار مقوقس میں پہنچے تو اس نے نامہ مبارک وصول کیا، اسے کھول کر پڑھا، پھر ان میں یہ گفتگو ہوئی:

مقوقس: اب میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں اور متمنی ہوں کہ تم میری باتیں سمجھو۔

حاطب رضی اللہ عنہ: جی ہاں! آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، ضرور کہیے۔

مقوقس: مجھے اپنے ساتھی کے بارے میں بتاؤ، کیا وہ نبی نہیں ہیں؟

1 فتوح الشام للواقدي: 36/2. 2 الإصابة: 5,4/2، الطبقات لابن سعد: 115,114/3. 3 فتوح الشام للواقدي: 36/2.

حاطب رضی اللہ عنہ: کیوں نہیں، یقیناً وہ اللہ کے رسول ہیں۔

مقوقس: پھر جب ان کی قوم نے انھیں ان کے شہر سے نکالا تو انھوں نے ان کے خلاف بد دعا کیوں نہیں کی؟

مقوقس نے اپنا سوال دہرایا، پھر خاموش ہو گیا۔

حاطب رضی اللہ عنہ: کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول ہیں؟

مقوقس: کیوں نہیں۔

حاطب رضی اللہ عنہ: پھر جب ان کی قوم نے انھیں پکڑ لیا اور قتل کرنا چاہا تو انھوں نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لیے بد دعا کیوں نہیں کی حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اوپر اٹھا لیا؟

مقوقس: بہت خوب! سمجھدار ہو اور نہایت سمجھدار آدمی کی طرف سے آئے ہو۔

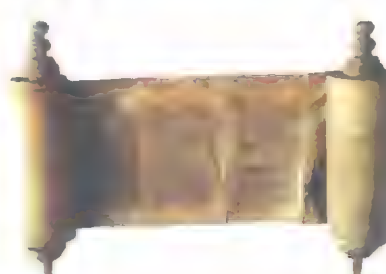
حاطب رضی اللہ عنہ: تم سے پہلے ایک شخص (فرعون) تھا، وہ اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اگلے اور پچھلے سب لوگوں کے لیے عبرت کا نمونہ بنا دیا۔ پہلے تو اس کے ذریعے لوگوں سے انتقام لیا، پھر خود اس کو انتقام کا نشانہ بنایا۔ لہٰذا تم دوسروں سے عبرت حاصل کرو، ایسا نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں۔

مقوقس: ہمارا ایک دین ہے، اسے ہم اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتے جب تک ہمیں اس سے اچھا دین نہ مل جائے۔

حاطب رضی اللہ عنہ: ہم تمھیں دین اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں جس کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ اللہ کے اس نبی ﷺ نے لوگوں کو اسی دین حنیف کی دعوت دی تو انھیں سب سے زیادہ تکلیف ان کے اپنے ہی قبیلے قریش کے لوگوں نے پہنچائی اور اُن سے دشمنی میں یہودی سب سے آگے تھے۔ لیکن عیسائی اس نبی ﷺ کے قریب تر تھے۔ میری عمر کی قسم! جس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی خوشخبری دی تھی، اسی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے سیدنا محمد ﷺ کی بشارت دی۔ ہم تمھیں قرآن کی طرف اسی طرح دعوت دیتے ہیں جس طرح تم اہل تورات کو انجیل کی دعوت دیتے ہو۔ جو نبی جن لوگوں



انجیل کا 1400 سو سال پرانا نسخہ



تورات کا قدیم نسخہ

کو پاتا ہے، وہ اسی کی امت شمار ہوتے ہیں۔ ان پر لازم آتا ہے کہ وہ اس نبی کی اطاعت کریں۔ تم نے نبی آخر الزماں ﷺ کا زمانہ پالیا ہے۔ ہم تمھیں دین مسیح علیہ السلام سے روکتے نہیں بلکہ ہم تو اسی کے حکم کی تعمیل کی دعوت دیتے ہیں۔

مقوقس: میں نے تمھارے نبی کے معاملے پر غور کیا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ کسی ناپسندیدہ بات کا حکم نہیں دیتے، نہ کسی مرغوب چیز سے روکتے ہیں۔ میں نے انھیں گمراہ جادوگر نہیں پایا، وہ جھوٹے کاہن بھی نہیں ہیں۔ مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ ان کے پاس نبوت کی نشانی ہے کہ وہ پوشیدہ امور ظاہر کرتے اور سرگوشی کی خبر دیتے ہیں۔ بہرحال اس معاملے پر میں مزید غور کروں گا۔

اس کے بعد مقوقس نے نامہ مبارک کو ایک ہاتھی دانت سے بنی ہوئی ڈبیہ میں رکھ دیا، اس پر اپنی مہر لگائی اور اپنی لونڈی کے حوالے کر دیا۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ پھر مقوقس نے سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت بلوایا۔ اس وقت اس کے پاس صرف ایک عربی ترجمان بیٹھا تھا۔ مقوقس نے کہا:

''میں تم سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں، کیا تم مجھے ان کے بارے میں سچ سچ بتاؤ گے؟ میں جانتا ہوں کہ تمھیں تمھارے نبی نے اپنے دیگر صحابہ کے درمیان سے چن کر بھیجا ہے۔''

حاطب رضی اللہ عنہ: تم مجھ سے جو کچھ پوچھو گے، میں بالکل سچ سچ بتا دوں گا۔

مقوقس: محمد ﷺ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟

حاطب رضی اللہ عنہ: وہ اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور تمام معبودانِ باطل کو مسترد کر دیں۔ مزید برآں وہ ہمیں نماز کا حکم دیتے ہیں۔

مقوقس: تم لوگ کتنی نمازیں پڑھتے ہو؟

حاطب رضی اللہ عنہ: ہم دن رات میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں۔ نبی ﷺ ہمیں رمضان کے روزے رکھنے، بیت اللہ کا حج کرنے اور وعدہ وفا کرنے کا بھی حکم دیتے ہیں۔ نیز آپ ﷺ ہمیں مردار کھانے اور خون پینے سے روکتے ہیں۔

مقوقس: ان کے پیروکار کون لوگ ہیں؟

حاطب رضی اللہ عنہ: کچھ نوجوان ہیں، ان میں سے کچھ ان کی قوم سے ہیں اور بعض غیر قوم سے ہیں۔

1 زاد المعاد: 692,691/3، الاکتفاء: 394,393/2، السیرۃ الحلبیۃ: 296/3

مقوقس: کیا وہ اپنی قوم سے قتال بھی کرتے ہیں؟

حاطب رضی اللہ عنہ: جی ہاں۔

مقوقس: مجھے ان کی صفات بتاؤ۔

حاطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ صفات بیان کیں لیکن پوری خوبیاں بیان نہیں کر سکا۔

مقوقس نے کہا: تم نے ان کی ساری صفات بیان نہیں کیں۔ اُن کی آنکھوں میں ہلکی سی سرخی رہتی ہے جو شاذ ہی ختم ہوتی ہے۔ ان کے کندھوں کے مابین ختم نبوت ہے۔ وہ گدھے پر سواری کرتے ہیں، چادر اوڑھتے ہیں۔ زبردست حوصلے اور برداشت والے ہیں، کسی سے تکلیف پہنچتی ہے تو خاطر میں نہیں لاتے۔

حاطب رضی اللہ عنہ: جی ہاں! آپ نے بالکل صحیح کہا۔ یہ بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی صفات ہیں۔

اس کے بعد مقوقس نے کہا: میں جانتا تھا کہ ابھی ایک نبی کو آنا ہے۔ میرا خیال تھا کہ ان کا ظہور شام میں ہوگا کیونکہ ان سے پہلے اکثر نبی اسی علاقے میں آئے تھے۔ اب میرا خیال ہے کہ وہ عرب کی قحط زدہ اور شوریلی زمین سے نمودار ہو گئے ہیں۔ ان کی اتباع کرنے کے معاملے میں قبطی میرا ساتھ نہیں دیں گے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ہماری اس گفتگو کی انھیں کانوں کان خبر ہو۔ وہ بہت سے ملکوں پر غالب آئیں گے اور ان کے ساتھی ان کے بعد ہماری اس مملکت کو بھی فتح کر لیں گے۔ میں قبطیوں کو اس گفتگو کا ایک حرف بھی نہیں بتاؤں گا۔ اب تم اپنے صاحب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس واپس چلے جاؤ۔[1]

مقوقس کی طرف سے خط کا جواب

اس گفتگو کے بعد مقوقس نے اپنے عربی کاتب کو بلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درج ذیل جوابی خط تحریر کرایا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ، لِمُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ مِنَ الْمُقَوْقِسِ عَظِیمِ الْقِبْطِ، سَلَامٌ عَلَیْكَ، أَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ قَرَأْتُ كِتَابَكَ، وَفَهِمْتُ مَا ذَكَرْتَ فِیهِ وَمَا تَدْعُو إِلَیْهِ، وَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّ نَبِیًّا قَدْ بَقِيَ، وَكُنْتُ أَظُنُّ أَنَّهُ یَخْرُجُ بِالشَّامِ، وَقَدْ أَكْرَمْتُ رَسُولَكَ، وَبَعَثْتُ إِلَیْكَ بِجَارِیَتَیْنِ، لَهُمَا مَكَانٌ فِي الْقِبْطِ عَظِیمٌ وَبِكِسْوَةٍ، وَأَهْدَیْتُ إِلَیْكَ بَغْلَةً لِتَرْكَبَهَا، وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ.

”بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد بن عبداللہ کی طرف، قبطیوں کے فرمانروا مقوقس کی طرف سے۔ آپ پر سلامتی ہو۔ امابعد! میں نے آپ کا نامۂ مبارک پڑھا اور جو کچھ آپ نے اس میں ذکر کیا اور جس چیز کی طرف

[1] الاکتفاء: 395/2، المصباح المضيء: 112،111/2.

دعوت دی، اسے سمجھا۔ میں جانتا تھا کہ ابھی ایک نبی کو آنا ہے اور میرا خیال تھا کہ وہ نبی شام میں پیدا ہوگا۔ میں نے آپ کے قاصد کی عزت و توقیر کی ہے۔ میں آپ کی خدمت میں دو لونڈیاں روانہ کر رہا ہوں۔ یہ عام لونڈیاں نہیں بلکہ قبطیوں میں ان کا بہت بڑا درجہ ہے۔ کچھ ملبوسات بھی پیش خدمت ہیں۔ آپ کی سواری کے لیے ایک خچر بھی روانہ کر رہا ہوں۔ والسلام علیک۔''[1]

مقوقس کی طرف سے دیے گئے تحفے

مقوقس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جو تحفے بھجوائے، ان میں سے کچھ تو وہ تھے جن کا تذکرہ مقوقس نے اپنے خط میں کیا۔ ان کے علاوہ بعض تحائف ایسے بھی تھے جن کے بارے میں اس نے خط میں کچھ نہیں لکھا۔

خط میں دو لونڈیوں کا تذکرہ ہے لیکن حافظ ابن کثیر نے ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ مقوقس نے چار لونڈیاں بھیجی تھیں، ان میں سے ایک ماریہ تھیں جنھیں نبی ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا۔ دوسری لونڈی کا نام سیرین تھا۔ وہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دی گئی۔ اس کے بطن سے عبدالرحمن بن حسان پیدا ہوئے۔[2] تیسری لونڈی کا نام قیسری تھا۔ یہ سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ سیرین بھی ماریہ ہی کی بہن تھیں، یعنی یہ تینوں بہنیں تھیں۔ چوتھی لونڈی کا نام بریرہ تھا۔ ان کی رنگت سیاہ تھی۔

سیرت حلبیہ میں ان تمام تحفوں کی مکمل تفصیل موجود ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ مقوقس نے سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کی پسندیدہ چیزیں دریافت کی تھیں اور آپ کی پسند کے مطابق ہی تحائف ارسال کیے تھے۔ ان تحائف میں ایک بکس نما چیز بھی تھی جس میں آپ ﷺ اپنی سرمہ دانی، تیل کی شیشی، کنگھی، قینچی، مسواک اور شیشہ وغیرہ رکھتے تھے۔ مقوقس نے آپ کے لیے خاص ایک طبیب بھی بھیجا تھا جسے بعد میں آپ ﷺ نے واپس روانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

ارْجِعْ إِلٰى أَهْلِكَ، نَحْنُ قَوْمٌ لَا نَأْكُلُ حَتّٰى نَجُوعَ، وَإِذَا أَكَلْنَا لَا نَشْبَعُ

''تم اپنے اہل وطن کے پاس واپس چلے جاؤ۔ ہم وہ لوگ ہیں کہ جب تک ہمیں شدید بھوک نہ لگے، ہم کھانا نہیں کھاتے اور جب ہم کھاتے ہیں تو سیر ہو کر نہیں کھاتے (اس لیے ہم تندرست رہتے ہیں اور بہت کم بیمار پڑتے ہیں)۔''

مقوقس نے آپ کی خدمت میں ایک ہزار مثقال سونا، مصر کی بیس قبطی چادریں، دو سادہ موزے، دُلدل نامی

1 الاکتفاء: 394/2، زاد المعاد: 692/3. 2 البدایۃ والنہایۃ: 272/4

سفید خچر، یعفور (عُفیر) نامی گدھا اور لزاز نامی ایک گھوڑا، مابور نامی غلام، کچھ مصری شہد، عمامے، خوشبو، عود، کستوری، اگربتی اور شیشے کا پیالہ ارسال کیا۔ مقوقس نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو بھی سو دینار اور پانچ چادریں تحفے کے طور پر پیش کیں۔[1]

حاطب رضی اللہ عنہ مدینہ میں

مقوقس مسلمان نہیں ہوا، تاہم اس نے اپنا مذکورہ خط اور تحائف رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہایت محبت اور احترام کے ساتھ بھجوائے۔ سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مقوقس مجھ سے بڑی عزت و احترام سے پیش آیا۔ مجھے اس کے دروازے پر زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ میں وہاں صرف پانچ دن رہا۔ پھر میں مدینہ واپس آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مقوقس کا خط اور تحفے قبول کر لیے اور فرمایا:

«ضَنَّ الْخَبِيثُ بِمُلْكِهِ وَلَا بَقَاءَ لِمُلْكِهِ»

''خبیث اپنی حکمرانی پر ریجھ گیا ہے، حالانکہ اس کی حکومت باقی نہیں رہے گی۔''[2]

یاد رہے کہ مقوقس نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے، جبکہ وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کی تھیں۔ ہم وہ سب سیرت انسائیکلو پیڈیا: 2/552-554 میں ذکر کر آئے ہیں۔

مقوقس کے نام مکتوب نبوی کی دریافت



مقوقس کے نام لکھا گیا مکتوب گرامی

یہ مکتوب مبارک مصر میں دریافت ہوا۔ اس کی شکل مستطیل ہے۔ یہ کُل 12 سطروں پر مشتمل ہے۔ اس میں بشمول مہر نبوی 67 کلمات مبارک ہیں۔ یہ کالی روشنائی سے ایک صاف چمڑے پر مدنی رسم الخط میں لکھا گیا ہے۔ خط کی ترتیب اور کتابت بہت عمدہ ہے۔ خط کی سطریں سیدھی ہیں، سطروں کے درمیان فاصلہ تقریباً برابر ہے۔ یہ خط اور ہرقل کے نام لکھا گیا خط آپس میں بہت مشابہ ہیں۔[3]

1 زاد المعاد: 1/122، السیرۃ الحلبیۃ: 3/297-299، البدایۃ والنہایۃ: 4/272. 2 الطبقات لابن سعد: 1/260،261.
3 عالمیۃ الإسلام، ص: 136، پیغمبر اسلام ﷺ، ص: 324-329.

حاکم دمشق حارث بن ابی شمر غسانی کو نامۂ مبارک

رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی پر دمشق کے حاکم حارث بن ابی شمر غسانی کے نام بھی خط ارسال فرمایا۔ اس میں آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ حارث قیصر روم کی طرف سے شام (دمشق) کے سرحدی علاقوں کا حاکم تھا۔ اس کی رہائش ''غوطہ دمشق'' یعنی دمشق کے بہت سرسبز و شاداب علاقے میں تھی۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا اور فتح مکہ کے سال فوت ہوگیا۔[1] البدایہ والنہایہ میں حارث کے بجائے منذر بن حارث درج ہے۔[2] لیکن ابن ہشام نے حارث ہی لکھا ہے۔[3] واللہ اعلم بالصواب۔

سفیر نبوی سیدنا شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کا تعارف

حارث بن ابی شمر کے نام نامہ مبارک لے کر جانے والے صحابی سیدنا شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی کنیت ابو وہب تھی۔ ان کا تعلق بنو اسد بن خزیمہ سے ہے۔ یہ سابقین اولین میں سے ہیں۔ انھوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، پھر یہ مکہ واپس آئے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ غزوہ بدر اور دوسرے تمام معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ معرکۂ یمامہ میں شہید ہوگئے۔



دمشق میں قلعے کے آثار

یاد رہے کہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شجاع رضی اللہ عنہ کو جبلہ بن ایہم کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ ان دونوں طرح کی روایتوں کے درمیان یہی توجیہ کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں حارث اور جبلہ دونوں حکام کی طرف روانہ فرمایا تھا۔[4] واللہ اعلم

1 الأعلام للزركلي: 155/2. 2 البداية والنهاية: 267/4. 3 السيرة لابن هشام: 254/4. 4 الإصابة: 256/3، أسد الغابة: 414/2.

نامۂ مبارک کا مضمون

حارث بن ابی شمر غسانی کی طرف لکھے گئے نامہ مبارک کی عبارت درج ذیل ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله إلى الحارث بن أبي شمر سلام على من اتبع الهدى وآمن به وصدق وإني أدعوك إلى أن تؤمن بالله وحده لا شريك له يبقى لك ملكك

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرے۔ میں تمھیں دعوت دیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ جو اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، تمھارے لیے تمھاری حکومت باقی رہے گی۔''

محمد رسول اللہ

سفیرِ رسول ﷺ
سیدنا شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ
کا شجرہ نسب

عدنان
معد
نزار
مدرکہ
خزیمہ
اسد
دودان
صہیب
اسد
ربیعہ
وہب
شجاع رضی اللہ عنہ

سیدنا شجاع رضی اللہ عنہ اور حارث کی باہمی بات چیت

سیدنا شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں مدینہ سے نبی ﷺ کا نامہ مبارک لے کر دمشق کی طرف روانہ ہوگیا۔ ان دنوں حارث غوطہ دمشق میں قیام پذیر تھا۔ میں وہاں پہنچا تو اس کے دربان نے بتایا کہ حارث ان دنوں قیصر کی آمد کے سلسلے میں اس کے استقبال کی تیاریوں میں بہت مصروف ہے۔ قیصر روم بطور شکرانہ اپنی نذر پوری کرنے کے لیے حمص سے ایلیاء (بیت المقدس) پیدل چلا آرہا تھا کیونکہ اسے ایرانیوں پر فتح حاصل ہوئی تھی۔

سیدنا شجاع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حارث کے محل کے دروازے پر دو یا تین دن منتظر رہا۔ میں نے اس کے دربان سے کہا: میں اللہ کے رسول کا قاصد ہوں اور حارث کی طرف آیا ہوں۔ اس نے کہا: فی الحال آپ کی ان سے ملاقات نہیں ہوسکتی۔ وہ فلاں فلاں دن باہر نکلے گا تو پھر ملا جا سکتا ہے۔ دربان رومی نژاد تھا، اس کا نام مُرّیٰ

تھا۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ کون ہیں؟ ان کی دعوت کیا ہے؟ چنانچہ میں اس سے اسی موضوع پر بات چیت کرتا رہا۔ میری باتیں سن کر بسا اوقات اس پر رقت طاری ہو جاتی، اس کا دل نرم پڑ جاتا، وہ رونے لگتا اور کہتا: میں نے انجیل پڑھی ہے اور اس میں بالکل اس نبی کی یہی صفات پائی ہیں۔ میرا خیال تھا کہ وہ شام میں مبعوث ہوں گے لیکن اب میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ قرظ (کیکر کے مشابہ درخت) کی زمین (عرب) میں مبعوث ہو چکے ہیں۔ میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ حارث مجھے قتل کر دے گا۔

شجاع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ میری بہت عزت کرتا اور میری خوب ضیافت کرتا تھا۔ حارث کے متعلق وہ مجھے ناامیدی کی خبر سناتا تھا اور کہتا کہ حارث قیصر سے خوفزدہ ہے۔ ایک دن حارث آ گیا۔ اس نے اپنے سر پر تاج حکمرانی رکھا اور مجھے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ میں نے اسے نامہ مبارک دیا، اس نے اسے پڑھا اور پھینک دیا، پھر کہنے لگا: مجھ سے میرا ملک کون چھینے گا؟! وہ جو بھی ہے، میں اس پر لشکر کشی کروں گا۔ چاہے اب وہ یمن میں بھی ہو، میں وہاں بھی جا دھمکوں گا۔ لوگوں کو میرے پاس بلاؤ۔ رات گئے تک اس کے پاس لوگ آتے رہے، پھر اس نے گھوڑے کو نعل لگانے کا حکم دیا، پھر مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا: تم جو کچھ دیکھ رہے ہو، یہ سب کچھ اپنے صاحب کو بتا دینا۔



حارث بن ابی شمر غسانی کو لکھا گیا نامہ مبارک

اس کے بعد اس نے قیصر کو میرے بارے میں اطلاع دی۔ یہ خبر قیصر کو ایلیاء میں موصول ہوئی۔ اس وقت تک سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ بھی قیصر کے پاس رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک لے کر پہنچ چکے تھے۔ جب قیصر نے حارث کا خط پڑھا تو اس نے فوراً حارث کو لکھ بھیجا کہ تم محمد (ﷺ) پر لشکر کشی نہ کرو، اسے چھوڑ دو۔ تم ایلیاء آؤ اور مجھ سے ملو۔

سیدنا شجاع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب یہ خط آیا تو میں وہیں تھا۔ حارث نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ تم کب واپس جاؤ گے؟ میں نے کہا: میں کل واپس جا رہا ہوں۔ چنانچہ اس نے ایک سو مثقال سونا دینے کا حکم دیا اور رومی دربان نے بھی چپکے سے میرے لیے کچھ نان نفقہ اور کپڑے وغیرہ بھیجے اور کہا: ”رسول اللہ ﷺ کو میری طرف سے سلام کہنا اور انھیں بتانا کہ میں آپ ﷺ کے دین کا پیروکار ہوں۔“

شجاع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں وہاں سے مدینہ روانہ ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا حال

گوش گزار کر دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

”اس کا ملک تباہ ہو جائے گا اور اس کی بادشاہت جاتی رہے گی۔“

میں نے آپ ﷺ کو رومی باشندے مُرَیّ کا سلام بھی پیش کیا اور اس نے جو پیغام دیا تھا، وہ بھی آپ ﷺ کے گوش گزار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «صدق» ”اس نے سچ کہا ہے۔“[1]

بعض اہل سیرت کا کہنا ہے کہ حارث مسلمان ہو گیا تھا لیکن قیصر کی طرف سے قتل کیے جانے کے خوف سے اس نے اپنے اسلام کا اظہار نہیں کیا۔[2]

1 الاکتفاء: 407,406/2، الطبقات لابن سعد: 261/1 2 السیرۃ الحلبیۃ: 305/3

جبلہ بن ایہم غسانی کے نام نبی ﷺ کا مکتوبِ مبارک

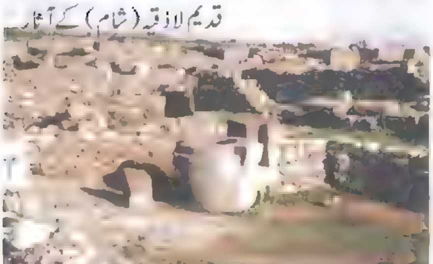
رسول اللہ ﷺ نے نواب غسان جبلہ بن ایہم کو قبولِ اسلام کی دعوت کا خط لکھا۔ جبلہ اس دور کے مشہور نوابوں میں سے تھا۔ وہ بہت لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا قد 12 بالشت کے برابر تھا۔ وہ سواری پر سوار ہو جاتا تھا، تب بھی اس کے پاؤں زمین پر لگے رہتے تھے۔ یہ شخص ہرقل کو پسند آگیا۔ اس نے اس سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی اور اس کے لیے طرابلس اور لاذقیہ کے درمیان ایک شہر آباد کیا، اس کا نام بھی جبلہ رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کی قبر موجود ہے۔[1]

قدیم طرابلس الشام (لبنان) کا فضائی منظر



جبلہ آخری غسانی بادشاہ تھا۔ اس کی ریاست رومیوں کی باجگزار تھی۔ اس کے انداز سے مسلمان ہونے کا اظہار ہوا مگر اس کو مکر جانے کی عادت تھی، اسی عادت کے زیر اثر وہ مکر گیا۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں آئے گی۔

قدیم لاذقیہ (شام) کے آثار



جبلہ کی طرف بھی شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ ہی کو بھیجا گیا تھا جیسا کہ پچھلے خط کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ خط کی اصل عبارت تو نہیں مل سکی، البتہ سفیر اور جبلہ کے درمیان جو گفتگو ہوئی، وہ بعض مصادر میں موجود ہے۔



شجاع رضی اللہ عنہ جبلہ کے دربار میں

سیدنا شجاع رضی اللہ عنہ جبلہ کے دربار میں پہنچے تو انھوں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اے جبلہ! تیری قوم نے اس نبی (محمد) ﷺ کو ان کے گھر

1 السيرة الحلبية 307/3.

سے نکال کر انصار کے گھر پہنچا دیا ہے۔ انصاریوں نے انھیں اپنے ہاں جگہ دی ہے، ان کی حفاظت اور مدد کی ہے۔ یہ دین جس پر تم ہو، یہ تمھارا آبائی دین نہیں ہے۔ تم ملک شام کے بادشاہ بن گئے ہو۔ شام رومیوں کے ماتحت ہے، رومی عیسائی ہیں، اسی لیے تم بھی عیسائی بنے ہوئے ہو۔ اگر تمھاری حکومت ایرانیوں کے ماتحت ہوتی تو تمھارا مذہب اور دین بھی وہی ہوتا جو ایرانیوں کا ہے۔ تمھارے ہم مذہبوں میں سے ایسا شخص اس امی نبی کا اقرار کر چکا ہے جسے ہم تم پر فضیلت دیں تو تم غصے نہیں ہوگے اور اگر ہم تمھیں ان پر فضیلت دیں تو تم خوش نہیں ہوگے۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو اہل شام بھی تمھارے مطیع ہوں گے اور رومی بھی تم سے خوف زدہ ہو جائیں گے۔ اگر ایسا نہ بھی ہوا تو انھیں صرف یہ دنیا ملے گی جب کہ تم آخرت کما لو گے۔ تم گرجا گھروں کو مساجد ناقوس کو اذان، عید شعانین کو جمعہ اور صلیب کو قبلے کے ساتھ بدل لو گے۔ یقیناً ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ سب سے بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔“

جبلہ نے یہ ساری باتیں سن کر کہا:

”اللہ کی قسم! میں تو چاہتا ہوں کہ یہ سارے لوگ اس نبی پر اس طرح جمع ہو جائیں جس طرح وہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے پر اکٹھے ہوئے ہیں۔ میری قوم اگر اس نبی پر اتفاق کر لیتی ہے تو مجھے خوشی ہوگی۔ اس (محمد ﷺ) نے بت پرستوں اور یہودیوں کو قتل کیا اور عیسائیوں کو کچھ نہ کہا۔ اس کا یہ عمل مجھے بہت پسند آیا ہے۔ جنگ موتہ کے موقع پر قیصر نے مجھے تمھارے نبی کے صحابہ سے لڑنے کے لیے کہا تھا لیکن میں نے انکار کر دیا، پھر بھی میں اس نبی کو برحق دیکھ رہا ہوں نہ کہ بر بنائے باطل، اس لیے میں ابھی اس معاملے پر غور کروں گا۔“[1]

بعض روایات میں ہے کہ جبلہ مسلمان ہوگیا تھا اور اس نے نبی ﷺ کے نامہ مبارک کا جواب بھی دیا تھا جس

1 الاکتفاء: 408/2، الروض الأنف: 392/4، السیرة الحلبیة: 306/3

وہ علاقہ جہاں جنگ موتہ کا واقعہ پیش آیا



میں اس نے اپنے اسلام کا اقرار و اظہار کیا تھا اور کچھ تحائف بھی بھیجے تھے۔ وہ اپنے اسلام پر ثابت قدم رہا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس نے حج بھی کیا۔

اس کے برعکس دیگر روایات میں ہے کہ جبلہ نے ہرقل کی حمایت میں جنگ یرموک (636ء) میں حصہ لیا۔ جب شکست خوردہ قیصر قسطنطنیہ واپس چلا گیا تو جبلہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول کر لی اور اسلام لے آیا، پھر مرتد ہوگیا۔[1] اس واقعے کی تفصیل درج ذیل ہے:

جبلہ بن ایہم کا ارتداد

جبلہ بن ایہم غسانی مسلمان ہوا تو اس نے اپنے اسلام کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا اور مدینہ آنے کی اجازت چاہی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بہت خوشی ہوئی۔ آپ نے اسے مدینہ آنے کی اجازت دے دی، چنانچہ وہ اپنے خاندان کے 250 افراد کے ساتھ مدینہ روانہ ہوگیا۔ جب مدینہ کے قریب پہنچا تو اس نے اپنے ساتھیوں کو گھوڑوں پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ گھوڑوں کو سیم وزر کے ہار پہنا دیے اور ریشم و دیباج کی کاٹھیاں کس دیں۔ جبلہ نے اپنے سر پر تاج پہن لیا، اس کی یہ شان و شوکت دیکھنے کے لیے مدینہ کا ہر بچہ، بوڑھا اور جوان باہر نکل آیا۔ جب یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انھوں نے اسے عزت و توقیر سے نوازا اور اس کے لیے مخصوص نشست کا بندوبست کیا۔ چنانچہ جتنا عرصہ اللہ کو منظور تھا، وہ مدینہ میں عزت کے ساتھ رہا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حج کے لیے روانہ ہوئے تو جبلہ بھی ساتھ چل پڑا۔ بیت اللہ کے طواف کے دوران بنوفزارہ کے ایک شخص کا پاؤں جبلہ کی چادر پر جا پڑا۔ اس وجہ سے چادر اتر گئی۔ جبلہ کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے فزاری کو اتنے زور سے طمانچہ مارا کہ اس کی ناک زخمی ہوگئی اور سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جبلہ نے فزاری

1 اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 14-535/2


بنوفزارہ کا علاقہ

کی آنکھ پھوڑ دی۔ فزاری نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے طلب فرمایا اور پوچھا:

”تم نے اس کی ناک کیوں توڑی (یا یہ فرمایا:) تم نے اس کی آنکھ کیوں پھوڑی؟“

اس نے کہا: ”امیر المومنین! اس شخص نے میرا تہبند اتار دیا تھا۔ اگر مجھے بیت اللہ کی حرمت کا لحاظ نہ ہوتا تو میں تلوار سے اس کی گردن مار دیتا۔“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سُن کر فرمایا: ”اب تم نے خود اقرار جرم کرلیا ہے۔ اب دو ہی باتیں ہیں، یا تو اسے راضی کرلو ورنہ قصاص دینے کے لیے تیار ہو جاؤ!“

جبلہ: ”کیا مطلب؟ قصاص میں کیا ہوگا؟“

عمر رضی اللہ عنہ: جیسا برتاؤ تم نے اس کے ساتھ کیا، اب ویسا ہی سلوک تمھارے ساتھ کیا جائے گا۔

جبلہ: کیا؟ اس شخص کے لیے آپ میرے ساتھ برابری کا معاملہ کریں گے؟ حالانکہ میں بادشاہ ہوں اور یہ ایک عام معمولی آدمی ہے؟

عمر رضی اللہ عنہ: اسلام میں تم دونوں برابر ہو۔ تمھیں اس پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہو سکتی سوائے اس کے کہ تم تقویٰ کے ذریعے فضیلت حاصل کرلو۔

جبلہ: اگر اس دین کی رُو سے میں اور یہ شخص برابر سرابر ہیں تو میں عیسائیت اختیار کرلوں گا۔ جناب امیر المومنین! میں تو سمجھتا تھا کہ اسلام قبول کرنے سے میری عزت میں اضافہ ہوگا (لیکن اب تو معاملہ الٹ ہو رہا ہے)۔

عمر رضی اللہ عنہ: اگر تو عیسائی ہوا تو ہم تیری گردن اڑا دیں گے (کیونکہ اسلام قبول کرنے کے بعد اگر کوئی شخص اس دین حق سے منحرف ہوتا ہے تو اس کی لازمی سزا قتل ہے)۔

جبلہ: بہت اچھا! آپ مجھے آج رات کی مہلت دیں۔ میں اس بارے میں غور کرنا چاہتا ہوں۔

عمر رضی اللہ عنہ: یہ بات تم اپنے ملزم سے پوچھو، اگر وہ مہلت دیتا ہے تو ٹھیک ہے۔

فزاری نے کہا: امیر المومنین! میں اسے ایک رات کی مہلت دیتا ہوں۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے خیمے تک جانے کی اجازت دے دی۔ اس مہلت سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر جبلہ راتوں رات اپنے ساتھیوں کو لے کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔ وہاں اس نے عیسائیت اختیار کرلی اور اسی حالت میں مر گیا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ بعد میں اسے اپنے مرتد ہونے پر نہایت شرمندگی ہوئی۔ اس نے دوبارہ اسلام قبول کرلیا اور اُسے اسلام ہی کی حالت میں موت آئی۔[1] واللہ اعلم.

---

[1] السيرة الحلبية: 307,306/3.

ہوذہ بن علی رئیس یمامہ کے نام مکتوب مبارک

رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد جن چھ حکمرانوں کے نام خطوط لکھے، ان میں سے ایک ہوذہ بن علی حنفی ہے۔ اس کا نسب یہ ہے: ہوذہ بن علی بن ثمامہ بن عمرو الحنفی۔ اس کا تعلق بنوحنیفہ سے تھا اور مذہباً عیسائی تھا۔ وہ اپنی قوم کا شاعر اور بہت بڑا خطیب تھا۔ اہم امور کے سلسلے میں کسریٰ سے براہ راست ملاقات کرتا تھا۔ کسریٰ بھی اس کی بہت عزت کرتا تھا۔ ہوذہ کو صاحب تاج بھی کہا جاتا تھا۔ ابن اثیر نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ہوذہ کسریٰ کے پاس آیا تو اسے دیکھ کر کسریٰ بہت خوش ہوا اور اس نے موتیوں کا ایک ہار اس کے سر پر منڈھ دیا، اس وجہ سے اسے ''ذوالتاج'' یعنی صاحب تاج کہا جانے لگا۔

رسول اللہ ﷺ کے مکتوب مبارک کی وصولیابی کے تھوڑے عرصہ بعد یہ شخص فوت ہوگیا۔[1]

سفیر نبوی سلیط بن عمرو ؓ

رسول اللہ ﷺ نے ہوذہ کے نام خط مرحمت فرما کر سیدنا سلیط بن عمرو ؓ کو روانہ فرمایا۔ ان کا سلسلۂ نسب یوں ہے: سلیط بن عمرو بن عبدشمس عامری۔ انھوں نے شروع ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا، حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت بھی کی۔ غزوۂ بدر اور دوسرے غزوات میں نبی ﷺ کے ساتھ رہے۔ یہ اکثر یمامہ جاتے رہتے تھے، اسی لیے یہ

1 الأعلام للزركلي .102/8.



جامعہ یمامہ (سعودی عرب)



خط پہنچانے کے لیے آپ ﷺ نے ان کا انتخاب فرمایا۔ سیدنا سلیط رضی اللہ عنہ 14ھ میں مرتدین کے خلاف جہاد کرتے ہوئے یمامہ ہی میں شہید ہو گئے تھے۔[1]

نامہ مبارک کا متن

رسول اللہ ﷺ نے ہوذہ بن علی حنفی صاحب یمامہ کو مختصر سا نامہ مبارک لکھا، اس کا متن درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلٰى هَوْذَةَ بْنِ عَلِيٍّ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، وَاعْلَمْ أَنَّ دِينِي سَيَظْهَرُ إِلٰى مُنْتَهَى الْخُفِّ وَالْحَافِرِ، فَأَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَأَجْعَلْ لَكَ مَا تَحْتَ يَدَيْكَ

”بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد رسول اللہ کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام۔ سلامتی اسی کے لیے ہے جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ جان لو کہ میرا دین وہاں تک پہنچ کر رہے گا جہاں تک اونٹ اور گھوڑے پہنچ سکتے ہیں۔ مسلمان ہو جاؤ، سلامت رہو گے۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تمھارا مال و متاع اور ریاست سب کچھ تمھیں عطا کر دوں گا۔“

سلیط رضی اللہ عنہ ہوذہ کے دربار میں

سیدنا سلیط رضی اللہ عنہ یمامہ پہنچے تو ہوذہ نے ان کا پرتپاک استقبال کیا۔ پھر ہوذہ کو نامہ مبارک پڑھ کر سنایا گیا۔ بعدازاں ان دونوں کے مابین یہ بات چیت ہوئی:

سلیط رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اے ہوذہ! تجھے ان ہڈیوں نے سردار بنایا ہے جو فنا ہونے والی ہیں اور جن کی روحیں جہنمی ہیں (مراد کسریٰ ہے کیونکہ کسریٰ ہی نے ہوذہ کو یمامہ کا گورنر مقرر کیا تھا)۔ اصل سردار وہ ہوتا ہے جسے ایمان کی دولت حاصل ہو اور وہ صاحب تقویٰ ہو۔ اب ایک قوم تیری رائے اپنا کر اچھی زندگی گزار رہی ہے تو ان کی بدبختی کا باعث نہ بن۔ ہر وہ بھلائی جس کا حکم دیا جانا چاہیے، میں تجھے اس کا حکم دیتا ہوں اور ہر وہ برائی جس سے روکا جانا چاہیے، میں تجھے اس سے منع کرتا ہوں۔ میں تجھے اللہ کی عبادت کا حکم دیتا ہوں اور شیطان کی عبادت سے روکتا ہوں۔

1 أسد الغابة: 366,365، عالمية الإسلام، ص: 142.

اللہ کی عبادت سے جنت ملے گی جبکہ شیطان کے پیچھے چلنے سے جہنم کے شعلے ملیں گے۔ اب اگر تو میری بات قبول کر لے تو تیری تمنائیں پوری ہوں گی اور تیرے خدشات بھی ختم ہو جائیں گے اور اگر تو نے انکار کر دیا تو ہمارے اور تیرے درمیان کھلی جنگ ہوگی۔''

ہوذہ نے کہا: ''اے سلیط! مجھے اس شخص نے سردار بنایا ہے جو تجھے بھی سردار بناتا تو تُو بھی اسے اپنے لیے باعث اعزاز سمجھتا۔ ایک وقت تھا جب میں صاحب الرائے تھا، وہ صفت مجھ سے جاتی رہی۔ اب میرے دل میں اس کی جگہ میری خواہش نے لے لی ہے۔ تم مجھے کچھ وقت دو تا کہ میرا فکر وفہم واپس آ جائے۔ پھر میں ان شاء اللہ مناسب جواب دوں گا۔''

ہوذہ کا جواب

اس کے بعد ہوذہ نے نبی ﷺ کو درج ذیل جوابی خط لکھا:

ما أحسن ما تدعو إليه وأجمله، وأنا شاعر قومي وخطيبهم، والعرب تهاب مكاني، فاجعل لي بعض الأمر أتبعك

''آپ کی دعوت بہت عمدہ اور نہایت دلکش ہے۔ میں اپنی قوم کا مشہور شاعر اور خطیب ہوں۔ عرب کے لوگ میری شعلہ بیانی سے ڈرتے ہیں۔ اگر آپ مجھے حکومت میں کچھ اختیار تفویض کریں تو میں آپ کی پیروی کے لیے تیار ہوں۔''

سیدنا سلیط رضی اللہ عنہ ہوذہ کا یہ خط اور اس کی طرف سے دیے ہوئے کچھ تحفے، جن میں علاقہ ہجر کے کپڑے بھی تھے، لے کر مدینۃ النبی کی طرف روانہ ہو گئے۔ انھوں نے یہ ساری چیزیں نبی ﷺ کے سپرد کیں۔ نبی ﷺ نے خط پڑھ کر فرمایا:

"لو سألني سيابة من الأرض ما فعلت، باد وباد ما في يديه"

''اگر وہ مجھ سے زمین کا ایک ٹکڑا بھی مانگے تو اسے نہیں دوں گا۔ وہ اور جو کچھ اس کے پاس ہے، سب کچھ ہلاک ہو جائے گا۔''

چنانچہ جب نبی ﷺ مکہ فتح کر کے واپس آ رہے تھے تو جبریل علیہ السلام ہوذہ کی ہلاکت کی خبر لے آئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''خبردار! یمامہ میں ایک کذاب ہوگا جو نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ وہ میرے فوت ہونے کے بعد قتل کر دیا جائے گا۔''

کسی نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! اسے کون قتل کرے گا؟''

نبی ﷺ نے فرمایا:

«أنت وأصحابك»

''تو اور تیرے ساتھی اسے واصل جہنم کریں گے۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب کے خلاف لشکر بھیجا اور اسے قتل کر دیا گیا۔

ہوذہ اور دمشق کا عظیم پادری

جب رسول اللہ ﷺ کا خط ہوذہ کے پاس پہنچا، اس وقت اس کے پاس دمشق کا بڑا پادری ارکون بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ہوذہ سے خط کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: مجھے اس نبی کی طرف سے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی ہے لیکن میں نے یہ دعوت قبول نہیں کی۔ پادری نے پوچھا: وہ کیوں؟ اس نے کہا: میں اپنے دین کے بارے میں بخیل ہو گیا ہوں۔ دوسرا یہ ہے کہ میں اپنی قوم کا بادشاہ ہوں۔ اگر میں نے اس نبی کی اتباع کر لی تو میری حکومت جاتی رہے گی۔

پادری نے کہا: ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے اس نبی (ﷺ) کی پیروی کر لی تو یہ تمھارے اور تمھاری قوم کے حق میں بہت اچھا ہوگا۔ بے شک وہ عربی نبی ہیں، ان کی بشارت جناب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے دی تھی۔ ان کا نام ''محمد رسول اللہ'' انجیل میں لکھا ہوا ہے۔ ہوذہ نے کہا: یہ بات میں نے بھی انجیل میں پڑھی ہے۔ ارکون (پادری) نے کہا: پھر تم اس کی اتباع کیوں نہیں کرتے؟ اس نے کہا: محض حسد اور شراب نوشی کی وجہ سے (کیونکہ اگر میں مسلمان ہو گیا تو پھر شراب چھوڑنی پڑے گی)۔ پادری نے پوچھا: ہرقل نے محمد (ﷺ) کے خط کا کیا جواب دیا ہے؟ ہوذہ نے کہا: وہ اپنے ہی دین پر قائم ہے، تاہم قاصد کے سامنے اس نے اسلام کا اظہار کیا ہے۔ اس نے اپنی سلطنت کے لوگوں کو (اسلام قبول کرنے کے حوالے سے) جانچا تو انھوں نے سختی سے انکار کر ڈالا، چنانچہ وہ اپنی بادشاہت پر ریجھ گیا۔ ہوذہ نے کہا: میرا خیال ہے کہ میں ان (محمد ﷺ) کی پیروی کر لوں اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤں کیونکہ میں تو سرزمین عرب ہی میں ہوں۔ پھر (اسلام قبول کرنے پر) وہ میری حکومت کو برقرار رکھیں گے۔ پادری نے کہا: جی ہاں! وہ ایسا ہی کرے گا، لہٰذا تم اس کی پیروی اختیار کر لو۔

چنانچہ ہوذہ نے قاصد کو بلایا اور رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک خط لکھا اور کچھ عطیات بھی دیے۔ یہ دیکھ کر ہوذہ کی قوم اس کے پاس آئی اور کہا: تم اپنا دین چھوڑ کر محمد کی پیروی اختیار کر رہے ہو؟ اب تم ہم پر حکومت نہیں کر سکتے۔ یہ سن کر ہوذہ ڈر گیا۔ اس نے خط پھینک دیا اور حالتِ کفر ہی میں مر گیا۔[1] واللہ اعلم

1 الاکتفاء: 2/402-405، الطبقات لابن سعد: 1/262، السیرۃ الحلبیۃ: 3/303،304.

مکتوب گرامی بنام شاہ بحرین منذر بن ساوی عبدی تمیمی

رسول اللہ ﷺ نے یہ خط کس وقت تحریر کرایا، اس بارے میں مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ مکتوب مقدس فتح مکہ کے بعد جعرانہ سے واپسی سے پہلے بھجوایا تھا۔

دوسرا قول فتح مکہ سے پہلے کا ہے۔[1] لیکن ابن سید الناس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منذر کو حدیبیہ سے واپسی کے بعد خط لکھا تھا۔[2]

امام زیلعی نے واقدی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منذر کو رجب 9ھ میں تبوک سے واپسی پر خط بھیجا تھا۔ یہ خط سیدنا علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔[3]

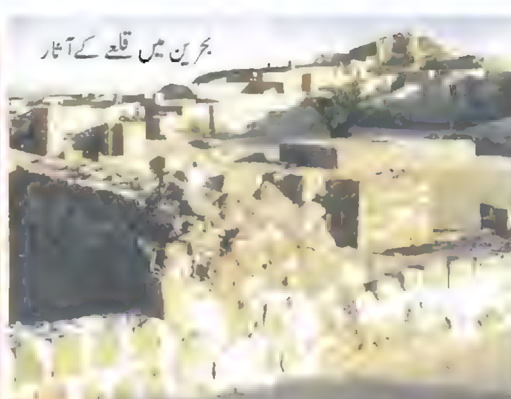
منذر کے ساتھ مسلمانوں کے سفارتی تعلقات خاصے پرانے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی جوانی کے دور میں اس علاقے میں تشریف لائے تھے اور یہاں کے احوال و ظروف سے خاصی واقفیت رکھتے تھے۔[4] آپ ﷺ نے اسے متعدد خطوط لکھے تھے۔

منذر بن ساوی کا تعارف

شاہ ایران نے منذر بن ساوی کو بحرین کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اس کا تعلق بنو تمیم سے تھا۔ یہ مجوسی تھا، دور جاہلیت میں

1 زاد المعاد: 123/1. 2 عیون الأثر، ص: 428. 3 نصب الرایة: 420،419/4. 4 مسند أحمد: 206/4.





بحرین میں قلعے کے آثار

علاقہ ہجر کے بازار کے تاجروں سے منافع کا دسواں حصہ وصول کرتا تھا۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے مسلمان ہوگئے اور بعد میں بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ یہ مسلمان ہونے کے بعد بھی بدستور بحرین کے حاکم رہے۔[1]

سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے احوال

منذر کے نام مکتوب مقدس سیدنا علاء بن عبداللہ بن عماد حضرمی رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔ ان کے والد کا تعلق حضرموت سے تھا، اس لیے انھیں حضرمی کہا جاتا تھا۔ ان کے والد نے مکہ میں سکونت اختیار کرلی، پھر وہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے والد حرب بن امیہ کے حلیف بن گئے۔ علاء رضی اللہ عنہ مکہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے دعوت اسلام کے آغاز ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا۔ ان کا شمار کاتبین وحی میں ہوتا ہے۔ ان کی دعا قبول ہوتی تھی، اس لیے انھیں ''مجاب الدعوات'' بھی کہا جاتا تھا۔ وہ بڑے فصیح اللسان، قوی البیان اور دانا آدمی تھے۔ ساتویں ہجری میں بحرین چلے گئے اور طویل مدت تک وہیں رہے۔ علاء رضی اللہ عنہ منذر بن ساوی کے مقربین میں سے تھے اور امور سلطنت چلانے میں ان کے معاون تھے۔ منذر کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں بحرین کا والی بنادیا۔ بعدازاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں اسی منصب پر برقرار رکھا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس انھیں بحرین کا عامل بنایا تھا اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے انھیں برقرار رکھا تھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بصرہ کا والی مقرر کیا تو وہ اپنے عہدے کا چارج لینے کے

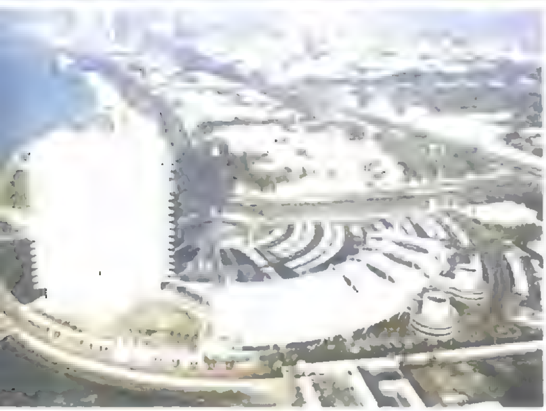
1 ابن سعد: 4/194، معجم البلدان: 1/347، 348.



لیے بصرہ روانہ ہوگئے لیکن ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ ارض تمیم کی ایک بستی میں وفات پا گئے۔ یہی علاقہ آج کل کویت کہلاتا ہے۔ یہ 21ھ کی بات ہے۔ دوسرے قول کے مطابق یہ 14ھ کا زمانہ تھا۔[1] واللہ اعلم



بصرہ کا فضائی منظر



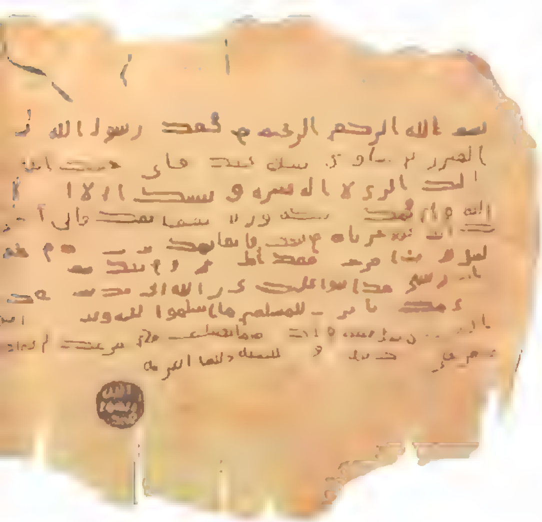
کویت کا فضائی منظر

خط کا متن

سیدنا علاء رضی اللہ عنہ منذر بن ساوی کے پاس جو خط لے کر گئے، اس کی عبارت درج ذیل ہے:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ اِلَى الْمُنْذِرِ بْنِ سَاوٰى، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّي أَدْعُوكَ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَأَسْلِمْ تَسْلَمْ، أَسْلِمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَكَ مَا تَحْتَ يَدَيْكَ، وَاعْلَمْ أَنَّ دِينِي سَيَظْهَرُ إِلٰى مُنْتَهَى الْخُفِّ وَالْحَافِرِ"

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ کی طرف سے، منذر بن ساوی کے نام۔ سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کا پیروکار بنے، امابعد! میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کر لو، سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمھاری حکومت برقرار رکھے گا۔ اور جان لو کہ میرا دین وہاں تک پہنچے گا جہاں تک اونٹ اور گھوڑے پہنچ سکتے ہیں۔"

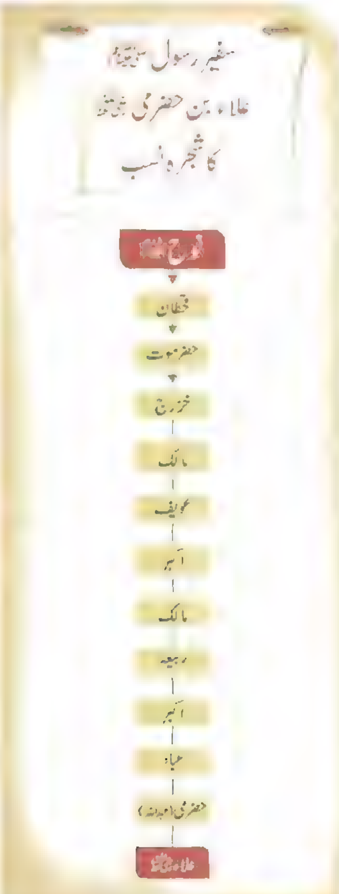


منذر بن ساوی کے نام مکتوب نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خط کے آخر میں مہر بھی لگائی۔[2]

1 الإصابة: 445/5. 2 نصب الراية: 420/4.

سفیر نبوی اور منذر کے مذاکرات



سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ خط لے کر منذر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت ان کے ساتھ کچھ اور صحابہ بھی تھے جن میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں الوداع کرتے ہوئے وصیت فرمائی:

[illegible]

''میں تمھیں تمھارے ان ساتھیوں کے متعلق بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔''

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

[illegible] إلى ما دعوتهم إليه، فأقم حتى يأتيك أمري، وخذ الصدقة من أغنيائهم فردها في فقرائهم

''اگر وہ تمھاری دعوت قبول کر لے تو تم میرے اگلے حکم تک وہیں رہنا۔ وہاں کے امیروں سے زکاۃ وصول کرنا اور انھی کے غریب لوگوں میں تقسیم کر دینا۔''[1]

سیدنا علاء رضی اللہ عنہ منذر کے پاس پہنچے، نامۂ گرامی اس کے سپرد کیا اور فرمایا: ''اے منذر! آپ اس دنیا کے معاملات اچھی طرح سمجھتے ہیں، آپ کو آخرت کے احوال بھی سمجھنے چاہئیں۔ جان لیجیے کہ مجوسیت بدترین مذہب ہے۔ اس مذہب کی تعلیمات کے مطابق اس میں نہ عرب کی عزت و ناموس کا لحاظ ہے، نہ اہل کتاب کے لوگوں کا علم۔ اس مذہب میں بہنوں اور بیٹیوں سے بھی شادی کر لی جاتی ہے جو نہایت شرمناک فعل ہے۔ اس دین کے پیروکار آگ کی عبادت کرتے ہیں، قیامت کے دن یہی آگ انھیں جلائے گی۔ آپ عقل و شعور والے ہیں۔ آپ ہی بتائیے کہ کیا اس شخص کی دعوت مسترد کر دی جائے جس نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا؟ کیا اس عظیم انسان پر یقین نہ کیا جائے جس نے کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیا؟ کیا اسے امانت دار قرار نہ دیا جائے جس نے کبھی خیانت نہیں کی؟ اگر ایسا نہیں ہونا چاہیے تو ہمارے نبی امی کی یہی صفات ہیں۔ اللہ کی قسم! جس بات کا وہ حکم دیتے ہیں، اس کے بارے

1 الطبقات لابن سعد: 263/1، نصب الراية: 420/4.

میں کوئی عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کام نہ کیا جائے اور جن کاموں سے وہ منع کرتے ہیں، انھیں کوئی جائز نہیں کہہ سکتا۔ کوئی عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ ﷺ کو سزا دینے میں نرمی کرنی چاہیے اور معافی دینے میں اور زیادہ کشادہ اور وسیع الظرف ہونا چاہیے۔ ہمارے نبی ﷺ کا ہر عمل اور ہر حکم تمام دانش مندوں کی سوچ کے مطابق ہے۔''

منذر نے کہا: ''مجھے تمھارے دین میں جو چیز سب سے زیادہ پسند آئی ہے، وہ یہ ہے کہ تمھارا دین دنیا و آخرت دونوں کی فلاح کا ضامن اور خازن ہے، جبکہ میرا دین صرف دنیا کی کامیابی کے گر بتاتا ہے، لہٰذا مجھے کیا پڑی ہے کہ میں وہ دین قبول نہ کروں جس میں دنیاوی خواہشات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اخروی راحت کا سامان بھی موجود ہے۔ میری حالت یہ تھی کہ کل تک جو شخص اسلام قبول کر رہا تھا، مجھے اس پر تعجب ہوتا تھا لیکن آج صورت حال بالکل مختلف ہے۔ اب جو شخص اسلام قبول نہیں کرتا، مجھے اس پر حیرانی ہوتی ہے۔ جو پیغام آپ لائے ہیں، اس کی تعظیم یہی ہے کہ اس کے بھیجنے والے کی تعظیم و تکریم کی جائے۔ میں مزید غور کروں گا۔''[1]

بعدازاں منذر نے کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور سیدنا علاء رضی اللہ عنہ کی بہت خاطر مدارات کی۔ منذر صرف اپنے اسلام تک محدود نہیں رہے بلکہ انھوں نے تمام اہل بحرین کو اسلام کی دعوت دی جس کے نتیجے میں کچھ لوگ مسلمان ہو گئے جبکہ بعض اپنے دین پر قائم رہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں منذر کا عریضہ

منذر نے نبی ﷺ کی خدمت میں ایک خط لکھا اور آپ ﷺ کو اپنے اور اہل بحرین کے اسلام قبول کرنے کی خبر دی۔ یہ جوابی خط سیدنا علاء رضی اللہ عنہ لے کر آئے۔ خط کا متن درج ذیل ہے:

أَمَّا بَعْدُ: يَا رَسُولَ اللهِ! فَإِنِّي قَرَأْتُ كِتَابَكَ عَلَى أَهْلِ الْبَحْرَيْنِ، فَمِنْهُمْ مَنْ أَحَبَّ الْإِسْلَامَ وَأَعْجَبَهُ وَدَخَلَ فِيهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ كَرِهَهُ، وَبِأَرْضِي مَجُوسٌ وَيَهُودُ، فَأَحْدِثْ إِلَيَّ فِي ذٰلِكَ أَمْرَكَ

''امابعد: اے اللہ کے رسول! میں نے بحرین کے لوگوں کو آپ کا مکتوب گرامی پڑھ کر سنایا۔ اہل بحرین میں سے کچھ لوگوں نے اسلام کو پسند کیا اور مسلمان ہو گئے ہیں۔ بعض لوگوں نے اسے پسند نہیں کیا۔ میری رعایا میں مجوس اور یہودی بھی شامل ہیں۔ ان کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟''[2]

سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ یہ خط لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کارگزاری گوش گزار کی۔

1 الروض الأنف 391،390/4. 2 الطبقات لابن سعد 263/1، السيرة الحلبية 301/3.

رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے۔ آپ نے منذر کے نام ایک اور نامۂ مبارک تحریر کرایا۔ اس میں آپ ﷺ نے بعض احکام کی وضاحت فرمائی۔ یہ مکتوب گرامی بھی سیدنا علاء رضی اللہ عنہ لے کر گئے۔

منذر بن ساویٰ کے نام دوسرا نامۂ مبارک

رسول اللہ ﷺ نے منذر کے نام جو دوسرا خط ارسال فرمایا، اس کی عبارت درج ذیل ہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلَى الْمُنْذِرِ بْنِ سَاوَى، سَلَامٌ عَلَيْكَ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أُذَكِّرُكَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ، فَإِنَّهُ مَنْ يَنْصَحْ فَإِنَّمَا يَنْصَحُ لِنَفْسِهِ، وَإِنَّهُ مَنْ يُطِعْ رُسُلِي وَيَتَّبِعْ أَمْرَهُمْ فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ نَصَحَ لَهُمْ فَقَدْ نَصَحَ لِي، وَإِنَّ رُسُلِي قَدْ أَثْنَوْا عَلَيْكَ خَيْرًا، وَإِنِّي قَدْ شَفَّعْتُكَ فِي قَوْمِكَ، فَاتْرُكْ لِلْمُسْلِمِينَ مَا أَسْلَمُوا عَلَيْهِ، وَعَفَوْتُ عَنْ أَهْلِ الذُّنُوبِ، فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وَإِنَّكَ مَهْمَا تُصْلِحْ فَلَنْ نَعْزِلَكَ عَنْ عَمَلِكَ، وَمَنْ أَقَامَ عَلَى يَهُودِيَّةٍ أَوْ مَجُوسِيَّةٍ فَعَلَيْهِ الْجِزْيَةُ»

''بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد رسول اللہ کی طرف سے، منذر بن ساوی کے نام۔ تم پر سلامتی ہو، میں تمھارے سامنے اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اما بعد! میں تمھیں اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں۔ جو شخص میری نصیحت پر عمل کرے گا، وہ اپنا ہی بھلا کرے گا اور جس نے میرے سفیروں کی بات مان لی اور ان کے حکم کے تابع ہوگیا، اس نے گویا میری ہی اطاعت کی۔ جو شخص میرے سفیروں کا خیرخواہ ہوگا، وہ میرا ہی خیراندیش باور کیا جائے گا۔ میں نے اپنے قاصدوں کی زبانی تمھارے اچھے اوصاف سنے۔ میں تمھیں اپنی رعایا سے حسن سلوک کا معاملہ کرنے کی سفارش کرتا ہوں۔ مسلمان جس حال پر ایمان لائے ہیں، انھیں اسی پر چھوڑ دو۔ میں نے خطا کاروں کو معاف کر دیا ہے، لہٰذا ان سے (ان کا عذر) قبول کرلو۔ جب تک تم اصلاح کی راہ اختیار کیے رکھو گے، ہم تمھیں تمھارے عمل (منصب) سے معزول نہیں کریں گے اور جو یہودیت اور مجوسیت پر قائم رہے، اس پر جزیہ ہے۔''[1]

[1] الاکتفاء: 2/396، 397.

علامہ ابوعبید قاسم بن سلام نے اپنی سند سے عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منذر بن ساویٰ کو ایک خط لکھا تھا، اس کا متن درج ذیل ہے:

سلامٌ أنت، فإني أحمد إليك الله الذي لا إله إلا هو، أما بعد ذالك: فإن من صلى صلاتنا، واستقبل قبلتنا، وأكل ذبيحتنا، فذالك المسلم الذي له ذمة الله وذمة الرسول، فمن أحب ذالك من المجوس فإنه آمن ومن أبى، فإن الجزية عليه.

''تم پر سلام ہو۔ میں تمھارے سامنے اُس اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اما بعد: جو شخص ہماری طرح نماز ادا کرے، ہمارے قبلے کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبح کیا ہوا جانور کھائے، وہ مسلمان ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ وعہد ہے۔ مجوسیوں میں سے جو یہ باتیں بخوشی مان لے، اسے امن حاصل ہوگا اور جو انکار کرے، اس پر جزیہ لاگو ہوگا۔''[1]

منذر کا مال کی وصیت کے بارے میں سوال

منذر بن ساوی بڑی عمدگی کے ساتھ اسلام پر عمل پیرا رہے۔ تاریخ طبری میں ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے، اس وقت سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ عمان میں تھے۔ وفات کی خبر سن کر وہ واپس مدینہ روانہ ہوئے۔ جب وہ بحرین سے گزرے تو منذر بن ساویٰ کے پاس گئے۔ وہ اس وقت بستر مرگ پر پڑے ہوئے تھے۔ منذر نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے مرنے والے کو اپنے مال میں سے کتنے مال کی وصیت کرنے کی اجازت دی ہے؟ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ایک تہائی (1/3) کی اجازت دی ہے۔ منذر نے کہا: اب آپ کا کیا مشورہ ہے کہ میں اپنے ایک تہائی مال کے بارے میں کیا وصیت کروں؟ انھوں نے کہا: یہ آپ کی مرضی پر موقوف ہے، چاہیں تو قریبی رشتے داروں میں تقسیم کر دیں اور چاہیں تو اسے مخصوص لوگوں کے لیے وقف کر جائیں، یہ مال آپ کے مرنے کے بعد صدقہ جاریہ کے طور پر انھی لوگوں کے لیے حلال ہوگا جن کے لیے آپ خاص کر جائیں گے۔ منذر کہنے لگے: میں اپنے مال کو اس طرح حرام کر کے نہیں جانا چاہتا جس طرح جاہلیت میں لوگ ''بحیرہ'' ''سائبہ'' ''وصیلہ'' اور ''حام'' چھوڑ کر جاتے تھے بلکہ میں ایسا صدقہ کر جاؤں گا کہ جن کو میں مال دوں گا، وہ اس کے استعمال میں بااختیار ہوں گے۔[2]

منذر کی ان باتوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اسلام لانے کے بعد اسلامی تعلیمات پر کتنی پابندی سے عمل کرتے تھے۔ وہ 11ھ میں فوت ہوئے۔

1 كتاب الأموال للقاسم بن سلام، ص: 20. 2 تاريخ الطبري: 2/520، 521.

شاہانِ عُمان کے نام نبی ﷺ کا مکتوب گرامی

رسول اللہ ﷺ نے ذوالقعدہ 8 ھ میں شاہان عُمان جیفر اور اس کے بھائی عبد کے نام ایک نامہ مبارک لکھا۔ ان کے والد کا نام جلندیٰ تھا۔ وہ ازدی اور یمنی نژاد تھے۔ عُمان اور اس کے گردونواح کے حاکم تھے۔ مذہباً عیسائی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ان کے نام خط دے کر روانہ کیا۔ خط پڑھنے کے بعد انھوں نے عمرو رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا لیکن نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے، البتہ انھوں نے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر تسلیم کیا اور صدقے کی وصولی میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی بلکہ مخالفت کرنے والوں کے خلاف کارروائی کی۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا تعارف

سیدنا عمرو بن عاص سہمی رضی اللہ عنہ قریش کی شاخ بنوسہم سے تعلق رکھتے تھے۔ کنیت ابوعبداللہ تھی۔ عرب کے بڑے سیاسی لیڈروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ مکہ میں پیدا ہوئے۔ زمانۂ جاہلیت میں مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمنوں کی صف میں شامل تھے۔ انھی کو قریش نے نجاشی کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا تاکہ وہ نجاشی سے گفتگو کر کے مہاجرین کو حبشہ سے نکلوا دیں اور واپس لے آئیں۔ وہ بری اور بحری راستوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ بہت بڑے تاجر تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ دوسرے جلیل القدر صحابہ کے ساتھ مل کر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ وہ نبی ﷺ پر نازل ہونے والی وحی اور آپ ﷺ کے خطوط بھی لکھا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے عُمان جانے کے لیے انھیں منتخب کیا کیونکہ وہ اس علاقے کو اچھی طرح جانتے تھے اور معاملات احسن انداز سے نبھا سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں عمان پر عامل بھی مقرر کیا تھا۔ وہ آپ ﷺ

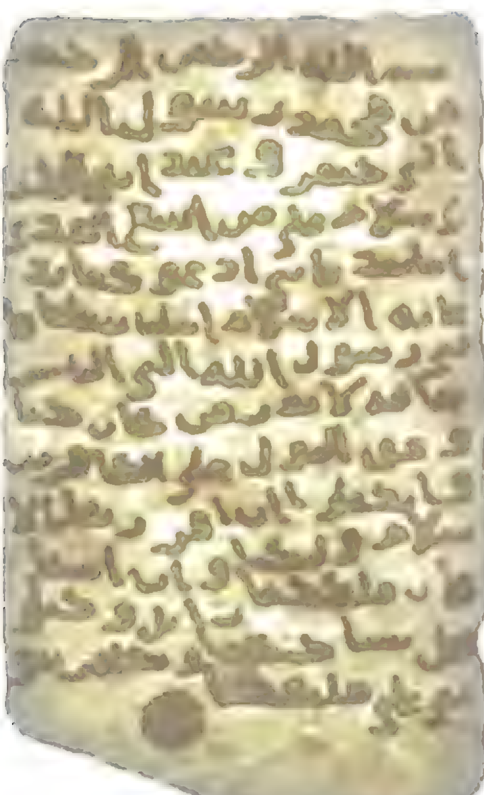


کی وفات تک وہیں مقیم رہے۔ انھوں نے 43ھ میں وفات پائی۔[1]

نامۂ مبارک کی عبارت

رسول اللہ ﷺ نے شاہانِ عمان جیفر اور عبد کے نام جو مراسلہ ارسال فرمایا، اس کی عبارت درج ذیل ہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، إِلٰى جَيْفَرٍ وَ عَبْدٍ ابْنَيِ الْجُلَنْدٰى، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكُمَا بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمَا تَسْلَمَا، فَإِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً، لِأُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ، فَإِنَّكُمَا إِنْ أَقْرَرْتُمَا بِالْإِسْلَامِ وَلَّيْتُكُمَا، وَإِنْ أَبَيْتُمَا أَنْ تُقِرَّا بِالْإِسْلَامِ، فَإِنَّ مُلْكَكُمَا زَائِلٌ عَنْكُمَا، وَخَيْلِي تَحُلُّ بِسَاحَتِكُمَا، وَتَظْهَرُ نُبُوَّتِي عَلٰى مُلْكِكُمَا»



شاہانِ عمان کے نام مکتوبِ نبوی

”بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد بن عبداللہ کی طرف سے، جلندی کے دونوں بیٹوں جیفر اور عبد کے نام۔ سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کا پیروکار بنے۔ امابعد! میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تم اسلام قبول کرلو، سلامت رہو گے۔ میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں تاکہ زندوں کو ڈراؤں اور کافروں پر حق بات واضح ہو جائے۔ اگر تم دونوں نے اسلام قبول کر لیا تو میں تم دونوں کو تمھارے منصب حاکمیت پر بحال رکھوں گا۔ اگر تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو تمھاری حکومت جاتی رہے گی، میرے لشکر تمھیں تمھاری سرزمین پر روند ڈالیں گے اور تمھاری بادشاہت پر میری نبوت غالب آجائے گی۔“

اس خط کو تحریر کرنے کی سعادت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر اپنی مہر بھی لگائی۔[2]

1 أسد الغابة: 385,384/3، عالمية الإسلام، ص: 153-155. 2 الاكتفاء: 398/2، زاد المعاد: 693/3

سفیر اور جلندی کے صاحبزادوں کے مابین گفتگو

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ سے روانہ ہوا اور عمان پہنچا۔ پہلے عبد کے پاس گیا، وہ بہت نرم خو اور حلیم الطبع آدمی تھا۔ میں نے اس سے کہا: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تمھارے اور تمھارے بھائی کی طرف بحیثیت قاصد آیا ہوں۔''

عبد: میرا بھائی بلحاظ عمر اور حکومت مجھ سے مقدم ہے۔ میں آپ کو اپنے بھائی کے پاس لے جاتا ہوں، وہی وہ مکتوب پڑھے گا جو آپ لائے ہیں۔

سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعدازاں اس نے مجھ سے پوچھا: ''آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''میں تمھیں اللہ وحدہ لاشریک کی طرف بلاتا ہوں اور یہ کہ اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت کی جارہی ہے، اسے چھوڑ دو اور اس بات کی گواہی دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

عبد: اے عمرو! آپ اپنی قوم کے سردار کے فرزند ہیں، یہ بتائیے کہ آپ کے باپ (عاص بن وائل) نے اس بارے میں کیا کہا ہے کیونکہ اس بارے میں وہی ہمارے لیے نمونہ ہوں گے۔

عمرو رضی اللہ عنہ: ''وہ اس حالت میں فوت ہوئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہیں لائے تھے لیکن کاش! وہ ایمان قبول کر لیتے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر جاتے۔ پہلے میری رائے بھی انھی جیسی تھی حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اب مجھے اسلام کی دولت سے نواز دیا ہے۔''

عبد: ''آپ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کب اختیار کی؟''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''ابھی تھوڑا عرصہ ہی ہوا ہے۔''

عبد: ''جب آپ نے اسلام قبول کیا، اُس وقت آپ کہاں تھے؟''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''میں اس وقت شاہ حبشہ نجاشی کے پاس تھا۔ نجاشی بھی مسلمان ہو چکا ہے۔''

عبد: ''اچھا پھر اس کی قوم نے اس کی بادشاہت کے بارے میں کیا اقدام کیا؟''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''انھوں نے بدستور اس کی بادشاہت بحال رکھی ہے اور اس کی پیروی بھی کی ہے۔''

عبد: ''کیا وہاں کے پادریوں اور راہبوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے؟''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''ہاں، انھوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔''

عبد: ''اے عمرو! غور کرو، تم کیا کہہ رہے ہو، جھوٹ سے بڑھ کر رسوا کرنے والی خصلت اور کوئی نہیں ہوتی۔''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''میں نے جھوٹ نہیں کہا، نہ ہم اپنے دین میں جھوٹ کو حلال سمجھتے ہیں۔''

عبد: ''میرا نہیں خیال کہ ہرقل کو نجاشی کے اسلام کی خبر ہوگی۔''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''ایسی کوئی بات نہیں، ہرقل کو نجاشی کے اسلام کی اطلاع مل چکی ہے۔''

عبد: ''عمرو! یہ بات آپ کیسے جانتے ہیں؟''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''نجاشی ہرقل کو خراج دیا کرتا تھا۔ جب وہ مسلمان ہوا اور اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو اس نے صاف اعلان کر دیا: ''اللہ کی قسم! اب ہرقل مجھ سے ایک درہم بھی مانگے گا تو ہرگز نہیں دوں گا۔'' ہرقل کو اس بات کا پتا چلا تو اس کے بھائی نیاق نے کہا: کیا تم اپنے غلام کو یونہی چھوڑ دو گے کہ وہ تمھیں خراج نہ دے اور کوئی نیا دین اختیار کر لے؟ ہرقل نے کہا: اس نے اپنے لیے ایک دین پسند کیا اور اسے اختیار کر لیا۔ اب میں اسے کیا کہہ سکتا ہوں؟ اللہ کی قسم! اگر مجھے اپنی سلطنت کے چھن جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں بھی وہی عمل کرتا جو اس نے کیا ہے۔''

عبد: ''عمرو! پھر غور کر لیجیے، آپ کتنی بڑی بات کر رہے ہیں؟''

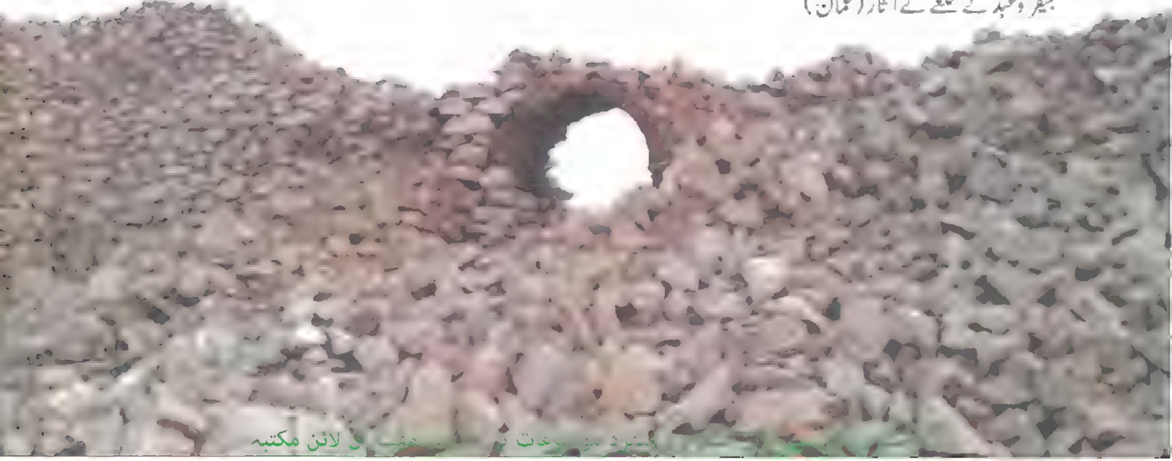
عمرو رضی اللہ عنہ: ''اللہ کی قسم! میں نے جو کچھ کہا ہے، وہ بالکل سچ ہے۔''

عبد: ''اچھا اب یہ بتائیے کہ محمد کس بات کا حکم دیتے ہیں اور کس بات سے روکتے ہیں؟''

عمرو رضی اللہ عنہ: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے منع فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیکی اور صلہ رحمی کی تاکید فرماتے ہیں اور ظلم و زیادتی، زنا، شراب نوشی، بت پرستی اور صلیب کی پوجا سے منع کرتے ہیں۔''

عبد: ''یہ کتنا اچھا دین ہے جس کی طرف وہ بلاتے ہیں۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر میرا بھائی مجھ سے اتفاق کرے تو ہم ان کے پاس جائیں، ان پر ایمان لائیں اور ان کی تصدیق کریں، لیکن میرا بھائی اپنی حکمرانی پر ریجھ گیا ہے۔

جیفر و عبد کے قلعے کے آثار (عمان)



وہ حکومت نہیں چھوڑے گا۔"

عمرو رضی اللہ عنہ: "اگر وہ اسلام قبول کر لے تو رسول اللہ ﷺ اسے اس کی قوم پر بدستور بحیثیت حاکم برقرار رکھیں گے، البتہ وہاں کے مال داروں سے صدقہ وصول کریں گے اور انھی کے غریبوں میں تقسیم کر دیں گے۔"

عبد: "ارے واہ! یہ تو بڑا اچھا اخلاق ہے لیکن یہ صدقہ کیا ہوتا ہے؟"

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے مختلف اموال میں رسول اللہ ﷺ کے مقرر کیے ہوئے صدقات کی تفصیل بتائی اور جب مویشیوں کی باری آئی تو اس نے کہا: "اے عمرو! کیا ہمارے اُن مویشیوں میں سے بھی صدقہ لیا جائے گا جو خود ہی چر لیتے ہیں اور چشموں سے پانی پی لیتے ہیں؟" ... سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"جی ہاں!" یہ جواب سن کر اس نے کہا: "اللہ کی قسم! میری قوم اپنے ملک کی وسعت اور تعداد کی کثرت کے باوجود یہ بات نہیں مانے گی۔"

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں چند دن جیفر کے دروازے ہی پر منتظر رہا۔ اس کے بھائی عبد نے اس تک میری باتیں پہنچا دی تھیں۔ ایک دن اس نے مجھے بلا لیا۔ میں اندر داخل ہوا تو اس کے محافظوں نے مجھے میرے بازوؤں سے پکڑ لیا۔ اس نے کہا: اسے چھوڑ دو، پھر جب میں دربار میں بیٹھنے لگا تو انھوں نے مجھے بیٹھنے نہیں دیا۔ میں نے بادشاہ کی طرف دیکھا تو اس نے کہا: "تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو، کہو!"

میں نے فوراً رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی اس کے حوالے کر دیا۔ اس نے مہر توڑی۔ خط پڑھا، جب پورا خط پڑھ چکا تو اسے اپنے بھائی کے حوالے کر دیا۔ اس نے بھی خط پڑھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کا بھائی اس سے زیادہ نرم خو ہے۔ پھر ہمارے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

جیفر: "بتاؤ کہ قریش نے کیا طرز عمل اختیار کیا ہے؟"

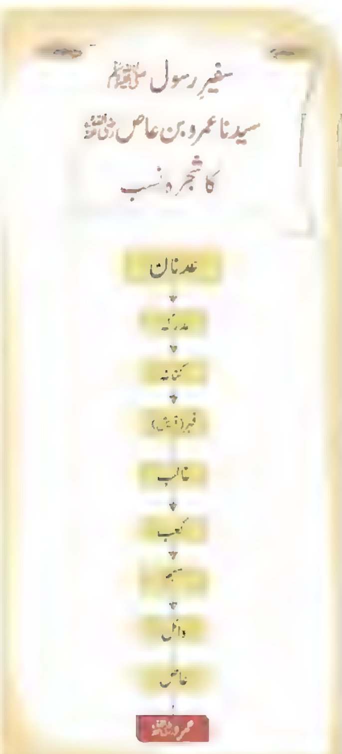
میں نے کہا: "قریشیوں نے محمد ﷺ کے دین میں رغبت رکھتے ہوئے یا تلوار کے ڈر سے ان کی پیروی اختیار کر لی ہے۔"

جیفر: "ان کے ساتھ کون لوگ ہیں؟"

میں نے کہا: "بہت سے لوگ ہیں۔ انھوں نے اسلام میں رغبت ظاہر کی ہے، دوسرے ادیان چھوڑ دیے ہیں اور اسلام قبول کر لیا ہے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت کے تحت اپنی عقل سے یہ جان لیا ہے کہ اس سے

پہلے وہ واقعی گمراہی میں مبتلا تھے۔ میں نہیں جانتا کہ اس خطۂ ارض میں تمھارے سوا کوئی اور ایسا شخص باقی ہے جس نے ابھی اسلام قبول نہ کیا ہو۔ اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا اور سیدنا محمد ﷺ کی پیروی اختیار نہ کی تو ان کے لشکر تمھیں روند ڈالیں گے اور تمھاری ہریالی کا صفایا کر دیں گے۔ اس لیے خیر اسی میں ہے کہ تم اسلام قبول کر لو۔ اس صورت میں رسول اللہ ﷺ تمھیں ہی تمھاری قوم کا حکمران بنا دیں گے، پھر تمھاری طرف نہ شہسوار آئیں گے، نہ پیادے لشکر۔ تم بالکل امن اور سلامتی کے ساتھ رہو گے۔''

جیفر: ''مجھے غور و فکر کے لیے ایک دن کی مہلت چاہیے۔ آپ کل آ جائیں۔''



عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کے بعد میں اس کے بھائی کے پاس آ گیا۔ اس نے کہا: اے عمرو! مجھے امید ہے کہ بادشاہت کی حرص غالب نہ آئی تو وہ اسلام قبول کر لے گا۔ دوسرے دن میں پھر بادشاہ کے پاس گیا لیکن اس نے باریابی کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ میں اس کے بھائی کے پاس واپس آ گیا اور بتلایا کہ بادشاہ تک میری رسائی نہیں ہو سکی۔ یہ سن کر عبد نے مجھے اس تک پہنچا دیا۔ جیفر نے کہا: میں نے تمھاری دعوت پر غور کیا ہے۔ اگر میں بادشاہت ایک ایسے آدمی کے حوالے کر دوں جس کے لشکر ابھی یہاں پہنچے ہی نہیں تو میں عرب میں سب سے کمزور سمجھا جاؤں گا۔ اور اگر اس کے شہسوار یہاں آ گئے تو ایسا مقابلہ ہوگا کہ اس جیسا مقابلہ اس نے کبھی کسی سے کیا ہی نہیں ہوگا۔ میں نے کہا: اچھا تو میں کل واپس جا رہا ہوں۔ جب اسے میری واپسی کا یقین ہو گیا تو اس نے اپنے بھائی سے علیحدگی میں بات کی اور کہا: یہ پیغمبر جن پر غالب آ چکا ہے، ان کے مقابلے میں تو ہماری کوئی حیثیت ہی نہیں۔ اس نے جس کے پاس بھی پیغام بھیجا ہے، اس نے دعوت اسلام قبول کر لی ہے، چنانچہ دوسرے دن مجھے صبح سویرے ہی بلا لیا گیا۔ پھر بادشاہ اور اس کے بھائی دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔ دونوں نے نبی ﷺ کی تصدیق بھی کی اور صدقہ وصول کرنے اور لوگوں کے مابین فیصلے کرنے کا مجھے پورا اختیار دے دیا۔ جس نے میری مخالفت کی، اس کے خلاف انھوں نے میری بھرپور مدد کی۔[1]

1 نصب الرایة: 4/424,423، السیرة الحلبیة: 3/301-303، الاکتفاء: 2/398-401.

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں انھی کے ہاں مقیم رہا یہاں تک کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر آ گئی۔[1]

الروض الانف میں ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جلندی (کے بیٹے) کے پاس پہنچے اور فرمانے لگے:

''اے ابن جلندی! ہر چند تم ہم سے دور ہو لیکن اللہ سے دور نہیں۔ جس تن تنہا ذات نے تمھیں پیدا کیا ہے، وہ اس بات کی مستحق ہے کہ صرف اسی اکلوتی قادر مطلق ہستی کی عبادت کی جائے اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کیا جائے کہ اس نے بھی تمھیں پیدا کرنے میں کسی کو ساتھ نہیں لیا۔ جان لو! جس نے تمھیں زندگی دی ہے، وہی تمھیں موت دے گا اور وہی تمھیں دوبارہ پیدا کر دے گا جس نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا ہے۔ لہٰذا تم اس اُمی نبی کے بارے میں غور کرو جو دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی لے کر آئے ہیں۔ اگر ان کا مقصد کوئی دنیاوی لالچ ہے یا ان کی کوئی ذاتی تمنا ہے تو بے شک ان پر ایمان نہ لاؤ۔ اُن کے پیغام پر پھر غور کرو، کیا یہ اس طرح کا پیغام اور کلام ہے جو عوام الناس لائے ہیں؟ اگر تمھیں یہ محسوس ہو کہ یہ پیغام عام لوگوں کی خبروں کی طرح ہے تو سیدنا محمد ﷺ کے بارے میں ان لوگوں سے پوچھو اور تحقیق کرو جنھوں نے آپ کو دیکھا ہے، اور اگر تمھیں مشابہت نہ لگے تو پھر جو کچھ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، اسے قبول کر لو اور اُن کی وعیدوں سے ڈرو!''

ان کی گفتگو سن کر جلندی (کے بیٹے) نے جواب دیا:

''اللہ کی قسم! مجھے اس اُمی نبی ﷺ کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ جس خیر کے کام کا حکم دیتے ہیں، سب سے پہلے خود اس پر عمل کرتے ہیں اور جس برائی سے روکتے ہیں، سب سے پہلے خود اس سے پرہیز اور گریز کرتے ہیں۔ یہ بھی پتا چلا ہے کہ جب وہ غالب اور فتح یاب ہوتے ہیں تو اتراتے نہیں اور جب مغلوب ہوں تو واویلا نہیں کرتے۔ وہ عہد و پیمان کی خوب پاسداری کرتے اور پردہ پوشی فرماتے ہیں حتی کہ صاحب راز کو بھی اس بارے میں کچھ نہیں بتاتے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہیں۔''[2]

1 الطبقات لابن سعد: 263/1. 2 الروض الأنف: 392,391/4، والاكتفاء: 401,400/2.

مکتوب گرامی بنام ملوک حمیر بنوعبد کلال حارث، مسروح اور نعیم

رسول اللہ ﷺ نے بنوحمیر کے حارث، مسروح اور نُعیم بن عبد کُلال کو بھی خط لکھا۔ یہ خط سیدنا عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے دارارقم منتقل ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ انھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ اس کے بعد یہ مکہ لوٹ آئے تھے اور انھوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کا اعزاز بھی حاصل کیا تھا۔ جنگ یرموک میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔[1]

مکتوب گرامی کا متن

رسول اللہ ﷺ نے ملوک حمیر کو جو خط بھیجا، اس کی عبارت یہ ہے:

بِسمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، إلى الحارث ومسروح
ونعيم بني عبد كلال من حمير، سلم انتم ما
آمنتم بالله ورسوله، وأن الله وحده لا شريك
[illegible]

وادی یرموک



''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حارث، مسروح اور نعیم بنوعبد کلال حمیری کے نام۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس بات کی گواہی دو کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ تم سلامت رہو گے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزات دے کر بھیجا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلمے کے ذریعے پیدا فرمایا لیکن یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں نے کہا: اللہ تین میں سے تیسرا ہے اور عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں

1 أسد الغابة :434/3.

(نعوذ باللّٰہ من ھٰذا القول)۔“

عیاش رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی ہدایات

جب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عیاش رضی اللہ عنہ کو رخصت کیا تو انھیں بڑے خوبصورت انداز میں یہ نصیحت فرمائی:

”إذا جئت أرضهم فلا تدخلن ليلا حتى تصبح، ثم تطهر فأحسن طهورك، وصل ركعتين، وسل الله النجاح والقبول، واستعذ بالله، وخذ كتابي بيمينك، وادفعه بيمينك في أيمانهم، فإنهم قابلون، واقرأ عليهم: ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ﴾ فإذا فرغت منها فقل: آمن محمد وأنا أول المؤمنين، فلن تأتيك حجة إلا دحضت، ولا كتاب زخرف إلا ذهب نوره، وهم قارئون عليك، فإذا رطنوا فقل: ترجموا، وقل: حسبي الله ﴿اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ فإذا أسلموا فسلهم قضبهم الثلاثة التي إذا حضروا بها سجدوا، وهي من الأثل، قضيب ملمع ببياض وصفرة، وقضيب ذو عجر كأنه خيزران، والأسود البهيم

كأنه من ساسم، ثم أخرجها فحرقها بسوقهم“

”جب تم وہاں پہنچو تو رات کے وقت ان کے پاس نہ جانا، صبح کا انتظار کرنا، پھر اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرنا۔ اللہ تعالیٰ سے کامیابی اور قبولیت کی دعا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا۔ یہ میرا خط دائیں ہاتھ سے لے لو، دائیں ہاتھ ہی سے ان کے دائیں ہاتھ میں دے دینا، وہ قبول کریں گے۔ پھر ان کے سامنے ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ......﴾ پڑھنا۔ تلاوت کے بعد کہنا: ”محمد ﷺ (اللہ پر) ایمان لا چکے ہیں۔ میں بھی سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں شامل ہوں۔“ تمھارے خلاف ہر دلیل باطل ہو جائے گی اور ہر مزین خط بے رونق ہو جائے گا۔ وہ لوگ تمھارے سامنے خط پڑھیں گے۔ جب وہ اپنی زبان اور لہجے میں پڑھ چکیں تو ان سے کہنا کہ اب تم لوگ اس کا ترجمہ کرو اور اس وقت تم کہنا: ”مجھے اللہ ہی کافی ہے۔ اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے، میں اس پر ایمان لایا ہوں۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے مابین انصاف کروں۔ اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال۔ ہمارے اور تمھارے مابین کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہمیں جمع کرے گا اور سب کو اسی کی طرف

لوٹ کر جانا ہے۔" جب وہ مسلمان ہو جائیں تو ان سے ان کے تینوں قضیب (چوبی بُت)، جن کے پاس آکر وہ انھیں سجدہ کرتے ہیں، لے کر انھی کے بازار میں جلا ڈالنا۔ ان میں سے ایک قضیب پر سفیدی اور زردی سے ملمع کیا گیا ہے۔ دوسرا بانس کی طرح گانٹھ دار اور تیسرا سیاہ ہے۔ گویا وہ آبنوس کا ہے۔"

عیاش رضی اللہ عنہ شاہانِ حمیر کے دربار میں

سفیرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
سیدنا عیاش بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
کا شجرۂ نسب



سیدنا عیاش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب مبارک لے کر مدینہ سے روانہ ہوگیا اور ٹھیک اسی طرح عمل کیا جس طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا۔ جب میں ملوکِ حمیر کے دربار میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگوں نے خوب زیب و زینت کا اہتمام کیا ہے اور اپنے آپ کو بہت آراستہ کر رکھا ہے۔ میں چلتا رہا تاکہ انھیں قریب سے دیکھوں۔ وہاں تین محل تھے۔ ان کے دروازوں پر بڑے بڑے پردے لٹک رہے تھے۔ میں نے بیچ کے دروازے کا پردہ اٹھایا اور اندر داخل ہوگیا۔ لوگ صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلچی ہوں۔ یہ کہنے کے بعد میں نے سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق کیا اور ان لوگوں کو مکتوب گرامی دے دیا۔ اسے پڑھ کر ان لوگوں نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حمیر کے بادشاہوں کا خط موصول ہوا جس میں انھوں نے قبولِ اسلام کا اعلان کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت خوشی ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دین سکھانے کے لیے ان کی طرف اپنے کچھ صحابہ کو روانہ فرمایا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا اور انھیں اہلِ حمیر کے بارے میں چند وصیتیں فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک خط بھی دیا جس میں اوامر و نواہی اور بعض دوسرے مسائل درج تھے۔ اس مکتوب گرامی میں آپ نے انھیں اپنے بھیجے ہوئے صحابہ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا۔ اس نامۂ مبارک کی برکت سے وہاں سب لوگ مسلمان ہوگئے اور انھوں نے شرک سے پکی توبہ کرلی۔[1] وباللہ التوفیق!

1 الطبقات لابن سعد: 283,282/1، عالمیۃ الإسلام، ص: 160 و 161.

اکثم بن صیفی کے نام نامہ مبارک

رسول اللہ ﷺ نے اکثم بن صیفی کو بھی مکتوب مبارک بھیجا تھا۔ اس کا متن یہ ہے:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلٰى أَكْثَمَ بْنِ صَيْفِيٍّ، أَحْمَدُ اللّٰهَ إِلَيْكَ، إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقُولَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَقُولُهَا وَآمُرُ النَّاسَ بِهَا، الْخَلْقُ خَلْقُ اللّٰهِ، وَالْأَمْرُ كُلُّهُ لِلّٰهِ، خَلَقَهُمْ وَأَمَاتَهُمْ، وَهُوَ يَنْشُرُهُمْ، وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ، أَدَّبْتُكُمْ بِآدَابِ الْمُرْسَلِينَ، وَلَتُسْأَلُنَّ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ، وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ"

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ کی طرف سے اکثم بن صیفی کی طرف، میں تمھیں مخاطب کرتے ہوئے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں خود بھی لا الٰہ الا اللہ کہوں اور لوگوں کو بھی اسی کلمے پر ایمان لانے کا حکم دوں۔ ساری کائنات اللہ ہی نے پیدا کی ہے اور حکم بھی تمام تر اسی کا ہے۔ اسی نے پیدا کیا ہے، وہی موت دے گا اور وہی دوبارہ سب کو اکٹھا کرے گا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ میں نے تمھیں پچھلے انبیاء اور رسولوں کی تعلیمات بتائی ہیں۔ تم خبر عظیم کے بارے میں پوچھتے ہو۔ تم تھوڑے ہی عرصے بعد اس کی حقیقت اچھی طرح جان جاؤ گے۔"[1]

اکثم بن صیفی کون تھے؟

اکثم بن صیفی اہل حجاز کی مشہور و معروف شخصیات میں سے ہے۔ اس کا تعلق بنو سعد بن زید مناۃ بن تمیم سے تھا۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: اکثم بن صیفی بن عبدالعزیٰ بن سعد بن ربیعہ بن اصرم۔ جب اکثم کو رسول اللہ ﷺ کے ظہور کا علم ہوا تو اس نے آپ ﷺ کی طرف دو آدمی بھیجے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ان کا نسب پوچھیں اور جو پیغام وہ لے کر آئے ہیں، وہ معلوم کر کے آئیں۔ وہ آئے تو نبی ﷺ نے انھیں اپنا نسب اور پیغام بتلایا اور پھر درج ذیل آیت تلاوت فرمائی:

1 عالمية الإسلام، ص: 162، مكاتيب الرسول: 2/373,372.

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾

”بے شک اللہ عدل، احسان اور قریبی رشتہ داروں کو دیتے رہنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے روکتا ہے۔ وہ تمھیں وعظ فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔“[1]

وہ دونوں قاصد واپس چلے گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے اکثم کو آگاہ کیا۔ اکثم نے فوراً اپنے لوگوں کو جمع کیا۔ انھیں جلد از جلد محمد ﷺ کی پیروی کا حکم دیا اور یہ وصیت کی: ”اے میری قوم! میں دیکھ رہا ہوں کہ محمد ﷺ مکارم اخلاق کا حکم دیتے اور رذائل سے منع کرتے ہیں۔ تم اس معاملے میں سب سے آگے بڑھو اور ایمان لا کر سرفراز ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ سب سے آخر میں ایمان لا کر پیچھے رہ جاؤ۔“

ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اس پر نزع کا عالم طاری ہو گیا۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا: ”میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ ہمیشہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا اور صلہ رحمی کا خاص خیال رکھنا۔ اس سے اصل بھی قائم رہتی ہے اور فرع بھی جدا نہیں ہوتی۔“[2]

1 النحل 90:16. 2 أسد الغابة: 133،132/1، الإصابة: 350/1-352.

خیبر کے یہودیوں کے نام مکتوب گرامی

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود خیبر کو درج ذیل خط لکھا:

بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد رسول الله، صاحب موسى وأخيه، والمصدق لما جاء به موسى، ألا إن الله عز وجل قال لكم: يا معشر يهود وأهل التوراة! وإنكم تجدون ذالك في كتابكم أن محمدا ﴿رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ وإني أنشدكم بالله وبالذي أنزل عليكم، وأنشدكم بالذي أطعم من كان قبلكم من أسلافكم وأسباطكم المن والسلوى، وأنشدكم بالذي أيبس البحر لآبائكم حتى أنجاكم من فرعون وعمله إلا أخبرتمونا هل تجدون فيما أنزل الله عليكم أن تؤمنوا بمحمد؟ فإن كنتم لاتجدون ذالك في كتابكم فلاكره عليكم، قد تبين الرشد من



نخلستان خیبر کا ایک منظر

”بسم اللہ الرحمن الرحیم، موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی، بھائی اور جو کچھ موسیٰ علیہ السلام لائے، اس کی تصدیق کرنے والے اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے: خبردار! اے یہودیوں کی جماعت اور اہل تورات! اللہ تعالیٰ نے تم سے فرمایا ہے: تم اپنی کتاب میں یہ بات پاتے ہو کہ ”محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے لیے نہایت سخت اور آپس میں نہایت رحمدل ہیں۔ آپ انھیں رکوع و سجود کرتے ہوئے پائیں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔ ان کی خصوصی پہچان ان کے ماتھوں پر سجدوں کا نشان ہے۔ ان کی یہ صفت تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی صفت اس کھیتی کے مانند ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ (پودا تن آور ہو کر) موٹا ہو گیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا، وہ کسانوں کو خوش کرتا ہے۔ (اللہ نے یہ اس لیے کیا) تاکہ ان (صحابۂ کرام) کی وجہ سے کفار کو خوب جلائے۔ اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔“

میں تمھیں اللہ کی اور جو کچھ اس نے تم پر نازل کیا، اس کی قسم دیتا ہوں اور تمھیں اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تم سے پہلے تمھارے اسلاف اور اسباط (نسلوں) کو من اور سلویٰ کھلایا تھا۔ میں تمھیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تمھارے باپ دادا کے لیے سمندر خشک کر دیا تھا اور فرعون اور اس کے عذاب سے تمھیں نجات دی تھی۔ میں تمھیں یہ قسمیں دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم پر نازل ہونے والی کتاب میں اللہ نے تمھیں محمد (ﷺ) پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے؟ اگر تم اپنی کتاب میں یہ بات نہیں پاتے تو تم پر کوئی زور زبردستی نہیں۔ ہدایت اور گمراہی واضح ہو چکی۔ میں تمھیں اللہ اور اس کے نبی کی طرف بلاتا ہوں۔“ [1]

1 نصب الرایۃ: 419/4، البدایۃ والنہایۃ: 301/2.

ضغاطر کے نام مکتوبِ گرامی

رسول اللہ ﷺ نے رومی پادری ضغاطر کی طرف بھی دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ دعوتی خط ارسال فرمایا۔ اس نامۂ مبارک کا متن یہ ہے:

سلام على من آمن، أما بعد! فإن عيسى ابن مريم روح الله وكلمته ألقاها إلى مريم الزكية، وإني أومن بالله وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَآ أُنْزِلَ إِلٰٓى إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَآ أُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ أُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ والسلام على من اتبع الهدى

''سلامتی ہو اس پر جو ایمان لائے۔ اما بعد! بے شک عیسیٰ ابن مریم اللہ کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اس نے پاکیزہ مریم کی طرف ڈال دیا۔ میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں اور اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا، جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف نازل کیا گیا، اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔''[1]

ضغاطر کا قبولِ اسلام

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں قیصر کی طرف روانہ کیا تو قیصر نے انھیں اسقف ضغاطر کے پاس بھیجا کہ وہی اس معاملے میں بااختیار ہے۔ چنانچہ انھوں نے اسے نبی ﷺ کا پیغام پہنچایا اور اسے آپ ﷺ کا نامۂ مبارک پڑھ کر سنایا۔ وہ کہنے لگا: یہی وہ نبی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے۔ سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر تمھارا کیا خیال ہے؟ ضغاطر کہنے لگا: میں تو یقیناً انھی کی تصدیق کرتا ہوں اور ان کی پیروی اختیار کرتا ہوں۔

1 الطبقات لابن سعد: 276،275/1.

دوسری روایت میں ہے کہ جب دحیہ رضی اللہ عنہ ہرقل کے پاس آپ ﷺ کا نامہ مبارک لے کر گئے تو ہرقل نے سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ کو کہا: آپ کا کیا خیال ہے؟ اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے آپ جن کی بات کر رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث نبی ہیں۔ یقیناً ہم انھی کے بارے میں منتظر تھے اور انھی کو اپنی کتابوں میں پاتے تھے۔ لیکن رومیوں سے مجھے جان کا خطرہ ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو میں ان کی ضرور پیروی اختیار کرتا۔ لیکن آپ اسقف ضغاطر کے پاس جائیں۔ اور انھیں اپنے ساتھی محمد ﷺ کے بارے میں بتائیں کیونکہ وہ روم میں مجھ سے زیادہ صاحب حیثیت اور صاحب الرائے ہے۔ چنانچہ دحیہ رضی اللہ عنہ ضغاطر کے پاس آئے اور انھیں نبی ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ تو وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! آپ کے ساتھی اللہ کی طرف سے مبعوث نبی ہیں۔ ہم انھیں ان کے نام اور صفات سے جانتے ہیں۔ پھر ضغاطر نے اپنے کپڑے تبدیل کیے، سفید لباس زیب تن کیا اور پھر رومیوں کے پاس گیا اور اس نے نبی ﷺ کے بارے میں سچائی کی گواہی دی تو رومیوں نے ضغاطر پر حملہ کیا اور اسے شہید کر دیا۔[1]

[1] فتح الباري: 59/1، الإصابة: 406,405/3.

دیگر مکاتیب مقدس

نبی ﷺ نے مذکورہ بالا خطوط کے علاوہ کچھ اور خطوط بھی مختلف لوگوں کو ارسال فرمائے۔ ان میں سے بعض کے متون سیرت کی کتابوں میں درج ہیں اور بعض کی تفصیل موجود نہیں۔ وہ خطوط درج ذیل ہیں:

- رسول اللہ ﷺ نے عمان کی ایک بستی "دما" والوں کو خط لکھا تھا۔ اس بستی پر کسریٰ کا ایک فوجی کمانڈر بستجان حکمران تھا۔ امام اصبہانی نے "دما" کے ایک شخص ابوشداد سے روایت کیا ہے کہ ہمارے پاس نبی اکرم ﷺ کا درج ذیل خط آیا جو چمڑے کے ٹکڑے پر لکھا ہوا تھا:

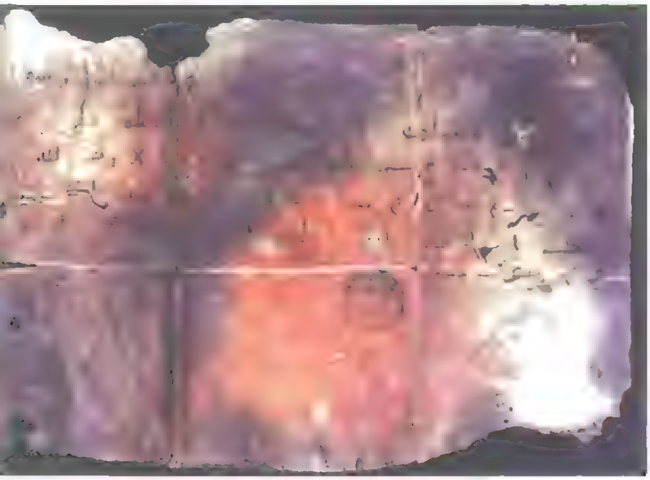
  «مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلٰی أَهْلِ عُمَانَ، سَلَامٌ عَلَيْكُمْ، أَمَّا بَعْدُ: فَأَقِرُّوا بِشَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، وَأَدُّوا الزَّكَاةَ، وَخُطُّوا الْمَسَاجِدَ كَذَا وَكَذَا، وَإِلَّا غَزَوْتُكُمْ»

  "اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے اہل عمان کے نام۔ تم پر سلام ہو، امابعد: تم لوگ یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، زکاۃ ادا کرو اور فلاں فلاں طریقے سے مسجدیں بناؤ، ورنہ میں تم پر حملہ آور ہوں گا۔"

  ابوشداد کا کہنا ہے کہ ہمیں کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو ہمیں آپ کا نامۂ مبارک پڑھ کر سناتا۔ آخر کار ایک سیاہ غلام ملا جس نے ہمیں وہ خط پڑھ کر سنایا۔[1]

- رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص رغیہ سحیمی کے نام بھی خط لکھا تھا۔ یہ یمامہ کا رہنے والا تھا اور بنوحنیفہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے آپ ﷺ کا مبارک خط پکڑا اور اس سے اپنے ڈول کو پیوند لگا لیا۔ اس نے مکتوب مبارک میں لکھے ہوئے ارشادات کی کوئی پروا نہ کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف ایک فوجی دستہ بھیجا جس نے اس کا سارا مال اور اہل وعیال قابو کر لیے۔ وہ بڑی ندامت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا، بیعتِ اسلام کی اور اپنے اہل وعیال واپس لے گیا۔[2]

1 معرفۃ الصحابۃ: 2931،2930/5، المعجم الأوسط للطبراني 435،434/7. 2 مسند أحمد 286،285/5، الإصابۃ 405/2.


مسیلمہ کذاب کے نام لکھا گیا نامہ مبارک

▪ رسول اللہ ﷺ نے یمامہ کے سردار مسیلمہ کذاب کے نام بھی ایک خط لکھا اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ کذاب مسیلمہ نے آپ ﷺ کے مکتوب گرامی کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

مِنْ مُسَيْلِمَةَ رَسُولِ اللّٰهِ إِلٰى مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ، سَلَامٌ عَلَيْكَ، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أُشْرِكْتُ فِي الْأَمْرِ مَعَكَ، وَإِنَّ لَنَا نِصْفَ الْأَمْرِ، وَلِقُرَيْشٍ نِصْفَ الْأَمْرِ، وَلٰكِنَّ قُرَيْشًا قَوْمٌ يَعْتَدُونَ

”اللہ کے رسول مسیلمہ (کذاب) کی طرف سے، اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف۔ سلام علیک، امابعد: مجھے بھی آپ کے ساتھ رسالت میں شریک کیا گیا ہے۔ نصف زمین ہمارے لیے ہے اور نصف قریش کے لیے، لیکن قریش ایک ایسی قوم ہے جو زیادتی کرتی ہے۔“

یہ خط دو قاصد لے کر آئے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو آپ ﷺ نے قاصدوں سے پوچھا: «أَتَقُولَانِ أَنْتُمَا مِثْلَ مَا يَقُولُ؟» ”تم دونوں بھی وہی کہتے ہو جو وہ کہتا ہے؟“ انھوں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا وَاللّٰهِ لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا»

”اللہ کی قسم! اگر یہ قانون نہ ہوتا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جا سکتا تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔“

پھر رسول اللہ ﷺ نے مسیلمہ کو یہ جواب تحریر کرایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلٰى مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابِ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ: فَـ﴿إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾

”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ سلام ہو اس پر جو

ہدایت کی پیروی کرے، امابعد! بلاشبہ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اس کا وارث بناتا ہے اور (اچھا) انجام متقین کے لیے ہے۔''

یہ نامۂ مبارک آپ نے 10 ھ کے آخر میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے بھائی سائب بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔[1]

لیکن مسیلمہ بدستور اپنی ضد پر قائم رہا۔ اس نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بہت بڑا فتنہ برپا کیا، طرفین کا بھاری جانی نقصان ہوا۔ بالآخر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کا اور اس کے فتنے کا خاتمہ کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط بصریٰ کے گورنر کو لکھا اور حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ موتہ میں شرحبیل بن عمرو غسانی نے انھیں روک کر گرفتار کر لیا، پھر انھیں بے دردی سے شہید کر دیا۔ ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قاصد قتل نہیں کیا گیا۔[2] انھی کی شہادت کا انتقام لینے کے لیے بعد میں غزوۂ موتہ برپا ہوا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوبکر بن وائل کو بھی ایک خط لکھا۔ اس کی عبارت یہ تھی:

"مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِلَى بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ: أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا"

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بکر بن وائل کی طرف! اسلام قبول کر لو، سلامت رہو گے۔''

اس نامۂ مبارک کو پڑھنے کے لیے انھیں کوئی شخص نہ ملا۔ آخر کار بنوضبیعہ کے ایک شخص نے انھیں یہ خط پڑھ کر سنایا۔[3]

1 الطبقات لابن سعد 273/1، دلائل النبوة للبيهقي: 332,331/5. 2 المغازي للواقدي: 205/2. 3 مسند أحمد: 68/5.



بصری الشام کے رومی آثار

- رسول اللہ ﷺ نے حمیر کے ایک قبیلے ہوعمرو کو خط لکھا اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ یہ خط تحریر کرنے کا شرف خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو ملا۔[1]
- رسول اللہ ﷺ نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو اپنا نامۂ مبارک دے کر ذوالکلاع بن ناکور اور ذوعمرو کی طرف بھیجا اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ یہ دونوں مسلمان ہوگئے بلکہ ذوالکلاع کی بیوی ضریبہ بنت ابرہہ بن صباح بھی مسلمان ہوگئی۔[2]
- رسول اللہ ﷺ نے معدیکرب بن ابرہہ کو خط لکھا اور یقین دلایا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو خولان کی سرزمین پر بدستور وہی حکمران رہے گا۔[3]


ایلہ کا ایک منظر


خولان کی سرزمین (یمن)

- رسول اللہ ﷺ نے ایلہ کے حکمران یحنہ بن روبہ اور وہاں کے شرفاء و معززین کو بھی ایک نامہ مبارک ارسال فرمایا۔ اس کا متن درج ذیل ہے:

«سِلْمٌ أَنْتُمْ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكُمُ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، فَإِنِّي لَمْ أَكُنْ لِأُقَاتِلَكُمْ حَتّٰى أَكْتُبَ إِلَيْكُمْ، فَأَسْلِمْ أَوْ أَعْطِ الْجِزْيَةَ، وَأَطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَرُسُلَ رَسُولِهِ، وَأَكْرِمْهُمْ وَاكْسُهُمْ كِسْوَةً حَسَنَةً غَيْرَ كِسْوَةِ الْغُزَاةِ، وَاكْسُ زَيْدًا كِسْوَةً حَسَنَةً، فَمَهْمَا رَضِيَتْ رُسُلِي فَإِنِّي قَدْ رَضِيتُ، وَقَدْ عُلِمَ الْجِزْيَةُ، فَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ يَأْمَنَ الْبَرُّ وَالْبَحْرُ فَأَطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، وَيَمْنَعُ عَنْكُمْ كُلَّ حَقٍّ

[1] الطبقات لابن سعد: 265/1. [2] الطبقات لابن سعد: 266،265/1، دیکھیے: صحیح البخاري: 4359. [3] الطبقات لابن سعد: 266/1.

كان للعرب والعجم إلا حق الله وحق رسوله، وإنك إن رددتهم ولم ترضهم لا آخذ منكم شيئا حتى أقاتلكم، فأسبي الصغير وأقتل الكبير، فإني رسول الله بالحق، أومن بالله وكتبه ورسله وبالمسيح ابن مريم أنه كلمة الله، وإني أؤمن به أنه رسول الله، وأت قبل أن يمسكم الشر، فإني قد أوصيت رسلي بكم، وأعط حرملة ثلاثة أوسق شعير، وإن حرملة شفع لكم، وإني لولا الله وذلك لم أراسلكم شيئا حتى ترى الجيش، وإنكم إن أطعتم رسلي، فإن الله لكم جار ومحمد ومن يكون منه، وإن رسلي شرحبيل وأبيّ وحرملة وحريث بن زيد الطائي فإنهم مهما قاضوك عليه فقد رضيته، وإن لكم ذمة الله وذمة محمد رسول الله، والسلام عليكم إن أطعتم، وجهزوا أهل مقنا إلى أرضهم"

''تم سلامتی پالو۔ میں تمھارے سامنے اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ مجھے اس وقت تک تم سے قتال نہیں کرنا تھا جب تک کہ میں تمھیں خط نہ بھیج دیتا۔ تم اسلام قبول کرلو یا جزیہ دو۔ اللہ اور اس کے رسول کی اور اس کے رسول کے سفیروں کی اطاعت کرو۔ ان (سفیروں) کی عزت کرو اور انھیں اچھے لباس دو لیکن جنگی لباس نہ دینا۔ زید کو بھی عمدہ لباس دو۔ میرے قاصد راضی ہو جائیں گے تو سمجھو کہ میں بھی راضی ہوگیا۔ جزیے کی ادائیگی تو معلوم ہی ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ بر و بحر میں امن ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ تم سے عرب و عجم کا ہر حق روک دیا جائے گا، سوائے اللہ اور اس کے رسول کے حق کے۔ اگر تم نے ان (سفیروں) کو خوش کیے بغیر لوٹا دیا تو میں تم سے کوئی چیز نہیں لوں گا یہاں تک کہ تم سے قتال کرلوں، پھر میں تمھارے چھوٹے کو قید اور بڑے کو قتل کروں گا۔ میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ میں اللہ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر اور مسیح ابن مریم پر ایمان رکھتا ہوں کہ وہ اللہ کا کلمہ ہیں۔ میں اس پر بھی ایمان رکھتا ہوں کہ عیسیٰ اللہ کے رسول ہیں۔ تم میرے پاس آجاؤ اس سے پہلے کہ تم پر کوئی آفت آئے۔ میں نے اپنے سفیروں کو تمھارے بارے میں (حسنِ سلوک کی) وصیت کی ہے۔ حرملہ کو تین وسق جو دے دو۔ اس نے تمھاری سفارش کی ہے۔ اگر اللہ کی توفیق اور حرملہ کی سفارش نہ ہوتی تو میں تمھیں خط نہ بھیجتا یہاں تک کہ تم لشکر ہی کو دیکھتے۔ اگر تم میرے سفیروں کی بات مانو گے تو تمھیں اللہ کی اور محمد (ﷺ) اور ان کے نمائندے کی پناہ حاصل ہو جائے گی۔ میرے سفیر شرحبیل، ابی، حرملہ اور حریث

بن زید طائی تم سے جو بھی معاہدہ کرلیں، میں اس سے راضی ہوں اور تمھارے لیے اللہ اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کا عہد و پیمان ہوگا۔ اگر تم اطاعت اختیار کرلو تو تم پر سلامتی ہو۔ مقنا والوں کو ان کی سرزمین تک پہنچنے کے لیے ضروریات فراہم کرو۔''[1]

مقنا (سعودی عرب)



- رسول اللہ ﷺ نے بنو غامد کے ابوظبیان ازدی کو بھی خط بھیجا۔ وہ اپنی قوم کے چند افراد کو ساتھ لے کر مکہ پہنچا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔[2]
- آپ ﷺ نے ساوہ کے بادشاہ نفاثہ بن فروہ دُئلی کو بھی ایک خط لکھا۔[3]
- رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کے عامل ہرمزان کو درج ذیل خط ارسال فرمایا:

بنو غامد کا علاقہ (یمن)



مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ إِلَى الْهُرْمُزَانِ، إِنِّي أَدْعُوكَ إِلَى الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ

''محمد رسول اللہ کی طرف سے ہرمزان کے نام۔ میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسے قبول کرکے تم سلامت رہ سکتے ہو۔''[4]

ساوہ (عراق) اور دریائے فرات



- رسول اللہ ﷺ نے یمن کے بادشاہ باذان فارسی کو سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ذریعے ایک خط بھیجا۔ اس میں آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔[5] باذان کے قبولِ اسلام کی تفصیل ''مکتوب گرامی بنام کسریٰ شاہ فارس'' کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے۔

1 الطبقات لابن سعد: 1/277، 278. 2 الطبقات لابن سعد: 1/280. 3 الطبقات لابن سعد: 1/284. 4 الإصابة 448/6، مجموعة الوثائق السياسية، ص: 144. 5 مجموعة الوثائق السياسية، ص: 212

نبی اکرم ﷺ نے خالد بن ضماد ازدی کو بھی خط بھیج کر اسلام کی دعوت دی۔ اس خط کو تحریر کرنے کی سعادت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ملی۔ اس میں خالد بن ضماد ازدی کے نام درج ذیل باتیں درج تھیں:

"إِنَّ لَهُ مَا أَسْلَمَ عَلَيْهِ مِنْ أَرْضِهِ عَلَى أَنْ يُؤْمِنَ بِاللّٰهِ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَيَشْهَدَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَعَلَى أَنْ يُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَيُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَيَصُومَ شَهْرَ رَمَضَانَ، وَيَحُجَّ الْبَيْتَ، وَلَا يُؤْوِيَ مُحْدِثًا، وَلَا يَرْتَابَ، وَعَلَى أَنْ يَنْصَحَ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ، وَعَلَى أَنْ يُحِبَّ أَحِبَّاءَ اللّٰهِ وَيُبْغِضَ أَعْدَاءَ اللّٰهِ، وَعَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ أَنْ يَمْنَعَهُ مِمَّا يَمْنَعُ مِنْهُ نَفْسَهُ وَمَالَهُ وَأَهْلَهُ، وَإِنَّ لِخَالِدٍ الْأَزْدِيِّ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ النَّبِيِّ إِنْ وَفَى بِهٰذَا"

"اسلام قبول کرنے کی صورت میں اس کی حکمرانی برقرار رہے گی، بشرطیکہ وہ اللہ پر ایمان لائے، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرے، اس بات کی گواہی دے کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کرے، زکاۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، بیت اللہ کا حج کرے، کسی بدعتی کو پناہ نہ دے، (اسلام کے بارے میں) شک نہ کرے، اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرے، اللہ کے محبوب بندوں سے محبت کرے اور اللہ کے دشمنوں سے نفرت کرے۔ نبی محمد ﷺ کے ذمے ہوگا کہ آپ اس کا ان تمام چیزوں سے دفاع کریں جن سے آپ اپنی جان، مال اور اہل و عیال کا دفاع کرتے ہیں۔ اگر خالد ازدی ان باتوں کو پورا کرے تو اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا عہد و پیمان ہوگا۔"[1]

رسول اللہ ﷺ نے بحرین کے ایک حاکم ہلال کو بھی خط کے ذریعے دعوت اسلام دی۔ آپ نے اسے یہ پیغام بھجوایا:

"سِلْمٌ أَنْتَ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَدْعُوكَ إِلَى اللّٰهِ وَحْدَهُ، تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَتُطِيعُ وَتَدْخُلُ فِي الْجَمَاعَةِ فَإِنَّهُ خَيْرٌ لَكَ، وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى"

"تم سلامتی پاؤ۔ میں تمھارے روبرو اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں تمھیں ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں کہ تم اس پر ایمان لے آؤ، اطاعت اختیار کرلو اور (مسلمانوں کی) جماعت میں شامل ہو جاؤ کیونکہ یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔"[2]

1 الطبقات لابن سعد: 267/1. 2 الطبقات لابن سعد: 276/1

میدانِ سفارت کے شاہسواروں کے لیے

محمود شیت خطاب نے تمام خطوط و سفراء پر مشتمل ایک منفرد کتاب ''سفراء النبی'' ترتیب دی ہے۔ اس میں انھوں نے آپ ﷺ کے مکاتیب مقدس سے اسلامی سفیر اور پالیسی ساز شخص کے شرائط و اوصاف کا استنباط بھی کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

اسلام کی دعوت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: یہی میری راہ ہے۔ میں (تمھیں) اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور وہ لوگ جنھوں نے میرا اتباع کیا، بصیرت پر ہیں، اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔''[1]

جب اُمتِ مسلمہ کے تمام ارکان ہی دینِ اسلام کے داعی ہیں تو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بادشاہوں کی طرف بھیجے گئے سفیر تو تمام داعیوں میں منتخب روزگار لوگ تھے۔[2]

فصاحت و بلاغت

سیاسی ذمہ داری سنبھالنے والے شخص کے لیے فصاحت و بلاغت، دلنشین الفاظ اور خوبصورت مفاہیم پر قادر ہونا نہایت ضروری ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی فصاحت و بلاغت ہی کی بنا پر ان کی معیت کی ضرورت ظاہر کی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے سفیر ان حضرات میں سے منتخب فرمائے تھے جنھوں نے عرب میں تربیت حاصل کی اور کبھی کبھی بدویوں کے ماحول میں رہے تھے۔ یہ تمام سفراء نہایت شُستہ اور شائستہ زبان بولتے تھے اور فصاحت و بلاغت کی خوبیوں سے پوری طرح آراستہ تھے۔

حسنِ اخلاق

نبوی سفراء کے اخلاق وہی تھے جو اسلام کے بنیادی اخلاق ہیں اور جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور

1 یوسف 108:12. 2 سفراء النبی لمحمود شیت خطاب: 258/2.

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات عالیہ میں کیا ہے۔ سچائی، تواضع، معاملہ فہمی اور حلم و انکسار کی خوبیاں سفیروں کے لیے شرطِ لازم کی حیثیت رکھتی ہیں۔[1]

علم کی اشد ضرورت

رسول اللہ ﷺ کے سفیر علم کی دولت سے مالا مال تھے اور موقع و محل کی مناسبت سے گفتگو کرنا ان کی عظیم خوبی تھی۔ کسی چیز کے تمام پہلوؤں کا بخوبی علم ہونا ایک ایسا وصف ہے جو دوسروں تک اپنے موقف اور نظریات و خیالات کی رسائی میں بڑی مدد دیتا ہے۔ اسی لیے ہم تاریخ کے اوراق میں دیکھتے ہیں کہ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی سے بڑے عمدہ پیرائے میں اظہار خیال کیا، اور پھر برمحل سورۂ مریم کی تلاوت کی۔[2] اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کیسے لائق لوگوں کا انتخاب کیا تھا۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے روبرو جو گفتگو کی، اس سے پتا چلتا ہے کہ ایک عالم کی شان کیا ہوتی ہے اور وہ کتنی واضح اور نکھری ہوئی باتیں کرتا ہے اور یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انھیں الفاظ کے چناؤ پر کس قدر عبور حاصل تھا۔[3]

صبر و تحمل

صبر و تحمل سے بڑھ کر ایک داعی کے لیے کوئی پونجی اور زادِ راہ نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کی ساری زندگی ہر حالت میں صبر و شکر کی عکاسی کرتی ہے۔ طائف میں آپ ﷺ کا کردار ایک زندہ مثال ہے۔ ایک سفیر کو حالات کا پوری استقامت سے مقابلہ کرنا چاہیے اور اس کے لیے عزم و ہمت کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

دلیری و بہادری

اسلام کی تاریخ نے مسلمان سفراء اور بادشاہوں کی طرف بھیجے گئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی پوری طرح روشن کر دی ہے۔ وہ کسی ملامت گر کی ملامت سے ہرگز نہیں ڈرتے تھے اور نہایت دلیری سے اپنی بات کہتے تھے۔

حکمت و دانائی

رسول اللہ ﷺ کے سفیر نہایت بلند پایہ حکمت و دانائی کے حامل تھے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تو اپنی مثال آپ تھے۔ ان سے پوچھا گیا: ''عاقل کون ہوتا ہے؟'' فرمایا: ''اندازے سے درست نتیجے تک رسائی حاصل کر لینا اور ماضی

1 سفراء النبي لمحمود شيت خطاب: 278/2. 2 دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا (اللؤلؤ والمرجان) دارالسلام: 3/346-349. 3 الفقه السياسي للوثائق النبوية لخالد الفهداوي، ص: 114.

سے مستقبل کو بھانپ لینا عقلمندی ہے۔ عاقل وہ نہیں جو شر سے خیر کو علیحدہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ عاقل وہ ہے جس کے سامنے دونوں ہی صورتیں شر کی ہوں لیکن وہ ان میں سے بھی خیر کے پہلو نکال لے۔"[1]

چارہ گری کی وسعت

سفیر کے لیے ضروری ہے کہ اس میں سوچ کی دور اندیشی ہو، راز داں اور بڑا چارہ گر ہو۔ ان چیزوں کا دارومدار ذہانت و حاضر جوابی پر ہے۔ گویا سفارت کے لیے ذہانت وفطانت کا حامل ہونا لازمی امور میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے سفیر عقل و دانش اور ہوشیاری و پرکاری کے اوصاف سے متصف تھے۔ وہ اچانک پیش آمدہ مسائل کا مناسب حل ڈھونڈ نکالتے تھے اور ہر ناگہانی صورت حال سے خوب نمٹتے تھے۔

شکل وصورت کی زیبائی

باطنی طہارت اور صاف دلی کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے سفیر ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے بھی ممتاز تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مذکورہ صفات کے حاملین کے ساتھ ساتھ ایسے سفراء کا انتخاب فرمایا جن میں عقلی اور نفسیاتی خوبیوں کے علاوہ حسن و جمال کی شان بھی موجود تھی۔[2]

یہ وہ اہم صفات تھیں جنھیں محمود شیت خطاب نے نبی اکرم ﷺ کے سفراء کے احوال کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ یہ صفات ہر مسلمان سفیر کے لیے ضروری ہیں۔ ایک اسلامی حکومت کو اس اہم عہدے پر تقرر کے لیے انھی صفات کو معیار بنانا چاہیے۔

مکتوبات نبوی سے ماخوذ حکمتیں، عبرتیں اور فوائد ونصائح

رسول اللہ ﷺ نے شاہان عالم کو جو خطوط ارسال فرمائے، ان کا ایک منفرد پہلو یہ تھا کہ جس بادشاہ کا جو عقیدہ و نظریہ تھا، اس کی طرف دعوت نامے میں اس کا خیال رکھا گیا۔ اس اسلوب کی بنیاد دعوتی حکمت عملی تھی۔ مقوقس کلیۃً الوہیت مسیح کا عقیدہ اپنائے ہوئے تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتا تھا، اس لیے رسالت مآب ﷺ نے اس کی طرف ارسال کردہ خط میں اپنے نام کے ساتھ "عبداللہ" تحریر کرایا۔ بسم اللہ کے بعد خط کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے: "اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے قبطیوں کے حکمران مقوقس کی طرف۔" جبکہ کسریٰ پرویز کو لکھے گئے خط میں ایسا نہیں ہے بلکہ صرف "رسول اللہ" لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ عبارت یوں تھی: "اللہ کے

1 سفراء النبي لمحمود شيت خطاب: 301/2. 2 مقومات السفراء في الإسلام لحسن فتح الباب، ص: 60.

رسول محمد کی طرف سے فارس کے سربراہ کسریٰ کے نام۔'' اسی طرح آپ نے درج ذیل آیت بھی ہرقل اور مقوقس کے نام مکتوبات میں شامل فرمائی:

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

''اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے، پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تم کہہ دو: اس بات کے گواہ رہو کہ بے شک ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔''[1]

کسریٰ پرویز کو لکھے گئے خط میں یہ آیت بھی نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں ان اہل کتاب سے خطاب ہے جو مسیح علیہ السلام کو الٰہ سمجھتے تھے اور جنھوں نے مسیح ابن مریم اور اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے علاوہ رب بنا رکھا تھا۔ ہرقل بازنطینی حکومت کا سربراہ اور مقوقس مصر کا حکمران تھا۔ دونوں حکمران سیاسی قائد ہونے کے ساتھ ساتھ دنیائے مسیحیت کے بڑے اہم دینی پیشوا بھی تھے۔[2]

ایرانی کسریٰ خسرو پرویز اور اس کی قوم سورج اور آگ کی پوجا کرتے تھے اور دو خداؤں کا نظریہ رکھتے تھے۔ ایک خیر کا خدا ''یزدان'' اور دوسرا شر کا خدا ''اہرمن'' تھا۔ یوں یہ لوگ نبوت کے صحیح مفہوم سے بے خبر اور آسمانی ہدایت کے تصور سے نابلد تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کو جو خط لکھا تھا، اس میں یہ عبارت تحریر کرائی تھی:

إني أنا رسول الله إلى الناس كافة لأنذر من كان حيا

''میں تمام لوگوں کی جانب اللہ تعالیٰ کا پیغام رساں ہوں تاکہ جو زندہ (صاحب شعور لوگ) ہیں، ان کو ڈراؤں۔''

حکمرانوں کا ان خطوط کو وصول کرنے کا انداز مختلف تھا۔ ہرقل، نجاشی اور مقوقس نے تو مؤدبانہ انداز اختیار کیا اور اپنے اپنے جواب میں شائستگی کا پہلو اپنایا۔ نجاشی اور مقوقس نے رسول اللہ ﷺ کے سفیروں کا احترام کیا۔ مقوقس نے تو تحفے تحائف بھی ارسال کیے جن میں کنیزیں بھی تھیں۔

کسریٰ پرویز نے آپ کا خط پھاڑ دیا اور کہا: ''میرا غلام ہوکر مجھے ایسا خط لکھتا ہے۔'' رسول اکرم ﷺ کو اس کے اس طرزِ عمل کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] آل عمران 3: 64۔ [2] [illegible] ص 39،38.

"اللہ تعالیٰ اس کی حکومت پارہ پارہ کر دے۔"[1]

اسی پر بس نہیں کسریٰ نے یمن کے باجگزار اپنے ایرانی گورنر باذان کو حکم دیا کہ اس شخص (محمد) کو میرے دربار میں پیش کیا جائے، جیسا کہ تفصیل سے گزر چکا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کے متعلق جو بات ارشاد فرمائی تھی، ٹھیک اسی طرح عمل میں آئی۔ کسریٰ قتل ہو گیا اور ایرانی حکومت کے بھی حصے بخرے ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کے خطوط کا عمومی وصف

ایک محقق رسول اللہ ﷺ کے خطوط کا مطالعہ کر کے یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے تمام خطوط میں عمومی تعلیمات ایک جیسی ہیں۔ ان سے ہم درج ذیل امور کا استنباط کر سکتے ہیں:

- جو خطوط رسول اللہ ﷺ نے حاکموں اور گورنروں کو لکھے، وہ سب بسم اللہ سے شروع ہوتے ہیں۔ بسم اللہ کتاب اللہ کی ایک آیت ہے۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ تحریر کی ابتدا بہت اہمیت رکھتی ہے۔ آپ ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے تحریروں کا آغاز مستحب ہے۔ آپ ﷺ اپنی تحریریں ہمیشہ اسی سے شروع فرماتے تھے۔
- اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ خط کتابت خواہ کافروں سے ہو، شروع میں بسم اللہ لکھنا صحیح بات ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ کافر قرآن پاک کی ایک یا ایک سے زائد آیات پڑھ سکتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کے خطوط میں بسم اللہ اور دیگر آیات درج تھیں۔
- یہ بھی ثابت ہوا کہ جنبی انسان قرآن کی ایک آیت یا اس سے زیادہ پڑھ سکتا ہے کیونکہ کافروں کی طرف خطوط ارسال کیے گئے تو ان میں بسم اللہ بھی درج تھی، حالانکہ وہ نجاست جنابت سے قطعاً پاکیزگی اختیار نہیں کرتے، لہٰذا وہ جنبی ہوتے ہوئے بھی وہ خط پڑھیں گے جس میں قرآنی آیات درج ہوں۔
- دین و دنیا کے معاملات میں کفار سے خط کتابت کا جواز موجود ہے۔
- خطوط میں مرسِل اور مرسَل الیہ کے ناموں کا اندراج ہونا چاہیے اور خط کا مضمون بقدر ضرورت اختصار کے ساتھ لکھنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام دیتے وقت اختصار کلام ہمیشہ ملحوظ رکھا۔

[1] تاريخ الطبري: 90/3

کافر کو اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، نہیں کہنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی خط میں کسی حکمران کو یہ ''سلام'' نہیں لکھا بلکہ آپ ﷺ نے یہی تحریر کرایا: سلام على من اتبع الهدى ''جس نے ہدایت کی پیروی کی، اس پر سلام۔'' یعنی دعوت دی کہ اسلام قبول کر کے امن و سلامتی کے سائے میں آ جاؤ۔ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ کافر کو سلام نہیں کہنا چاہیے۔[1]

خط کے آخر میں مہر لگانا مستحب ہے۔ رسول اللہ ﷺ خط لکھنے کے بعد اس پر اپنی مہر ثبت فرماتے تھے جس پر یہ تین الفاظ کندہ تھے: ''محمد رسول اللہ۔'' ایک سطر میں لفظ ''اللہ'' دوسری سطر میں ''رسول'' اور تیسری میں ''محمد'' لکھا ہوا تھا۔

مردم شناسی

رسول اللہ ﷺ نے جب دیکھا کہ باذان بن ساسان کامیاب منتظم اور اچھا حکمران ہے تو آپ ﷺ نے اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد اسے یمن کی گورنری سے معزول نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کی خوبیوں کی قدر افزائی فرماتے اور باصلاحیت انسان کو مناسب جگہ دیتے تھے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے یمنی حکمران کے فوت ہونے پر اس کے بیٹے ''شہر بن باذان'' کو یمن کا حاکم بنایا تھا۔[2]

مجوسیوں سے جزیہ لینا جائز ہے

منذر بن ساوی کو لکھے گئے خط سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مجوسیوں سے جزیہ لینا جائز ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے یہود اور مجوسیوں کے متعلق اپنے موقف کا تذکرہ اس طرح فرمایا تھا: ''جو شخص یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے، اس سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔''[3]

امام ابن قیم رحمہ اللہ اور چند دیگر علماء کا خیال ہے کہ جو بھی غیر مسلم جزیہ دے، مسلمان اسے قبول کریں گے، خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہو یا نہ ہو، چاہے وہ عرب علاقوں کا بت پرست ہی ہو۔ زاد المعاد میں مرقوم ہے کہ علماء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جزیہ ہر ایک امت سے قبول کیا جائے گا، جبکہ وہ دینا پسند کرے۔ یہود و نصاری سے کتاب اللہ کی بنا پر اور مجوس سے سنت کی دلیل کے تحت۔ ان کے علاوہ دیگر اقوام کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا کیونکہ مجوس مشرک ہیں۔ ان کے ہاں کوئی کتاب (آسمانی) نہیں۔ ان سے جزیہ وصول کرنے کا مطلب تمام اہل شرک سے جزیہ وصول کرنا ہے۔ رہی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ نے عرب کے بت پرستوں سے جزیہ قبول نہیں کیا تو دراصل

1 السيرة النبوية للصلابي :2/435-444. 2 غزوة الحديبية لأبي فارس، ص :242. 3 غزوة الحديبية لأبي فارس، ص :242.

یہ لوگ جزیہ کی آیت نازل ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ یہ آیت تبوک کے بعد نازل ہوئی ہے۔[1]

کافر کا ہدیہ قابل قبول ہے

رسول اللہ ﷺ کو مصر کے حاکم مقوقس نے حالت کفر میں آپ ﷺ کے سفیر حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کنیزیں، سواری کے لیے خچر اور لباس بطور ہدیہ بھیجا جسے آپ ﷺ نے شرف قبولیت سے نوازا۔ انھی کنیزوں میں سے ایک ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

یاد رہے کہ ہدیہ لینے اور دینے سے دلوں میں قربت اور محبت پیدا ہوتی ہے، اس لیے کافروں اور مشرکوں سے ہدیے کے تبادلے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ تاہم جہاں کوئی شرعی اور سیاسی مصلحت ہو تو ہدیہ لینے میں کوئی حرج نہیں، مثلاً کوئی کافر مسلمانوں کے لیے خیر سگالی کا اظہار کرنا چاہتا ہو یا یہ امید ہو کہ اس کے ساتھ محبت و موانست کے اظہار سے وہ اسلام کے قریب ہوگا یا اسلام لے آئے گا تو اس کا تحفہ قبول کر لینا چاہیے (جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مقوقس کے تحائف قبول کر لیے تھے)۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح البخاری، کتاب الهبة، باب قبول الهدية من المشركين اور باب الهدية للمشركين میں یہی بات ثابت کی ہے۔

بادشاہوں اور امراء کو بھیجے گئے خطوط کے اثرات ونتائج

رسول اللہ ﷺ نے امور خارجہ میں غیر معمولی سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا اور بعد میں آنے والے حکمرانوں کے لیے ایک یادگار مثال چھوڑ گئے۔ آپ ﷺ نے بڑی قوت، شجاعت اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ ایسے موقع پر اگر رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی اور شخص ہوتا تو معاملے کے انجام سے ڈر کر رک جاتا۔ خاص طور پر جبکہ ان میں سے بعض خطوط اپنے وقت کے سب سے طاقتور حکمرانوں ہرقل، کسریٰ اور مقوقس وغیرہ کو بھی لکھے گئے جن کی سرحدیں عرب کے ساتھ ملتی تھیں، رسول اللہ ﷺ اللہ کے دین کی دعوت پہنچانے پر مامور تھے۔ آپ ﷺ نے ابلاغ حق کا فریضہ انتہائی کٹھن حالات میں بھی پوری قوت ارادی سے انجام دیا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کو اللہ رب العزت کی نصرت حاصل تھی۔ آپ ﷺ کی اس دلیرانہ سیاست کے یہ نتائج ظاہر ہوئے:

- رسول گرامی قدر ﷺ نے اس سیاست کے ذریعے سے بین الاقوامی سطح پر ایسے مذہبی تعلقات کی بنیاد رکھی جن سے پورا عالم انسانیت یکسر بے خبر تھا۔
- آپ ﷺ کے دانشمندانہ اقدامات سے اسلامی حکومت کی قوت ہر جگہ تسلیم کر لی گئی۔

1. زاد المعاد: 91/5.

اس خط کتابت سے رسالت مآب ﷺ کو حکمرانوں اور امراء کی نیتوں کے بھید اور سیاسی پالیسیوں کے اسرار معلوم ہوگئے اور آپ ﷺ کو بخوبی علم ہوگیا کہ وہ لوگ آپ کی دعوت سے متعلق کیا سوچتے ہیں۔

اسلامی دعوت کے عالم گیر ہونے کی یہ ایک عملی تدبیر تھی کہ آپ ﷺ نے جزیرۂ عرب سے باہر کے حاکموں سے خط کتابت کی۔

حق یہ ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کی سرحدوں کے ساتھ جن ممالک کی سرحدیں ملتی تھیں، وہاں کے حکمرانوں اور عرب امراء کے نام رسول اللہ ﷺ کے خطوط سے آپ کی عالمی سیاست کا آغاز ہوا، اس طرح اسلامی حکومت کا مرتبہ بہت بلند ہوگیا۔ بین الممالک عظیم دینی و سیاسی رتبہ حاصل ہوا۔ یہ سب کچھ فتح مکہ سے پہلے ہوا۔ اسی سیاست سے ''عام الوفود'' کے لیے بطور تمہید تمام بلاد عرب میں رسول ﷺ کی عظمت و منزلت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی۔[1]

1 التاريخ السياسي والعسكري للدكتور علي معطي، ص: 351

نبی اکرم ﷺ پر جادو کا حربہ

یہودیوں کے دلوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جوں جوں اسلام پھیلتا جا رہا تھا اور مسلمانوں کو کامیابیاں نصیب ہو رہی تھیں، اسی نسبت سے یہودیوں کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ یہودی اتنے گھٹیا اور بے حیا لوگ تھے کہ رحمت دو عالم ﷺ کے خلاف سازشوں سے باز نہیں آتے تھے۔ ان میں انسانیت نام کی ذرا سی رمق بھی باقی نہیں رہی تھی۔ انھوں نے سید الاولین والآخرین خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کو جادو جیسے گھناؤنے عمل کے ذریعے بھی نقصان پہنچانے کی مذموم جسارت کی۔ جادو نہایت شدید تھا۔ رسول اللہ ﷺ پر اس کا کسی حد تک اثر بھی ہو گیا لیکن اللہ رب العزت نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ یہودیوں کو اپنی اس سازش میں بھی بری طرح ناکامی اور خواری سے دوچار ہونا پڑا۔ آیئے اس سانحے کا تفصیل سے مطالعہ کرتے ہیں۔

لبید سے رؤسائے یہود کی ساز باز

رسول اللہ ﷺ ذوالحجہ میں حدیبیہ سے واپس تشریف لائے۔ محرم کا مہینہ شروع ہو گیا۔ یہودیوں کے کچھ رؤساء ابھی تک مدینہ میں مقیم تھے۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے لیکن اندر سے پکے منافق تھے۔ وہ سب مل کر لبید بن اعصم منافق کے پاس آئے۔ یہ شخص انصار کے قبیلے بنو زُریق میں سے تھا جو یہودیوں کے حلیف تھے۔ اسے جادوگری کا فن آتا تھا۔ یہود کو معلوم ہو چکا تھا کہ یہ آدمی سب سے زیادہ جادو کا علم رکھنے والا اور مختلف نوعیت کے زہروں کے خواص جاننے والا ہے۔ انھوں نے لبید سے کہا: ابوالاعصم! تو ہم سے بڑا جادوگر ہے۔ ہم نے محمد (ﷺ) پر جادو کیا ہے۔ ہمارے کئی مرد اور عورتیں ان پر اپنا جادو آزما چکے ہیں لیکن ہمارا جادو فیل ہو گیا، ہم کچھ نہیں کر سکے۔ تجھے خوب معلوم ہے کہ ہمارے بیچ ان کا کتنا اثر ہے، وہ ہمارے دین کے کس قدر مخالف ہیں، انھوں نے ہمارے بہت سے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور بہت سے یہودیوں کو جلا وطن کر دیا ہے۔ ہم تجھے اس کام کی اجرت دیں گے۔ بس ہماری خاطر ان پر ایسا جادو کر جو ان کا کام تمام کر دے۔

چنانچہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کرنے کے لیے اُسے تین دینار کی پیشکش کی۔

جادو کس طرح کیا گیا؟

لبید بن اعصم رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔[1] اس نے جادو کے لیے رسول اللہ ﷺ کی کنگھی اور اس سے آپ کے جھڑ جانے والے بال حاصل کر لیے۔ اس نے اس میں کئی گرہیں لگا کر تھوک دیا۔ اس کے بعد اسے نر کھجور کے شگوفے میں رکھ دیا، پھر اسے ایک کنوئیں کے اندر رکھے ہوئے پتھر کے نیچے دبا دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو لبید کی بہنوں نے کیا تھا۔ وہ جادوگری اور خباثت میں اس سے بھی آگے تھیں۔ لبید نے بس اتنا کام کیا تھا کہ اسے لے جا کر کنوئیں کے اندر پتھر تلے دفن کر دیا تھا۔[2]

جادو کا اثر

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بنو زریق کے ایک آدمی لبید بن اعصم نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کر دیا۔ یہ جادو آپ پر اس طرح اثر انداز ہوا کہ آپ بھول چوک کا شکار ہونے لگے۔ کسی کام کے بارے میں آپ خیال فرماتے تھے کہ آپ نے وہ کام کر لیا ہے، حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔[3] دوسری روایت میں ہے کہ آپ کو یوں محسوس ہوتا کہ آپ اپنی ازواج مطہرات کے پاس گئے ہیں، حالانکہ آپ ان کے پاس نہیں گئے ہوتے تھے۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب اس طرح کی حالت ہو جائے تو یہ سخت قسم کا جادو ہوتا ہے۔[4] ابن سعد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ اس جادو کی وجہ سے آپ کی بصارت بھی متاثر ہوئی۔[5] ایک دوسری روایت میں ہے کہ قریب تھا کہ آپ کی نظر میں فرق آ جاتا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اس شخص جیسے ہو گئے جو اپنی نگاہ پر یقین نہیں کرتا، یعنی جب وہ کسی چیز کو دیکھتا ہے تو اسے یوں لگتا ہے جیسے وہ چیز اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے لیکن جب وہ غور کرتا ہے تو اسے اس کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔[6] ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ بیمار ہو گئے اور اپنی بیویوں کے پاس جانے اور کھانے پینے سے رک گئے۔[7]

ان سب روایات سے یہ چیز روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ جادو رسول اللہ ﷺ کے مزاج اور ظاہری اعضاء پر اثر انداز ہوا تھا لیکن آپ کے دل و دماغ اور سوجھ بوجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ وحی اور دعوت و تبلیغ کا سلسلہ اس جادو سے بالکل متاثر نہیں ہوا۔ اس دوران میں بھی آپ برابر لوگوں کی رہنمائی فرماتے رہے اور انھیں دنیوی و اخروی کامیابیوں کے طریقے اور سلیقے سکھاتے رہے۔ کسی روایت میں ایسی کوئی بات موجود نہیں کہ اس عرصے میں

1 المستدرك للحاكم: 360/4. 2 الطبقات لابن سعد: 197/2. 3 صحيح البخاري، 5763. 4 صحيح البخاري: 5765. 5 الطبقات لابن سعد 197/2، 198. 6 فتح الباري: 279/10. 7 الطبقات لابن سعد: 198/2.

آپ نے کوئی بات کی ہو اور وہ اس طرح پوری نہ ہوئی ہو جس طرح آپ نے فرمائی تھی۔[1]

جادو برقرار رہنے کی مدت

رسول اللہ ﷺ پر جادو کتنے عرصے تک اثر انداز رہا، اس کے متعلق سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کئی دنوں تک اس میں مبتلا رہے۔[2] لیکن ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ چھ مہینے تک جادو کی تکلیف جھیلتے رہے۔[3] مصنف عبدالرزاق میں یحییٰ بن معمر سے ایک سال کی مدت منقول ہے۔[4] زیادہ صحیح بات وہی ہے جو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو قابل اعتماد قرار دیا ہے۔[5]

جادو کی حقیقت کھل گئی

رسول اللہ ﷺ عالم الغیب تو تھے نہیں کہ آپ پر اس معاملے کی حقیقت کھل جاتی، البتہ اتنا ضرور تھا کہ آپ روز بروز کمزور ہوتے جا رہے تھے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کو کمزوری لاحق ہوتی جا رہی تھی لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ تکلیف کیا ہے۔[6] آخر کار رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے تندرستی کے لیے خوب دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفایاب فرما دیا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے تو آپ نے اللہ سے دعا کی، پھر دوبارہ دعا کی۔ اس کے بعد فرمایا:

«أَشَعَرْتِ يَا عَائِشَةُ! أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَفْتَانِي فِيمَا اسْتَفْتَيْتُهُ فِيهِ؟»

''عائشہ! کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو بات پوچھی تھی، اس نے مجھے اس بات کا جواب دے دیا ہے؟''

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! وہ بات کیا ہے؟[7] آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَتَانِي رَجُلَانِ فَقَعَدَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِي، وَالْآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيَّ، فَقَالَ الَّذِي عِنْدَ رَأْسِي لِلْآخَرِ: مَا بَالُ الرَّجُلِ؟ قَالَ: مَطْبُوبٌ»

''میرے پاس دو آدمی آئے۔ ان میں سے ایک میرے سر کے پاس اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھ

1 دیکھیے: فتح الباري: 10/279، 280. 2 سنن النسائي: 4085. 3 مسند أحمد: 6/63. 4 المصنف لعبدالرزاق 11/14. 5 فتح الباري: 10/279. 6 دلائل النبوة للبيهقي: 7/92. 7 صحيح البخاري: 5766.

گیا۔ میرے سر کے پاس بیٹھنے والے نے دوسرے آدمی سے پوچھا: ان صاحب کو کیا شکایت ہے؟ اس نے کہا: ان پر جادو کیا گیا ہے۔"[1]

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ یہ دو فرشتے جبریل اور میکائیل ؑ تھے۔[2] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ مجموعی طرق سے یہ پتا چلتا ہے کہ سوال کرنے والے میکائیل ؑ تھے اور جن سے پوچھا گیا، وہ جبریل ؑ تھے۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے دونوں فرشتوں کی مزید گفتگو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ: مَنْ طَبَّهُ؟ قَالَ: لَبِيدُ بْنُ الْأَعْصَمِ، رَجُلٌ مِنْ بَنِي زُرَيْقٍ حَلِيفٌ لِيَهُودَ كَانَ مُنَافِقًا. قَالَ: وَفِيمَ؟ قَالَ: فِي مُشْطٍ وَمُشَاقَةٍ. قَالَ: وَأَيْنَ؟ قَالَ: فِي جُفِّ طَلْعَةٍ ذَكَرٍ تَحْتَ رَعُوفَةٍ فِي بِئْرِ ذَرْوَانَ

"اس (سر کے پاس بیٹھے فرشتے) نے پوچھا: ان پر کس نے جادو کیا ہے؟ اس (دوسرے فرشتے) نے جواب دیا: لبید بن اعصم نے۔ یہ بنوزریق کا ایک منافق آدمی تھا جو یہودیوں کا حلیف تھا۔ پہلے فرشتے نے پوچھا: کس چیز کے ذریعے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: کنگھی اور اس سے جھڑنے والے بالوں کے ذریعے۔ اس نے پوچھا: جادو کی چیز کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: جادو کی چیز نر کھجور کے خوشے کی تھیلی (کور) میں جو ذروان کے کنویں میں پتھر کے نیچے دفن ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ فرشتے نے بتایا:

فُلَانٌ الَّذِي كَانَ يَدْخُلُ عَلَيْهِ عَقَدَ لَهُ عُقَدًا فَأَلْقَاهُ فِي بِئْرِ فُلَانٍ الْأَنْصَارِيِّ، فَلَوْ أَرْسَلَ إِلَيْهِ رَجُلًا فَأَخَذَ مِنْهُ الْعُقَدَ فَوَجَدَ الْمَاءَ قَدِ اصْفَرَّ"

"فلاں (لبید بن اعصم) جو ان (رسول اللہ ﷺ) کے پاس آیا کرتا تھا، اس نے ان کے لیے گرہیں لگائی ہیں، پھر اس (جادو) کو فلاں انصاری کے کنویں میں رکھ دیا ہے۔ اگر اس (کنویں) کی طرف کسی شخص کو روانہ کیا جائے اور وہ اس میں سے گرہیں نکال لائے تو وہ پانی کو زرد پائے گا۔"[4]

رسول اللہ ﷺ کی کنویں پر آمد

رسول اللہ ﷺ چند صحابہ ؓ کے ساتھ اس کنویں پر تشریف لائے اور اسے دیکھا۔ اس پر کھجور کے درخت بھی

1 صحیح البخاري: 5765. 2 الطبقات لابن سعد: 197/2. 3 فتح الباري: 281/10. 4 المستدرك للحاكم: 360/4

تھے۔ آپ نے کنویں کے اندر سے جادو کی پوٹلی نکال لی۔[1] ابن سعد کی روایت میں ہے کہ آپ نے سیدنا علی اور عمار رضی اللہ عنہما کو کنویں کی طرف روانہ فرمایا۔[2]

ایک تیسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبیر بن ایاس زرقی رضی اللہ عنہ کو، جو بدری صحابی ہیں، طلب فرمایا اور روانہ کیا۔ انھوں نے کنویں میں جادو کی جگہ کی نشاندہی فرمائی تو جبیر رضی اللہ عنہ اسے نکال لائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جادو کی پوٹلی قیس بن محصن زرقی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے نکالی۔[3] ان روایات کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کام میں جبیر رضی اللہ عنہ کی مدد کی اور بنفس نفیس تشریف لے گئے، اس وجہ سے اس (کنویں سے جادو کی پوٹلی نکالنے) کی نسبت آپ کی طرف کر دی گئی۔ نیز یہ کہ آپ ﷺ نے پہلے ان حضرات کو روانہ فرمایا، پھر خود بھی تشریف لے گئے اور اس کا مشاہدہ کیا۔[4] امام بیہقی رحمہ اللہ کی نقل کردہ روایت میں تو یہ صراحت موجود ہے کہ ایک آدمی کنویں میں اترا اور اس نے پتھر کے نیچے سے کھجور کے خوشے کی تھیلی نکالی تو اس میں رسول اللہ ﷺ کی کنگھی اور آپ کے سر مبارک کے وہ بال موجود تھے جو کنگھی سے گر گئے تھے۔ نیز اس میں رسول اللہ ﷺ کی صورت کا موم کا مجسمہ بھی تھا۔ اس میں سوئیاں چبھی ہوئی تھیں۔ اس پر کمان کی تانت بھی تھی جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں۔[5]

معوذتین کی برکت سے گرہیں کھل گئیں

اس موقع پر جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں معوذتین (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) لے کر حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ ایک ایک آیت پڑھ کر گرہیں کھولتے جائیں، چنانچہ آپ ﷺ ان سورتوں کی تلاوت کرنے لگے اور ساتھ ساتھ گرہیں بھی کھولتے رہے۔ آپ نے ہر آیت پر ایک گرہ کھولی۔ اس طرح گیارہ آیتوں کے مکمل ہونے پر گیارہ گرہیں کھل گئیں۔ آپ جب ایک سوئی نکالتے تو آپ کو تکلیف محسوس ہوتی، پھر اس کے بعد راحت مل جاتی۔ اس طرح آپ بالکل تندرست ہو گئے اور یوں اٹھ کھڑے ہوئے جیسے آپ زنجیروں کی جکڑ بندی سے آزاد ہو گئے ہیں۔[6]

رسول اللہ ﷺ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور انھیں صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

1 صحيح البخاري 5763 و 5765. 2 الطبقات لابن سعد: 198/2. 3 الطبقات لابن سعد: 198,197/2

4 فتح الباري 283/10. 5 دلائل النبوة للبيهقي: 94/7. 6 دلائل النبوة للبيهقي: 94/7، مسند عبد بن حميد: 115/1

''اللہ کی قسم! اس (کنویں) کا پانی مہندی کے عرق کی طرح رنگین ہے اور اس کے کھجوروں کے درخت شیطانوں کے سر جیسے ہیں۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! آپ نے اس جادو کا توڑ کیوں نہیں کرایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَّا اللّٰهُ فَقَدْ شَفَانِي، وَ أَمَّا أَنَا فَأَكْرَهُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى النَّاسِ شَرًّا»

''اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا فرما دی ہے۔ میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ لوگوں پر اس کا شر پھیلاؤں۔''

بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے اس کنویں کے بارے میں حکم دیا کہ اسے بند کر دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[1]

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ حارث بن قیس ؓ اور ان کے ساتھیوں نے مل کر اس کنویں کو توڑ پھوڑ دیا اور دوسرا کنواں کھودا۔ اس کنویں کی کھدائی میں رسول اللہ ﷺ نے بھی ان سے تعاون کیا۔[2]

دراصل رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے نقصان کا اندیشہ تھا مبادا اس کی وجہ سے لوگوں کی توجہ جادو کی طرف ہو جائے اور وہ اس میں دلچسپی لیتے ہوئے اسے سیکھنا سکھانا شروع کر دیں اور یوں ایک نیا فتنہ کھڑا ہو جائے۔

جانی دشمن کو معاف کر دیا

لبید بن اعصم منافق نے تو جادو کا یہ سارا عمل نہایت خفیہ انداز میں کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس شیطانی عمل سے مطلع فرما دیا۔ لبید بن اعصم کے بے نقاب ہونے اور یہودیوں کی سازش کا بھانڈا پھوٹ جانے کے بعد اب سوال یہ تھا کہ اسے اس گھناؤنے جرم کی کیا سزا دی جائے۔ اس نے کائنات کی سب سے عظیم شخصیت، محسن انسانیت اور تمام نبیوں اور رسولوں کے سردار کے خلاف، جن پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو چکا، جادو کر کے ایسا بھیانک قدم اٹھایا تھا جس کی کم سے کم سزا یہ تھی کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ گزارش کی گئی: اللہ کے رسول! اگر آپ اس یہودی کے قتل کا حکم صادر کر دیں (تو اچھا ہوگا)۔ لیکن قربان جائیں رحمۃ للعالمین ﷺ کے اخلاق عالیہ پر! آپ نے جواب دیا:

«[illegible] عذاب [illegible]»

''مجھے اللہ تعالیٰ نے عافیت عطا فرما دی ہے۔ اور اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے اللہ کا عذاب ہے، وہ

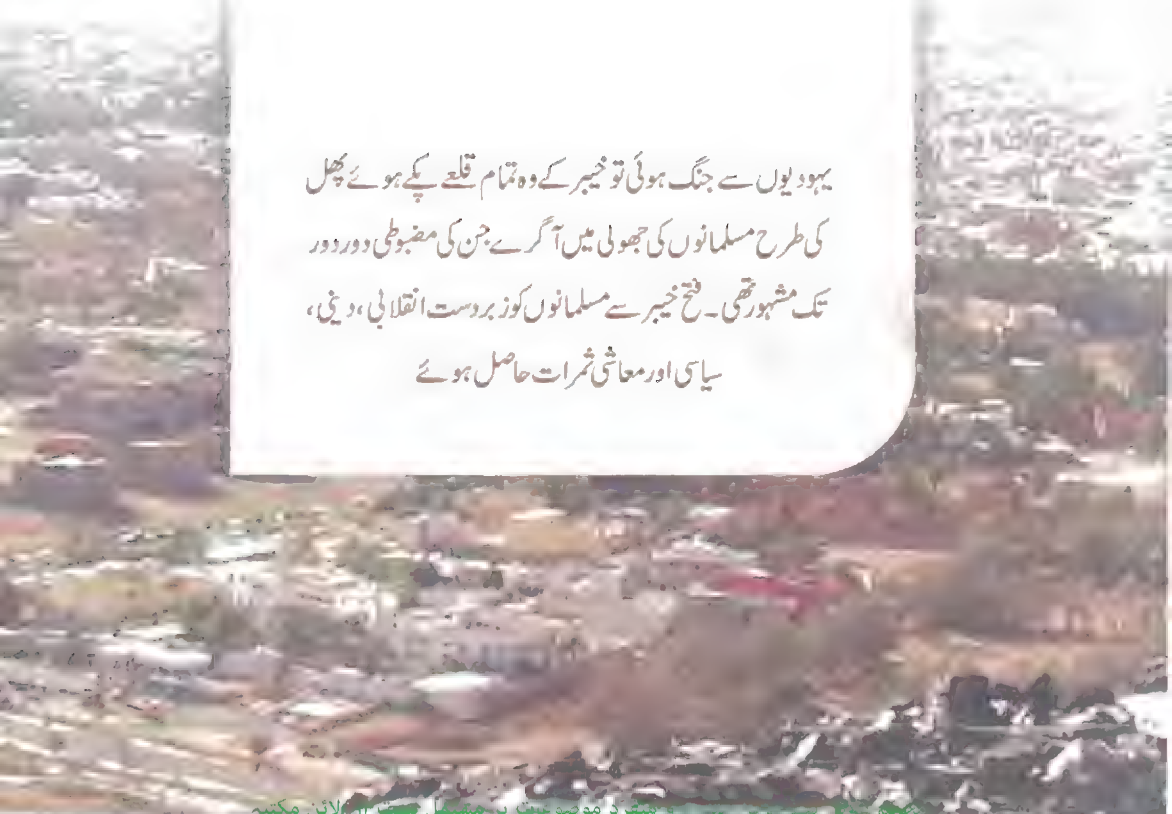
1 صحيح البخاري: 5766,5765 و 6063. 2 الطبقات لابن سعد: 198/2.

زیادہ سخت ہے۔"[1]

یوں آپ ﷺ نے اپنے اس خطرناک دشمن سے کوئی مواخذہ نہیں کیا۔ وہ اس کے بعد بھی آپ کے پاس آتا رہا لیکن آپ نے اس سے اس کا کوئی تذکرہ تک نہیں کیا اور زندگی بھر اسے کوئی سزا نہیں دی۔[2] اپنے جانی دشمن سے عفو و درگزر کا یہ ایسا زبردست عملی نمونہ ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ ہمارے عالی قدر پیغمبر ﷺ کی یہی شان تھی کہ آپ اپنی ذات کے معاملے میں کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے بلکہ عفو و درگزر فرماتے تھے۔

1 دلائل النبوة للبيهقي: 94/7. 2 المستدرك للحاكم: 361،360/4، السلسلة الصحيحة: 2761.

غزوۂ خیبر



یہودیوں سے جنگ ہوئی تو خیبر کے وہ تمام قلعے پکے ہوئے پھل کی طرح مسلمانوں کی جھولی میں آ گرے جن کی مضبوطی دور دور تک مشہور تھی۔ فتح خیبر سے مسلمانوں کو زبردست انقلابی، دینی، سیاسی اور معاشی ثمرات حاصل ہوئے

وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا
وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا
وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا
فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ
آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا

’’اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں) جو وہ حاصل کریں گے۔ اور اللہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔ اور اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انھیں حاصل کرو گے، پھر اس نے جلد ہی وہ تمھیں عطا کر دیں، اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے، تا کہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی ہو جائے، اور تا کہ وہ تمھیں صراط مستقیم کی ہدایت دے۔‘‘ (الفتح 48:19، 20)

اس باب میں

آپ کو معلوم ہوگا کہ صلح حدیبیہ سے پہلے جتنے بھی غزوے ہوئے، وہ محض دفاعی نوعیت کے تھے لیکن اب صلح حدیبیہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین مکہ اور ان کے حلیفوں سے صلح کے نتیجے میں فرصت دی تو رسالت مآب ﷺ نے اسلام کے ازلی دشمن یہودیوں کے گڑھ خیبر پر حملہ کر دیا۔ اسلامی فتوحات کی تاریخ میں غزوہ خیبر کی بڑی اہمیت ہے۔ عرب کے وہ قبیلے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، وہ فتح خیبر کی وجہ سے مسلمانوں سے مرعوب ہوگئے۔ انھیں معلوم تھا کہ جدید اسلحہ کی فراوانی، قلعوں کے استحکام، دولت مندی اور غذائی اجناس کے ذخائر کی وجہ سے یہودی مسلمانوں سے بہت مضبوط اور طاقتور ہیں۔ اس کے باوجود یہودی بُری طرح شکست کھا گئے۔ مسلمانوں کی اس فتح کا تمام عرب قبائل پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ یوں پورے عرب میں پرچم اسلام کی اُڑانوں کی راہ ہموار ہوگئی۔ اس غزوے میں مسلمانوں کو بہت زیادہ مال غنیمت ملا۔ یہی غزوہ ہے جس میں زرعی زمین کی تقسیم کے باقاعدہ اصول مدون ہوئے اور خمس کی تخصیص کی گئی کہ یہ مال صرف اللہ، اس کے رسول کے لیے ہے۔ اسی غزوے میں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا قیدی کی حیثیت سے آئیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے کریمانہ اخلاق سے مسرور اور متاثر ہوکر کاشانۂ نبوت کی ملکہ بن گئیں۔ اسی غزوے میں رسالت مآب ﷺ نے اپنا مبارک لعاب دہن لگایا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی ہوئی آنکھیں ٹھیک ہوگئیں۔ سلام بن مشکم کی یہودی بیوی زینب بنت حارث نے آپ ﷺ کو بکری کا زہر آلود گوشت پیش کرکے آپ ﷺ کا چراغ حیات بجھانے کی ناپاک کوشش کی۔ تاریخ کے اس عظیم و عجیب باب کے دیگر نادر اسباق اگلے اوراق میں ملاحظہ فرمائیے۔

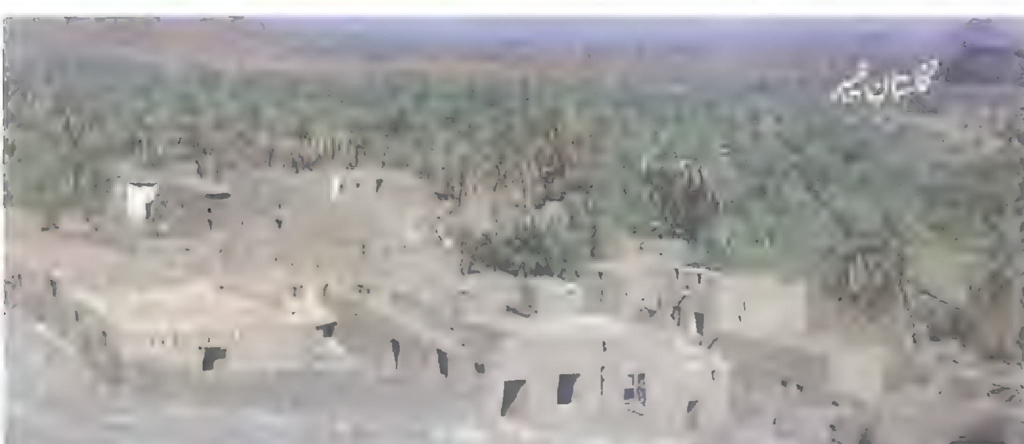
فتحِ خیبر

خیبر کا تعارف

خیبر، جعفر کے وزن پر ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ قوم عمالیق کا ایک شخص جس کا نام خیبر تھا، یہاں آکر آباد ہوا، اسی کی وجہ سے اس جگہ کا نام خیبر پڑ گیا۔ یہ شخص یثرب کا بھائی تھا۔ اسی کے نام پر مدینہ منورہ کو اسلام سے پہلے یثرب کہا جاتا تھا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہودیوں کی زبان میں لفظ ''خیبر'' کے معنی قلعے کے ہیں۔ اسی وجہ سے اس شہر کو خیبر کہا گیا کیونکہ یہ بہت سے قلعوں پر مشتمل تھا۔[1] خیبر ایک بڑا شہر تھا، یہ مدینہ منورہ کے شمال میں واقع تھا۔ اس شہر اور مدینہ منورہ کے درمیان آٹھ برید کا فاصلہ تھا جیسا کہ علامہ دمیاطی نے اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے۔ معجم المعالم الجغرافیہ فی السیرۃ النبویۃ کے مطابق خیبر مدینہ سے 165 کلومیٹر شمال میں ہے۔[2]

خیبر سطح سمندر سے 2800 فٹ بلند ہے۔ یہ نہایت سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ اس میں بڑی تعداد میں چشمے اور باغات تھے۔ اس کی مٹی نہایت زرخیز تھی۔ ہر طرح کی فصلوں اور پھلوں کے لیے بہت موزوں تھا۔ اسے جزیرۂ عرب کے بڑے نخلستانوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس کے ایک نخلستان الکتیبہ میں کھجور کے درختوں کی تعداد 40000 تک تھی۔[3]

1 السیرۃ الحلبیۃ: 726/2. 2 معجم المعالم الجغرافیۃ فی السیرۃ النبویۃ، ص: 118 3 البدایۃ والنہایۃ: 203/4، اردو دائرہ معارف اسلامیہ 67,66/9.



عہد نبوت میں خیبر یہودیوں کا بہت بڑا مرکز تھا، فلسطین سے جلاوطن ہو کر یہودی قبیلے خیبر اور یثرب میں بھی آ بسے تھے۔ خیبر ایک حرہ (آتش فشانی چٹانوں کا سلسلہ) ہے۔ مدینہ منورہ سے آئیں تو شہر سے پندرہ بیس کلومیٹر کے فاصلے پر سفید اور قابل کاشت لیکن غیر آباد زمینیں ملتی ہیں، جو دس بارہ کلومیٹر تک پھیلی ہوئی ہیں، اس کے بعد حرہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس حرے میں شاہراہ کے دائیں جانب قدیم یہودی کھنڈر میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں جن میں پختہ تالابوں کے منہدم آثار نظر آتے ہیں۔ گرمی میں جب پانی خشک ہو جاتا ہے تو ان کی تہ میں جمی ہوئی مہین مٹی دور دور تک نظر آتی ہے۔ ان تالابوں میں ایک صہباء نامی تالاب بھی ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی طرف آتے جاتے وقت قیام فرمایا تھا۔ اس کے آگے نشیب میں ایک وسیع وادی ہے جس میں شہر خیبر آباد ہے۔ اس میں نخلستان اس قدر کثرت سے ہیں کہ کسی بلند جگہ سے بھی شہر کے خط و خال بالکل نظر نہیں آتے۔ خیبر کا سب سے بڑا قلعہ "القموص" ہے جسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ یہاں ایک وادی کا نام "نطاۃ" ہے، اس وادی میں مرحب کا قلعہ اور محل تھے۔ یہ محل فتح کے بعد سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا تھا۔ "الشق" میں "الحمۃ" نامی ایک چشمہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے "قسمة الملائكة" کا نام دیا تھا۔ اس کا دو تہائی پانی ایک نالے میں جاتا ہے اور ایک تہائی دوسرے میں۔[1]

خیبر اور حجاز سے یہود کا تعلق

تین ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک نہ صرف یثرب کا علاقہ بلکہ یثرب سے لے کر شام کی حدود تک تمام مشرقی و مغربی علاقے عمالقہ کے زیر تسلط رہے تھے لیکن یہود خیبر میں کب آئے؟ اس زمانے کا تعین مشکل ہے اور اس بارے میں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض مؤرخین کے بقول یہود خیبر میں اسی دور میں داخل ہو گئے تھے جب

1 اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 9/67-69

قلعہ خیبر



انھوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد اس جنگی مہم کے نتیجہ میں یثرب کو اپنا وطن قرار دیا تھا جو انھوں نے عمالقہ کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمائی تھی، عمالقہ اس دور میں خیبر سمیت یثرب و حجاز کے تمام شمالی، مشرقی اور مغربی علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس جنگ میں شامل لوگ عمالقہ کو تباہ و برباد کرنے کے بعد فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے حجاز سے واپس جا رہے تھے کہ اسی دوران سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی وفات کی خبر آ گئی تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے خلفاء نے ان لوگوں کو شام میں مقیم ہونے کی اجازت نہیں دی کیونکہ ان کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے عمالقہ کے ایک قیدی کو زندہ چھوڑ دیا تھا اور یہ اقدام شریعت یہود کے اس حکم کے خلاف تھا کہ دشمن کے تمام قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔[1]

ان مؤرخین کے بقول جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے خلفاء نے ان یہودیوں کو شام میں داخل ہونے سے منع کر دیا تو انھوں نے لوٹ کر یثرب اور حجاز کے شمال مشرقی علاقوں میں اقامت اختیار کر لی اور خیبر کے یہودیوں کا تعلق بھی انھی لوگوں سے تھا جنھوں نے قریباً 1200 سال قبل مسیح یثرب اور خیبر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔[2]

تدمر (شام) کے رومی آثار



مؤرخین کے دوسرے گروہ کی رائے میں یہودی خیبر میں 70ء کے بعد آئے تھے۔

امام طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ یہود بخت نصر کے ہاتھوں شام اور بیت المقدس کی تباہی (586 ق م) کے بعد حجاز آئے تھے۔[3]



بخت نصر کا سکہ

ڈاکٹر جواد علی کے بقول خیبر کے یہودی ''رکاب'' کی اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں جس نے ہیکل اول کی تباہی (586 ق م) کے بعد حجاز کی طرف نقل مکانی کر کے خیبر میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ یہاں آ کر انھوں نے کھجوروں اور دیگر فصلوں کی کاشت کا پیشہ اختیار کیا اور گڑھیاں اور قلعے تعمیر کیے تاکہ بدوؤں کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں۔ انھیں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں خیبر سے جلا وطن کر دیا گیا تھا۔[4]

1 کتاب مقدس (استثنا) 13:20۔ 2 تاریخ ابن خلدون : 100/2، الأغاني للأصبهاني : 108,107/22، وفاء الوفا للسمهودي : 159/1۔ 3 وفاء الوفاء للسمهودي 160,159/1 4 المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام : 526,525/6

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ خیبر کے یہودیوں کا بنی اسرائیل سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ لوگ درحقیقت انھی عربوں کی اولاد ہیں جنھوں نے یہودیت اختیار کر لی تھی۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ مشہور یہودی پہلوان مرحب قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتا تھا۔[1]

ایک اور رائے کے مطابق یہودیوں کا خیبر اور یثرب سے تعلق اللہ تعالیٰ کے نبی اور بادشاہ سیدنا داود علیہ السلام کے عہد میں قائم ہوا، یعنی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے، جیسا کہ سمہودی نے لکھا ہے کہ جب سیدنا داود علیہ السلام نے مدینہ میں عمالقہ سے جنگ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی گردنوں پر ایک مخصوص کیڑا مسلط کر دیا جس کی وجہ سے تمام عمالقہ یک قلم ہلاک ہو گئے۔[2]

بعض مؤرخین نے یہود کے خیبر و حجاز میں آنے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ ان کے بعض علماء نے جب تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات بھی لکھی ہوئی دیکھی کہ آپ ایک ایسے شہر کی طرف ہجرت فرمائیں گے جس میں کھجوریں بہت ہوں گی اور وہ دو سیاہ پتھروں والے علاقوں (حرّوں) کے درمیان ہوگا، تو وہ اس علاقے کی تلاش میں شام سے نکلے اور جب انھوں نے تیماء کو دیکھا کہ یہاں کھجوریں بہت ہیں تو ان میں سے ایک گروہ نے اسی علاقے میں ڈیرے ڈال دیے جبکہ دوسرے گروہ نے خیبر کو اس کا مصداق قرار دیتے ہوئے اسے اپنا وطن بنالیا، اور انھی میں سے اکثر یہودیوں خصوصاً اشراف یہود نے یثرب کو اس خوشخبری کے مصداق پایا تو انھوں نے وہاں رہنے کو ترجیح دی۔[3]

غزوۂ خیبر کے اسباب

ظہور اسلام کے وقت مدینہ کے یہودیوں کی طرح خیبر کے یہودیوں کا موقف بھی اسلام کے بارے میں مفاہمت کی بجائے عداوت ہی کا تھا، البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ 4 ھ تک یہود خیبر اس کشمکش سے بالکل الگ رہے جو مسلمانوں اور مدینہ کے یہودیوں میں جاری تھی اور جس میں مدینہ کے یہودیوں نے اپنے تمام اسباب و وسائل اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی کے لیے وقف کر دیے تھے۔

یہودی قبائل میں سے بنونضیر مدینہ کا سب سے زیادہ طاقتور، اثر و رسوخ کا مالک اور مالدار قبیلہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو حسب و نسب کے اعتبار سے بھی تمام یہودیوں سے برتر سمجھتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ سیدنا ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اسی زعم باطل میں انھوں نے یہود بنوقینقاع اور یہود بنوقریظہ کی طرح سیدالانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

1 السیرۃ لابن ہشام: 348/3. 2 وفاء الوفا للسمہودی: 158/1. 3 وفاء الوفا للسمہودی: 160/1

بنونضیر اور اس کے سردار حُیَی بن اخطب نے ساری زندگی آنحضرت ﷺ سے شدید عداوت رکھی اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف شرارتوں اور سازشوں میں کبھی کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ آنحضرت ﷺ ہمیشہ عفو و درگزر سے کام لیتے رہے۔ اسلام نے ان کے خاص معاملات میں انھیں مکمل آزادی دے رکھی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد نہ صرف بنونضیر بلکہ تمام یہودیوں سے عہد و میثاق کیا تھا لیکن اس حسنِ سلوک کے باوجود یہودی ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے۔ جنگ بدر (رمضان 2 ھ) کے بعد یہودی قبیلہ بنوقینقاع نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شرارت کی تو مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کرلیا جس کے نتیجے میں انھیں شام کی طرف جلاوطن ہونا پڑا۔

غزوۂ احد کے بعد 4 ھ میں بنونضیر کے یہودیوں کی شرارتوں اور سازشوں کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا جس کے نتیجے میں بنونضیر پسپا ہوگئے۔ ان کی پسپائی اور ہزیمت کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان سے رحمدلی کا برتاؤ فرمایا اور ایک معاہدے کے تحت ان کی جان بخشی فرماتے ہوئے انھیں امن و امان کے ساتھ جلاوطن ہونے کی اجازت دے دی۔ اس معاہدے کی رو سے یہود بنی النضیر نے مدینہ منورہ سے اپنی جلاوطنی قبول کرلی۔ پھر وہ خیبر منتقل ہوگئے۔ بنونضیر کا سربراہ حُیَی بن اخطب انسان نما شیطان تھا۔ اس کی قیادت میں خیبر کے یہودیوں کے کردار میں جوہری تبدیلی پیدا ہوگئی اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ان کے ارادے خطرناک ہوگئے۔

بنونضیر خیبر میں

جب رسول اللہ ﷺ اور بنونضیر کے یہودیوں کے مابین ان کی جلاوطنی کا معاہدہ طے پا گیا تو ان کے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ سارے جزیرۃ العرب سے نکل جائیں بلکہ مقصود صرف یہ تھا کہ وہ مدینہ سے نکل جائیں اور جہاں چاہیں آباد ہو جائیں، لہٰذا انھوں نے خیبر میں رہنا پسند کیا۔ یہ جزیرہ نمائے عرب میں پناہ گزیں یہودیوں کا اتنا بڑا مرکز تھا کہ اس میں اُن کے صرف مسلح جنگجوؤں کی تعداد دس ہزار (10000) تھی۔[1] یعقوبی نے ان کی تعداد بیس ہزار بیان کی ہے۔[2]

اسلام کے خلاف سازشوں کے سرغنے

بنونضیر کے قائدین حُیَی بن اخطب، کنانہ بن ربیع بن ابی الحُقیق اور سلام بن ابی الحُقیق وغیرہ رسول اللہ ﷺ کے

1 المغازي للواقدي: 114/2. 2 تاريخ اليعقوبي: 37/2.

شدید دشمن تھے۔ یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے ناپاک منصوبے بناتے رہتے تھے۔ خیبر پہنچنے کے بعد انھوں نے تمام یہودیوں کو اسلام کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا۔ خیبر کے یہودی بھی اب اسلام کی مخالفت میں بے باک ہو گئے۔ بنو نضیر کے ناعاقبت اندیش قائدین ہی کی سازش سے ذی قعدہ 5 ھ میں کفارِ مکہ اور مشرکین عرب کا دس ہزار کا انبوہِ کثیر مدینہ منورہ پر چڑھ آیا تھا لیکن نصرتِ الٰہی سے مسلمان ان کے شر سے محفوظ رہے اور لشکرِ کفار مدینہ کے ایک ماہ کے ناکام محاصرے کے بعد نامراد لوٹ گیا۔ اس دوران میں حیی بن اخطب کے اُکسانے پر بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طے شدہ معاہدہ توڑ دیا تھا۔ اس طرح وہ بھی مسلمانوں کے خلاف لڑائی کے لیے آنے والی جماعتوں (احزاب) میں شامل ہو گئے تھے۔ اس عہد شکنی اور غداری کی جو سزا بنو قریظہ کو بھگتنی پڑی، اس کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔[1] یوں خیبر کے یہودی پوری طرح مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے۔

مسلمانوں سے خیبر کی فتح کا وعدہ

6 ھ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے 1400 صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کا پروگرام بنایا لیکن مشرکین مکہ نے آپ کو عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ میں جانے سے روک دیا۔ وہ آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو گئے اور بعد ازاں مصالحت اور معاہدے کی طرف مائل ہو گئے کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں، آئندہ سال آجائیں۔ یہ بات آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ناپسندیدگی کے باوجود تسلیم فرمالی۔ آپ حدیبیہ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح نازل فرمادی جس میں اس صلح کو مصلحت اور انجام کے اعتبار سے فتح مبین قرار دیا اور ساتھ ہی وعدہ فرمایا کہ مسلمان مستقبل میں خیبر فتح کرکے بہت سا مالِ غنیمت حاصل کریں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا

''اللہ نے تم سے بہت سے غنائم کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انھیں حاصل کرو گے، چنانچہ اس نے جلد ہی وہ تمھیں عطا کر دیے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے تاکہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی ہو جائے اور وہ تمھیں صراطِ مستقیم کی ہدایت دے۔''[2]

1 دیکھیے: [illegible] سیرت انسائیکلو پیڈیا کی ساتویں جلد کا پانچواں باب۔ 2 الفتح 48: 20.

ابن اسحاق نے مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو آپ پر مکہ و مدینہ کے درمیان سورۃ الفتح نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے خیبر کی فتح کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا ﴾[1]

''اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سے غنائم کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انھیں حاصل کرو گے .....''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا ہے کہ ﴿ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴾ ''اور بدلے میں انھیں قریب کی فتح دی۔'' کے الفاظ مبارک میں قریب کی فتح سے مراد فتح خیبر ہے۔[2]



اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے یہ وعدہ ان کے اطمینان اور سکون قلب کے لیے فرمایا تھا۔ اس سے ان کے دل اس یقین سے سرشار ہو گئے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں فتح خیبر سے سرفراز فرمائے گا اور خیبر کے لہلہاتے ہوئے کھیت اور سرسبز و شاداب باغات انھیں بطور غنیمت عطا فرمائے گا۔ انھوں نے غمی اور خوشی ہر حال میں صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا تھا اور استقامت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا، حدیبیہ میں صلح کی شرائط کی بنا پر بیت اللہ کی زیارت سے محروم رہنے کے باعث ان کی جو دل شکنی ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ان کا مداوا بھی فرمانا چاہتا تھا۔ اس لیے رب العزت نے ان کی دل جوئی کا وعدہ فرمایا۔

1 زادالمعاد: 317/3۔ 2 البدایۃ والنہایۃ: 183/4۔

غزوۂ خیبر کے اعلان پر مسرت کی لہر

رسول اللہ ﷺ نے جب جہاد کے لیے خیبر کی طرف کوچ کرنے کا اعلان فرمایا تو اس سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں زبردست مسرت کی لہر دوڑ گئی کیونکہ ان کے دل جذبہ جہاد سے معمور تھے۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ اعلان فرما دیا کہ خیبر کے یہودیوں سے جنگ کے لیے وہی صحابہ آپ کے ساتھ جائیں گے جنھوں نے حدیبیہ کے مقام پر ایک درخت کے زیر سایہ آپ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی اور جن کی تعداد چودہ سو (1400) تھی۔ حدیبیہ سے پیچھے رہ جانے والوں (مخلّفین) نے جب آپ ﷺ کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا:

«لا تخرجوا معي إلا راغبين في الجهاد فأما الغنيمة فلا»

”تم صرف جہاد کی رغبت رکھتے ہوئے میرے ساتھ جا سکتے ہو لیکن مال غنیمت میں سے تمھیں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔“[1]

اس ارشاد مبارک سے آپ کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ امتحان لینا چاہتے تھے کہ ان لوگوں میں سے سچا کون ہے اور جھوٹا کون؟

خواتین کو لشکر کے ساتھ جانے کی اجازت

ان چودہ سو (1400) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ آپ ﷺ نے کچھ صحابیات کو بھی لشکر کے ساتھ جانے کی اجازت عطا فرما دی تھی تاکہ وہ بوقت ضرورت زخمی مجاہدین کی ابتدائی طبی امداد کر سکیں۔ غزوہ خیبر میں شرکت کرنے والی ان خواتین میں ایک ام سنان اسلمیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا تو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ چلوں؟ میں مشکیزوں کی سلائی کروں گی، مریضوں اور زخمیوں کا علاج کروں گی، اللہ کرے کہ کوئی زخمی ہی نہ ہونے پائے۔ میں خیموں اور سامان کی حفاظت بھی کروں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اخرجي على بركة الله فإنّ لك صواحب قد كلّمنني و أذنت لهنّ من قومك ومن غيرهم، فإن شئت فمع قومك و إن شئت فمعنا»

[1] المغازي للواقدي: 114,113/2۔

''اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ تم بھی چلو۔ تمھاری کئی سہیلیوں نے بھی اس بارے میں مجھ سے بات کی ہے اور میں نے انھیں اجازت دے دی ہے، ان میں سے بعض کا تعلق تمھاری قوم سے ہے۔ بعض کا دوسری قوم سے ہے۔ تم چاہو تو اپنی قوم کے ساتھ روانہ ہو جاؤ اور چاہو تو ہمارے ساتھ چلو۔''

میں نے عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فكوني مع أم سلمة زوجتي»

''تم میری بیوی ام سلمہ کے ساتھ ہو جاؤ۔''

ام سنان رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں اس سفر میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھی۔ [1]

جن خواتین نے غزوہ خیبر میں شرکت کی سعادت حاصل کی، ان کی تعداد بیس تھی۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

1 ام المومنین ام سلمہ 2 صفیہ بنت عبدالمطلب 3 ام سنان اسلمیہ 4 ام ایمن 5 سلمیٰ، رسول اللہ ﷺ کی باندی 6 ابورافع کی بیوی کعیبہ بنت سعد اسلمیہ 7 ام مطاع اسلمیہ 8 امیہ بنت قیس غفاریہ 9 ام عامر اشہلیہ 10 ام ضحاک بنت مسعود حارثیہ 11 ہند بنت عمرو بن حرام 12 ام منیع بنت عمرو 13 ام عمارہ نسیبہ بنت کعب 14 ام سلیط نجاریہ 15 ام سلیم 16 ام عطیہ انصاریہ 17 ام علاء انصاریہ 18 ام سہلہ، عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کی اہلیہ [2] رضی اللہ عنہن أجمعین.

ابن سعد کی ان روایت کی، جن میں خواتین کی غزوہ خیبر میں شرکت کا ذکر ہے، بخاری و مسلم کی ان روایت سے بھی تائید ہوتی ہے جن میں ذکر ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے غزوہ خیبر میں شرکت کی تھی اور جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر سے واپسی پر رستے ہی میں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو ام سلیم رضی اللہ عنہا ہی نے انھیں دلہن بنا کر آپ ﷺ کے لیے تیار کیا تھا۔ [3]

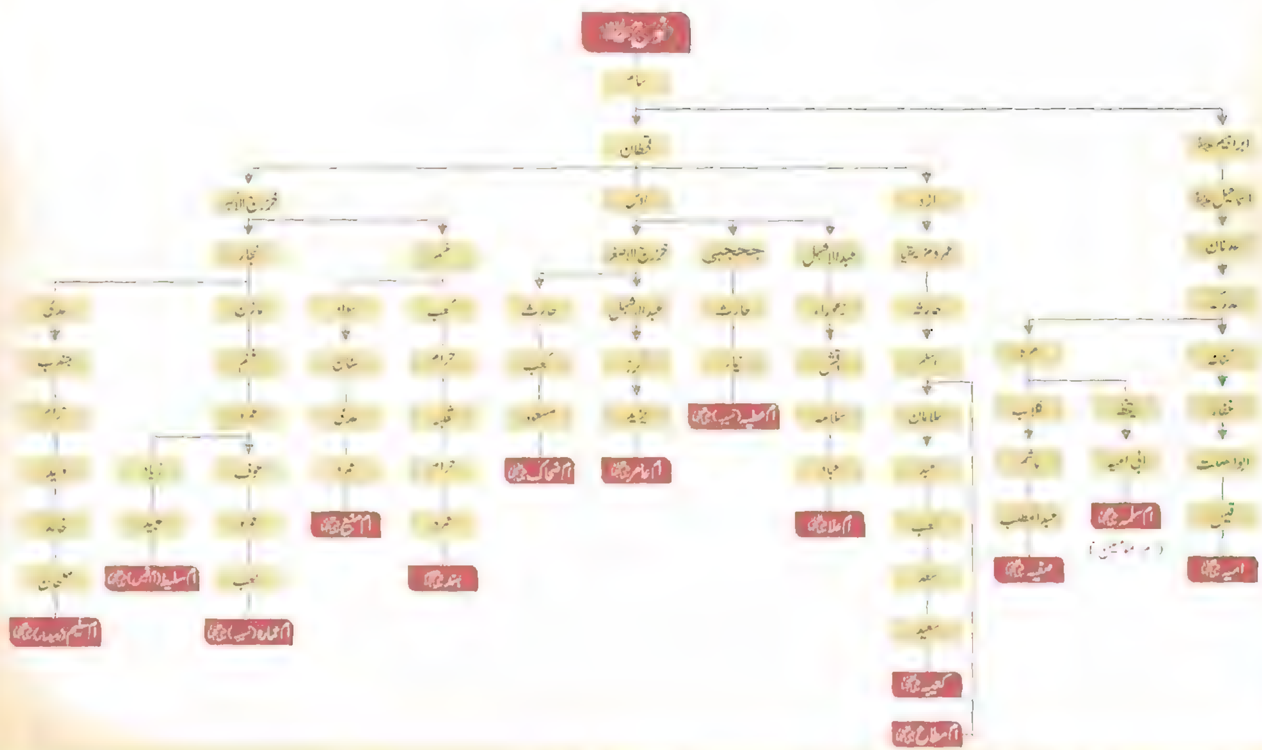
جہاد میں خواتین کی شرکت کا مسئلہ

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے۔ صحیح البخاری میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے جہاد کے بارے میں اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«جهادكن الحج»

1 الطبقات لابن سعد: 292/8 2 إمتاع الأسماع: 321/1؛ المغازي للواقدي: 149/2 3 صحيح البخاري: 371

غزوۂ خیبر میں شرکت کرنے والی
بعض خوش نصیب خواتین



''تمھارا جہاد حج ہے۔''[1]

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«أَفْضَلُ جِهَادِكُنَّ حَجٌّ مَبْرُورٌ»

''تمھارے لیے افضل جہاد حج مبرور ہے۔''[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں ابن بطال رحمہ اللہ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں پر جہاد واجب نہیں ہے لیکن «جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ» ''تمھارا جہاد حج ہے۔'' کے یہ معنی نہیں کہ عورتیں نفلی طور پر بھی جہاد نہیں کر سکتیں۔[3]

مدینہ کے باقی ماندہ یہودیوں کا طرز عمل

مدینہ میں کچھ ایسے یہودی باقی رہ گئے تھے جن کا وہ انجام نہیں ہوا جو بنوقریظہ کے خائن اور غدار یہودیوں کا ہوا تھا کیونکہ ان لوگوں نے بنوقریظہ کی طرح خیانت اور غداری کا ارتکاب نہیں کیا تھا، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انھیں قتل، قید یا جلاوطنی جیسی کوئی سزا نہیں دی، بلکہ یہ مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان کے ذریعے پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے لیکن مسلمانوں کی طرف سے مبنی بر عدل و انصاف سلوک کے باوجود جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ مسلمان خیبر پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں تو انھیں یہ بات بہت گراں گزری کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر مسلمانوں نے خیبر کو فتح کر لیا تو اس سے جزیرۂ عرب میں یہودیوں کا وجود ختم ہو جائے گا، لہٰذا ان کی ساری ہمدردیاں خیبر کے یہودیوں کے ساتھ تھیں اور ان کی بھرپور کوشش تھی کہ مسلمانوں کو خیبر پر حملہ آور ہونے سے روکا جائے۔

مدینہ کے یہ یہودی بہت مال دار تھے۔ مسلمانوں کی مالی حالت کمزور تھی، اس وجہ سے وہ ان یہودیوں سے اکثر قرض لیتے رہتے تھے بلکہ اس وقت اقتصادی دباؤ کی وجہ سے اکثر مسلمانوں نے کسی نہ کسی یہودی سے قرضہ لے رکھا تھا، لہٰذا اس موقع پر خیبر کے یہودیوں کی مصلحت کی خاطر انھوں نے مسلمانوں سے یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ ان کے قرض فورا ادا کر دیے جائیں۔ مثلاً ابوشحم یہودی نے عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ سے پانچ درہم قرض واپس لینے تھے، تو اس نے بڑی شدت سے اپنے قرض کی وصولی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ عبداللہ نے کہا کہ مجھے کچھ مہلت دو، امید ہے کہ میں ان شاء اللہ تمھارا قرض بہت جلد ادا کر دوں گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خیبر کی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو بھی حدیبیہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ انھوں نے

1 صحيح البخاري: 2875. 2 صحيح البخاري: 1520. 3 فتح الباري: 93/6.

فرمایا: اے ابوشحم! ہم حجاز کے سرسبز و شاداب اور اناج و اموال سے آسودہ علاقے (خیبر) کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ ابوشحم نے حسد و بغض اور نفرت کی آگ میں جھلس کر کہا: تمھارا کیا خیال ہے کہ خیبر میں لڑائی بھی اتنی ہی آسان ہوگی جس طرح تم نے بدوؤں کو آسانی سے شکست دے دی تھی، تورات کی قسم! خیبر میں تو دس ہزار جنگجو موجود ہیں۔ ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے اللہ کے دشمن! کیا تو ہمارے عہد و پیمان میں رہنے کے باوجود ہمیں ہمارے دشمن سے ڈراتا ہے، اللہ کی قسم! میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا، پھر میں نے اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ سماعت فرمائیں کہ یہ یہودی کیا کہہ رہا ہے اور اس نے جو کہا تھا، وہ میں نے آپ ﷺ کے گوش گزار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سکوت فرمایا، اسے کوئی جواب نہیں دیا، البتہ میں نے یہ دیکھا کہ آپ کے مبارک ہونٹ حرکت کر رہے ہیں لیکن آپ نے زیرلب جو کچھ فرمایا، میں اسے سن نہ سکا۔ یہودی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اے ابوالقاسم! اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے، میرا حق روک رکھا ہے، اس نے مجھ سے اناج لیا تھا، اب مجھے واپس نہیں دے رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «أعطه حقه» ”اس کا حق اسے دے دو۔“

عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس صرف دو ہی کپڑے تھے، میں نے ان میں سے ایک کپڑا تین درہم میں بیچ دیا، پھر باقی دو درہم کا بندوبست کر کے اس کا قرض ادا کر دیا۔ اب سردی سے بچنے کے لیے میں نے اپنا عمامہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ سلمہ بن اسلم نے جب میرا یہ حال دیکھا تو انھوں نے مجھے ایک کپڑا دے دیا۔ میں انھی دو کپڑوں میں مسلمانوں کے ساتھ خیبر کی طرف نکلا، اللہ تعالیٰ نے مجھے خیر و بھلائی عطا فرمائی۔ خیبر کی غنیمتوں میں سے میرے حصے میں ایک ایسی عورت بھی آئی جو ابوشحم یہودی ہی کی قرابت دار تھی، میں نے اسے اسی کے ہاتھ مہنگے داموں بیچ دیا۔[1]

قارئین کرام! رحمۃ للعالمین ﷺ کے عظیم الشان عدل و انصاف اور اعلیٰ اخلاق و کردار کا اندازہ فرمائیں کہ یہ یہودی جو مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان میں منسلک ہونے کے باوجود ان کے دشمن خیبر کے یہودیوں سے ہمدردی رکھتا تھا، ان کی فتح و نصرت کا متمنی تھا، مسلمانوں کو ان کی تعداد کی کثرت اور سامان حرب کی فراوانی سے ڈرا رہا تھا حتی کہ اس نے لشکر اسلام کے ایک مجاہد کو سخت ناراض کر دیا۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کا حق اسے دے دو۔ کیا آج کی نام نہاد مہذب دنیا کے لیڈروں اور آج کی جمہوریت کے علمبرداروں میں سے کوئی شخص اپنے کسی دشمن کے ساتھ اس طرح کا عدل و انصاف کر سکتا

[1] المغازي للواقدي، 114/2.

ہے جس طرح کا معاملہ رحمۃ للعالمین، سید الاولین و الآخرین محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس دشمن کے ساتھ فرمایا تھا؟ بالکل برحق فرمایا ہے اللہ جل شانہ نے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾

”اور یقیناً آپ خلقِ عظیم پر (کاربند) ہیں۔“[1]

یہودیوں اور منافقوں کی مسلمانوں کے خلاف جاسوسی

مدینہ کے یہودی خیبر کے یہودیوں سے نہ صرف ہمدردی رکھتے تھے بلکہ ان کے لیے مسلمانوں کی جاسوسی بھی کیا کرتے تھے۔ اس غرض کے لیے انھوں نے اجرت پر اشجع قبیلے کے ایک اعرابی کی خدمات حاصل کیں تاکہ وہ خیبر کے یہودیوں کو اسلامی لشکر سے متعلق ضروری معلومات پہنچا دے، نیز وہ انھیں یہ پیغام بھی دے کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں، مسلمانوں کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ۔ اسلامی لشکر نے اس جاسوس کو گرفتار کر لیا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

اسی طرح مدینہ کے منافقین بھی جنھوں نے بظاہر اسلام کا نقاب اوڑھ رکھا تھا، خیبر کے یہودیوں کے لیے مسلمانوں کی جاسوسی کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب خیبر کی طرف روانہ ہونے کا عزم فرمایا تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے خیبر کے یہودیوں کو فوری اطلاع بھیج دی تاکہ وہ تیاری کر کے ضروری حفاظتی اقدامات کر لیں۔ اس نے یہ اطلاع اپنے ایک معتمد شخص کے ہاتھ یہودیوں کی طرف خط بھیج کر فراہم کی۔ اس کے خط کا مضمون یہ تھا:

إِنَّ مُحَمَّدًا سَائِرٌ إِلَيْكُمْ فَخُذُوا حِذْرَكُمْ، وَأَدْخِلُوا أَمْوَالَكُمْ حُصُونَكُمْ، وَاخْرُجُوا لِقِتَالِهِ وَلَا تَخَافُوا مِنْهُ، إِنَّ عَدَدَكُمْ كَثِيرٌ، وَقَوْمُ مُحَمَّدٍ شِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ، عُزْلٌ لَا سِلَاحَ مَعَهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ.

”بے شک محمد (ﷺ) تمھاری طرف آرہے ہیں۔ تم اپنی حفاظت کے ضروری اقدامات کر لو۔ اپنے اموال اپنے قلعوں میں محفوظ کر لو۔ ان سے جنگ کے لیے نکلو، ان سے نہ ڈرو۔ بے شک تمھاری تعداد بہت زیادہ ہے اور محمد (ﷺ) کے ساتھ تو ایک چھوٹی سی جماعت ہے، ان کے پاس ہتھیار بھی بہت کم ہیں۔“[2]

یہود خیبر کی مقابلے کے لیے تیاری

جب خیبر کے یہودیوں کو اپنے منافق ایجنٹوں کی طرف سے مسلمانوں کی قوت کے بارے میں مکمل معلومات

1 القلم 68:4. 2 السیرۃ الحلبیۃ 730/2.

حاصل ہوگئیں تو انھوں نے مسلمانوں سے مقابلے کے لیے وسیع پیمانے پر تیاریاں شروع کر دیں۔ ان کی جنگی تیاریاں محض دفاعی نوعیت کی تھیں، حالانکہ مادی اسباب و وسائل کے اعتبار سے انھیں مسلمانوں پر ہر طرح فوقیت حاصل تھی۔ انھوں نے اپنے تمام بچوں، عورتوں اور غذائی اجناس کے ذخیرے اگلے قلعوں سے پچھلے قلعوں کی طرف منتقل کر دیے جو اُن کی دوسری دفاعی لائن تھے۔

یہودی سرداروں کا باہمی اختلاف

یہودی سرداروں کو جب یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ان پر اپنے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہونا چاہتے ہیں تو انھوں نے ایک میٹنگ بلائی تاکہ اس بات کا جائزہ لیا جا سکے کہ اسلامی لشکر کے مقابلے کے لیے بہترین صورت کیا ہو سکتی ہے۔ اس جلسے میں تین آراء سامنے آئیں۔ ایک جماعت کی رائے تھی کہ یہودی اپنے قلعوں میں بند ہو کر مسلمانوں سے جنگ کریں۔ اس جماعت کی دلیل یہ تھی کہ قلعوں کی مضبوطی اور ان میں جنگجوؤں کی کثرت کے باعث مسلمان ان میں داخل نہیں ہو سکیں گے اور تنگ آکر واپس چلے جائیں گے۔

دوسرے گروہ نے تجویز پیش کی کہ قلعوں میں بند ہونے کے بجائے کھلے میدان میں مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنی چاہیے۔ اس تجویز کے پیش کرنے والوں میں ابو زینب حارث سرفہرست تھا جو مشہور یہودی پہلوان مرحب کا بھائی تھا اور اس کا تعلق قبیلہ حمیر سے تھا۔ ابو زینب نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے دیکھا ہے جن لوگوں نے قلعوں میں بند ہو کر محمد (ﷺ) کا مقابلہ کیا، وہ اپنے وجود کو باقی نہ رکھ سکے۔ محمد (ﷺ) نے ان کا اس قدر شدید محاصرہ کیا کہ وہ مقہور و مغلوب ہو کر رہ گئے اور پھر محمد (ﷺ) نے ان میں سے کچھ لوگوں کو قیدی بنا لیا اور کچھ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دیگر یہودی سرداروں نے قلعوں میں بند ہو کر مقابلہ کرنے کی حمایت اور ابو زینب کی تجویز کی مخالفت کی اور اس سے مخاطب ہو کر کہا:

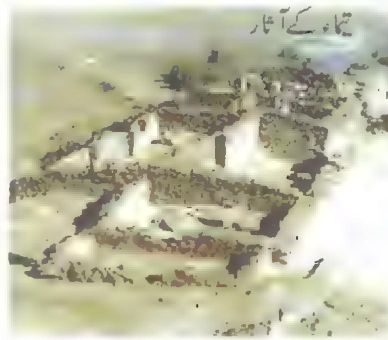
''ابو زینب! ہمارے یہ قلعے ان قلعوں کی طرح نہیں ہیں، بلکہ یہ بے حد مضبوط و مستحکم ہیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر بنے ہوئے ہیں۔''[1]

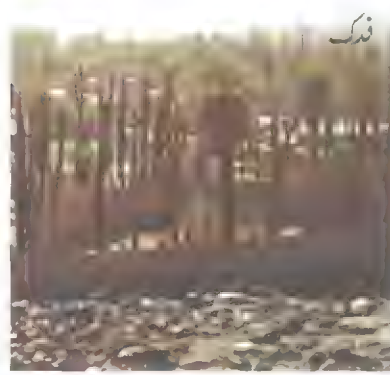
تیسرے فریق نے بزعم خویش حارث ابو زینب کی تجویز سے بھی بڑھ کر جرأت مندانہ تجویز پیش کی۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں قلعوں سے باہر نکل کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے بجائے مدینہ پر حملہ کر کے انھیں خیبر کی طرف پیش قدمی کرنے سے قبل ہی ختم کر دینا چاہیے۔ یہ تجویز پیش کرنے والوں میں سلام بن مشکم نضری پیش پیش تھا،

1 المغازي للواقدي: 2/116

وہ خیبر کی فوجوں کا سپہ سالار تھا اور اسے اپنے زمانے میں جنگی امور کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔[1]

مؤرخین نے لکھا ہے کہ سلام بن مشکم نے ایک میٹنگ میں کہا تھا کہ یثرب میں یہودیوں خصوصاً بنی قریظہ پر جو افتاد پڑی، وہ سب حیی بن اخطب کی وجہ سے پڑی۔ اس نے ہماری رائے کی مخالفت کی، ہمیں اپنے اموال اور شرف سے محروم کر دیا اور ہمارے بھائی بنو قریظہ قتل ہوگئے۔ اس نے انھیں مسلمانوں کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان توڑنے پر مجبور کیا تھا۔ قتل سے بھی بڑھ کر بری بات یہ ہوئی کہ ان کے بیوی بچوں کو قیدی بنا لیا گیا، اب یہودی حجاز میں کبھی نہیں رہ سکیں گے، کیونکہ ان میں کوئی رائے ہے، نہ عزم و ارادہ کی پختگی! یہودیوں نے کہا: ابو عمرو! آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا: میری رائے سن کر کیا کرو گے جب کہ تمھیں اس کا ایک حرف بھی قبول نہیں ہوگا؟ کنانہ نے کہا: یہ آپس میں ڈانٹ ڈپٹ کرنے کا وقت نہیں ہے۔ معاملے کی سنگینی تمھارے سامنے ہے۔ اس نے جواب دیا: محمد (ﷺ) یثرب کے یہودیوں سے فارغ ہو کر اب تمھاری طرف آرہے ہیں اور تمھارا حشر بھی وہی کریں گے جو انھوں نے بنو قریظہ کا کیا ہے۔ انھوں نے پوچھا: اب تمھاری کیا رائے ہے؟ سلام بولا: میری رائے یہ ہے کہ ہم خیبر کے یہودیوں کو ساتھ لے کر محمد (ﷺ) کے مقابلے کے لیے نکلیں۔ تیماء، فدک اور وادی القریٰ کے یہودیوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیں


تیماء کے آثار


فدک

1 المغازی للواقدی: 2/145.


وادی القریٰ کا ایک منظر

لیکن عربوں سے کوئی مدد نہ لیں۔ غزوہ خندق میں تم دیکھ چکے ہو کہ انھوں نے تمھارے ساتھ کیا کیا تھا، حالانکہ تم نے انھیں خیبر کی کھجوریں دینے کا وعدہ بھی کیا تھا مگر انھوں نے وعدہ توڑ کر تمھیں ذلیل و رسوا کر دیا۔

سلام بن مشکم نے اپنی بات پھر دہرائی کہ نبی (ﷺ) کے خیبر کی طرف روانہ ہونے سے پہلے ہی مدینہ پر حملہ کر کے اگلے پچھلے تمام حساب چکا دیے جائیں۔ اکثر یہودی سردار سلام بن مشکم کی رائے کی طرف مائل ہو گئے لیکن یہودیوں کے سردار کنانہ بن ابی الحقیق نے اس کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا: میں نے دیکھا ہے کہ عرب مشرکین اور محمد (ﷺ) کے مابین شدید دشمنی ہے، اس کے علاوہ ہمارے یہ قلعے یثرب کے قلعوں جیسے کمزور نہیں ہیں، لہٰذا محمد (ﷺ) ہماری طرف ہرگز نہیں آئیں گے۔

کنانہ بن ابی الحقیق کی مخالفت کی وجہ سے سلام بن مشکم بہت ناراض ہوا۔ وہ کنانہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا: یہ شخص اس وقت تک لڑائی کے لیے آمادہ نہیں ہوگا جب تک اس کی گردن نہ دبوچ لی جائے۔[1]

نجد کے اعراب سے امداد کی درخواست

خیبر کے یہودیوں کو مدینہ کے منافقین اور یہودیوں سے جب یہ خبریں معلوم ہوئیں کہ محمد (ﷺ) نے خیبر پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے، تو انھوں نے نجد کے اپنے بدوی دوستوں سے مدد طلب کرنے کے لیے چودہ (14) ارکان پر مشتمل وفد ان کی طرف بھیجا۔ وفد کا قائد خیبر کے یہودیوں کا بادشاہ کنانہ بن ابی الحقیق تھا۔ دیگر ارکان میں ایک اور بڑا یہودی سردار ہوذہ بن قیس وائلی نمایاں تھا۔ یہودیوں نے انھیں خیبر کی کھجوروں کی سالانہ پیداوار میں سے نصف پیداوار دینے کی پیشکش بھی کی۔

نجدی قبائل میں سے غطفان اور بنو اسد نے یہودیوں کے مطالبے پر لبیک کہا۔ غطفان نے عیینہ بن حصن فزاری کی قیادت میں اور بنو اسد نے طلیحہ بن خویلد اسدی کی قیادت میں اپنے دستے روانہ کر دیے، اس کے علاوہ یہودیوں کی مدد کے لیے مزید چار ہزار (4000) جنگجو تیار کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ دستے خیبر میں یہودیوں کے قلعوں میں پہنچ گئے تاکہ مسلمانوں کے حملے کے وقت یہودیوں کے ساتھ مل کر ان قلعوں کا دفاع کر سکیں۔[2]

اس طرح مسلمانوں کے مقابلے کے لیے خیبر کے قلعوں میں جمع ہونے والوں کی تعداد چودہ ہزار کے قریب تھی اور ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف چودہ سو (1400) تھی، لہٰذا مسلمانوں کے لیے یہ ایک بہت دشوار، صبر آزما اور مشکل مہم تھی۔

1 المغازي للواقدي: 30,29/2، موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 977,976/1. 2 المغازي للواقدي: 119/2 و 124

بنومرہ کا یہودیوں کی مدد سے انکار

غطفان اور بنواسد کے برعکس تجدی قبیلے بنومرہ نے یہودیوں کی مدد سے انکار کر دیا۔ ان کے سردار حارث بن عوف نے انھیں نصیحت کی کہ وہ خیبر کے یہودیوں کی ہرگز مدد نہ کریں کیونکہ وہ ان کے اکسانے کی وجہ سے غزوۂ احزاب میں شریک ہو کر بدترین شکست کا سامنا کر چکے ہیں۔

بنومرہ کے اس عقل مند سربراہ نے احبار یہود سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں یہ معلوم کر لیا تھا کہ یہودی جب بھی مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے، ناکام و نامراد رہیں گے، اس لیے وہ فوراً سمجھ گیا کہ جس جنگ کا انجام یہودیوں کی شکست اور مسلمانوں کی فتح ہے، اس میں یہودیوں کی مدد کے لیے اپنے لوگوں کو بھیجنا انھیں موت کے منہ میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔

حارث بن عوف نے نہ صرف اپنی قوم کو یہودیوں کی مدد سے باز رکھا بلکہ اس نے بنوفزارہ کے سربراہ عیینہ بن حصن کو بھی نصیحت کی کہ وہ یہودیوں کی مدد نہ کرے ورنہ اس کا یہ اقدام انتہائی تباہ کن ثابت ہوگا۔ حارث نے بڑی فصاحت و وضاحت سے کہا:

''عیینہ! تمھارا یہ اقدام غلط اور خطرناک ہے کیونکہ محمد (ﷺ) تو مشرق و مغرب پر غالب آ جائیں گے، خود یہودیوں ہی نے ہمیں یہ خبریں بتائی ہیں۔ میں نے خود ابورافع سلام بن ابی الحقیق کی زبان سے سنا ہے کہ ہم نبوت ملنے کی وجہ سے محمد (ﷺ) سے حسد کرتے ہیں کیونکہ اس طرح نبوت ہارون (علیہ السلام) کے خاندان سے نکل گئی ہے، ورنہ حق یہ ہے کہ محمد (ﷺ) نبی مرسل ہیں لیکن یہودی میری یہ بات نہیں مانتے۔ ہم ان کے ہاتھوں دو دفعہ ذبح ہوں گے، ایک دفعہ یثرب میں اور دوسری بار خیبر میں۔ میں نے اس سے پوچھا تھا: اے سلام! کیا محمد (ﷺ) ساری زمین کے بادشاہ بن جائیں گے؟ اس نے کہا: ہاں۔ موسیٰ (علیہ السلام) پر نازل ہونے والی تورات کی قسم! ایسا ہی ہوگا۔ ۔ ۔ اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ان کے بارے میں یہودیوں کو میری یہ بات معلوم ہو۔''[1]

غزوۂ خیبر کی تاریخ

موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا ہے کہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قریباً بیس (20) راتیں قیام فرمایا، پھر آپ ﷺ خیبر کی طرف روانہ ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتح خیبر کا وعدہ فرمایا تھا۔[2]

1 دلائل النبوة للبیھقی: 250/4 2 زادالمعاد: 316/3

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ غزوہ خیبر محرم 7ھ میں ہوا تھا،[1] واقدی کی روایت یہ ہے کہ یہ غزوہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد صفر یا ربیع الاول 7ھ میں ہوا تھا۔[2] ابن سعد کا موقف ہے کہ یہ جمادی الاولی 7ھ میں ہوا تھا،[3] جب کہ امام زہری اور امام مالک رحمہ اللہ نے اس کی تاریخ محرم 6ھ قرار دی ہے، حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کی قطعی رائے یہ ہے کہ بلا شک وشبہ یہ 6ھ ہی میں ہوا تھا۔[4] ابن اسحاق اور واقدی کے مابین معمولی سا اختلاف ہے، یعنی صرف دو مہینے کا فرق ہے، اسی طرح ان کے اور امام زہری وامام مالک کے درمیان اختلاف کے سبب کے بارے میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کی وجہ شاید یہ ہے کہ لوگوں کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اسلامی کیلنڈر کا آغاز ربیع الاول کے مہینے سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری کا مہینہ ہے یا اس کا آغاز سال کے شروع محرم کے مہینے سے ہے۔ جمہور کی رائے میں اسلامی کیلنڈر کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد اگلے سال کی ابتداء میں آنے والے محرم سے ہے جب کہ حافظ ابن حزم کی رائے میں اس کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد والے مہینے ربیع الاول سے ہے۔[5] بہر حال حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کے قول کو واقدی کے قول پر ترجیح دی ہے۔[6] اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی 7ھ ہی کے سال کو صحیح قرار دیا ہے۔[7] اور جمہور کی بھی یہی رائے ہے کہ غزوہ خیبر 7ھ میں ہوا تھا۔[8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحجہ میں حدیبیہ سے مدینہ واپس تشریف لائے تھے۔ آپ نے یہاں (کچھ دن) قیام فرمایا اور پھر محرم میں خیبر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

مدینہ میں نائب کا تقرر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک یہ تھا کہ ہنگامی حالات میں جب آپ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جاتے تو کسی کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرما دیتے تھے۔ اسی معمول کے مطابق خیبر کی طرف روانہ ہوتے وقت آپ نے ابن ہشام کے بقول نُمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا،[9] لیکن امام احمد رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جب اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر میں تھے اور آپ نے سباع بن عرفطہ غطفانی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرما رکھا تھا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں ان کے پاس پہنچا تو (صبح کی نماز کا وقت تھا اور) انھوں نے نماز فجر کی پہلی رکعت میں سورۂ مریم ﴿کٓھٰیٰعٓصٓ﴾

1 السیرۃ لابن ہشام: 342/3. 2 المغازي للواقدي: 113/2. 3 الطبقات لابن سعد: 106/2. 4 زاد المعاد: 316/3، البداية والنهاية 183/4. 5 زاد المعاد: 316/3. 6 فتح الباري 580/7. 7 البداية والنهاية: 183/4. 8 زاد المعاد: 316/3 9 السيرة لابن هشام: 342/3.

اور دوسری میں سورۂ مطففین ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ﴾ (ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے) کی قراءت کی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ فلاں شخص کے لیے تو خرابی ہے کیونکہ وہ جب خود ناپ تول کر لیتا ہے تو پورا پورا لیتا ہے اور جب دیتا ہے تو کم دیتا ہے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انھوں نے ہمیں کچھ زادِ راہ دیا حتی کہ ہم بھی خیبر پہنچ گئے۔[1] اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی بات کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔[2]

گھڑ سوار دستہ

خیبر کی طرف روانہ ہونے والے 1400 مجاہدین صفِ شکن میں دو سو (200) گھوڑ سوار بھی تھے۔[3] اسلامی تاریخ میں اس وقت تک یہ گھوڑ سواروں کی سب سے بڑی تعداد تھی۔ حمل و نقل کے دیگر اسباب و وسائل مثلاً: اونٹوں وغیرہ کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتیں کیونکہ کتبِ تاریخ و سیرت اس بارے میں خاموش ہیں۔

ہراول دستے کی روانگی

رسول اللہ ﷺ نے اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہونے سے قبل شہسواروں کا ایک دستہ عباد بن بشر انصاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ فرما دیا تھا۔ اس دستے کا کام یہ تھا کہ وہ لشکرِ نبوی کے آگے آگے چلتا رہے اور اس بات کا جائزہ لے کہ رستوں میں دشمن نے اپنی کمین گاہوں اور جاسوسوں کا جال تو نہیں بچھا رکھا۔ آنحضرت ﷺ کے اس اقدام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جنگی رموز و معاملات پر زبردست بصیرت و مہارت حاصل تھی اور ایک مدبر اور دور اندیش سپہ سالار کی حیثیت سے آپ ﷺ نے ہر موقع پر بہترین منصوبہ بندی اختیار فرمائی۔

لشکر کے لیے رہبروں کا تقرر

رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خیبر جانے والے راستوں سے روشناس نہ تھے، لہٰذا آپ ﷺ نے اس علاقے کو بخوبی جاننے والے لوگوں کو بطور رہبر مقرر فرمایا تاکہ وہ خیبر پہنچنے کے لیے لشکر کی راہنمائی کر سکیں۔ نبی مکرم ﷺ نے اس سلسلے میں جن لوگوں کو مامور فرمایا، وہ حُسیل بن خارجہ اور عبداللہ بن نعیم رضی اللہ عنہما تھے، ان دونوں کا تعلق نجد کے قبیلے اَشجع سے تھا۔ اس قبیلے کے لوگ زمانۂ جاہلیت میں بھی خیبر کے علاقے میں اکثر آتے جاتے رہتے تھے۔[4]

1 مسند أحمد: 346,345/2، دلائل النبوة للبيهقي: 199,198/4. 2 فتح الباري: 580/7. 3 المغازي للواقدي: 152/2. 4 المغازي للواقدي: 116/2، موسوعة الغزوات الكبرىٰ لباشميل: 981/1.

لشکر اسلام کی خیبر کی طرف روانگی

لشکر اسلام امام الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں خیبر کی طرف روانہ ہوا۔ اس قدوسی لشکر نے خیبر جانے کے لیے جو راستہ اختیار کیا، مؤرخین کے بقول وہ ثنیۃ الوداع کا رستہ تھا، پھر زغابہ کا راستہ اختیار کیا گیا، پھر نقمیٰ اور عصر سے ہوتا ہوا لشکر اسلام صہبا پہنچ گیا۔[1] ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ سے خیبر کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے عصر کا راستہ اختیار فرمایا۔ آپ ﷺ کے حکم سے یہاں ایک مسجد بھی بنائی گئی۔ یہاں سے آپ صہبا تشریف لے گئے، پھر آپ نے اپنے لشکر سمیت رجیع نامی ایک وادی میں ڈیرے ڈال دیے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ خیبر اور غطفان کے درمیان سپلائی لائن کاٹ دی جائے تاکہ غطفان کے لوگ خیبر والوں کو کوئی مدد فراہم نہ کر سکیں۔

دوسری طرف غطفان کے لوگوں نے جب یہ خبر سنی تو وہ سب جمع ہو کر یہودیوں کی مدد کے لیے چل پڑے۔ انھوں نے ابھی ایک مرحلہ (تقریباً 33 کلومیٹر کا فاصلہ) ہی طے کیا تھا کہ انھیں اپنے اہل و عیال اور اموال کی طرف سے چیخ پکار سنائی دی۔ انھوں نے سمجھا کہ شاید اسلامی لشکر نے ان پر حملہ کر دیا ہے، لہٰذا وہ فوراً واپس چلے آئے، اپنے گھروں میں مقیم ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ اور خیبر کے بیچ سے ہٹ گئے۔[2] یاد رہے کہ یہ بات ابن اسحاق نے بیان کی ہے جبکہ واقدی کا کہنا ہے کہ بنو غطفان کا چار ہزار کا لشکر خیبر پہنچ چکا تھا اور وہاں سے چیخ و پکار کی آوازیں سن کر واپس آیا تھا جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ کی روایت کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ خیبر کے سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تھے حتی کہ جب صہبا پہنچے تو یہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر پڑھائی، پھر آپ نے کھانا طلب فرمایا تو صرف ستو ہی لائے گئے۔ آپ کے حکم سے ستو تر کر دیے گئے، آپ نے بھی ستو تناول فرمائے اور ہم نے بھی کھائے، پھر آپ نماز مغرب کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی، پھر آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی اور وضو نہ کیا۔[3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو غزوہ خیبر کے باب میں سب سے پہلے ذکر فرمایا ہے اور اس سے ان کا مقصود یہ بتانا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خیبر کی طرف جاتے وقت صہباء کا راستہ اختیار فرمایا تھا۔[4] واقدی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو عشاء کی نماز بھی پڑھائی۔

1 المغازی للواقدی 116/2. 2 السیرۃ لابن ھشام 344/3، البدایۃ والنھایۃ: 183/4، 184. 3 صحیح البخاری: 4195. 4 فتح الباری: 580/7

شاہراہ خیبر



صہباء ہی میں نبی ﷺ نے یہ طے فرمایا تھا کہ آپ خیبر پر اس کی شمالی جانب سے حملہ آور ہوں گے تاکہ یہودی شام کی طرف فرار نہ ہو سکیں۔ آپ ﷺ نے دونوں رہبروں، یعنی حسیل بن خارجہ اشجعی اور عبداللہ بن نُعیم اشجعی کو طلب کیا اور حسیل سے فرمایا:

[illegible]

''ہمارے آگے آگے چلو۔ ہمیں وادیوں کے دھارے کے ساتھ ساتھ لے چلو حتی کہ ہم ان وادیوں اور شام کے درمیانی رستے سے خیبر پہنچ جائیں۔ اس طرح ہم یہودیوں کا شام سے اور ان کے غطفانی حلیفوں سے راستہ اور رابطہ کاٹ دیں گے۔''

یہ سن کر حسیل رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کو اسی رستے سے لے کر چلوں گا۔ چنانچہ وہ آپ کو لے کر ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے خیبر کی طرف مختلف رستے جاتے تھے۔ حسیل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہاں کئی رستے ہیں، یہ سب خیبر کی طرف جاتے ہیں۔ آپ نے حسیل سے فرمایا: سمها لي ''ان رستوں کے نام بتاؤ۔'' دراصل آپ نیک فال اور اچھے نام پسند فرماتے تھے اور بدشگونی اور برے نام کو ناپسند کرتے تھے۔ رہبر نے بتایا کہ ایک رستے کا نام حزن (سخت اور کھردرا) ہے۔

آپ نے فرمایا: لا تسلكها ''تم اس رستے پر نہ چلو۔'' اس نے دوسرے رستے کا نام شاس (سنگلاخ اور دشوار) بتایا۔ آپ نے اس سے بھی منع فرما دیا۔ اس نے تیسرے رستے کا نام حاطب (لکڑیاں جمع کرنے والا)

بتایا۔ آپ نے اس پر جانے سے بھی روک دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس رات جو نام بھی آپ کے سامنے پیش کیے گئے، میں نے نہیں دیکھا کہ ان سے زیادہ کبھی کوئی نام آپ کو برے لگے ہوں۔ رہبر نے بتایا کہ اب صرف ایک ہی رستہ باقی رہ گیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کا نام بتاؤ۔ اس نے بتایا کہ اس کا نام مرحب (کشادگی اور فراخی) ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ، اسْلُكْهَا» ''ہاں، اسی رستے پر چلو۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے رہبر سے کہا کہ تم نے آغاز ہی میں اس رستے کا نام کیوں نہیں لیا؟ رسول اللہ ﷺ اس رستے سے خیبر کے شمالی علاقے کی طرف پہنچ گئے۔ آپ حیاض اور سریر [1] کے درمیان وادیوں کے رستے سفر کرتے ہوئے خرصہ [2] پہنچے اور پھر شق [3] اور نطاۃ [4] کے درمیان سفر جاری رکھا۔ [5]

لشکر اسلام کی روانگی کا ایک منظر

رسول اللہ ﷺ لشکر اسلام کی قیادت فرماتے ہوئے خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ صحیح البخاری میں اس سفر کی تفصیل بروایت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اس طرح بیان ہوئی ہے کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ ہم رات کو سفر کر رہے تھے کہ ایک شخص نے عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے کہا: عامر! کیا تم اپنے رجزیہ اشعار نہیں سناؤ گے؟ عامر بہت اچھے شاعر تھے۔ انھوں نے سواری سے اتر کر (اونٹوں کو چلاتے ہوئے) لوگوں کے سامنے حدی کے یہ اشعار پڑھنے شروع کر دیے:

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

''اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا (تیری توفیق نہ ہوتی) تو ہم راہ ہدایت پر نہ ہوتے، نہ صدقہ کرتے، نہ نماز پڑھتے۔''

فَاغْفِرْ فِدَاءً لَكَ مَا اقْتَفَيْنَا وَأَلْقِيَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا

''ہم تجھ پر فدا! تو ہمیں بخش دے جب تک ہم تیرے احکام پر عمل کریں اور ہم پر سکینت نازل فرما۔''

وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا إِنَّا إِذَا صِيحَ بِنَا أَتَيْنَا

''اگر دشمن سے ملاقات ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ، ہمیں جب بھی قتال یا حق کی طرف بلایا جاتا ہے تو ہم

1 سریر خیبر کے نزدیک ایک وادی کا نام ہے۔ 2 خرصہ خیبر کے ایک قلعے کا نام تھا۔ 3 شق خیبر کا ایسا علاقہ تھا جس میں بہت سے قلعے تھے۔ 4 ''نطاۃ'' خیبر کا وہ علاقہ ہے جس میں شدید معرکہ آرائی ہوئی تھی۔ 5 المغازي للواقدي: 2/117-119

حاضر ہو جاتے ہیں۔''

وبالصياح عولوا علينا

''انھوں نے چلا چلا کر لوگوں کو ہمارے خلاف جمع کر لیا ہے۔''[1]

مسند احمد میں اس رجز میں یہ اضافہ بھی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

''بے شک جن لوگوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ وہ جب فتنہ برپا کرنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کر دیں گے۔''

ونحن عن فضلك ما استغنينا

''ہم تیرے فضل سے کبھی بے نیاز نہیں رہ سکتے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ هٰذَا السَّائِقُ؟»

''یہ سواریوں کو چلانے والا کون ہے؟''

لوگوں نے بتایا کہ یہ عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَرْحَمُهُ اللّٰهُ» ''اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔'' لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے نبی! ان کے لیے شہادت واجب ہوگئی ہے، آپ ہمیں ان سے کچھ اور فائدہ اٹھانے دیتے۔[3]

ابن ہشام کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کا رجز سن کر ارشاد فرمایا: ''تمھارا پروردگار تم پر رحم فرمائے۔'' عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کے لیے تو شہادت واجب ہوگئی ہے، اے کاش! آپ ہمیں اس سے اور فائدہ اٹھانے دیتے۔ پس وہ خیبر میں شہید ہو گئے۔[4]

ایک یہودی جاسوس کی گرفتاری

عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے جیش نبوی کے آگے سراغ رسانی کے فرائض ادا کرتے ہوئے اشجع قبیلے کے ایک مشکوک شخص کو گرفتار لیا۔ وہ یہودیوں کا جاسوس معلوم ہوتا تھا۔

1 صحيح البخاري: 4196، صحيح مسلم: 1802. 2 صحيح البخاري: 2837، صحيح مسلم: 1807، مسند أحمد: 52/4. 3 صحيح البخاري: 4196. 4 السيرة لابن هشام: 343/3.

عباد رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میرے اونٹ گم ہوگئے ہیں اور میں انھیں تلاش کر رہا ہوں۔

عباد رضی اللہ عنہ: کیا تمھیں خیبر کے بارے میں کچھ علم ہے؟

جاسوس: میں نیا نیا خیبر سے آیا ہوں، آپ اس کے بارے میں کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟

عباد رضی اللہ عنہ: میں یہودیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

جاسوس: کنانہ بن ابی الحقیق اور ہوذہ بن قیس اپنے حلیف قبیلے غطفان کے پاس گئے تھے۔ وہ انھیں اس شرط پر اپنے ساتھ لے آئے ہیں کہ انھیں خیبر کی ایک سال کی کھجوریں دے دیں گے۔ وہ گھوڑوں اور ہتھیاروں سمیت عتبہ بن بدر کی قیادت میں آئے ہیں اور ان کے قلعوں میں داخل ہوگئے ہیں، جب کہ ان قلعوں میں دس ہزار جنگجو پہلے ہی موجود ہیں۔ خیبر کے یہودی ایسے قلعوں کے مالک ہیں جنھیں فتح نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے پاس اسلحہ اور کھانے پینے کا وافر سامان ہے۔ سالہا سال بھی ان کا محاصرہ کیا جائے تو ان کا غذائی ذخیرہ ان کی ضرورت کے لیے کافی ہوگا۔ ان کے پاس پانی بھی بہت ہے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی اُن سے مقابلے کی تاب نہیں لا سکتا۔

یہ گفتگو سن کر عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو یقین ہوگیا کہ یہ شخص یہودیوں کا اُجرتی جاسوس ہے۔ انھوں نے اسے کوڑے مارے اور کہا کہ تم یہودیوں کے جاسوس ہو، سب کچھ سچ سچ بتا دو ورنہ میں تمھاری گردن اڑا دوں گا۔

جاسوس: اگر میں سچ بولوں تو کیا آپ مجھے امان دے دیں گے؟

عباد رضی اللہ عنہ: ہاں، تمھیں امان دے دی جائے گی۔

جاسوس: یثرب کے یہودیوں کا تم نے جو حشر کیا تھا، اس کی وجہ سے خیبر کے یہودی تم سے بہت خوف زدہ ہیں۔ میرا ایک چچازاد مدینہ میں اپنا سامان بیچنے آیا تو وہاں کے یہودیوں نے اسے یہ پیغام دے کر کنانہ بن ابی الحقیق کے پاس بھیجا کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہے اور ان کے پاس گھوڑوں اور ہتھیاروں کی بھی کمی ہے، لہٰذا انھیں ایسی ضرب لگاؤ کہ وہ بھاگ کھڑے ہوں کیونکہ ان کا ابھی تک کسی ایسی قوم سے مقابلہ ہی نہیں ہوا جو اچھی طرح جنگ کر سکتی ہو۔ قریش اور عربوں کو یہ معلوم ہے کہ تمھارے پاس افرادی قوت، غذائی ساز و سامان اور اسلحہ وغیرہ کی فراوانی ہے اور تمھارے قلعے بھی بہت مضبوط ہیں، اس لیے انھیں اس خبر سے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمھاری طرف جا رہے ہیں (کیونکہ ان کے خیال میں جنگ میں تمھیں کامیابی حاصل ہوگی)۔ قریش کہہ رہے ہیں کہ اس جنگ میں یہودیوں کو فتح حاصل ہوگی، جب کہ

محمد ﷺ سے محبت کرنے والے لوگوں کا کہنا ہے کہ محمد (ﷺ) کو فتح ہوگی، یقین کیجیے کہ اگر محمد (ﷺ) کو فتح نصیب ہوئی تو یہ ہم سب کے لیے دائمی ذلت و رسوائی کی بات ہوگی۔

اعرابی نے عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ میں نے یہ ساری گفتگو سن لی تھی، اس لیے کنانہ بن ابی الحقیق نے مجھ سے کہا کہ تم پر کوئی شک و شبہ نہیں ہوگا، تم ان کے سارے حالات معلوم کر کے آؤ اور ہمیں بتاؤ۔ تم ایک فقیر کے بھیس میں ان کے پاس چلے جاؤ۔ انھیں ہماری افرادی کثرت اور مادی قوت سے مرعوب کرو اور پھر سارے حالات معلوم کرکے جلد ہی ہمارے پاس واپس آ جاؤ۔

عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے تحقیق و تفتیش کے بعد جب اس جاسوس کے سارے حالات معلوم کر لیے تو اسے نبی مکرم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور بتایا کہ اس شخص نے یہ اعتراف کر لیا ہے کہ وہ یہودیوں کا جاسوس ہے۔ یہ سن کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جوش میں آ گئے اور کہنے لگے: اس کی گردن اڑا دی جائے۔

یہ سنتے ہی عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس کو امان دی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے عباد بن بشر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«امسكه معك يا عباد! فأوثقه رباطا»

''عباد! اسے اپنے پاس رکھو۔ اور رسی سے باندھ دو۔''

رسول اللہ ﷺ جب خیبر میں داخل ہو گئے تو آپ نے حکم دیا کہ جاسوس کو پیش کیا جائے۔ ارشاد کی تعمیل کی گئی اور جاسوس کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ حالت جنگ میں اگر کفار کا جاسوس پکڑا جائے تو اس کی کم از کم سزا موت ہوتی ہے۔ اب اس جاسوس کے بچنے کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ اسلام قبول کر لے، چنانچہ نبی رحمت ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور فرمایا:

«[illegible]»

''میں تجھے تین بار (اسلام کی) دعوت دیتا ہوں۔ اگر تو مسلمان نہ ہوا تو تجھے قتل کر دیا جائے گا۔''

اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح وہ قتل ہونے سے بچ گیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی دعا

رسول اللہ ﷺ جب خیبر میں داخل ہو گئے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا: [illegible] ''رک جاؤ۔'' تمام

1 المغازي للواقدي، 2/118، 119.

مجاہدین فوراً رک گئے، آپ نے بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا کی:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ، وَرَبَّ الْاَرَضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ، وَرَبَّ الشَّیَاطِیْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ، وَرَبَّ الرِّیَاحِ وَمَا اَذْرَیْنَ، فَاِنَّا نَسْاَلُکَ خَیْرَ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ وَخَیْرَ اَھْلِھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا، وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ وَشَرِّ اَھْلِھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا، اَقْدِمُوْا بِسْمِ اللّٰہِ

''اے اللہ! ساتوں آسمانوں کے رب اور ان کے جن پر وہ سایہ فگن ہیں، اور ساتوں زمینوں کے مالک اور ان کے جن کو انھوں نے اٹھا رکھا ہے، اور شیطانوں کے رب اور ان کے جن کو انھوں نے گمراہ کیا ہے، اور ہواؤں کے رب اور ان کے جن کو انھوں نے بکھیرا ہے۔ پس ہم تجھی سے اس بستی کی خیر، اس کے باشندوں کی خیر اور جو کچھ اس میں ہے، اس کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور ہم تجھ سے اس بستی کے شر، اس کے باشندوں کے شر اور جو کچھ اس میں ہے، اس کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: اب اللہ تعالیٰ کے نام سے آگے بڑھو!''

رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی بستی میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو یہ دعا پڑھ لیا کرتے تھے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی قوم سے جنگ کرتے تو آپ رات کو حملہ نہیں کرتے تھے حتی کہ صبح ہو جاتی۔ اگر آپ اذان کی آواز سن لیتے تو جنگ سے رک جاتے تھے اور اذان کی آواز نہ سنتے تو حملہ کر دیتے تھے۔ خیبر میں ہم رات کے وقت پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے رات وہیں بسر فرمائی اور صبح کے وقت جب اذان نہیں سنی تو آپ سواری پر سوار ہو گئے، آپ کے ساتھ ہم بھی سوار ہو گئے۔ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار تھا، میرے پاؤں رسول اللہ ﷺ کے مبارک پاؤں کو چھو رہے تھے۔[2]

1 السیرۃ لابن ہشام: 343/3، البدایۃ والنہایۃ: 185/4۔ 2 صحیح البخاري: 610

جامع مسجد انس بن مالک رضی اللہ عنہ



خیبر میں تشریف آوری

سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ آپ نے نماز فجر پڑھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد مسلمان اپنی سواریوں پر سوار ہو گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ اہل خیبر اپنے کھیتی باڑی کے اوزار کدالوں اور ٹوکریوں وغیرہ کے ساتھ اپنی زمینوں کی طرف جا رہے ہیں اور مسلمانوں کی آمد سے بے خبر ہیں۔ خیبر کے یہودیوں نے اچانک لشکر اسلام کو دیکھا تو بدحواس ہو کر چلانے لگے: اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) اپنا لشکر لے کر آ گئے ہیں۔ وہ چیخ پکار کرتے ہوئے اپنے قلعوں میں جا گھسے۔ یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ»

”اللہ اکبر! خیبر تباہ و برباد ہو گیا۔ ہم جب کسی قوم کے میدان میں اتر جاتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔“[1]

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں قرآن مجید کی درج ذیل آیت کریمہ کے الفاظ مبارک استعمال کیے:

﴿فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ﴾

”مگر جب وہ (عذاب) ان کے میدان میں اترے گا تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بہت بری ہوگی۔“[2]

اس روایت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی آیات کا گفتگو میں بطور اقتباس استعمال کرنا جائز ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ہاتھوں میں کسیاں، کدالیں وغیرہ آلات ہدم دیکھے تو آپ ﷺ نے اس سے فال لی کہ خیبر عنقریب برباد ہوگا۔ یا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خیبر کی تباہی و بربادی کے بارے میں مطلع فرما دیا تھا، لہٰذا آپ نے یہ بات پیش گوئی کے طور پر فرمائی تھی۔ اس کی تائید آپ ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ ”جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر آتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔“[3]

یہودیوں کی بے خبری

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو مسلمانوں کی آمد سے بے خبر رکھا اور انھیں مسلمانوں کا اس وقت علم ہوا جب بوقت صبح مسلمان خیبر میں داخل ہو گئے، حالانکہ مدینہ کے منافقین اور یہودیوں نے اہلِ خیبر کو مسلمانوں کے روانہ ہونے سے پہلے ہی مطلع کر دیا تھا۔

---

1 صحيح البخاري: 2991 و 4198. 2 الصّٰفّٰت 37:177. 3 فتح الباري: 7/585

خیبر کے قلعے

خیبر شہر اس وقت دو حصوں میں تقسیم تھا۔ ہر حصے میں مختلف جنگی قلعے تھے، ان میں سے آٹھ زیادہ مشہور اور بہت اہم تھے۔ شہر کے پہلے نصف حصے میں پانچ قلعے تھے اور انھی میں مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین شدید معرکہ آرائی ہوئی۔ ان پانچ قلعوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

1 حصن ناعم: مسلمانوں نے سب سے پہلے اسی قلعے پر حملہ کیا اور مرحب کو ہلاک کر دیا۔ اس قلعے کا دفاع مرحب اور اس کے بھائیوں کے سپرد تھا۔

2 حصن صعب بن معاذ: اس قلعے سے بہت سی غذائی اجناس اور جنگی ساز وسامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

3 حصن زبیر

4 حصن أبي

5 حصن نزار: (بعض نے اس کا نام حصن بزاۃ بھی لیا ہے)

پہلے تین قلعے جس علاقے میں تھے، اسے نطاۃ کہا جاتا تھا اور دوسرے دو قلعے جس علاقے میں تھے، اسے شق کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ خیبر شہر کے نصف دوم میں بھی بہت سے قلعے تھے لیکن ان میں سے زیادہ اہمیت کے حامل درج ذیل تین قلعے تھے:

1 حصن القموص: یہ بنونضیر کے یہودیوں میں سے بنوابي الحقیق کا قلعہ تھا۔

2 حصن الوطیح

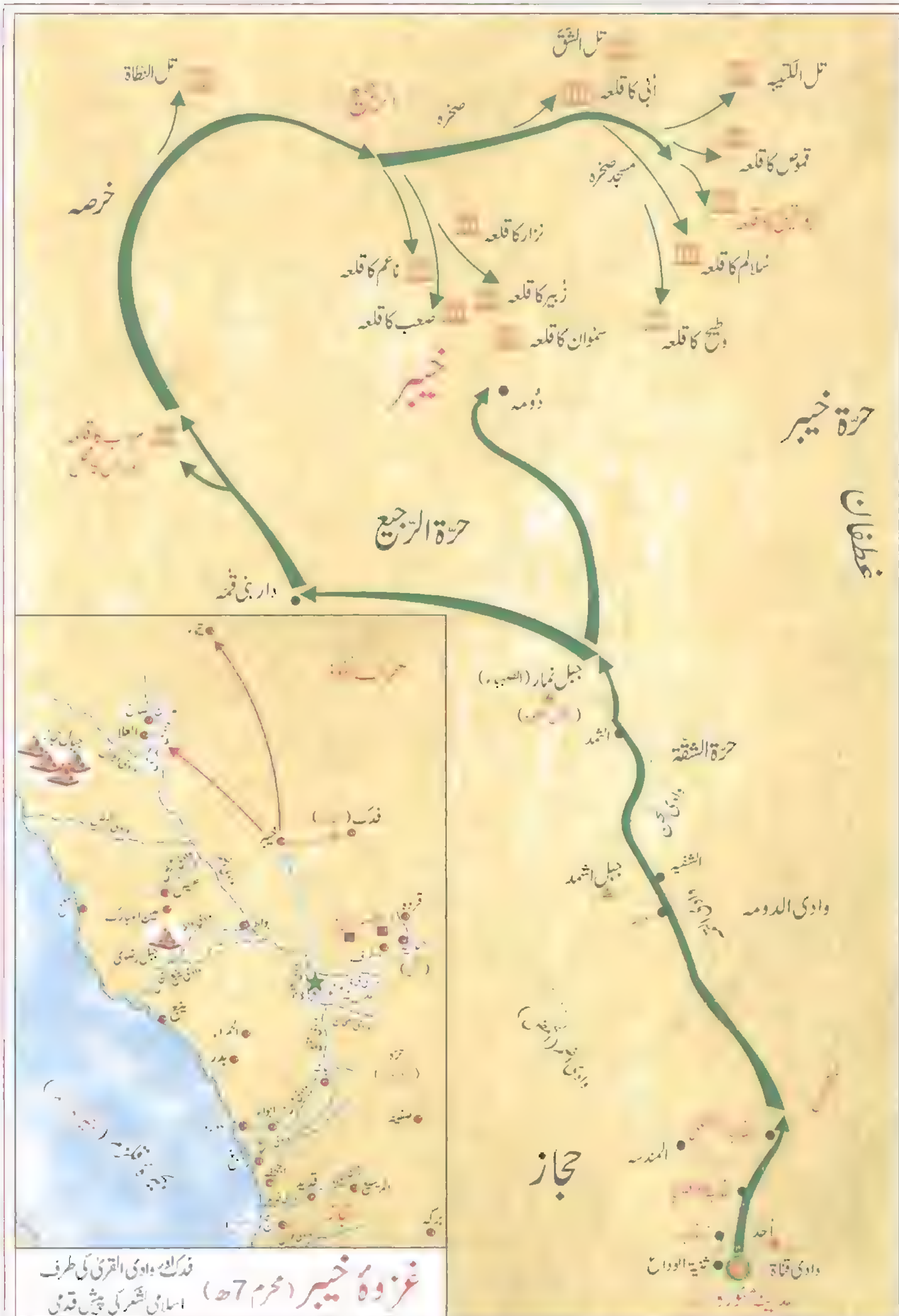
3 حصن السلالم

ان قلعوں کی مضبوطی اور ان میں جنگجوؤں کی کثرت کے باوجود یہاں جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی بلکہ ان قلعوں میں رہنے والوں نے مسلمانوں کے شدید محاصرہ کی تاب نہ لاتے ہوئے جلاوطنی قبول کر کے یہ قلعے مسلمانوں کے سپرد کر دیے۔[1]

لشکر کی ترتیب اور جھنڈوں کی تقسیم

رسول اللہ ﷺ نے لشکر اسلام ترتیب دیا اور جھنڈے تقسیم فرمائے۔ خیبر کے دن اعلیٰ قیادت کا پرچم سفید رنگ کا تھا، یہ عقاب کے نام سے موسوم تھا۔ سفید رنگ کے اس پرچم اسلام پر سیاہ حروف میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ یہی پرچم تھا جو بعد میں آپ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔[2] اسی طرح آپ نے دو پرچم مہاجرین

1 موسوعة الغزوات الكبرى: 996،995/1. 2 السيرة الحلبية: 735،734/2



غزوۂ خیبر (محرم 7ھ)

فدک اور وادی القریٰ کی طرف اسلامی لشکر کی پیش قدمی

اور دو انصار میں بھی تقسیم فرمائے تھے۔ مہاجرین کے پرچم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیے گئے جب کہ انصار کے پرچم حاصل کرنے کی سعادت سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی تھی۔[1]

علاوہ ازیں آپ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک ایسا فوجی دستہ بھی ترتیب دیا جس کا فرض رات کو لشکر اسلام کی حفاظت و نگہداشت اور دشمنوں کے قلعوں کے گرد چکر لگا کر ان کی حرکات و سکنات پر نظر رکھنا تھا۔[2]

کھیتوں اور باغات پر قبضہ

مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہودیوں کو وارننگ دینے کے بعد مسلمانوں کی طرف سے پہلا جنگی اقدام ان کے کھیتوں اور باغات پر قبضہ تھا۔ یہودیوں کو مرعوب اور خوف زدہ کرنے کے لیے مسلمانوں نے ان کے باغات میں سے کھجوروں کے چار سو درخت کاٹ دیے، پھر رحمت کائنات ﷺ نے درخت کاٹنے سے منع فرما دیا تھا۔ مسلمانوں نے جن کھیتوں پر قبضہ کیا اور کھجور کے درختوں کو کاٹا وہ علاقہ نطاۃ (نصف اول) میں واقع تھے اور اس علاقے میں گھمسان کی جنگ ہوئی تھی۔[3]

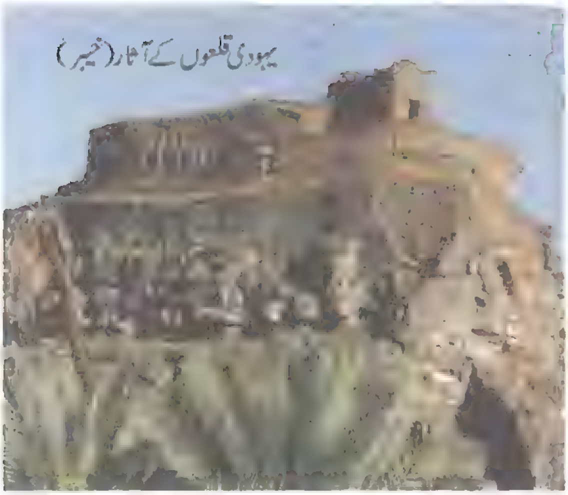
رسول اللہ ﷺ کی غطفان سے بات چیت

عیینہ بن حصن کی قیادت میں بنو غطفان کا چار ہزار کا لشکر خیبر پہنچ چکا تھا اور قلعہ ناعم میں موجود تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہر امور جنگ کی حیثیت سے غطفان کے قبائل سے رابطہ قائم کیا اور انھیں نصیحت فرمائی کہ وہ مسلمانوں اور خیبر کے یہودیوں کے مابین کشمکش میں غیر جانب دار رہیں۔ آپ نے انھیں یہ بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خیبر میں فتح عطا فرمائے گا کیونکہ اس نے آپ ﷺ سے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے ہمیشہ پورے فرماتا ہے۔

قائد غطفان سے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مذاکرات

نبی اکرم ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا کہ قبیلۂ غطفان نے یہودیوں کی مدد کے لیے مسلح دستے روانہ کیے ہیں تو آپ نے سردار خزرج سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو قائد غطفان عیینہ بن حصن کے پاس بھیجا جو اس وقت مرحب کے قلعے

1 الطبقات لابن سعد: 106/2، السیرۃ الحلبیۃ: 734/2. 2 السیرۃ الحلبیۃ: 733,732/2. 3 إمتاع الأسماع: 307/1، المغازي للواقدي: 121,120/2.





میں موجود تھا۔

عیینہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے سعد کو اس کے پاس بھیجا ہے تو اس نے انھیں قلعے میں بلانا چاہا، لیکن یہودی قائد مرحب نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اسے قلعے کے اندر نہ لاؤ کیونکہ وہ اس طرح قلعے کے تمام احوال اور اس میں داخلے کے تمام راستے معلوم کر لے گا۔ تم خود قلعے سے باہر جا کر اس سے بات کر لو۔ عیینہ نے جواب دیا کہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ وہ قلعے میں داخل ہو کر دیکھ لے کہ یہ کس قدر مضبوط ہے اور اس میں کتنی کثیر تعداد میں لوگ موجود ہیں لیکن مرحب نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے قلعے کے اندر آنے کی تجویز مسترد کر دی، لہٰذا عیینہ نے قلعے کے دروازے کے پاس سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمھارے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ قَدْ وَعَدَنِي خَيْبَرَ فَارْجِعُوا وَكُفُّوا، فَإِنْ ظَهَرْنَا عَلَيْهَا فَلَكُمْ تَمْرُ خَيْبَرَ سَنَةً»

"اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فتح خیبر کا وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا تم باز آجاؤ اور واپس چلے جاؤ۔ اگر ہم غالب آ گئے تو تمھیں خیبر کی ایک سال کی کھجوریں دے دیں گے۔"

عیینہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہم اپنے حلیفوں کو کسی کے سپرد نہیں کریں گے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو یہاں کے یہودیوں سے مقابلے کی تاب نہیں ہے کیونکہ ان کے پاس بڑے مضبوط قلعے ہیں۔ ان کے جنگجوؤں کی تمھارے مقابلے میں تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ ان کے پاس ہر قسم کے اسلحے کی بھی فراوانی ہے۔ اگر تم یہاں ٹھہرے تو اپنے ساتھیوں سمیت ہلاک ہو جاؤ گے اور اگر تم نے لڑائی کی تو یہ مسلح آدمیوں کے ریلے سے

تمھارا مقابلہ کریں گے اور اللہ کی قسم! یہ لوگ قریش کی طرح نہیں ہیں جو تمھاری طرف چل کر آئے کہ اگر وہ تمھاری بے خبری میں تمھیں کوئی نقصان پہنچا دیں تو یہی ان کا ارادہ ہوتا تھا ورنہ وہ واپس چلے جاتے تھے۔ یہ لوگ تو حیلہ بازی سے تم سے جنگ کریں گے اور اسے خوب طول دیں گے حتی کہ تم خود تنگ آ کر انھیں چھوڑ دے دو گے۔

جبل حضن (نجد)



سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے واپس ہونے سے قبل عیینہ بن حصن سے کہا: یاد رکھو ہم اس قلعے میں تمھارے پاس آئیں گے اور اب ہم تمھیں جو پیشکش کر رہے ہیں، اس وقت تم خود ہم سے انھی چیزوں کا مطالبہ کرو گے لیکن اس وقت ہمارے پاس تمھارے لیے تلوار کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ عیینہ! تم یہ منظر پہلے بھی دیکھ چکے ہو کہ جب ہم نے یثرب کے یہودیوں کے علاقے کا رخ کیا تو انھیں پارہ پارہ کر دیا تھا۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ عیینہ سے ملاقات کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ انھوں نے عیینہ کی تمام باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کر دیں اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے، وہ اسے ضرور پورا فرمائے گا اور اپنے دین کو یقینا غلبہ اور سربلندی عطا فرمائے گا۔ آپ اس بدو (عیینہ) کو ایک کھجور بھی نہ دیں۔ اے اللہ کے رسول! اگر تلوار نے اسے جالیا تو یہ خیبر کے یہودیوں کو چھوڑ کر اپنے علاقے کی طرف بھاگ جائے گا جیسا کہ یہ خندق کے دن بھاگ گیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوگیا کہ قبیلہ غطفان آپ کی طرف سے خیبر کی ایک سال کی کھجوروں کی پیشکش قبول نہیں کر رہا، تو آپ نے اپنی فوجوں کو قلعہ ناعم کا گھیراؤ کرنے کا حکم دے دیا جس میں غطفان کے لوگ بھی یہودیوں کے ساتھ قلعہ بند تھے۔

مسلمانوں کا عزم و ثبات

قبائل غطفان و اسد کے اس اصرار کے باوجود کہ وہ یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کریں گے، مسلمانوں کے پائے استقلال میں کوئی لغزش پیدا نہ ہوئی بلکہ وہ بلند پایہ ایمانی جذبے، اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر مکمل اعتماد اور عزم و اطمینان کے ساتھ اپنے رہبر و راہنما سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں خیبر پہنچے تھے۔

ہر چند وہ تعداد میں صرف چودہ سو (1400) تھے۔ اس کے باوجود چودہ ہزار (14000) کے لشکر جرار سے ٹکرا جانے کے لیے سر بکف تھے۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی غطفان کا فرار

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ

''ایک مہینے کی مسافت تک رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔''[1]

یعنی دشمن پر میرا رعب طاری کر کے اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے، چاہے میرا دشمن ایک مہینے کی مسافت پر ہو جیسا کہ غطفان کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے آپ کا رعب طاری فرما دیا تھا جن کی تعداد چار ہزار (4000) تھی۔ ان سے جو لوگ یہودیوں کے ساتھ ان سے قلعوں میں مقیم تھے، انھوں نے چیخ پکار کی صدائیں سنیں تو وہ یہودیوں کو چھوڑ کر کلمۂ فرار پڑھتے ہوئے بھاگ گئے۔

غطفانی جب حیفاء میں اپنے اہل و عیال کے پاس واپس آئے اور انھیں معمول کے مطابق پایا تو پوچھا: کیا تمھیں کوئی ڈر اور خوف لاحق ہوا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، واللہ! ایسی کوئی بات نہیں، پھر اہل خانہ کہنے لگے کہ ہمارا خیال تھا کہ تم مال غنیمت کے ساتھ لوٹو گے مگر ہم تو تمھارے پاس غنیمت کی کوئی چیز نہیں دیکھ رہے۔ عیینہ بن حصن نے اپنے ساتھیوں سے کہا: واللہ! یہ تو محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کی ایک تدبیر ہے جس کے ذریعے انھوں نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔ حارث بن عوف مری نے پوچھا: کون سا دھوکا؟ اس نے کہا کہ ہم نطاۃ کے قلعے میں تھے، ابھی رات کا ابتدائی حصہ ہی گزرا تھا کہ ہم نے سنا کہ کوئی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا اور ہمیں نہیں معلوم کہ یہ آواز آسمان سے آرہی تھی یا زمین سے کہ اے لوگو! حیفاء میں اپنے اہل و عیال کی خبر لو۔ یہ آواز تین بار سنائی دی۔ حارث بن عوف نے جواب دیا: عیینہ! اللہ کی قسم! تم نے جو آواز سنی، یہ آسمان کی طرف سے تھی، اللہ کی قسم! جو بھی محمد (ﷺ) کے مقابلے میں آئے گا، وہ اس پر غالب آجائیں گے۔ اگر پہاڑ بھی ان کے مقابلہ میں آئیں گے تو وہ ان کو بھی پاش پاش کر دیں گے۔

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

[1] صحیح البخاري 335

عیینہ کچھ دن اپنے اہل خانہ میں مقیم رہا، پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو یہودیوں کی مدد کے لیے نکلنے کی دعوت دی تو حارث بن عوف اس کے پاس آیا اور اس نے کہا: عیینہ! میری بات مانو، اپنے گھر میں رہو اور یہودیوں کی مدد کا خیال دل سے نکال دو۔ ویسے بھی تمھارے خیبر پہنچنے سے پہلے پہلے محمد (ﷺ) نے اسے فتح کرلیا ہوگا۔ ایسی صورت میں تم بھی محفوظ نہیں رہو گے۔ مگر عیینہ نے یہ کہتے ہوئے اس کی بات قبول کرنے سے انکار کردیا کہ میں اپنے حلیفوں کو کسی کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔[1] پھر عیینہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہودیوں کی مدد کے لیے خیبر کی طرف روانہ ہوگیا۔

قلعہ ناعم پر حملے سے لڑائی کا آغاز

نبی اکرم ﷺ نے پہلا فوجی کیمپ نطاۃ کے بالائی طرف کھلے میدان میں ناعم قلعہ کے قریب قائم فرمایا تھا۔[2] ناعم ہی خیبر کا وہ سب سے پہلا قلعہ تھا جس پر مسلمانوں نے حملہ کیا تھا۔ یہ قلعہ مشہور یہودی شہسوار مرحب کا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے لڑائی کے پہلے دن اسی قلعے پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا اور آپ نے بنفس نفیس بھی اس لڑائی میں شرکت فرمائی تھی۔ آپ ظرب نامی گھوڑے پر سوار تھے اور آپ ﷺ نے دو زرہیں اور خود زیب تن فرما رکھا تھا، دست مبارک میں نیزہ اور ڈھال بھی تھی۔

قلعہ ناعم کے سامنے مسلمانوں اور یہودیوں میں بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمانوں نے زبردست حملہ کیا، دن بھر معرکہ آرائی جاری رہی۔ یہودیوں کی قیادت مرحب اور اس کے بھائی یاسر اور حارث کر رہے تھے اور ان کی طرف سے مقابلہ اتنا شدید تھا کہ پہلے دن کی اس لڑائی میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ یہودیوں نے قلعہ ناعم کے دفاع میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا حتی کہ قلعے کے دروازے کھول کر مسلمانوں کے بالمقابل صف آرا ہوگئے۔ ان کے شہسوار مرحب کے بھائی حارث کی قیادت میں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر سے انصار کے دستوں نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے یہودی بھاگ کر قلعے میں گھس گئے اور اپنی جانیں بچانے کے لیے قلعہ بند ہوکر بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد انھوں نے قلعے کا دروازہ کھول کر ایک یہودی سالار اُسَیر کی قیادت میں مسلمانوں پر شدید حملہ کیا۔ مسلمانوں نے بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن یہودیوں کی تیراندازی سے پچاس مسلمان زخمی ہوگئے۔ اگلے دن ان تمام زخمیوں کو طبی امداد کے مرکز وادی رجیع میں علاج معالجے کے لیے منتقل کردیا گیا۔[3]

1 المغازي للواقدي: 2/124-126 2 المغازي للواقدي: 2/126، إمتاع الأسماع: 1/309. 3 المغازي للواقدي: 2/126، 127، موسوعة الغزوات الكبرى للباشميل: 1/1003

محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ..... خیبر کے پہلے شہید

غزوۂ خیبر میں سب سے پہلے محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے بھائی محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ انھیں معرکے میں مقابلہ کرتے ہوئے نہیں بلکہ دھوکے سے شہید کیا گیا تھا۔ معرکۂ کارزار میں تو انھوں نے شجاعت و بسالت کے خوب خوب جوہر دکھائے تھے۔ تاہم وہ شدید ترین گرم دن تھا، اس لیے وہ تھوڑی دیر آرام کے لیے قلعہ ناعم سے متصل ایک عمارت کے سائے میں چلے گئے۔ ان کے خیال میں وہاں کوئی یہودی جنگجو نہیں تھا لیکن مرحب نے انھیں دیکھ لیا۔ اس نے اس عمارت کی چھت پر چڑھ کر چکی کا ایک پاٹ ان کے سر پر گرا دیا جس کی وجہ سے خود ان کے سر میں دھنس گیا۔ زخم اتنا شدید تھا کہ پیشانی کی کھال چہرے پر گر گئی۔ انھیں اسی زخمی حالت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اپنے دست مبارک سے کھال کو اپنی جگہ پر لوٹا دیا اور ان کے سر پر پٹی باندھ دی، پھر انھیں طبی امداد کے مرکز میں منتقل کر دیا گیا جہاں وادی رجیع میں ان کا علاج ہوتا رہا اور تیسرے دن ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔[1]

اسلامی کیمپ کے پڑاؤ کی تبدیلی

پہلے دن کی اس لڑائی میں مسلمانوں کو بہت سے آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک بڑے قائد حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے جن کا تعلق انصار سے تھا محسوس کیا کہ جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے مسلمانوں کا کیمپ مناسب جگہ پر نہیں ہے۔ نطاۃ کے قلعے بہت بلندی پر واقع تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی تمام حرکات و سکنات پر یہودیوں کی نظر تھی اور مسلمان ان کے تیروں کی زد میں تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس جگہ کا انتخاب فرمایا ہے تو اس میں کسی قیل و قال کی گنجائش نہیں اور اگر آپ نے اپنی رائے سے اسے منتخب کیا ہے تو اس بارے میں کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: «بل هو رأیي» ”میں نے اس جگہ کا انتخاب اپنی رائے سے کیا ہے۔“
حباب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے قلعے کے قریب، نخلستان میں ایک نشیبی جگہ کا انتخاب فرمایا ہے۔ مجھے نطاۃ کے باشندوں کے بارے میں علم ہے کہ یہ لوگ تیر اندازی میں بہت ماہر ہیں۔ ان کے بلندی پر ہونے کی وجہ سے ان کے تیر بھی ہماری طرف نہایت تیزی سے آتے ہیں اور وہ ہم پر شب خون بھی مار سکتے ہیں، لہٰذا ہمیں کسی ایسی جگہ منتقل ہو جانا چاہیے جو نمناک نہ ہو اور اونچی جگہ پر ہو تا کہ ان کے تیر ہم تک نہ پہنچ سکیں۔

[1] المغازي للواقدي: 121/2.

رسول اللہ ﷺ نے حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کی رائے کو صائب جانتے ہوئے فرمایا:

نَتَحَوَّلُ إِنْ شَاءَ اللهُ إِذَا أَمْسَيْنَا

''تم نے بڑی اچھی رائے دی ہے، لہٰذا اللہ نے چاہا تو ہم شام کو کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائیں گے۔''

البتہ رسول اللہ ﷺ کی رائے تھی کہ قلعہ ناعم کے لوگوں کے ساتھ رات تک اسی جگہ جنگ جاری رہنی چاہیے اور پھر رات ہی کو ہمیں دوسری جگہ منتقل ہو جانا چاہیے۔

حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے نبی ﷺ نے محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اُنْظُرْ لَنَا مَنْزِلًا بَعِيدًا مِنْ حُصُونِهِمْ، بَرِيئًا مِنَ الْوَبَاءِ، نَأْمَنُ فِيهِ بَيَاتَهُمْ»

''ہمارے لیے کوئی ایسی مناسب جگہ تلاش کرو جو ان کے قلعوں سے دور ہو، وبا سے پاک ہو اور جس میں ہم ان کی طرف سے شب خون کے خطرے سے بھی محفوظ ہوں۔''

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی ہدایات کے مطابق مناسب جگہ کی تلاش کے لیے گرد و پیش کا جائزہ لینا شروع کیا اور جب انھیں موزوں جگہ مل گئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کے فرمان کے مطابق مناسب جگہ تلاش کر لی ہے اور وہ جگہ وادی رجیع ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «عَلٰى بَرَكَةِ اللهِ» ''اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ (ہم وہاں منتقل ہو جائیں گے)۔''

پھر اسی دن کی شام کو نبی اکرم ﷺ نے لشکر اسلام کا کیمپ وادی رجیع میں منتقل کر دیا جس کا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے انتخاب کیا تھا۔



اس نئے کیمپ کا نگران آپ ﷺ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ گویا پہلے دن یہودیوں سے لڑائی نطاۃ کے زیریں علاقے میں کی گئی تھی اور وادی رجیع میں منتقل ہونے کے بعد اس کے بالائی علاقے میں لڑائی کی گئی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خیبر میں فتح عطا فرمائی۔[1]

[1] المغازي للواقدي: 2/120،121، السيرة الحلبية: 2/731.

قلعہ ناعم...... یہود کا مضبوط ترین قلعہ

قلعہ ناعم کے سامنے مسلمانوں کی معرکہ آرائیوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیبر میں سب سے محفوظ اور مضبوط قلعہ تھا اور اس کا دفاع کرنے والے یہودی بھی دلیر اور جنگی امور کے ماہر تھے۔ اس بات کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس مضبوط قلعے کے دفاع پر جو فوجی دستہ مامور تھا، اس کی قیادت مرحب اور اس کے دو بھائیوں یاسر اور حارث کے سپرد تھی۔ یہ دونوں بھائی بھی شجاعت و جوانمردی میں مرحب سے کم نہیں تھے۔ یہ تینوں یہودی قائدین دعوت مبارزت میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوگئے۔ ان کے قتل کے بعد مسلمانوں کے لیے اس قلعے کو فتح کرنا آسان ہوا تھا جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔[1]

عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کی شہادت

مسلمانوں نے جب قلعہ ناعم کا محاصرہ کر لیا تو مرحب بڑے غرور سے اکڑ کر چلتا اور اپنی تلوار کو لہراتا ہوا نکلا۔ اس نے دعوت مبارزت دیتے ہوئے یہ رجز پڑھا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَرْحَبُ شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ
اذا الحروب اقبلت تلهب

”خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں جو ایک ہتھیار بند بہادر اور تجربہ کار سورما ہے، جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھے (تو میں شجاعت و بسالت کے خوب جوہر دکھاتا ہوں)۔“

مرحب کی دعوت مبارزت قبول کرتے ہوئے سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ میدان میں آئے اور انھوں نے مرحب کے جواب میں یہ رجز پڑھا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي عَامِرٌ شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُغَامِرٌ

”خیبر کو خوب معلوم ہے کہ میں عامر ہوں۔ میں مسلح ہوں، بہادر ہوں اور قتال کرتے ہوئے موت سے ہرگز نہیں ڈرتا۔“

اس کے بعد عامر رضی اللہ عنہ اور مرحب میں شمشیرزنی کا مقابلہ ہونے لگا۔ مرحب کی تلوار عامر رضی اللہ عنہ کی زرہ میں پھنس گئی۔ عامر رضی اللہ عنہ نے مرحب کو زمین پر رگیدنا شروع کر دیا۔ اسی جد و جہد میں اچانک خود عامر رضی اللہ عنہ کی اپنی ہی تلوار

[1] موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 1008/1.

ان کے گھٹنے پر لگ گئی جس سے ان کی رگ اکحل کٹ گئی اور وہ (بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے) جام شہادت نوش فرما گئے۔

سلمہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ بعض صحابہ کرام ؓ یہ کہہ رہے ہیں کہ عامر کا عمل باطل ہوگیا کیونکہ انھوں نے اپنے آپ کو خود قتل کیا ہے۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اشکبار آنکھوں کے ساتھ حاضر ہوا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا عامر کا عمل باطل ہوگیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ قَالَ ذٰلِكَ؟'' ''یہ کس نے کہا ہے؟'' میں نے عرض کیا: صحابہ کرام ؓ کی ایک جماعت نے یہ بات کہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''كَذَبَ مَنْ قَالَهُ، إِنَّ لَهُ لَأَجْرَهُ مَرَّتَيْنِ'' ''جس نے بھی یہ کہا ہے، اس نے غلط کہا ہے۔ عامر کے لیے تو دگنا اجر وثواب ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی ؓ کی طرف پیغام بھیج کر انھیں بلایا[1] جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔

سیدنا علی ؓ بیماری کے باوجود خیبر میں

سیدنا سلمہ بن اکوع ؓ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی ؓ خیبر کی جنگ میں (روانگی کے وقت) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ جا سکے تھے کیونکہ ان کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔ انھوں نے کہا (سوچا) کہ کیا میں نبی ﷺ سے پیچھے رہ جاؤں؟ (یہ تو مجھے گوارا نہیں) چنانچہ وہ بھی اسلامی لشکر کے ساتھ جا ملے۔[2]

سیدنا علی ؓ کو پرچم عطا فرما کر دعوت اسلام دینے کا حکم

قلعہ ناعم کو فتح کرنے کے لیے اب تک کئی کوششیں کی جا چکی تھیں لیکن یہ قلعہ ابھی فتح نہیں ہوا تھا۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی ؓ سے پہلے سیدنا ابوبکر ؓ کو پرچم دے کر روانہ کیا۔ وہ لڑ کر واپس آگئے پھر اگلے روز عمر ؓ گئے۔ وہ بھی خوب لڑائی کر کے پلٹ آئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے علی ؓ کو بلا کر پرچم ان کے حوالے کیا۔[3]

دراصل اللہ تعالیٰ نے کسی کو کسی لحاظ سے فضیلت بخشی ہے اور کسی کو کسی لحاظ سے۔ اس موقع پر یہ خاص فضیلت و سعادت اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی ؓ کے مقدر کر رکھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آنکھوں کی تکلیف کے باعث پہلے پیچھے مدینہ میں رہ گئے، پھر تکلیف کی پروا نہ کرتے ہوئے اسلامی لشکر سے جا ملے۔ خیبر میں بھی تکلیف کے باوجود انھی کو طلب کیا گیا۔

سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 صحيح مسلم: 1807. 2 صحيح البخاري: 4209. 3 البداية والنهاية 187/4، فتح الباري 595/7

[illegible]

’’میں یہ پرچم کل اس شخص کو عطا کروں گا جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا، وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔‘‘

لوگ ساری رات مضطرب رہے کہ دیکھیں ان میں سے یہ پرچم کس کو عطا ہوتا ہے؟ صبح ہوئی تو لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سبھی امیدوار تھے کہ پرچم انھیں عطا ہو، آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ’’علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟‘‘ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ پھر ان کی طرف پیغام بھیج کر انھیں بلایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور ان کے لیے دعا فرمائی تو وہ اس طرح صحت یاب ہو گئے جیسے انھیں کوئی تکلیف ہی نہیں تھی۔ آپ نے انھیں پرچم عطا فرما دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں ان سے لڑائی کروں حتی کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

’’سلامتی کے ساتھ چلتے جاؤ حتی کہ ان کے علاقے میں پہنچ جاؤ، پھر انھیں اسلام کی دعوت دو اور انھیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر کیا حق واجب ہے۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ تمھاری وجہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔‘‘[1]



خیبر کی ایک قدیم گزرگاہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن فرمایا:

«لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ رَجُلًا يُحِبُّ [illegible]

1 صحيح البخاري، 4210.

''میں یہ پرچم اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں فتح عطا فرمائے گا۔''

سیدنا عمر بن خطاب ؓ نے کہا کہ میں نے اس دن کے سوا امارت کو کبھی پسند نہیں کیا، البتہ اس دن میں نے اس امید سے امارت کی خواہش کی کہ شاید مجھے بلایا جائے لیکن رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب ؓ کو بلایا اور انھیں پرچم عطا فرما دیا اور فرمایا: امش ولا تلتفت حتى يفتح الله عليك ''چلتے جاؤ، پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا حتی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں فتح عطا فرما دے۔'' سیدنا علی ؓ تھوڑی دور چلے، پھر رک گئے اور پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر پوچھا: اے اللہ کے رسول! میں لوگوں سے کس بات پر قتال کروں؟ آپ نے فرمایا:

قَاتِلْهُمْ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ فَقَدْ مَنَعُوا مِنْكَ دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ،

''ان سے قتال کرو حتی کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو تم سے اپنے خون اور مال محفوظ کر لیں گے سوائے ان کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہوگا۔''[1]

درج بالا حدیث سے سیدنا علی ؓ کی کمال اطاعت ظاہر ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: ''پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا'' چنانچہ انھوں نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر ہی سوال کیا۔ علاوہ ازیں سرخ اونٹوں کا تذکرہ اس لیے فرمایا کہ اونٹوں کا یہ رنگ عربوں کے ہاں بہت ہی پسندیدہ تھا۔ آپ کی اس سے مراد کیا تھی؟ اس بارے میں اقوال مختلف ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم ایک شخص کی ہدایت کا سبب بن جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ تمھارے پاس سرخ رنگ کے اونٹ ہوں اور تم انھیں صدقہ کر دو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عرب سرخ اونٹوں کے مالک ہونے پر فخر کرتے تھے، اس لیے آپ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ یہ بات سرخ رنگ کے اونٹ حاصل کرنے اور ان کا مالک بننے سے بہتر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی ؓ کو روانہ کرتے ہوئے ان کے اور ان کے ساتھیوں کے لیے نصرت کی دعا بھی کی۔[2]

ایک یہودی کا علی ؓ سے مکالمہ

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ سیدنا علی ؓ قلعۂ ناعم کے پاس پہنچے تو انھوں نے قلعے کے نیچے چٹان پر اپنا

1 صحيح مسلم: 2405. 2 المغازي للواقدي: 127/2.

جھنڈا گاڑا۔ ایک یہودی نے قلعے کی چھت سے جھانک کر ان سے پوچھا: تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں علی بن ابی طالب ہوں۔ یہ سنتے ہی یہودی بولا: غَلَبْتُمْ وَمَا أُنْزِلَ عَلٰی مُوسٰی "موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والے دین کی قسم! تم غالب آ گئے۔"[1]

بہرحال سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق یہودیوں کو سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی اور انھیں بتایا کہ اگر انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور کفر کی تاریکیوں سے نکل کر توحید کی روشنی میں آ گئے تو انھیں بھی وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو دیگر مسلمانوں کو حاصل ہیں مگر یہودیوں کو اپنی افرادی اور مادی قوت پر بڑا ناز تھا۔ انھوں نے نہ صرف دعوت اسلام کو مسترد کر دیا بلکہ مسلمانوں سے مقابلے پر اتر آئے۔

حارث جہنم واصل ہو گیا

واقدی کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے مرحب کا بھائی حارث مسلمانوں سے مقابلے کے لیے آیا۔ اس کا حملہ اتنا زبردست تھا کہ مسلمان بکھر گئے لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ ثابت قدم رہے۔ ان کا حارث کے ساتھ مقابلہ ہوا تو علی رضی اللہ عنہ نے اسے جہنم واصل کر دیا۔ حارث کے قتل ہونے کے بعد اس کے لشکر کے لوگ واپس قلعے میں بھاگ گئے اور انھوں نے قلعے کا دروازہ بند کر لیا۔ اس کے بعد مرحب مقابلے کے لیے نکلا۔[2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مرحب سے مقابلہ

مرحب نے یہ رجز پڑھتے ہوئے دعوت مبارزت دی:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَرْحَبُ شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ

إِذَا الْحُرُوبُ أَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

"خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں جو ایک ہتھیار بند بہادر اور تجربہ کار سورما ہے، جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھے (تو میں شجاعت و بسالت کے خوب جوہر دکھاتا ہوں)۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ رجز پڑھتے ہوئے اس کی دعوت مبارزت کو قبول فرمایا:

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَهْ كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرَهْ

أُوفِيهِمُ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ

[1] البداية والنهاية: 4/187، 188. [2] المغازي للواقدي: 2/127.

"میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ میں جنگلوں کے شیر کی طرح خوف ناک نظر آتا ہوں، میں اُن کے لیے صاع کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کروں گا۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تلوار کا ایسا زبردست وار کیا جو مرحب کے آہنی خود کو کاٹ کر اس کے سر کے دو ٹکڑے کرتا ہوا گردن تک پہنچ گیا اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرما دی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی مرحب کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے واصلِ جہنم کیا تھا۔[1] جب کہ موسیٰ بن عقبہ نے امام زہری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔[2]

اسی طرح محمد بن اسحاق نے بھی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ مرحب یہودی قلعہ خیبر سے رجز پڑھتا اور دعوتِ مبارزت دیتا ہوا نکلا تو کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیتے ہوئے کہا:

قد علمت خيبر أني كعب مفرج الغمى جريء صلب

"خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں کعب ہوں، دکھ دور کرنے والا، زبردست بہادر اور نہایت سخت جان!"

إذ شبت الحرب تلتها الحرب معي حسام كالعقيق عضب

"جب پے در پے جنگیں بھڑک اٹھتی ہیں تو میں اپنی ہیرے کی طرح تیز کاٹ دار تلوار لے کر ان میں کود پڑتا ہوں۔"

نطؤكم حتى يذل الصعب نعطي الجزاء أو يفيء النهب

"ہم تمھیں اس طرح روند ڈالیں گے کہ تمام مشکلات آسان ہو جائیں گی۔ پھر ہم جزیہ لیں گے یا لوٹے ہوئے اموال حاصل کریں گے۔"

بكف ماض ليس فيه عيب

"ایسے مضبوط ہاتھ کے ذریعے جس میں کوئی قابلِ ملامت کمزوری نہیں ہے۔"

لیکن مرحب نے بدستور اپنے رجز یہ اشعار پڑھتے ہوئے کہا کہ ہے کوئی جو میری دعوت مبارزت قبول کرے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «من لهذا؟» "کون ہے جو اس کا مقابلہ کرے؟" محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اس سے مقابلے کے لیے تیار ہوں، اللہ کی قسم! میں نے ابھی تک اپنے مقتول کا بدلہ نہیں لیا،

1 صحیح مسلم: 1807   2 البدایة والنهایة: 4/190، دلائل النبوة للبیهقی: 4/214، 215

لہٰذا میں قاتل کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کل ہی میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: «قُمْ إِلَيْهِ، اللّٰهُمَّ أَعِنْهُ عَلَيْهِ» ”اس سے مقابلے کے لیے اٹھو! اے اللہ! اس کی (اُس کے خلاف) مدد فرما۔“ جب دونوں مقابلے کے لیے ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو اُن کے درمیان گوند کا ایک پرانا درخت حائل ہو گیا۔ ہر ایک دوسرے سے اس درخت کی آڑ لیتا تھا۔ دونوں میں سے جب کوئی درخت کی آڑ لیتا تو وہ اپنی تلوار سے اس کے آگے سے درخت کاٹ دیتا تھا حتی کہ اس درخت کی ساری شاخیں کٹ گئیں اب دونوں کھلم کھلا ایک دوسرے کے بالمقابل تھے۔ مرحب نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ پر تلوار کا وار کیا تو انھوں نے اسے اپنی ڈھال پر روکا۔ اس کی تلوار ڈھال میں پھنس کر رہ گئی۔ اسی اثنا میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے تلوار کا ایسا زبردست وار کیا کہ مرحب خاک و خون میں تڑپنے لگا۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس واقعے کو ابنِ اسحاق سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جب ضرب کاری لگائی تو یہ رجز پڑھا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَاضِي ... حُلْوٌ إِذَا شِئْتُ وَسَمٌّ قَاضِي

”خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں اپنے ارادے پورے کر گزرنے والا انسان ہوں، میں جب چاہوں بہت میٹھا بن جاتا ہوں اور جب چاہوں زہر قاتل کی شکل اختیار کر لیتا ہوں۔“[3]

واقدی نے بھی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر سلف کے حوالے سے لکھا ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ہی نے مرحب کو قتل کیا تھا۔ واقدی نے یہ بھی کہا ہے کہ جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مرحب کے دونوں پاؤں کاٹ دیے تو اس نے کہا: مجھے مار ڈالو۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں بلکہ اب موت کا ذائقہ اسی طرح چکھ جیسے میرے بھائی نے چکھا ہے۔ اسی وقت وہاں سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو انھوں نے فوراً اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور پھر دونوں کا اس کے جسم کے ہتھیاروں کے بارے میں اختلاف ہوا تو دونوں اپنا جھگڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا بیان سن کر مرحب کی تلوار، نیزہ، خود، ڈھال اور اس کا سارا سامان محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا۔ مرحب کی تلوار پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے:

هٰذَا سَيْفُ مَرْحَبٍ مَنْ يَذُقْهُ يَعْطَبْ

”یہ مرحب کی تلوار ہے۔ جو اس کا ذائقہ چکھے گا، وہ ہلاک ہو جائے گا۔“[4]

1 السيرة لابن هشام: 348,347/3، البداية والنهاية: 191,190/4. 2 مسند احمد: 385/3، مجمع الزوائد: 150/6
3 دلائل النبوة للبيهقي: 215/4. 4 المغازي للواقدي: 130,129/2، البداية والنهاية: 191/4

مرحب کو کس نے واصلِ جہنم کیا؟

مرحب کو کس نے واصلِ جہنم کیا؟ اس کے بارے میں اگرچہ مختلف اقوال ہیں لیکن ان میں سے راجح قول یہی ہے کہ یہ کارنامہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی نے انجام دیا تھا، جیسا کہ ہم صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات بیان کر آئے ہیں جن میں نبی ﷺ کی طرف سے فتح خیبر کی بشارت اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو طلب کر کے پرچم عطا فرمانے کا ذکر ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

فَضَرَبَ رَأْسَ مَرْحَبٍ فَقَتَلَهُ، ثُمَّ كَانَ الْفَتْحُ عَلَى يَدَيْهِ.

''پس سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مرحب کے سر پر تلوار مار کر اسے قتل کر دیا اور اس طرح آپ کے ہاتھوں ہی فتح ہوئی تھی۔''[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرحب کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، البتہ علی رضی اللہ عنہ سے جو یہ روایت ہے کہ میں نے مرحب کا سر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، وہ صحیح نہیں۔[2] ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، واقدی اور کئی دیگر اہل سیر نے لکھا ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ اس سلسلے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کئی قول نقل کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مرحب کے بھائی حارث کو قتل کیا تھا لیکن بعض راویوں کو اشتباہ ہو گیا اور انھوں نے حارث کے بجائے مرحب کا نام لکھ دیا ہے۔ حافظ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر معاملہ اس طرح نہیں ہے تو پھر جو صحیح مسلم میں ہے، وہ دیگر کی نسبت بہرحال مقدم ہے۔ حافظ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جس قلعے کو فتح کیا تھا، اس کا نام قموص تھا اور وہ ان کا سب سے بڑا قلعہ تھا اور صفیہ بنت حیی کو بھی اسی قلعے سے گرفتار کیا گیا تھا۔[3] واللہ اعلم۔ یاد رہے کہ حارث کو بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی نے قتل کیا تھا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

یاسر کی ہلاکت

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قلعہ ناعم کا دفاع کرنے والے یہودیوں کے سب سے بڑے جرنیل مرحب کو قتل کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود ابھی تک قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ یہودی بڑی دیری سے قلعے کا دفاع کر رہے تھے۔ مرحب کی ہلاکت کے بعد اس کا بھائی یاسر بڑے طیش میں ایک زبردست فوجی جتھا لے کر قلعے سے باہر نکل آیا اور

1 صحیح مسلم: 1807. 2 مجمع الزوائد: 152/6. 3 فتح الباری: 597/7.

مسلمانوں کو چیلنج کرنے لگا۔ اس نے اپنا نیزہ قلعے کے سامنے گاڑ دیا، پھر گھوڑے پر سوار ہو کر دعوت مبارزت دیتے ہوئے اس نے یہ رجز پڑھا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي يَاسِرُ   شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُغَاوِرُ

''خیبر والے جانتے ہیں کہ میں یاسر ہوں جو ہتھیار بند، بہادر اور کشتوں کے پشتے لگانے والا ہے۔''

إِذَا اللُّيُوثُ أَقْبَلَتْ تُبَادِرُ   وَأَحْجَمَتْ مِنْ هَوْلَتِي الْمُخَاطِرُ

''شیر بھی مجھ پر حملہ آور ہوتے ہیں تو وہ بھی فوراً فرار ہونے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔ اور میری دہشت کی وجہ سے سارے خطرات دور ہو جاتے ہیں۔''

إِنَّ حِمَايَ فِيهِ مَوْتٌ حَاضِرُ

''میرے علاقے میں دشمن کے لیے ہر وقت موت منڈلاتی رہتی ہے۔''

یاسر واقعی یہودیوں کا بہادر جرنیل اور سخت جنگجو تھا۔ اس کے مقابلے کے لیے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ میدان میں نکلے۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں) نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا وہ میرے بیٹے کو قتل کر دے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بَلِ ابْنُكِ يَقْتُلُهُ إِنْ شَاءَ اللهُ ''نہیں بلکہ آپ کا بیٹا ان شاء اللہ اسے قتل کر دے گا۔'' سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے یاسر کے مقابلے میں یہ رجزیہ اشعار پڑھے:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي زَبَّارْ   قَرْمٌ لِقَرْمٍ غَيْرُ نِكْسٍ فَرَّارْ

''خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں زبیر ہوں۔ میں بہادر سورماؤں کی ناک پر داغ لگا دیتا ہوں، میں سر جھکانے اور بھاگنے والا آدمی نہیں ہوں۔''

ابْنُ حُمَاةِ الْمَجْدِ وَابْنُ الْأَخْيَارْ   يَاسِرُ لَا يَغْرُرْكَ جَمْعُ الْكُفَّارْ

''میں مجد و شرافت کی حفاظت کرنے والوں کا نورِ نظر ہوں، میں سرداروں کا لختِ جگر ہوں۔ یاسر! کان کھول کر سن لے مبادا کافروں کی جماعت تجھے فریب خوردہ کر دے۔''

فَجَمْعُهُمْ مِثْلُ السَّرَابِ الْجَرَّارْ

''ان کی جماعت تو پانی کی طرح نظر آنے والے سراب کے مانند ہے۔''

کچھ دیر دونوں میں مقابلہ جاری رہا، پھر زبیر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ایسی کاری ضرب لگائی جس نے یاسر کا کام

تمام کر دیا۔[1] یاسر کے قتل کے بعد یہودی اپنے تینوں بڑے جنگجو قائدین سے محروم ہو گئے۔ اس سے ان کے حوصلے پست ہو گئے جب کہ مسلمانوں میں اس سے خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ان کے لیے اس قلعے میں داخل ہونا اور اسے فتح کرنا بہت آسان ہو گیا۔ ابن اسحاق نے ہشام بن عروہ سے روایت کیا ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سے جب بھی یہ کہا جاتا: واللہ! اس دن آپ کی شمشیر براں تو بہت قاطع تھی، تو وہ جواب دیتے: واللہ! ہرگز قاطع نہیں تھی مگر میں نے اسے قطع کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔[2]

مزید دو یہودی سرداروں کا قتل

مرحب، حارث اور یاسر کے بعد ایک چوتھا یہودی جرنیل بھی قلعے سے نکلا اور دعوت مبارزت دیتا ہوا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کرنے لگا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے آن کی آن میں تہ تیغ کر دیا۔ اس کا نام عامر تھا اور ان کا پانچواں قتل ہونے والا سردار اُسَیر تھا جسے محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کیا تھا۔[3]

اس طرح پانچ یہودی سورماؤں مرحب، حارث، عامر، یاسر اور اُسَیر کے قتل ہونے کے بعد قلعے کا دفاع کرنے والے یہودیوں کی کمر ٹوٹ گئی اور ان میں مقابلے کی تاب نہ رہی، چنانچہ مسلمانوں نے قلعے میں داخل ہو کر فتح کے جھنڈے گاڑ دیے۔ یہودی وہاں سے راہ فرار اختیار کر کے قلعہ صعب میں جمع ہو گئے۔

ایک یہودی کے لیے امان

قلعہ ناعم کے محاصرے کے دنوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رات کو گشت کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ آپ کی ٹیم نے مسلمانوں کے کیمپ کے قریب سے ایک یہودی کو گرفتار کر کے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے لیکن اس نے کہا کہ مجھے پہلے اپنے نبی کے پاس لے جاؤ، میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس یہودی کا نام سماک تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے تو آپ نے دریافت فرمایا: تم کون ہو اور کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: ابوالقاسم! اگر میں آپ کو سچ بتاؤں تو کیا آپ مجھے امان دیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: میں نطاۃ کے لوگوں کے پاس سے آ رہا ہوں، ان کے ہاں کوئی نظام ہی نہیں ہے۔ آج رات ان کا پروگرام اس قلعے سے فرار ہو جانے کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے پوچھا کہ وہ کہاں جائیں گے؟ اس نے کہا: زیریں علاقے شق کی طرف۔ وہ آپ سے بہت خوفزدہ ہیں۔ شدت

1 السيرة لابن هشام: 348/3، امتاع الأسماع: 311/1، السيرة الحلبية: 739/2، زاد المعاد: 322/3، 323. 2 السيرة لابن هشام: 348/3، 349. 3 امتاع الأسماع: 311/1.

خوف سے ان کے دل کانپ رہے ہیں۔ یہودیوں کے اس قلعے میں ہتھیار، کھانے پینے کا سامان اور چربی وغیرہ بھی موجود ہے۔ (اس کا اشارہ قلعہ صعب بن معاذ کی طرف تھا۔ قلعہ ناعم کے بعد یہ دوسرا قلعہ تھا جسے مسلمانوں نے فتح کیا تھا۔ اس قلعے میں خیبر کے تمام قلعوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ کھجوریں، چربی، شکر، گھی، جو، مویشی اور دیگر سازوسامان موجود تھا۔[1]) اس یہودی نے بتایا کہ اس قلعے میں ان کے مشہور جنگی آلات بھی ہیں جنھیں وہ دشمن کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور اب انھوں نے یہ آلات قلعے میں زیرزمین چھپا دیے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودی سے پوچھا کہ وہ جنگی آلات کیا ہیں؟ اس نے بتایا: منجنیق، دو دبابے، زرہیں، خود اور تلواریں ہیں۔ کل جب آپ قلعے میں داخل ہوں گے اور ضرور داخل ہوں گے..... اس موقع پر اس کی اس بات پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان شاء اللہ، یہ سن کر اس نے بھی کہا: ان شاء اللہ!..... تو میں آپ کو اسلحے کے ذخیرے کے بارے میں بتاؤں گا کیونکہ میرے سوا اور کوئی یہودی اسے نہیں جانتا۔ یہودی نے مزید کہا: ایک اور بات بھی ہے۔ پوچھا گیا: وہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا: وہاں سے اسلحہ نکالنے کے بعد منجنیق کو قلعہ شق پر نصب کر دینا ضروری ہے اور دبابوں کو استعمال کرنے کے لیے ان کے نیچے دو آدمی تعینات کر دیے جائیں جو قلعے پر گولہ باری کریں، اس طرح آپ اسی دن قلعہ فتح کر لیں گے۔ قلعہ کتیبہ کی مہم میں بھی یہی عمل دہرائیے، اس طرح وہ قلعہ بھی فتح ہو جائے گا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس یہودی کی گفتگو سن رہے تھے، انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! معلوم ہوتا ہے کہ یہ یہودی سچ کہہ رہا ہے۔ یہودی نے درخواست کی: اے اللہ کے رسول! مجھے جان کی امان عطا فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''تجھے امان دے دی گئی۔'' اس نے کہا کہ میری بیوی قلعہ نزار میں ہے، مجھے میری بیوی بھی عطا فرما دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمھاری یہ درخواست بھی قبول ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس یہودی سے پوچھا کہ یہودی نطاۃ کے علاقے سے اپنے بچوں کو کیوں منتقل کر رہے ہیں؟ اس نے جواب دیا: انھوں نے اس قلعے کو اپنے جنگجوؤں کے لیے خالی کر دیا ہے، اس لیے وہ اپنے بچوں کو شق اور کتیبہ میں منتقل کر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے سماک نامی اس یہودی کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس نے غور کرنے کے لیے چند دن کی مہلت طلب کی تو آپ ﷺ نے اسے یہ مہلت عطا فرما دی۔

ایفائے عہد

جب جنگ ختم ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی تو سرورِ کائنات ﷺ نے اس یہودی سے کیا گیا وعدہ پورا فرمایا۔ اسے اس کی بیوی بھی عطا فرما دی، اس کا نام نُفَیلہ تھا۔ وہ آنحضرت ﷺ کے بے مثل اخلاق سے

1 السيرة الحلبية: 741/2

متأثر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوگیا۔[1]

ابتدائی جنگی نقصانات

قلعہ ناعم کے قریب مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی اور بالآخر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمان یہ قلعہ فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ لڑائی پندرہ دن جاری رہی۔ قلعہ ناعم کے سقوط کے بعد یہودیوں نے اگرچہ اپنی شکست مکمل طور پر تسلیم نہیں کی تاہم وہ اپنے اس مضبوط ترین قلعے کے دفاع میں ناکامی اور اپنے بڑے بڑے بہادر سورماؤں مرحب، یاسر، حارث، عامر اور اسیر کے قتل ہونے کی وجہ سے نڈھال ہوگئے. ان کے دل ٹوٹ گئے اور وہ نفسیاتی طور پر بدحواس ہوگئے، تاہم تاریخ کے صفحات یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ اس جنگ میں فریقین کا کتنا جانی نقصان ہوا، البتہ یہ بات ضرور واضح ہے کہ غزوۂ خیبر کے پہلے ہی دن پچاس مجاہدین زخمی ہوگئے تھے جنھیں رجیع کے کیمپ میں علاج معالجے کے لیے منتقل کر دیا گیا تھا۔[2] اور تین مجاہدین محمود بن مسلمہ، عامر بن سنان بن اکوع اور ایک حبشی غلام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش فرمایا۔

یہودی قلعہ صعب میں منتقل

قلعہ صعب بن معاذ نطاۃ کے علاقے میں واقع تھا۔ مضبوطی و استحکام کے اعتبار سے قلعہ ناعم کے بعد یہ دوسرا بڑا قلعہ تھا۔ خیبر کے دفاع کے بارے میں یہودی لیڈروں نے جو حکمت عملی طے کی تھی، اس کے مطابق انھوں نے قلعہ ناعم کو اپنی پہلی دفاعی لائن قرار دیا تھا اور مسلمانوں کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی عورتوں، بچوں اور تمام اموال قلعہ نزار میں منتقل کرکے قلعہ ناعم کو مسلح جنگجوؤں کے لیے خالی کر دیا تھا۔ اس سے ان کا مقصود یہ بھی تھا کہ بوقت ضرورت قلعہ ناعم سے دوسری دفاعی لائن، قلعہ صعب کی طرف آسانی سے منتقل ہوسکیں اور مسلمان قلعہ ناعم کو فتح کرلیں تو عورتیں، بچے اور مال وغیرہ قلعہ صعب میں محفوظ رہے۔ اور فی الواقع ہوا بھی اسی طرح کہ جب مسلمانوں نے قلعہ ناعم کو فتح کرلیا تو یہود آسانی سے قلعہ صعب میں منتقل ہوگئے۔ یہی وجہ تھی کہ قلعہ ناعم کی فتح کے موقع پر کوئی یہودی مسلمانوں کے ہاتھ نہ آیا۔

قلعہ صعب کا محاصرہ

قلعہ ناعم کی فتح کے بعد مسلمانوں نے قلعہ صعب کا محاصرہ کرلیا۔ امام کائنات محمد رسول اللہ ﷺ نے اس قلعے پر حملہ کرنے کے لیے لشکر اسلام کا سالار سیدنا حباب بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ کو بنایا اور انھیں پرچم عطا فرمایا۔[3]

1 المغازي للواقدي: 123،122/2. 2 امتاع الأسماع: 308/1. 3 إمتاع الأسماع: 312/1.

طویل محاصرے اور یہودیوں کی طرف سے زبردست مزاحمت کے باعث اسلامی لشکر کے بعض دستوں کو معاشی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ معتب اسلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خیبر میں قبیلہ اسلم کے لوگوں کو کھانے پینے کی اشیاء ختم ہوجانے کی وجہ سے شدید بھوک سہنی پڑی۔ ہمارے قبیلے کے لوگوں نے اسماء بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ بھوک اور کمزوری کی وجہ سے ہم بڑی مشکل میں مبتلا ہیں، لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [illegible] ''اللہ کی قسم! میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے جس سے میں ان کی مہمان نوازی کرسکوں۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ آواز بلند یہ دعا کی:

اللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَيْهِمْ أَعْظَمَ حِصْنٍ فِيهَا أَكْثَرَهَا طَعَامًا وَوَدَكًا

''اے اللہ! انھیں اس (خیبر) کے سب سے بڑے ایسے قلعے پر فتح عطا فرما جس میں کھانا اور روغن سب سے زیادہ ہو۔''[1]

گدھوں کے گوشت کی حرمت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ جب ہم خیبر پہنچے تو شدید بھوک سے دوچار ہوگئے۔ خیبر میں ان دنوں زبردست خشک سالی اور شدید ترین گرمی تھی۔ ہم نے صعب بن معاذ کے قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اسی اثنا میں قلعے سے بیس (20) یا تیس (30) گدھے باہر نکل آئے۔ مسلمانوں نے انھیں پکڑ کر ذبح کیا اور آگ جلا کر ان کا گوشت پکانا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا: یہ کیا پک رہا ہے؟ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ گدھوں کا گوشت پکایا جارہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا۔[2]

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم نے خیبر کا محاصرہ کر رکھا تھا تو ہمیں شدید بھوک لاحق ہوئی، پھر اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرما دی۔ جب فتح کے دن کی شام ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بہت سی آگ جلائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: مَا هٰذِهِ النِّيرَانُ؟ عَلٰى أَيِّ شَيْءٍ تُوقِدُونَ؟ ''یہ کیسی آگ ہے؟ تم کیا پکانے لگے ہو؟'' لوگوں نے جواب دیا: گوشت پکانے کے لیے آگ جلائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: عَلٰى أَيِّ لَحْمٍ؟ ''کس چیز کا گوشت؟'' صحابہ نے جواب دیا: پالتو گدھوں کا گوشت۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَهْرِيقُوهَا وَاكْسِرُوهَا ''اسے ضائع کر دو اور برتن توڑ دو۔'' ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم گوشت ضائع کر کے برتنوں کو دھولیں؟ آپ نے فرمایا: أَوْ ذَاكَ ''(ہاں!) تم اس طرح بھی کر سکتے ہو۔''[3]

1 المغازي للواقدي: 131/2. 2 المغازي للواقدي: 132/2. 3 صحيح البخاري: 4196

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے آپ کے منادی نے یہ اعلان کر دیا تھا:

إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ، فَإِنَّهَا رِجْسٌ "

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمھیں گدھوں کے گوشت سے منع کرتے ہیں کیونکہ یہ ناپاک ہے۔"[1]

نبی ﷺ کی بکری کا گوشت کھانے کی آرزو

سیدنا ابوالیسر کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شام ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر میں تھے کہ ایک یہودی کی بکریاں آگئیں جو ان کے قلعے میں داخل ہونا چاہتی تھیں لیکن ہم نے یہودیوں کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible] "کون ہے جو ہمیں ان بکریوں کا گوشت کھلائے؟" ابوالیسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ کام میں کروں گا۔ آپ ﷺ نے اجازت عطا فرما دی تو میں باہر نکل کر شتر مرغ کی طرح بھاگنے لگا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس طرح بھاگتے دیکھا تو آپ نے دعا کی:

[illegible]

"اے اللہ! ہمیں اس کے ذریعے فائدہ پہنچا۔"

ابوالیسر رضی اللہ عنہ[2] بیان کرتے ہیں کہ میں بکریوں کے پاس اس وقت پہنچا جب ان میں سے اگلے حصے والی بکریاں قلعے کے اندر داخل ہو چکی تھیں۔ میں نے ریوڑ کی آخری دو بکریاں پکڑ لیں اور انھیں اپنی بغل میں داب کر اتنی آسانی سے دوڑنے لگا گویا میرے پاس کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ میں بکریاں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں ذبح کیا اور پھر ان کا گوشت کھایا۔ اس حدیث کے راوی ابوالیسر رضی اللہ عنہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے آخر میں فوت ہوئے تھے۔ وہ جب یہ حدیث بیان کرتے تو رونا شروع کر دیتے تھے اور فرماتے تھے: واللہ! انھیں میری وجہ سے فائدہ پہنچا اور اب میں ان سب کے بعد فوت ہو رہا ہوں۔[3]

1 صحيح البخاري: 4198. 2 ابوالیسر کا نام کعب بن عمرو بن عباد بن عمرو بن سواد انصاری تھا۔ آپ بیعت عقبہ کے موقع پر موجود تھے۔ غزوہ بدر میں شجاعت و بسالت کے خوب جوہر دکھائے۔ یہی تھے جنھوں نے نبی اکرم ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو بدر کے دن قید کیا۔ مدینہ میں 55ھ میں فوت ہوئے۔ ابن اسحاق کے بقول آپ مدینہ میں وفات پانے والے آخری صحابی تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "الاصابۃ" میں [illegible] کی مراد یہ ہے کہ اہل بدر میں سے فوت ہونے والے یہ آخری صحابی تھے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے آخر میں سیدنا عامر بن واثلہ اللیثی رضی اللہ عنہ فوت ہوئے انھوں نے 100ھ یا 115ھ میں وفات پائی۔ (الاصابة: 7/193). 3 السيرة لابن هشام: 3/350.

کچے پھل کھانے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیمار ہو گئے

ابوعثمان نہدی یا ابوقلابہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لائے تو پھل ابھی تک سبز تھے (پکے نہیں تھے۔) لوگوں نے کچے پھل ہی کھانے شروع کر دیے جس سے انھیں بخار ہو گیا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے انھیں حکم دیا کہ وہ مشکیزوں میں پانی ٹھنڈا کریں، پھر فجر کی دونوں اذانوں (اذان اور اقامت) کے درمیان بسم اللہ پڑھ کر اپنے اوپر وہ پانی ڈالیں (اس سے غسل کریں)، انھوں نے اسی طرح کیا تو وہ صحت یاب ہو گئے۔[1]

چربی سے بھرا ہوا تھیلا

سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن ہم محاصرہ کیے ہوئے تھے کہ کسی شخص نے چربی سے بھرا ہوا ایک تھیلا پھینکا تو میں نے وہ تھیلا اٹھا لیا اور کہا کہ میں اس میں سے کسی کو کچھ بھی نہیں دوں گا لیکن جب میں پیچھے مڑا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے ہیں۔ میں شرم کے مارے پانی پانی ہو گیا۔[2]

صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ہے کہ ہم نے خیبر کے محل کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ ایک شخص نے ایک تھیلا پھینکا جس میں چربی تھی۔ میں اسے پکڑنے کے لیے لپکا اور جب میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو میں شرمسار ہو گیا۔[3]

ابن اسحاق کی روایت میں سیدنا عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ اس واقعے کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں کہ مجھے خیبر کے مال فے میں چربی کا ایک تھیلا ملا۔ اسے میں نے اپنی گردن پر لاد لیا تا کہ اپنے پڑاؤ پر اپنے ساتھیوں کے پاس لے جاؤں۔ اسی اثنا میں مجھے وہ صاحب (کعب بن عمرو بن زید انصاری رضی اللہ عنہ[4]) ملے جو مال غنیمت جمع کرنے پر مامور تھے۔ انھوں نے اس تھیلے کو ایک کونے سے پکڑ لیا اور کہا: لاؤ، اسے ہم مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ میں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! میں یہ ہرگز تمھیں نہیں دوں گا۔ انھوں نے مجھ سے تھیلا چھیننے کی کوشش کی۔ ہم آپس میں اسی تکرار میں مصروف تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھا، آپ تبسم فرمانے لگے اور پھر ان صاحب سے جن کی غنائم پر ڈیوٹی لگی ہوئی تھی، فرمایا: ''تمھارے باپ کی خیر ہو، اسے چھوڑ دو۔'' پس انھوں نے مجھے چھوڑ دیا اور میں اسے لے کر اپنے پڑاؤ کی جگہ اپنے ساتھیوں کے پاس آ گیا، پھر ہم سب نے اسے کھایا۔[5]

1 دلائل النبوة للبيهقي: 242/4. 2 صحيح البخاري: 4214، صحيح مسلم: 1772، مسند أحمد: 86/4. 3 صحيح البخاري: 3153. 4 فتح الباري: 308,307/6. 5 السيرة لابن هشام: 354/3.

اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء میں خمس نہیں ہے۔ اس کی تائید سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: کیا آپ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں کھانے کی اشیاء میں سے بھی خمس ادا کیا کرتے تھے؟ انھوں نے کہا کہ ہمیں خیبر کے دن کھانے کی اشیاء ملی تھیں اور ایک شخص آتا اور وہ بقدر کفایت اس میں سے لے کر چلا جاتا تھا۔ اگر غذائی اشیاء زیادہ مقدار میں ہوتی تھیں تو پھر انھیں تمام مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔[1]

قلعہ صعب کی لڑائی

ام مطاع اسلمیہ رضی اللہ عنہا جنھیں خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی، بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ بنو اسلم کے لوگوں نے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نازک صورت حال کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو بلایا۔ سب لوگ آپ کی آواز سن کر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ قلعہ صعب بن معاذ کے پاس سب سے پہلے خاندان اسلم ہی کے لوگ پہنچے۔ اس قلعے میں پانچ سو جنگجو تھے مگر اس دن شام ہونے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرما دی۔ لڑائی بہت شدید ہوئی تھی۔ پہلے قلعے سے یوشع نامی ایک یہودی باہر آیا اور اس نے دعوت مبارزت دی تو حباب بن منذر رضی اللہ عنہ اس کی مبارزت قبول کرتے ہوئے میدان میں آئے۔ دونوں میں شدید مقابلہ ہوا۔ بالآخر سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا، پھر دیال (زیال) نامی ایک یہودی آیا تو سیدنا عمارہ بن عقبہ غفاری رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ میں غفاری جوان ہوں، لو دیکھو میرا حملہ، پھر ایسی کاری ضرب لگائی کہ اس یہودی کی کھوپڑی اڑ گئی۔ لوگوں نے کہا: ان کا جہاد باطل ہوگیا ہے۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ کے سمع مبارک تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: لا بأس به، يؤجر ويحمد ''ایسی (فخریہ) بات (دشمن کو للکارنے کے لیے) کہنے میں کوئی حرج نہیں، اس کی بات قابل ستائش ہے اور اسے اجر وثواب بھی ملے گا۔''[2]

جب دو بڑے یہودی جنگجو یوشع اور دیال آغاز معرکہ ہی میں یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تو یہودی آتش غضب سے سلگ اٹھے۔ انھوں نے مسلمانوں پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ وہ مقام ان کا بطور خاص ہدف تھا جہاں سرور کائنات رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ خیبر کے یہودی تیر اندازی میں بہت ماہر تھے، ان کے تیر آنحضرت ﷺ کے آس پاس گرنے لگے۔ مسلمان آپ ﷺ کے اردگرد ڈھال کی طرح کھڑے ہو گئے

1 سنن أبي داود: 2704، مزید دیکھیے: صحیح البخاري: 3154. 2 المغازي للواقدي: 132,131/2، السيرة الحلبية: 741/2.

تاکہ بارش کی طرح برسنے والے ان تیروں میں سے کوئی آپ کے جسم مبارک پر نہ لگنے پائے۔[1]

یہودیوں کی تیر اندازی کے جواب میں مسلمان بھی مسلسل تیر اندازی کر رہے تھے لیکن ان کی تیر اندازی اتنی مؤثر نہیں تھی جتنی یہودیوں کی تیر اندازی مؤثر تھی کیونکہ یہودی قلعے کی دیواروں کی اوٹ سے تیر اندازی کر رہے تھے، جب کہ مسلمان قلعے کے سامنے بالکل کھلے میدان میں کھڑے تھے اور اپنی تیر اندازی کا ہنر آزما رہے تھے۔

قلعے میں داخل ہونے کی کوشش

تیر اندازی کے اس زبردست مقابلے کے بعد مسلمانوں نے عام ہلہ بول کر قلعہ صعب میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن یہودیوں کی طرف سے بڑا سخت مقابلہ ہوا۔ اسی وجہ سے وہ اندر داخل نہ ہو سکے۔

یہودیوں نے نہایت جوش وخروش کے ساتھ قلعہ صعب کا دفاع کرتے ہوئے اس کے دروازے کھول دیے اور گھمسان کی لڑائی شروع کر دی۔ اس لڑائی میں اسلامی لشکر کی کمان سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ یہودیوں نے اسلامی دستے کو پیچھے دھکیل دیا اور اس جگہ تک پہنچنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا جہاں اللہ کے پیغمبر تشریف فرما تھے۔ دشمنوں کی طرف سے تیروں کی ہولناک بارش ہو رہی تھی اور وہ شدید غیظ وغضب کے عالم میں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ادھر نبی ﷺ کو عزیمت واستقامت بنے اپنی جگہ پورے وقار سے کھڑے اسلامی لشکر کی قیادت فرما رہے اور دشمن کے مقابلے کے لیے مجاہدوں کے حوصلے بڑھا رہے تھے۔ جب اسلامی لشکر کے سپہ سالار حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے سوا باقی سب مجاہدین یہودیوں کے مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے تو نبی اکرم ﷺ اپنے گھوڑے سے اترے اور انھیں دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کی تلقین فرمانے لگے۔ آپ کے غلام مدعم نے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی۔ علمبردار حباب رضی اللہ عنہ نے پرچم تھام رکھا تھا اور وہ اپنے گھوڑے سے دشمنوں پر مسلسل تیر برسا رہے تھے۔ مسلمان آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے پھر میدان میں واپس آ گئے۔ انھوں نے اپنے رہبر اعظم محمد مصطفی ﷺ کے گرد حلقہ بنا لیا جو اس نازک موقع پر پوری شجاعت اور استقامت سے ڈٹے کھڑے تھے اور عملاً یہ سبق سکھا رہے تھے کہ آشوب وآزمائش کی گھڑی میں باطل کا مقابلہ کتنی ہمت اور ثبات سے کیا جاتا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو ایک تازہ ولولہ ملا اور انھوں نے دوبارہ اس شدت سے حملہ کیا کہ یہودیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ خوف زدہ ہو کر قلعے کے اندر گھس گئے اور دروازے بند کر لیے۔ ان میں اپنے مقتولوں کو اٹھانے کی بھی جرأت نہ رہی۔ مسلمان یہودیوں کے تعاقب میں قلعے کی دیواروں تک پہنچ گئے۔ ادھر یہودیوں نے تیروں کی بارش کر دی۔ تیروں کے ساتھ ساتھ وہ مجاہدین اسلام پر بڑے بڑے پتھر بھی برسا رہے

1 السیرۃ الحلبیۃ: 741/2، المغازي للواقدي: 2/131-134

تھے جو انھوں نے قلعے میں ذخیرہ کر رکھا تھا۔ تیروں اور پتھروں کی اس بارش میں مسلمان آگے نہ بڑھ سکے بلکہ انھیں ایک بار پھر پیچھے ہٹنا پڑا۔

یہودیوں نے مسلمانوں کو پیچھے ہٹتے دیکھا تو انھوں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے پہلے سے بھی زیادہ شدید حملہ کر دیا۔ وہ دوبارہ قلعے کے دروازے کھول کر باہر نکل آئے لیکن اس بار مجاہدین اپنے سالار سیدنا حباب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ انھوں نے بڑی جواں مردی سے یہودیوں کا مقابلہ کیا۔ دونوں لشکروں میں شدید مقابلہ ہوا، بالآخر مسلمانوں ہی کو فتح حاصل ہوئی۔ انھوں نے یہودیوں کا حملہ اتنی شدت سے پسپا کیا کہ وہ دم دبا کر بھاگے اور قلعے میں داخل ہو کر اس کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے۔

اس دن تین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش کیا: 1 ابوضیاح رضی اللہ عنہ، انھیں غزوہ بدر میں بھی شرکت کی سعادت حاصل تھی۔ ایک یہودی نے ان کے سر پر تلوار ماری جس سے سر کی ہڈی کٹ گئی اور وہ شہید ہو گئے۔ 2 عدی بن مرہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ، ان کے سینے پر ایک یہودی نے نیزہ مارا جس سے ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ 3 حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ، انھیں بھی غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل تھی۔ قلعے میں ایک شخص نے انھیں تیر مارا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی، اسی طرح مسلمانوں نے بھی قلعے کے سامنے کئی یہودیوں کو واصل جہنم کیا۔ جب مسلمان کسی کو قتل کرتے تو یہودی اس کی لاش اٹھا کر قلعے کے اندر لے جاتے تھے۔[1]

یہودیوں کی شکست

اسلامی لشکر کے کمانڈر حباب بن منذر رضی اللہ عنہ اور ان کے جانباز مجاہدوں کے مقابلے کی تاب نہ لا کر قلعہ صعب بن معاذ کا دفاع کرنے والے یہودی حوصلہ ہار بیٹھے اور نفسیاتی طور پر شکست کھا چکے تھے۔

دریں اثنا مجاہدین اسلام نے قلعے پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ وہ دروازوں کو توڑتے ہوئے قلعے میں داخل ہو گئے۔ یوں انھوں نے شجاعت و بسالت کی ایک نئی تاریخ رقم کرتے ہوئے گھمسان کی جنگ کے بعد قلعہ فتح کر لیا۔ اس میں موجود بھاری اسلحہ اور کھانے پینے کے سامان کا ذخیرہ اپنے قبضے میں لے لیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے لشکر اسلام کی وہ مشکلات دور فرما دیں جن میں وہ کئی دنوں سے مبتلا تھے، کیونکہ خیبر کے قلعوں کے طویل محاصرے کے باعث غذائی اجناس ختم ہو چکی تھیں۔ اس قلعے کا دفاع کرتے ہوئے بہت سے یہودی مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہو کر قیدی بن گئے۔

1 مغازی للواقدی: 134/2

قلعہ صعب کا مال غنیمت

اس قلعے سے مسلمانوں کو ملنے والا اسلحہ زرہوں، تلواروں، منجنیقوں اور دبابوں پر مشتمل تھا۔ دبابے اس دور کے گویا ٹینک تھے اور انھیں صرف رومی اور ایرانی فوجیں ہی استعمال کرتی تھیں کیونکہ وہ اس دور کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ فوجیں تھیں۔ معلوم نہیں یہودیوں نے دبابے کیسے حاصل کر لیے کیونکہ اس وقت جزیرۃ العرب میں کوئی انھیں بناتا تھا نہ ان کے استعمال سے واقف تھا۔ بعید نہیں کہ یہودیوں نے دبابے شام سے حاصل کیے ہوں یا ممکن ہے کہ خیبر ہی میں تیار کر لیے ہوں۔ اس سے بھی زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ دبابے دفاع کے لیے نہیں بلکہ شہروں اور قلعوں پر حملہ کرنے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ یہودی تو خیبر میں دفاعی جنگ لڑ رہے تھے، پھر انھوں نے یہ ہتھیار کیوں حاصل کیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہودی مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے اور اسی مذموم مقصد کی خاطر انھوں نے نت نئے آلات جنگ جمع کر رکھے تھے۔

نبوی آداب جنگ

جب مسلمانوں نے قلعہ صعب بن معاذ فتح کر لیا تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک منادی نے یہ اعلان کیا کہ کوئی شخص تقسیم سے پہلے مال غنیمت میں سے کوئی چیز نہ لے، ہاں ضرورت کے مطابق کھانے پینے کی کوئی چیز لے سکتا ہے۔ اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے خمس نکالنے سے پہلے اپنے لیے کھانا اور اپنے جانوروں کے لیے چارہ لے لیا اور پھر تمام اموال غنیمت لشکر نبوی کے کیمپ میں پہنچا دیے۔[1]

واقدی نے قلعہ صعب سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں سے مسلمانوں کو یمنی کپڑوں کے بیس گٹھڑ اور پندرہ سو چادریں ملیں۔ ہر مجاہد کو اپنے اہل خانہ کے لیے ایک ایک چادر مل گئی۔ اسی طرح لکڑی کے دس ڈھیر ملے۔ انھیں قلعے سے باہر نکال کر آگ لگا دی گئی جو کئی دن تک جلتی رہی۔ علاوہ ازیں شراب کے مٹکے اور مشکیزے بھی ہاتھ آئے جنھیں توڑ کر شراب بہا دی گئی۔ اس شراب میں سے ایک مسلمان نے بھی شراب پی لی۔ اسے معاً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا، آپ ﷺ نے اور وہاں موجود صحابہ نے اسے جوتے مارے، یہ شخص شراب سے باز آنے پر قادر نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کئی بار مارا، اس موقع پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت فرما۔ اسے کس قدر مارا جاتا ہے (پھر بھی یہ شراب پی لیتا ہے)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 المغازي للواقدي: 2/134، 135، إمتاع الأسماع: 1/313، 314.

”عمر! اس پر لعنت نہ بھیجو۔ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔“
اس شخص کو عبداللہ حمار کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔[1]

مسلمانوں کی کامیابی

مسلمانوں کے ہاتھوں قلعہ ناعم اور قلعہ صعب کے سقوط کے بعد یہودیوں کے خلاف جنگ میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری ہوگیا۔ یہودیوں کے دلوں پر مایوسی، خوف اور گھبراہٹ طاری ہوگئی اور نفسیاتی طور پر وہ یکسر حوصلہ ہار بیٹھے۔ وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ وہ لشکر اسلام کے صرف چودہ سو مجاہدین کے ہاتھوں شکست کھا جائیں گے۔ وہ کثرت تعداد کے نشے میں تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہماری فوج دس ہزار جنگجوؤں سے بھی زیادہ ہے اس لیے جیت ہماری ہوگی۔ مسلمان کھلے میدان میں مقابلہ کر رہے تھے جب کہ وہ اپنے مضبوط قلعوں میں محفوظ تھے اور ان کی صفوں میں ہزاروں ماہر تیر انداز بھی موجود تھے۔ اتنی زبردست قوت کے باوجود وہ حق کے مقابلے میں شکست فاش سے نہ بچ سکے۔

نطاۃ کے دیگر قلعے

مجاہدین اسلام کے سالار اعظم سیدنا محمد ﷺ نے ناعم اور صعب کے قلعے فتح کرنے کے بعد لشکر اسلام کے ایک دستے کو ضروری تفتیش کے لیے نطاۃ کے علاقے ہی میں موجود رہنے کا حکم دیا تاکہ ان قلعوں میں اگر مسلح یہودی چھپے ہوئے ہوں تو ان کا کام تمام کر دیا جائے۔

واقدی نے لکھا ہے کہ یہودی ناعم، صعب اور نطاۃ کے دیگر تمام قلعوں سے قلعہ زبیر میں منتقل ہوگئے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ اور لشکر اسلام کے مجاہدین نے آگے بڑھ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ یہودیوں نے قلعے کے دروازے بند کر لیے۔ یہ قلعہ بہت بلندی پر تھا، شاہسواروں اور پیادہ لوگوں کے لیے قلعے تک پہنچنا بہت دشوار تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس قلعے کے گرد کچھ مجاہدین متعین کر دیے اور حکم دیا کہ جو بھی باہر نکلے، اسے قتل کر دیا جائے۔[2]

قلعہ زبیر کی فتح

یہودی یہاں قلعہ بند ہوکر مسلمانوں سے جنگ کے لیے تیار تھے۔ انھوں نے قلعے کے برجوں میں جنگجو بھر دیے

1 دیکھیے: صحیح البخاري: 6780، فتح الباري: 94,93/12. 2 المغازي للواقدي: 136,135/2.

اور تیر انداز دستوں کی ڈیوٹی ایسے مقامات پر لگائی جہاں سے وہ مجاہدین کو اپنے تیروں کا نشانہ بنا سکیں۔

مسلمانوں نے قلعہ زبیر میں داخل ہو کر اسے فتح کرنے کی کئی کوششیں کیں لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ یہودیوں نے اب کے مقابلے کے لیے نہ قلعے کے دروازے کھولے، نہ دعوت مبارزت دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کو اطمینان تھا کہ چونکہ ان کا قلعہ بہت بلندی پر واقع ہے اس لیے وہ محفوظ ہیں، مسلمان اس میں داخل ہی نہیں ہو سکیں گے، نہ وہ اسے اسلحے کے زور پر فتح کر سکیں گے۔

مسلمان نہیں چاہتے تھے کہ قلعے کا محاصرہ طول اختیار کرے بلکہ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ یہودی قلعے سے باہر آ کر کھلے میدان میں ان کا مقابلہ کریں کیونکہ انھیں کامل یقین تھا کہ اس معرکے میں بھی اللہ تعالیٰ انھیں فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے گا۔

ابھی مسلمان اسی غور و فکر میں مصروف تھے کہ اس دشوار گزار قلعے کو فتح کرنے کے لیے کون سی حکمت عملی اختیار کی جائے کہ اچانک غزال (عزال) نامی ایک یہودی خفیہ طور پر لشکر اسلام میں آیا اور اس نے سیدنا محمد ﷺ سے ملاقات کی۔ اس نے صاف صاف بتا دیا کہ آپ کا لشکر اس قلعے میں داخل نہیں ہو سکتا، نہ اسلحے کے زور پر اسے فتح کر سکتا ہے۔ قلعے کا محاصرہ کرنے سے بھی یہودیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، چاہے محاصرہ کتنا ہی طویل ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ قلعے میں موجود یہودیوں کے پاس طویل مدت تک کے لیے اپنی ضروریات کی تمام اشیاء موجود ہیں، اس نے نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: میں آپ کو ایک ایسا طریقہ بتا سکتا ہوں جس سے اس قلعے کو فتح کرنا آسان ہو جائے اور یہودیوں کو قلعے سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا جائے بشرطیکہ مسلمان مجھے، میرے جان و مال اور اہل و عیال کو امان دے دیں۔ آنحضرت ﷺ نے اسے، اس کے مال اور اہل و عیال کو امان عطا فرما دی۔

غزال نے آنحضرت ﷺ کو بتایا کہ قلعہ زبیر کے نیچے زیر زمین پانی کے چشمے اور اشیائے خور و نوش کے ذخیرے ہیں جنھیں یہودیوں نے خاص طور پر جنگ کے دنوں کے لیے محفوظ کر رکھا ہے۔ وہ رات کے وقت سرنگوں کے خفیہ راستوں سے یہاں آتے اور حسب ضرورت کھانے پینے کا سامان لے جاتے ہیں۔ پانی کے یہ چشمے قلعے سے باہر ہیں، اس لیے مسلمان ان پر آسانی سے قبضہ کر سکتے ہیں اور جب مسلمان ان کا پانی بند کر دیں گے تو یہودی خود بخود ہتھیار ڈالنے یا باہر نکل کر جنگ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ پھر غزال یہودی مسلمانوں کو پانی کے ان چشموں پر لے گیا، مسلمانوں نے ان پر قبضہ کر لیا اور قلعے کی طرف جانے والا پانی بند کر دیا۔ اب یہودیوں کے لیے دو باتوں میں سے ایک بات تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ یا وہ مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دیں یا باہر نکل کر جنگ کریں اور پانی کے چشمے مسلمانوں سے واپس لے لیں ورنہ پیاسے مر جائیں۔

یہودیوں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کو ترجیح دی۔ انھوں نے قلعے کے دروازے کھول دیے اور مسلمانوں پر نہایت شدت سے حملہ کیا۔ فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے نوازا۔ یہودی شکست کھا گئے اور مسلمانوں نے قلعہ فتح کر لیا۔ نطاۃ کے قلعوں میں سے یہ آخری قلعہ تھا جس میں یہودیوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا تھا۔

معرکۂ قلعہ زبیر میں چند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش فرمایا اور دس یہودی واصل جہنم ہوئے۔[1]

سلام بن مشکم کی موت

نطاۃ کے قلعوں کی جنگوں میں سلام بن مشکم بھی مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ سلام یہود بنی نضیر کا ایک بڑا سردار اور مرحب کے بھائی حارث کی بیٹی زینب کا شوہر تھا۔ یہ زینب وہی یہودی عورت تھی جس نے غزوۂ خیبر کے بعد نبی ﷺ کو شہید کرنے کے لیے آپ ﷺ کی ضیافت کر کے بکری کے گوشت میں زہر ملا دیا تھا۔

سلام بن مشکم ہرچند جنگجو یہودی قوتوں کا قائد تھا لیکن وہ بیمار تھا اس لیے اس نے دیگر یہودی سرداروں مرحب، یاسر، حارث، اسیر اور یوشع کی طرح جنگ میں عملی طور پر کوئی حصہ نہیں لیا۔ اس کے ساتھیوں نے ازراہ ہمدردی اس کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ کتیبہ کے علاقے میں چلا جائے کیونکہ وہ جگہ محفوظ ہے اور باخبر یہودی یہ توقع رکھتے تھے کہ کتیبہ کے یہودی مسلمانوں سے جنگ نہیں کریں گے بلکہ صلح کر لیں گے لیکن سلام بن مشکم نے دائمی مریض ہونے کے باوجود یہ تجویز قبول نہیں کی حتی کہ وہ نطاۃ ہی میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔[2]

یہودیوں کی ''شق'' کے قلعوں میں منتقلی

نطاۃ کے قلعے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد یہودی ''شق'' کے قلعوں میں منتقل ہو گئے۔ انھوں نے اپنی ساری جنگی قوتیں ایک ہی قلعے میں جمع کر دیں جسے قلعہ ابی کہا جاتا تھا۔ لشکر اسلام سے مقابلے کی تیاری کے لیے وہ اسی قلعے میں بند ہو گئے جبکہ لشکر اسلام ان کے تعاقب میں کشاں کشاں چلا آ رہا تھا۔

قلعہ ابی کا محاصرہ

قلعہ ابی بھی ایک پہاڑ کی بلند و بالا چوٹی پر واقع تھا، اور اس تک پہنچنے کا رستہ بھی بہت دشوار گزار تھا۔ اسلامی لشکر

1 إمتاع الأسماع 314/1، زاد المعاد: 325,324/3، المغازي للواقدي 137,136/2، البداية والنهاية 199/4، السيرة الحلبية: 743,742/2. 2 المغازي للواقدي: 145/2

نے آگے بڑھ کر اس قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ قیادت کے فرائض آنحضرت ﷺ بنفس نفیس سرانجام دے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اس قلعے پر حملے کے لیے قلعے سے زیادہ بلند ایک مقام کا انتخاب فرمایا، جسے سموان کہا جاتا تھا۔[1] جبکہ واقدی کی مغازی میں اس کا نام سمران بتایا گیا ہے۔[2]

یہاں بھی زبردست جنگ ہوئی۔ یہودیوں نے سخت مقابلہ کیا۔ قلعہ ابی کے دفاع کے لیے انھوں نے جان کی بازی لگا دی۔ اس قلعے پر حملے کے لیے جن مجاہدین کو مقرر کیا گیا، ان کے قائد مشہور انصاری شہسوار سیدنا ابودجانہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔

یہودیوں کی طرف سے مبارزت

یہودیوں نے قلعہ ابی کے دفاع کے لیے زبردست جنگ کی۔ انھوں نے قلعے کے دروازے کھول دیے تاکہ اسلامی لشکر کو چیلنج کرسکیں۔ سب سے پہلے عزول (غزال) نامی ایک شخص باہر نکلا۔ اس نے دعوت مبارزت دیتے ہوئے مسلمانوں کو للکارا۔ سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ انھوں نے فوراً عزول پر حملہ کردیا اور پہلے ہی وار میں اس کا دایاں ہاتھ آدھی کلائی سے کاٹ دیا۔ عزول زخمی ہوکر واپس قلعے کی طرف بھاگنے لگا تو سیدنا حباب رضی اللہ عنہ نے اس کا تعاقب کیا اور دوسرا وار کرکے اس کی ایڑی کے اوپر کا پٹھا، یعنی کونچ کاٹ دی اور پھر اس پر ایک ایسی ضرب لگائی کہ وہ واصل جہنم ہوگیا۔

حباب رضی اللہ عنہ فاتحانہ طور پر اپنی صفوں میں واپس آگئے۔ عزول کی موت کے بعد ایک اور یہودی قلعے سے باہر آیا۔ مؤرخین نے اس کا نام نہیں لکھا... اس نے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔ اس کے مقابلے کے لیے ایک مسلمان آگے بڑھا، اس یہودی نے اس مجاہد کو شہید کردیا اور مسلمانوں کو دوبارہ للکارنے لگا۔ اب اسلامی صفوں میں سے مشہور انصاری مجاہد سیدنا ابودجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے۔ انھوں نے فوراً اس یہودی پر حملہ کرکے اس کا پاؤں کاٹ دیا، پھر دوسرا وار کرکے اسے جہنم رسید کردیا۔

قلعہ ابی کی فتح

قلعہ ابی کے سامنے اپنے جنگجوؤں کی لاشیں خاک وخون میں تڑپتی دیکھ کر یہودیوں کے حوصلے ٹوٹ گئے اور انھوں نے مبارزت کا سلسلہ ختم کرکے قلعے کے دروازے بند کرلیے تاکہ دیواروں کے پیچھے رہ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرسکیں لیکن مسلمانوں نے انھیں اس کا موقع ہی نہ دیا۔ اس موقع پر اسلامی لشکر کی قیادت کرنے والے ابودجانہ

1 البدایة والنهایة: 199/4. 2 المغازي للواقدي: 137/2.

انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے ہراول دستے کو حکم دیا کہ قلعے پر فوراً پوری قوت سے حملہ کر دیا جائے۔ اس حملے کے بعد فریقین میں بڑی خون ریز جنگ ہوئی، جس میں بالآخر یہودی شکست کھا گئے۔ اور ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اس قلعے سے بھی مسلمانوں کو بہت سا مال و دولت، بھیڑ بکریاں، کھانے پینے کا سامان اور اسلحہ ہاتھ لگا۔[1]

قلعہ نزار کی فتح

قلعہ ابی کی فتح کے بعد اس میں موجود جنگجو یہودی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور شق کے قلعہ نزار میں پناہ گزین ہوگئے۔ یہ قلعہ بھی بلندی پر واقع تھا جہاں انھوں نے زبردست حفاظتی انتظامات کر رکھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس قلعے کی طرف روانہ ہوگئے۔ جوں ہی لشکر اسلام اس قلعے کے پاس پہنچا، یہودیوں نے شدید تیر اندازی اور سنگ باری بھی شروع کر دی یہاں تک کہ بعض تیر اس جگہ بھی گرے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ان میں سے کچھ تیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں میں بھی الجھ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین سے مٹھی بھر سنگریزے اٹھائے اور انھیں قلعے کی طرف پھینک دیا۔ سنگریزوں کے پھینکتے ہی یہ قلعہ لرز اٹھے حتی کہ زمین میں بھی دھنسنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں نے یہودیوں پر زبردست حملہ کر دیا۔[2]

یہودیوں نے بھی قلعہ نزار کے دفاع میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مسلمانوں نے قلعے میں داخل ہونے کی بار بار کوشش کی مگر یہودیوں نے شدید مزاحمت کی۔ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا اس لیے قلعے تک پہنچنا بھی بہت مشکل تھا اور اس کا دفاع کرنے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی جو ڈٹ کر مقابلہ کر رہے تھے۔ مثبت یا منفی کسی قسم کا کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ کسی نتیجے کے بغیر طویل محاصرے کے باعث مسلمان پریشان تھے۔

پیدل دستوں کے لیے قلعے کے اندر داخل ہونا محال تھا۔ بلند چوٹی پر واقع ہونے کے باعث گھوڑوں کا وہاں پہنچنا بھی ممکن نہیں تھا۔ قلعہ صعب بن معاذ سے غنیمت کے طور پر کچھ منجنیقیں بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگی تھیں۔ ان حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان آلات کے استعمال کی اجازت دے دی جن سے قلعے کے برجوں اور دیواروں میں شگاف ڈالے جا سکیں۔ منجنیقوں سے گولہ باری کی گئی تو قلعے کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔ ان شگافوں کے ذریعے مجاہدینِ اسلام قلعے میں داخل ہوگئے اور یہودیوں کو اس قلعے میں بھی عبرت ناک شکست ہوئی۔ وہ ڈھیر سارے مال غنیمت کے علاوہ دو ہزار عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔[3]

1 المغازي للواقدي: 2/137، البداية والنهاية: 4/199، 200. 2 المغازي للواقدي: 2/137، 138. 3 امتاع الاسماع: 1/314

قلعہ نزار وہ آخری قلعہ تھا جس میں جنگ ہوئی۔ واقدی نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قلعہ نزار فتح کر لیا اور شق کے دوسرے قلعے باقی رہ گئے تو ان کے رہنے والے کتیبہ، وطیح اور سلالم کے لوگوں کے پاس چلے گئے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے قلعہ نزار کی طرف دیکھا اور فرمایا: «هذا آخر حصون خيبر كان فيه قتال» ”یہ خیبر کا آخری قلعہ ہے جس میں جنگ ہوگی۔“ اور پھر جب ہم نے یہ قلعہ فتح کر لیا تو واقعی اس کے بعد جنگ نہیں ہوئی حتی کہ رسول اللہ ﷺ خیبر سے واپس تشریف لے گئے۔[1]

خیبر کے دوسرے نصف حصے کی طرف روانگی

خیبر شہر کے پہلے نصف حصے میں جب یہودیوں کو شکست ہوئی اور نطاۃ اور شق کے پانچوں قلعے مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے تو شکست خوردہ یہودی ان قلعوں سے نکل کر خیبر شہر کے دوسرے نصف حصے میں موجود اپنی یہودی برادری کے پاس چلے گئے جہاں قموص، وطیح اور سلالم نامی قلعے بہت اہمیت کے حامل تھے۔

دوسرے حصے کی فتح ... بذریعہ جنگ یا صلح؟

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ خیبر کے دوسرے حصے پر مسلمانوں نے فتح بذریعہ صلح حاصل کی۔ شہر کے پہلے حصے کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے یہودیوں کی کمر ٹوٹ گئی تھی اور اب ان میں مسلمانوں کے مقابلے کی تاب ہی نہیں تھی، لہٰذا انھوں نے صلح کی خاطر نبی اکرم ﷺ کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ اسی وجہ سے ان مؤرخین نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سارے خیبر کو مسلمانوں میں تقسیم نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے اس کے نصف حصے کو تقسیم فرما دیا اور نصف حصے کو تقسیم نہیں فرمایا بلکہ اسے اپنے تصرف میں رکھا تھا کہ فے ہونے کی وجہ سے اسے مسلمانوں کے مفادات و مصالح میں استعمال کیا جا سکے کیونکہ یہ مال غنیمت نہیں تھا۔[2] ان کی دلیل سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو دو حصوں میں تقسیم فرما دیا تھا: ایک حصہ اپنے لیے اور دوسرا حصہ مسلمانوں کے لیے تھا۔[3]

مؤرخین کے دوسرے گروہ کی یہ رائے ہے کہ خیبر کے دونوں حصے جنگ ہی سے فتح ہوئے تھے۔ جمہور محدثین اور اہل سیر نے بھی اسی بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ وطیح اور سلالم کے دو قلعوں کے سوا خیبر کے باقی تمام قلعے بذریعہ جنگ فتح ہوئے۔ ان دو قلعوں کے باشندوں نے مسلمانوں کی طرف سے شدید محاصرے اور منجنیق کے استعمال کی

1 المغازي للواقدي: 138/2. 2 فے اس مال کو کہتے ہیں جس پر مسلمانوں نے جنگی حالات میں جنگ کے بغیر قبضہ کر لیا ہو۔ جنگ کے بعد دشمن کے جس مال کو اپنے قبضے میں لیا جائے اسے مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ 3 سنن أبي داود: 3010

دستکش کے بعد اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ ان کی جان بخشی کر دی جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی نہ بنایا جائے، ایسی صورت حال کو صلح نہیں بلکہ جنگ ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

امام ابوداود رحمہ اللہ نے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کر کے خیبر فتح کیا تھا اور جنگ کے بعد یہاں کے لوگوں نے جلا وطنی اختیار کر لی تھی۔[1] لیکن یہ روایت مرسل ہے۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے کہ خیبر کی زمین کے بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ اسے فدک کے برعکس زبردستی غلبہ و تسلط حاصل کیا گیا تھا۔[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی اراضی غنیمت حاصل کرنے والوں، گھوڑے دوڑانے والوں اور پیادہ لوگوں میں تقسیم فرما دی تھی اور یہ سب وہ لوگ تھے جنھوں نے حدیبیہ میں شرکت کی تھی۔

اس بارے میں علماء میں اختلاف نہیں ہے کہ خیبر کی زمین کو تقسیم کر دیا گیا تھا، اختلاف اس بات میں ہے کہ علاقہ فتح کرنے کے بعد زمین کو فوراً تقسیم کر دیا جائے یا اسے روک لیا جائے؟ علمائے کوفہ کا قول ہے کہ امام کو اختیار ہے چاہے تو تقسیم کر دے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین تقسیم فرما دی تھی، اور چاہے تو اسے روک لے جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سرزمین عراق کو روک لیا تھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ساری زمین تقسیم کر دی جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کو تقسیم فرما دیا تھا کیونکہ زمین بھی کفار کے دیگر تمام اموال کی طرح مال غنیمت ہی شمار ہوتی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اتباع میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ زمین کا معاملہ دیگر سارے اموال غنیمت کی نسبت مخصوص و مختلف ہے، اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کی موجودگی میں یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ اسے بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے روک لیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے زید بن اسلم سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد

1 سنن أبي داود: 3018. 2 مزید دیکھیے: صحیح البخاري: 596/7.



سامرا (عراق) کی تاریخی مسجد کے آثار

فرماتے ہوئے سنا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے کوئی چیز بھی نہیں بچے گی تو مسلمان جس بستی کو بھی فتح کرتے، میں اسے مجاہدین ہی میں تقسیم کر دیتا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خیبر تقسیم فرما دیا تھا۔[1]

امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ خیبر کا کچھ حصہ جنگ سے اور کچھ صلح سے فتح ہوا تھا، کتیبہ کا اکثر حصہ جنگ سے اور تھوڑا حصہ صلح سے فتح ہوا تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کتیبہ خیبر کی زرعی اراضی کو کہتے تھے۔ اس میں کھجور کے چالیس ہزار درخت تھے۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر کو دو حصوں میں تقسیم فرما دیا تھا، ایک حصہ پیش آنے والے حالات و حوادث و مہمات کے لیے اور دوسرا مسلمانوں کے لیے مخصوص تھا۔ آپ نے خیبر کے پہلے حصے میں سے شق، نطاۃ اور ان کے گرد و پیش کے علاقے کو مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا تھا اور خیبر کے دوسرے حصے کے وطیح، سلالم، کتیبہ اور ان کے اردگرد کے علاقے کو مسلمانوں کو پیش آنے والے حالات و معاملات، حوادث و مہمات اور مصالح عامہ کے لیے روک لیا اور اسے تقسیم نہیں فرمایا تھا۔[3]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو چھتیس (36) حصوں میں تقسیم فرما دیا تھا۔ ان میں سے ہر حصہ سو (100) حصوں پر مشتمل تھا، یعنی کل تین ہزار چھ سو (3600) حصے تھے۔ ان میں سے نصف یعنی ایک ہزار آٹھ سو (1800) رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے لیے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا کسی بھی مسلمان کی طرح صرف ایک ہی حصہ تھا۔ آپ نے دوسرے نصف، یعنی ایک ہزار آٹھ سو (1800) حصوں کو آئندہ حالات و معاملات، مہمات و حوادث اور مسلمانوں کو پیش آنے والے مختلف امور کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔[4] امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا اس لیے کیا گیا کہ خیبر کا نصف حصہ قوت و طاقت سے اور نصف حصہ بذریعہ صلح فتح ہوا تھا۔ جو حصہ بزور طاقت حاصل ہوا، وہ آپ نے خمس اور غنیمت کے حق داروں میں تقسیم فرما دیا اور جو حصہ صلح کے ذریعے فتح ہوا، وہ آپ ﷺ نے مہمات و حوادث اور مسلمانوں کو پیش آنے والے امور کے لیے رکھ لیا۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے یہ بات امام شافعی رحمہ اللہ کے اس اصول کی بنیاد پر کہی ہے کہ بذریعہ طاقت فتح کی گئی زمین کو بھی دیگر تمام غنیمتوں کی طرح تقسیم کرنا واجب ہے اور جب انھوں نے خیبر کے نصف حصے کی تقسیم کا حال نہ پایا تو یہ کہہ دیا کہ وہ بذریعہ صلح فتح ہوا تھا، حالانکہ جو شخص بھی سیر و مغازی پر اچھی طرح

1 صحيح البخاري: 3125، سنن أبي داود: 3020، مسند أحمد: 40/1. 2 سنن أبي داود: 3017. لیکن حدیث کی سند ضعیف ہے۔ 3 البداية والنهاية: 202/4. 4 دیکھیے: سنن أبي داود: 3010-3014.

غور کرے گا، اسے معلوم ہو جائے گا کہ خیبر بزور طاقت فتح ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی ساری اراضی پر بزور قوت غلبہ حاصل کیا تھا۔ اگر آپ نے صلح کے تحت فتح کیا ہوتا تو ان کے علاقوں سے یہودیوں کو جلاوطن نہ کرتے۔ جب آپ نے انھیں یہاں سے نکال دینے کا ارادہ فرمایا تو انھوں نے عرض کیا: آپ کی نسبت ہم زمین کو زیادہ بہتر جانتے ہیں، لہذا آپ زمینیں ہمارے پاس ہی رہنے دیں، ہم انھیں آباد رکھیں گے اور ان کی پیداوار کا نصف حصہ آپ کو دے دیں گے۔ یہ بھی اس امر کی بہت واضح دلیل ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر کو طاقت کے زور پر فتح کیا تھا۔ مسلمانوں اور یہودیوں میں جنگ اور مبارزت ہوئی اور فریقین کا جو جانی نقصان ہوا، وہ معلوم ہے لیکن جب انھیں قلعوں میں محصور کر دیا گیا تو وہ صلح کرنے پر مجبور ہو گئے۔ صلح کی شرط یہ تھی کہ وہ اپنا تمام سونا، چاندی، زرہیں اور ہتھیار رسول اللہ ﷺ کو دے دیں گے، اس کے عوض انھیں جان کی سلامتی کے ساتھ ان کی اولاد سمیت سرزمین خیبر سے جلاوطن کر دیا جائے گا۔ اس صلح میں ایسی ہرگز کوئی شرط نہ تھی کہ خیبر کی زمین کا کچھ حصہ یہودیوں کے پاس بھی رہے گا۔ اگر ایسا ہوتا تو نبی ﷺ یہ نہ فرماتے کہ ہم جب تک چاہیں گے، تمھیں رہنے دیں گے۔ اگر زمین ان کی اپنی ہوتی تو پھر جب تک چاہنے کا کیا مقصد؟ ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر صحیح بات یہی ہے کہ خیبر طاقت سے فتح کیا گیا تھا اور اس طرح فتح کی گئی زمین کے بارے میں امام کو اختیار ہوتا ہے کہ اسے تقسیم کر دے یا وقف کر دے یا کچھ حصے کو تقسیم کر دے اور کچھ حصہ روک لے۔

وادی مذینب (مدینہ منورہ)



رسول اللہ ﷺ نے یہ تینوں صورتیں اختیار فرمائی تھیں، بنوقریظہ اور بنونضیر کی زمین تقسیم کر دی تھی۔ آپ ﷺ نے سرزمین مکہ کو تقسیم نہیں فرمایا لیکن خیبر کی آدھی زمین تقسیم فرما دی اور نصف کو چھوڑ دیا۔

خیبر کی زمین کو اٹھارہ سو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اہل حدیبیہ کو رزق عطا فرمایا تھا جن کی تعداد چودہ سو تھی۔ ان کے ساتھ دو سو گھوڑے بھی تھے۔ ہر گھوڑے کو دو حصے دیے گئے، اس طرح ساری زمین اٹھارہ سو حصوں میں تقسیم ہوئی۔ اس موقع پر سیدنا جابر بن عبداللہ ؓ کے سوا اہل حدیبیہ میں سے کوئی غیر حاضر نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حاضرین ہی کی طرح انھیں بھی حصہ عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے ہر گھوڑ سوار کو تین حصے اور پیادہ کو ایک حصہ دیا۔[1]

1 زاد المعاد: 3/328-330.

کتیبہ بطور خمس

کتیبہ کی زمین اللہ تعالیٰ کے لیے خمس تھا، یعنی یہ نبی ﷺ کا حصہ، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حصہ تھی۔ اسی سے ازواج مطہرات کو نفقہ دیا جاتا تھا۔ اور ان لوگوں کو بھی دیا جاتا تھا جو اہل فدک سے صلح کے لیے نبی ﷺ کے ساتھ گئے تھے۔ ان میں محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے تیس وسق[1] کھجور اور تیس وسق جو عطا فرمائے۔[2]

زمین کی تقسیم اور حساب کتاب کا کام آپ نے بنوسلمہ کے بھائی جبار بن صخر بن امیہ بن خنساء اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تھا۔

یاد رہے خیبر کی کھجوروں کے تخمینے کے لیے نبی ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔ وہ دو سال تک یہ فرض انجام دیتے رہے اور جب وہ غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے تو ان کے بعد آپ ﷺ نے ان کی جگہ جبار بن صخر رضی اللہ عنہ کا تقرر فرمایا تھا۔[3]

سیدنا ابوسعید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا عامل مقرر فرمایا تو وہ آپ کی خدمت میں بہت عمدہ قسم کی کھجوریں لے کر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: «أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا؟!» ''کیا خیبر کی ساری کھجوریں اسی طرح کی ہیں؟'' اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! نہیں، ساری کھجوریں اس جیسی نہیں ہیں بلکہ ہم دو صاع کھجوریں دے کر ان کا ایک صاع یا تین صاع دے کر ان کے دو صاع حاصل کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَفْعَلْ، بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا»

''ایسا نہ کرو بلکہ مختلف قسم کی ملی جلی کھجوروں کو درہموں پر بیچو اور پھر درہموں کے عوض ایسی عمدہ کھجوریں خرید لو۔''[4]

قلعہ قموص کی فتح

قلعہ قموص خیبر کے دوسرے حصے کے قلعوں سے ایک مستحکم قلعہ تھا۔

ابن اسحاق کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے قلعہ قموص پر شدید جنگ لڑی اور مجاہدین اسلام نے

[1] وسق ایک پیمانہ ہے جو ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے اور ایک صاع ساڑھے تین سیر (2 کلوگرام) کا ہوتا ہے۔ [2] السيرة لابن هشام: 364,363/3. [3] البداية والنهاية: 204,203/4. [4] صحيح البخاري: 2202,2201.

یہودیوں کی طرف سے سخت مقابلے کے بعد اس قلعے پر غلبہ حاصل کیا اور اس مقابلے میں کئی یہودی تہ تیغ ہوئے۔ علامہ حلبی نے لکھا ہے کہ قلعہ قموص کو سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فتح کیا۔ اسی قلعے میں صفیہ بنت حیی بن اخطب گرفتار ہو کر قیدی بنیں۔[1] علامہ حلبی کے اس قول سے ابن اسحاق کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے قلعہ قموص کو بزور بازو فتح کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی رحم دلی

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنو ابی الحقیق کے قلعہ قموص کو فتح کر لیا تو آپ کی خدمت میں صفیہ بنت حیی اور ان کے ساتھ ایک اور خاتون کو لایا گیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ انھیں لے کر آئے اور لاتے ہوئے یہودیوں کے مقتولوں کے پاس سے گزرے۔ جب اس خاتون نے انھیں دیکھا تو وہ چیخ اٹھی، اپنے چہرے پر طمانچے مارنے اور سر پر مٹی ڈالنے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا: «أَعْزِبُوا عَنِّي هٰذِهِ الشَّيْطَانَةَ» ''اس شیطانہ کو مجھ سے دور کر دو۔'' پھر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آپ کے حکم سے آپ کے پیچھے بٹھا دیا گیا اور آپ ﷺ نے ان پر چادر ڈال دی۔ اس طرح مسلمانوں نے معلوم کر لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے لیے منتخب فرما لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مذکورہ بالا یہودی عورت کی حالت زار دیکھی تو بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَنُزِعَتْ مِنْكَ الرَّحْمَةُ يَا بِلَالُ! حِينَ تَمُرُّ بِامْرَأَتَيْنِ عَلَى قَتْلَى رِجَالِهِمَا؟»

''بلال! کیا تم سے رحمت کو چھین لیا گیا تھا کہ تم دو عورتوں کو ان کے مقتول مردوں کے پاس سے لے کر گزرے؟''[2]

وطیح اور سلالم کا سقوط

دوسرے دو قلعوں وطیح اور سلالم کے بارے میں مورخین متفق ہیں کہ ان قلعوں میں بند ہونے والے یہودیوں نے مسلمانوں کی طرف سے شدید محاصرے اور اس کے نتیجے میں اپنی ہلاکت کا یقین ہونے کے بعد ہتھیار ڈال دیے تھے۔[3]

واقدی کے نزدیک یہ تینوں قلعے اس رعب کے نتیجے میں فتح ہوئے جو مسلمانوں کی طرف سے چودہ دن کے محاصرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔ واقدی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کتیبہ،

1 السيرة الحلبية:2/744. 2 السيرة لابن هشام 2/351,350. 3 السيرة لابن هشام 3/352.

وطیح اور سُلالِم کی طرف روانہ ہوئے۔ یہودی ان قلعوں میں بند تھے۔ ان کے ساتھ نطاۃ اور شق کے شکست خوردہ لوگ بھی موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان قلعوں پر سنگ باری کے لیے منجنیق نصب کرنے کا بھی ارادہ فرمایا کیونکہ یہودی قلعہ بند ہوگئے تھے اور مبارزت کے لیے کوئی بھی باہر نہیں نکل رہا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان کا محاصرہ کیے چودہ دن گزر گئے اور یہودیوں کو اپنی بربادی کا یقین ہوگیا تو کنانہ بن ربیع بن ابی الحُقیق نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا کہ ہم اس بنیاد پر آپ سے صلح کے آرزومند ہیں کہ جنگ ختم ہوگئی ہے اور یہود نے مسلمانوں کی فتح تسلیم کر لی ہے۔ کنانہ بن ربیع وہی شخص ہے جس کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ خیبر کے دوسرے حصے میں وہ ایک بادشاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ کنانہ کی طرف سے بھیجے جانے والے اس وفد کے سربراہ کا نام شماخ تھا۔

شماخ جونہی قلعے سے باہر نکلا، اسلامی لشکر کے جانباز سپاہی اسے پکڑ کر دربارِ رسالت میں لے آئے۔ اُس نے سرورِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ یہودی سردار کنانہ بن ابی الحُقیق کا نمائندہ ہے اور اس نے اسے یہ پیغام پہنچانے کے لیے بھیجا ہے کہ خیبر کے اس دوسرے حصے کے یہودی آپ سے گفتگو کے لیے تیار ہیں۔ اس سلسلے میں خود کنانہ آپ سے ملاقات کر کے معافی مانگنے کا خواستگار ہے۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ کنانہ بن ابی الحُقیق سے گفتگو پر آمادہ ہوگئے۔

شماخ یہودی کنانہ کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ اس سے ملاقات پر رضامند ہیں۔ کنانہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ لڑائی روک دو۔ پھر وہ یہودی زعماء کے ایک وفد کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسلامی کیمپ میں آکر اس یہودی وفد نے اسی طرح کی شروط رکھیں اور ضمانتیں حاصل کرنے کی کوشش کی جو ان اہل ذمہ کو حاصل ہوتی ہیں جو اعلانِ جنگ سے قبل ہی اسلامی لشکر کے قائد سے مذاکرات کر کے طے کر لیتے ہیں، اس طرح وہ صلح کر کے اپنے شہروں میں رہنے کا حق بھی حاصل کر لیتے ہیں، اور انھیں یہ ضمانت بھی مل جاتی ہے کہ ان کے مال و جائیداد کی حفاظت کی جائے گی، ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی نہیں بنایا جائے گا اور ان سب کی جان بخشی کردی جائے گی اور اس کے عوض وہ مسلمانوں کو جزیہ ادا کریں گے، اسلام کا غلبہ تسلیم کریں گے اور اسلامی احکام وقوانین کا احترام کریں گے۔

خون ریزی اور غلامی کی سزا معاف فرما دی

خیبر کے اس دوسرے حصے کے سربراہ کنانہ بن ابی الحُقیق اور دیگر یہودی زعماء وقائدین نے صلح کے معاملے میں بہت تاخیر کردی تھی۔ انھوں نے اپنے قلعوں میں بند ہونے، مسلمانوں کا سخت مقابلہ کرنے، لشکرِ اسلام کو اپنے تینوں

قلعوں میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے سخت جنگ کرنے اور اس میں شکست کھانے کے بعد مجبوراً صلح کی بات کی تھی۔ پندرہ دن تک شدید جنگ اور مزاحمت کے بعد انھیں اپنی ہلاکت صاف نظر آرہی تھی، وہ ڈر رہے تھے کہ ان کے قلعوں اور اراضی پر مسلمان غلبہ حاصل کرلیں گے اور اس کے نتیجے میں ان کے جنگجوؤں کو قیدی، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے گا اور کسی استثنا کے بغیر ان کے تمام اموال غنیمت کے طور پر لے لیے جائیں گے جیسا کہ اس دور کے دستور کے مطابق دشمنوں سے یہی معاملہ کیا جاتا تھا۔ اس قدر محاذ آرائی اور پسپائی کے باوجود ان لوگوں نے صلح کا ہاتھ بڑھایا تو رحمۃ للعالمین، سیدالاولین و سیدالآخرین ﷺ نے ان ظالموں کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ فرمایا اور اس بات پر اتفاق فرمایا کہ ان کی جان بخشی کردی جائے گی اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بھی نہیں بنایا جائے گا۔ اگر سرور دو عالم ﷺ رحم دلی کا مظاہرہ نہ فرماتے تو یہودی یہ رعایت کبھی حاصل نہیں کرسکتے تھے۔

یہود سے معاہدے کی تفصیلات

اس موقع پر سرورِ دو عالم ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ جو معاہدہ فرمایا، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

1. یہودی اپنے تمام چھوٹے بڑے قلعے خالی کردیں گے اور ان میں موجود جنگی آلات اور اسلحہ وہیں چھوڑ دیں گے تاکہ اسلامی لشکر انھیں اپنے قبضے میں لے لے۔
2. یہودی اپنے تمام ہتھیار مسلمانوں کے سپرد کردیں گے اور وہ جب تک خیبر میں ہیں، کوئی ہتھیار نہیں اٹھائیں گے۔
3. نبی ﷺ یہودیوں سے عہد کرتے ہیں کہ ان کی جان بخشی کی جاتی ہے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام نہیں بنایا جائے گا۔
4. یہودیوں پر لازم ہے کہ وہ خیبر سے جلاوطن ہوکر شام کی طرف چلے جائیں۔
5. یہودیوں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ جلاوطن ہوتے وقت اپنے ساتھ وہ اموال لے جائیں جو ان کی سواریاں اٹھا سکیں۔
6. یہودی وعدہ کرتے ہیں کہ وہ مخفی خزانوں سمیت اپنے تمام اموال مسلمانوں کے سپرد کردیں گے۔
7. یہودی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر انھوں نے اس معاہدے کی کسی دفعہ کی مخالفت کی یا کوئی چیز غائب کی یا کسی ایسی چیز کو چھپایا جسے ظاہر کرنا واجب تھا، تو مسلمانوں کے لیے ان کے خون، اموال اور اولادیں حلال ہوں گی۔

یہ معاہدہ رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ پر ہوا، آپ ﷺ کی طرف سے حضرت ابوبکر، عمر، علی اور زبیر رضی اللہ عنہم گواہ

تھے، جب کہ یہودی کی طرف سے دس گواہ تھے۔[1]

اس معاہدے کے بعد یہودیوں نے اپنے چھوٹے بڑے تمام قلعے مسلمانوں کے سپرد کر دیے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگوں کو اموال، ہتھیار، کھیتوں اور باغات کو اپنے قبضے میں لینے کا حکم دیا۔ اس طرح قریباً دو ماہ تک جاری رہنے والی خون ریز لڑائیوں کے بعد جنگ خیبر ختم ہوگئی جس میں فتح و نصرت کے بعد مسلمانوں کو خیبر پر مکمل کنٹرول حاصل ہوگیا۔ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کی یہ طویل ترین معرکہ آرائی تھی۔

یہودی استعمار کا خاتمہ

سقوطِ خیبر کے نتیجے میں جزیرہ نمائے عرب میں داخل ہونے والے اجنبی فسادی یہودیوں کی آخری جائے پناہ بھی ختم ہوگئی۔ یہ یہودی استعمار قریباً دو ہزار سال سے جزیرۃ العرب خصوصاً یثرب و خیبر میں پنجے گاڑے ہوئے تھا۔ عربوں میں فتنہ و فساد برپا کرنے اور جنگوں کے شعلے بھڑکانے میں اس یہودی استعمار کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ یہودی خوب سمجھتے تھے کہ وہ بلادِ عرب میں ایک اجنبی اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں اور اپنا وجود صرف اسی صورت میں برقرار رکھ سکتے ہیں کہ اپنے مفسدانہ حربوں کو بروئے کار لا کر عربوں کو باہمی جنگ و جدال میں مبتلا کیے رکھیں ورنہ ان کا ان لوگوں میں رہنا ناممکن ہوگا جو جنس، زبان، دین، ذیلی دول اور ثقافت و معاشرت غرضیکہ ہر اعتبار سے ان سے مختلف ہیں۔ ان میں رہنے کی صرف ایک ہی سبیل ہے کہ انھیں ہمیشہ باہمی انتشار و خلفشار اور جنگ و جدال میں اُلجھائے رکھا جائے۔ یہودی اپنی ان شیطانی منصوبہ بندیوں میں خاطر خواہ کامیاب رہے ورنہ ان کے لیے قرن ہا قرن تک جزیرۃ العرب میں رہنا ناممکن تھا۔

عربوں کے لیے لمحۂ فکریہ

یہودی آج بھی اپنے استعماری مقاصد کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ وہ آج بھی پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو یعنی Divide and rule کی پرانی پالیسی کے تحت عربوں میں اپنی سازشوں اور شرارتوں کے ذریعے انتشار و خلفشار پھیلانے میں مصروف ہیں۔ آج فلسطین پر ان کا ناپاک وجود محض ان کی چالاکیوں اور مکاریوں کی وجہ سے قائم ہے۔ ان کے پاس جدید علوم اور جدید ہتھیار بھی موجود ہیں لیکن وہ ان چیزوں سے زیادہ اس حکمت عملی سے کام لے رہے ہیں کہ عربوں کی وحدت پارہ پارہ کر دی جائے۔ آج جو عرب بھائی عربوں میں اتفاق و اتحاد کے بجائے تفریق اور انتشار و خلفشار پیدا کر رہے ہیں، انھیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے کہ وہ نعرہ تو وحدت کا لگاتے ہیں لیکن درحقیقت وہ

1 المغازي للواقدي: 2/139، 140، موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 1/1066-1069.

عربوں کی صفوں میں اختلاف و انتشار پیدا کرنے کی مذموم سازشوں کے نتیج ہو رہے ہیں۔ کیا یہ لوگ اپنے دلوں میں خوف خدا محسوس کرتے ہوئے کبھی راہِ راست اختیار کر کے حالات کی سنگینی کا اندازہ کریں گے؟ صدق و اخلاص کے ساتھ موجودہ حالات کو بدلنے کی کوئی کوشش کریں گے؟ کیا انھیں بھی اس حقیقت کا ادراک ہوگا کہ آج فلسطین میں اجنبی یہودی استعمار کا وجود اپنی طاقت، قوت، جدید جنگی طیاروں یا سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کی بقا کا راز اسی بات میں مضمر ہے کہ ماضی کی طرح آج بھی اس نے اپنی سازشوں کے ذریعے عربوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر رکھا ہے، انھیں اتفاق و اتحاد سے محروم کر کے انتشار و خلفشار میں مبتلا کر رکھا ہے۔ آج بھی وہ اپنے اسی اصول پر عمل پیرا ہے کہ ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو۔'' یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ عربوں میں وحدت اور اتفاق و اتحاد صرف اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جب وہ سب کے سب پرچم اسلام تلے جمع ہو جائیں۔ انھیں نوٹ کر لینا چاہیے کہ رنگ و نسل کے بتوں کا کوئی نعرہ انھیں قیامت تک جمع نہیں کر سکے گا۔

خیبر سے حاصل ہونے والے اموال غنیمت

شہر خیبر کے دوسرے حصے کے سقوط اور لشکر اسلام کے خیبر کے چھوٹے بڑے تمام قلعوں پر قبضے کے بعد مسلمانوں نے اموال غنیمت کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ عہد نبوی میں مسلمانوں نے کسی بھی غزوے میں اس قدر مال غنیمت حاصل نہیں کیا تھا۔ جس کثرت سے انھوں نے اس غزوے میں حاصل کیا۔ ان توپوں اور منجنیقوں کے علاوہ جو خیبر کے پہلے حصے سے مسلمانوں کے ہاتھ لگی تھیں، انھوں نے دوسرے حصے سے بھی اسلحے کی ایک بہت بڑی مقدار پر قبضہ کر لیا۔ انھوں نے جو اسلحہ اپنی تحویل میں لیا اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1 تیر، ایک ہزار (1000)

2 تلواریں، چار سو (400)

3 عربی کمانیں مع ترکش پانچ سو (500)

4 سو زرہیں۔[1]

اس زمانے کے جنگی حالات کے مطابق یہ اسلحے کی بڑی بھاری کھیپ تھی۔

1 [illegible] 315/1.

اسلحہ کے علاوہ دیگر اموال غنیمت

اس فتح عظیم میں لشکر اسلام نے جنگی غنائم کے علاوہ جو دیگر اموال غنیمت حاصل کیے، وہ اس قدر زیادہ تھے کہ ان کا شمار مشکل ہے۔

سونے چاندی کی بہت بڑی مقدار کے علاوہ مسلمانوں نے یہاں کے کھیتوں، باغات اور کھجوروں کے جھنڈ کے جھنڈ اپنے قبضے میں لے لیے، جو خیبر شہر کے اردگرد سیکڑوں میلوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ مسلمانوں نے صرف کتیبہ میں کھجور کے چالیس ہزار درختوں کو اپنے قبضے میں لیا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں نے خیبر کے شکست خوردہ یہودیوں کی جن زرعی زمینوں پر قبضہ کیا تھا، وہ کس قدر زیادہ ہوں گی۔

تورات کے نسخوں کی یہودیوں کو واپسی

مال غنیمت کی تلاش کے دوران حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان قلعوں میں سے تورات کے کچھ صحیفے بھی ملے۔ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ یہ نسخے انھیں واپس دے دیے جائیں۔ آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ یہودیوں کو یہ نسخے واپس دے دیے جائیں۔

یہودیوں کی عیاری و مکاری

یہودیوں نے ان قلعوں سے نکلتے نکلتے بھی عیاری سے کام لیا اور وہ دو تھیلے غائب کر دیے جو بنی نضیر کے یہودیوں کے زیورات، جواہرات اور موتیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ بنی نضیر کے یہودیوں کو جب مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا گیا تھا، تو یہ سب زر و جواہر ان کے پاس تھے۔ ان کا سردار سلام بن ابی الحقیق تکبر و غرور کا اظہار کرتے ہوئے، ان ہیروں، جواہرات کو اچھال اچھال کر مسلمانوں کو دکھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ یہ مال و دولت ہم نے ایسے ہی ہنگامی حالات کے لیے جمع کر رکھا تھا۔

مسجد اجابہ (مدینہ منورہ)



فتح خیبر کے بعد آنحضرت ﷺ نے جب سعید یہودی سے اس خزانے کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ تو

جنگی اخراجات میں ختم ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے تحقیق و تفتیش کے لیے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔

کنانہ اور ربیع دونوں بھائی تھے، رسالت مآب ﷺ نے ان سے بھی پوچھا کہ تمھارے وہ زیورات اور برتن کہاں ہیں جو تم مکے والوں کو مستعار دیا کرتے تھے؟ یاد رہے مکے کے سرداروں کے ہاں جب بھی کوئی شادی وغیرہ کی تقریب ہوتی تو وہ یہودیوں سے زیورات وغیرہ مستعار منگوا لیتے تھے، اور ضرورت پوری ہونے کے بعد انھیں واپس کر دیتے تھے۔ اس خدمت کے لیے یہودی ان سے ان کا کرایہ وصول کیا کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے جب ان دونوں بھائیوں سے ان زیورات اور برتنوں کے بارے میں دریافت فرمایا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ سب چیزیں جنگی اخراجات میں ختم ہو گئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو بہت ہی قریبی زمانے کی بات ہے۔ تمھارا مال و زر بہت زیادہ تھا، اتنی جلدی کیسے ختم ہو سکتا ہے؟ اگر تم نے مجھ سے کوئی بات چھپائی اور مجھے اس کی اطلاع مل گئی تو میں تم دونوں اور تمھارے بیوی بچوں کو قتل کرنے کا حکم جاری کر دوں گا۔

انھوں نے جواب دیا: بالکل ٹھیک ہے۔ دراصل انھیں اس بات کا یقین نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع فرما دے گا، اس لیے انھوں نے جھوٹ بولا اور کہا کہ اگر ہماری بات غلط ثابت ہو تو بے شک آپ ہمیں قتل کرا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو اس جگہ کے بارے میں بتا دیا جہاں یہودیوں نے یہ خزانہ چھپا رکھا تھا۔ آپ نے ایک انصاری صحابی سے فرمایا کہ تم فلاں جگہ جاؤ، وہاں ایک باغ ہے، اس میں اپنے دائیں ہاتھ اور دوسرے قول کے مطابق بائیں ہاتھ ایک درخت کے نیچے خزانہ چھپا ہوا ہے، اسے نکال کر میرے پاس لے آؤ۔ وہ انصاری آپ ﷺ کے حکم کے مطابق وہاں گیا اور اس خزانے کو نکال کر آپ ﷺ کی خدمت میں لے آیا۔

اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک کے مطابق اس مدفون خزانے کی جگہ کی نشان دہی سعید نامی یہودی نے کی تھی اور اس دوسری روایت کے مطابق نشان دہی بذریعہ وحی الٰہی کی گئی تھی اور ایک تیسری روایت کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ خزانہ ایک خرابے سے تلاش کیا تھا۔ ان روایات میں تطبیق اس طرح دی جا سکتی ہے کہ پہلے تو اس مدفون خزانے کو تلاش کرنے کی خود ہی کوشش کی گئی، ابھی یہ خزانہ ملا نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی الٰہی اس کی خبر دے دی گئی اور پھر اسے نکال کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

یہ خزانہ سونے کے کنگنوں، بازو بندوں، پازیبوں، گلوبندوں اور بالیوں کے علاوہ زمرد اور دیگر جواہر پاروں پر

مشتمل تھا۔ اس خزانے کی قیمت کا اندازہ دس ہزار دینار لگایا گیا تھا۔

کنانہ کو سزائے موت

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کنانہ اور ایک روایت کے مطابق ابن ربیعہ بن ابی الحقیق کو لایا گیا، اس کے پاس بنونضیر کا خزانہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے اس خزانے کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اسی اثنا میں ایک یہودی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے کنانہ کو روزانہ فلاں خرابے کے چکر لگاتے ہوئے دیکھا ہے۔ کنانہ نے جب اس خزانے سے لاعلمی کا اظہار کیا تو آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا: [illegible] ''کیا خیال ہے، اگر وہ خزانہ مجھے تمھارے ہی پاس مل گیا تو میں تمھیں قتل کر دوں؟'' اس نے جواب دیا: جی ہاں۔ آنحضرت ﷺ کے حکم پر تلاش کے بعد جب خزانے کا کچھ حصہ مل گیا اور آپ ﷺ نے اس سے باقی خزانے کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے اس کے بارے میں سچی بات بتانے سے پھر انکار کر دیا۔ نبی ﷺ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس سے سختی سے تفتیش کرو۔ چنانچہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اس کے سینے کے پاس چقماق رگڑنے لگے جس سے آگ نکلتی اور اسے اپنی موت کا یقین ہو جاتا۔

بقیہ خزانے کی دستیابی کے بعد آنحضرت ﷺ نے کنانہ کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا اور انھوں نے اپنے بھائی محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے قتل کے بدلے میں اس کی گردن اڑا دی۔[1]

اس روایت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص جھوٹا ہو، اس سے سچی بات اگلوانے کے لیے اسے جسمانی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس واقعے سے یہ استدلال بھی فرمایا ہے کہ اس سنت صحیحہ سے معلوم ہوا کہ ظاہری اشارات اور صورت حال کے آثار و شواہد پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ جن پر جرائم کی تہمت ہو، انھیں سزا دی جا سکتی ہے۔ مشروط صلح جائز ہے اور شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں عہد و پیمان ٹوٹ جاتا ہے۔[2]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس واقعے سے ماخوذ حکمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو ان کے اپنے ہی ہاتھوں اور اپنے ہی کرتوتوں کے ذریعے ذلیل و رسوا کرنا چاہتا تھا کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس بات پر بھی قادر تھا کہ وہ یہودیوں کے پوشیدہ رکھے ہوئے خزانے پر اپنے رسول ﷺ کو مطلع فرما

1 السیرۃ لابن ہشام: 351/3، تاریخ الطبری: 302/2، زاد المعاد: 327،326/3، سبل الہدیٰ والرشاد: 132،131/5.
2 الطرق الحکمیۃ، ص: 30.

دیا اور آپ ﷺ اسے بزور طاقت اپنے قبضے میں لے لیتے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں حکمت و مصلحت یہ تھی کہ وہ کافروں کو خود انھی کے ہاتھوں ذلیل و خوار کرنا چاہتا تھا۔ اس واقعے کے بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے کنانہ کے چچازاد کو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور انھوں نے اسے سزا دی تو اس نے مال کی موجودگی کا اعتراف کر لیا۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب چور سے مال طلب کیا جائے تو حالتِ کراہت میں بھی اس کا اقرار درست تسلیم کیا جائے گا۔ جب اسے سزا دی جائے کہ وہ مال مسروق کا اقرار کرے، وہ اقرار کر لے اور مال بھی برآمد ہو جائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ بلاشبہ یہی موقف درست ہے کیونکہ یہ جبر و اکراہ کے باعث اقرار کی حد نہیں ہے بلکہ یہ تو مال مسروق کے برآمد ہونے کی وجہ سے لاگو ہوئی ہے جو اس کے اقرار کے نتیجے میں برآمد ہوا ہے۔[1]

غنیمت میں غلاموں اور عورتوں کا حصہ

خیبر میں شریک غلاموں اور عورتوں کو غنیمت میں سے باقاعدہ حصہ تو نہیں دیا گیا تھا، تاہم رسول اللہ ﷺ نے انھیں تھوڑا تھوڑا عطیہ ضرور مرحمت فرمایا تھا۔[2] جیسا کہ عمیر مولی آبی اللحم سے روایت ہے کہ میں بھی اپنے آقاؤں کے ساتھ خیبر میں حاضر تھا۔ انھوں نے میرے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بات کی تو آپ نے حکم دیا اور میرے گلے میں ایک تلوار لٹکا دی گئی۔ (تاکہ میں مجاہدین کے ساتھ رہ کر جنگی مہارت حاصل کروں مگر صغر سنی اور چھوٹے قد کی وجہ سے) میں نے اسے گھسیٹنا شروع کر دیا، جب آپ کو میرے بارے میں بتایا گیا کہ میں غلام ہوں تو آپ ﷺ کے حکم سے مجھے کچھ مال و متاع دے دیا گیا۔[3]

محمد بن اسحاق نے بھی لکھا ہے کہ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کچھ خواتین نے بھی شرکت کی۔ آپ نے انھیں غنیمت میں سے باقاعدہ حصہ نہیں دیا، البتہ کچھ مال و متاع ضرور عطا فرمایا۔[4]

حشرج بن زیاد نے اپنی دادی سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر ہم بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئی تھیں اور میں چھ میں سے چھٹی عورت تھی۔ نبی ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ کے ہمراہ عورتیں بھی ہیں تو آپ نے پیغام بھیج کر ہمیں بلایا۔ ہم نے آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس پر ناراضی کے آثار دیکھے۔ آپ نے فرمایا: [illegible] ''تم کیوں آئی ہو؟ تم کس کے حکم سے نکلی ہو؟'' ہم نے عرض کیا: ہم اس

1 الطرق الحکمیة، ص: 31. 2 البدایة والنهایة: 205/4. 3 سنن أبي داود، 2730، جامع الترمذي، 1557. 4 السیرة لابن هشام 356/3.

لیے نکلی ہیں کہ ہم مجاہدوں کو تیر پکڑائیں گی، ستو پلائیں گی، ہمارے پاس زخمیوں کے لیے دوا بھی ہے، ہم سوت کات کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مدد کریں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "قُومِي فَانْصَرِفِي" "کھڑی ہو جاؤ اور چلو۔" جب اللہ تعالیٰ نے خیبر فتح کرا دیا تو آپ ﷺ نے مردوں کے حصوں کی طرح ہمیں بھی حصے دیے، میں نے ان سے پوچھا: دادی جان! آپ کو کیا دیا گیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: کھجوریں۔[1]

امام ابن کثیر ؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے خواتین کو خیبر کی پیداوار میں سے حصہ دیا تھا، مردوں کی طرح زمین میں سے حصہ نہیں دیا۔[2]

سیدنا جعفر بن ابی طالب ؓ کی آمد

رسول اللہ ﷺ ابھی خیبر ہی میں تشریف فرما تھے کہ حبشہ سے سیدنا جعفر بن ابی طالب ؓ حبشہ ہجرت کرنے والے دیگر مسلمانوں اور ان کے ساتھ شامل ہونے والے اہل یمن کے ہمراہ وہاں پہنچ گئے۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ ہم یمن ہی میں تھے کہ ہمیں نبی ﷺ کے نکلنے کی خبر پہنچ گئی، چنانچہ ہم بھی آپ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکل پڑے، میرے علاوہ میرے ساتھ دو بھائی تھے۔ میں ان سے چھوٹا تھا، ایک بھائی ابوبردہ اور دوسرا ابورہم تھا۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ میری قوم کے ترپن یا باون آدمی تھے یا انھوں نے یہ کہا کہ پچاس سے کچھ اوپر افراد تھے۔ ہم کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی نے ہمیں نجاشی کے پاس حبشہ پہنچا دیا۔ وہاں ہماری جعفر بن ابی طالب ؓ سے ملاقات ہوئی۔ ہم انھی کے پاس ٹھہر گئے حتی کہ ہم سب اکٹھے ہی آئے اور نبی ﷺ سے ہماری ملاقات اس وقت ہوئی جب آپ ﷺ نے خیبر فتح کر لیا تھا۔ کچھ لوگ ہم کشتی والوں سے کہا کرتے تھے کہ ہم تم سے ہجرت میں سبقت رکھتے ہیں۔ اسماء بنت عمیس ..... ہمارے ساتھ ہی آئی تھیں ..... وہ نبی ﷺ کی زوجہ سیدہ حفصہ ؓ سے ملاقات کے لیے آئیں، وہ بھی ان لوگوں میں سے تھیں جنھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ سیدنا عمر ؓ بھی حفصہ ؓ کے پاس آئے ..... اسماء ؓ انھی کے پاس بیٹھی تھیں ..... سیدنا عمر ؓ نے سیدہ اسماء ؓ کو دیکھا تو پوچھا: یہ کون ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ یہ اسماء بنت عمیس ؓ ہیں۔ سیدنا عمر ؓ نے کہا: کیا یہ حبشیہ ہیں؟ کیا یہ سمندر میں سفر کرنے والی ہیں؟ سیدہ اسماء ؓ نے جواب دیا: جی ہاں۔ اس پر سیدنا عمر ؓ نے کہا کہ ہم ہجرت میں تم سے سبقت رکھتے ہیں، لہٰذا تمھاری نسبت ہم رسول اللہ ﷺ کے زیادہ حق دار ہیں۔ (یہ بات سن کر) وہ ناراض ہو گئیں۔ کہنے لگیں: ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! تم تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، رسول اللہ ﷺ تمھارے بھوکے

1 مسند احمد: 371/6، سنن ابی داود: 2729. یہ روایت ضعیف ہے۔ 2 البدایۃ والنہایۃ: 206/4

کو کھانا کھلاتے اور تمھارے جاہل کو وعظ و نصیحت فرماتے تھے، جب کہ ہم حبشہ کی دور دراز ناپسندیدہ زمین میں تھے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے تھا۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت تک کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی جب تک رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر نہ کرلوں جو آپ نے کی ہے۔ ہمیں تو ایذا پہنچائی جاتی تھی اور ڈرایا جاتا تھا۔ میں یہ بات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کرکے آپ سے پوچھوں گی اور اللہ کی قسم! میں جھوٹ بولوں گی، نہ انحراف کروں گی، نہ کچھ اضافہ کروں گی۔

جب نبی ﷺ تشریف لائے تو اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے نبی! عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی ہے۔ نبی ﷺ نے پوچھا: «فَمَا قُلْتِ لَهُ؟» ''پھر تم نے انھیں کیا جواب دیا؟'' انھوں نے کہا کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے فلاں فلاں باتیں کی ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ بِأَحَقَّ بِي مِنْكُمْ، وَلَهُ وَلِأَصْحَابِهِ هِجْرَةٌ وَاحِدَةٌ، وَلَكُمْ أَنْتُمْ أَهْلَ السَّفِينَةِ هِجْرَتَانِ»

''وہ تمھاری نسبت میرے زیادہ حق دار نہیں ہیں، ان کے لیے اور ان کے ساتھیوں کے لیے ایک ہجرت ہے، جب کہ تم کشتی والوں کے لیے دو ہجرتیں ہیں۔''

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پھر تو ابوموسیٰ اور کشتی والے میرے پاس فوج در فوج آکر اس حدیث کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ اس سے اس قدر خوش ہوئے کہ اس کے مقابلے میں وہ دنیا کی اور کسی چیز سے خوش نہ تھے اور ان کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی شرف نہ تھا۔ ابوبردہ نے کہا کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ مجھ سے بار بار یہ حدیث سنا کرتے تھے۔[1]

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں فتح خیبر کے بعد حاضر ہوئے۔ آپ نے مالِ غنیمت میں سے ہمیں بھی حصہ دیا۔ آپ ﷺ نے ہمارے سوا کسی اور کو جو خیبر میں حاضر نہیں ہوا، حصہ نہیں دیا۔[2]

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام دے کر نجاشی کے پاس بھیجا کہ آپ کے اصحاب میں سے اب تک جو حبشہ میں باقی ہیں، انھیں بھی بھیج دیا جائے۔ یہ صحابہ کرام سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں اس وقت واپس آئے جب نبی ﷺ نے خیبر فتح کرلیا تھا۔ ابن ہشام نے بروایت شعبی ذکر کیا ہے کہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس خیبر کے دن پہنچے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، انھیں گلے لگایا اور فرمایا:

1 صحیح البخاري: 4231,4230. 2 صحیح البخاري: 4233.

[illegible]

”معلوم نہیں مجھے کس بات کی زیادہ خوشی ہے، فتح خیبر کی یا جعفر رضی اللہ عنہ کے آنے کی؟“[1]

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے اسمائے گرامی

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ اہل مکہ میں سے جو حضرات حبشہ میں پیچھے رہ گئے تھے اور وہ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خیبر آئے۔ ان کی تعداد سولہ تھی۔ ان کے اور ان کی بیوی بچوں کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

1 جعفر بن ابی طالب ہاشمی، آپ کی بیوی اسماء بنت عمیس اور آپ کا بیٹا عبداللہ جو حبشہ ہی میں پیدا ہوا تھا۔ 2 خالد بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبدشمس، آپ کی بیوی اُمینہ بنت خلف بن اسعد اور بیٹا سعید اور بیٹی امہ، یہ دونوں حبشہ میں پیدا ہوئے تھے۔ 3 عمرو بن سعید بن عاص، ان کی زوجہ فاطمہ بنت صفوان بن امیہ حبشہ ہی میں وفات پا گئی تھیں۔ 4 معیقیب بن ابی فاطمہ، یہ بھی آل سعید بن عاص کے حلیف تھے۔ 5 ابوموسیٰ اشعری عبداللہ بن قیس، یہ آل عتبہ بن ربیعہ کے حلیف تھے۔ 6 اسود بن نوفل بن خویلد بن اسد الاسدی۔ 7 جہم بن قیس بن عبد شرحبیل عبدری، آپ کی بیوی ام حرملہ بنت عبدالاسود حبشہ میں فوت ہوگئی تھیں، ان کا بیٹا عمرو اور بیٹی خزیمہ بھی حبشہ میں فوت ہوگئے تھے۔ 8 عامر بن ابی وقاص زہری۔ 9 عتبہ بن مسعود۔ 10 حارث بن خالد بن صخر تیمی، ان کی بیوی ریطہ بنت حارث وہیں فوت ہوئی تھیں۔ 11 عثمان بن ربیعہ بن اُہبان جمحی۔ 12 محمیہ بن جزء زبیدی۔ 13 معمر بن عبداللہ بن نضلہ عدوی۔ 14 ابوحاطب بن عمرو بن عبدشمس عامری۔ 15 مالک بن ربیعہ بن قیس بن عبدشمس عامری، ان کے ساتھ ان کی بیوی عمرہ بنت سعدی بھی تھیں۔ 16 حارث بن عبدقیس بن لقیط فہری۔ رضی اللہ عنہم[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ آنے والے اشعریوں، یعنی ان کے دونوں بھائیوں ابوبردہ، ابورہم اور ان کے چچا ابو عامر کا ذکر نہیں کیا بلکہ اشعریوں میں سے انھوں نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی

مسجد جعفر بن ابی طالب (معان)



1 السیرۃ لابن ہشام: 3/4، السنن الکبرٰی للبیہقی: 101/7. 2 السیرۃ لابن ہشام: 3/4-5

کا بھی ذکر نہیں کیا، ان کے دونوں بھائیوں کا بھی ذکر نہیں کیا، حالانکہ ان کا ذکر صحیح البخاری میں موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اس بارے میں حدیث ابی موسیٰ کا علم نہیں ہو سکا، البتہ انھوں نے دونوں کشتیوں میں سوار مسلمانوں کی ان عورتوں کا ذکر کیا ہے جن کے شوہر حبشہ میں فوت ہو گئے تھے۔[1]

سیدنا ابوہریرہ اور ابان بن سعید رضی اللہ عنہما کے مابین نوک جھونک

عنبسہ بن سعید سے روایت ہے کہ انھوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو بتا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابان کو مدینہ سے نجد کی طرف ایک سریہ میں بھیجا، پھر ابان اور ان کے ساتھی خیبر فتح ہو جانے کے بعد نبی ﷺ کے پاس آئے۔ ان کے گھوڑوں کی پٹیاں (ڈوریں) کھجور کے درخت کی چھال سے بنی ہوئی تھیں۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! انھیں مال غنیمت کی تقسیم کے وقت حصہ مت دیجیے۔ ابان نے ازراہ طعن کہا: یہ بات تو کہتا ہے اے وبر! جو جنگلی بیری کی چوٹی سے نیچے اتر آیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ابان! بیٹھ جاؤ۔'' پھر آپ نے انھیں مال غنیمت میں سے حصہ بھی نہیں دیا۔[2]

اسی طرح سعید بن عمرو بن سعید بن عاص سے بھی روایت ہے کہ ابان بن سعید رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ ابن قوقل[3] کا قاتل ہے۔ ابان نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: تعجب ہے تجھ پر اے وبر! جو ضان پہاڑی سے اتر آیا ہو، تو مجھ پر ایک ایسے شخص کی موت کا الزام لگاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ سے عزت بخشی اور اسے اس امر سے روک دیا کہ وہ اپنے ہاتھ سے مجھے ذلیل کرتا۔[4]

خود سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فتح خیبر کے بعد حاضر ہوا، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی (مال غنیمت سے) حصہ عطا فرمائیں۔ آل سعید بن عاص میں سے بعض نے کہا: انھیں حصہ عطا نہ فرمائیں، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ ابن قوقل کا قاتل ہے۔۔۔[5]

امام احمد رحمہ اللہ نے بھی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ وہ فتح خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے تھے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں سے بات کر کے انھیں بھی مال غنیمت میں شریک فرما لیا۔[6]

1 الإصابة: 208/4. 2 صحيح البخاري: 4238، سنن أبي داود: 2723. 3 ابن قوقل سے مراد النعمان بن مالک بن ثعلبہ بن اصرم انصاری اوسی ہیں۔ قوقل ثعلبہ یا اصرم کا لقب ہے۔ ابن قوقل احد کے دن شہید ہوئے تھے اور انھیں ابان بن سعید بن عاص نے قتل کیا تھا۔ سعید بن عاص کے ایک بیٹے سے یہی مراد ہیں اور ابان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ (فتح الباري: 41/6)
4 صحيح البخاري: 4239. 5 صحيح البخاري: 2827. 6 مسند أحمد: 346،345/2.

امانت میں خیانت حرام ہے

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر فتح کیا ۔ ۔ ۔ پھر ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں وادی القریٰ کی طرف گئے تو آپ کے ساتھ ایک غلام بھی تھا جسے مِدْعَم کہا جاتا تھا۔ بنوضُبَیب میں سے کسی نے یہ غلام آپ کو ہدیہ کیا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی سواری سے سامان اتار رہا تھا کہ ایک گمنام تیر آیا جس نے اس کا کام تمام کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ اسے شہادت مبارک ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَلْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَصَابَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا»

”ہرگز نہیں! اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ چادر جو اس نے خیبر کے دن (مال غنیمت کی) تقسیم سے قبل حاصل کر لی تھی، اس پر آگ کے شعلے بن کر برس رہی ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سن کر ایک شخص ایک یا دو تسمے لے آیا اور عرض کیا: یہ میں نے لے لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ”(جوتے کے) ایک یا دو تسمے بھی آتشِ دوزخ کا سبب بنیں گے۔“[1]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ خیبر کے دن کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لائے اور کہنے لگے کہ فلاں شہید ہے، فلاں شہید ہے حتی کہ ایک شخص کے بارے میں کہنے لگے کہ وہ بھی شہید ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كَلَّا إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا أَوْ عَبَاءَةٍ»

”ہرگز نہیں! کیونکہ میں نے اسے اس چادر یا عبا کی وجہ سے جہنم میں دیکھا ہے جس کی اس نے خیانت کی تھی۔“

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! اذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ: إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ»

”ابن خطاب! جاؤ لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے باہر نکل کر یہ اعلان کر دیا: (لوگو) خبردار! جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔[2]

خیبر کے موقع پر نبی ﷺ نے سختی سے منع فرما دیا تھا کہ کوئی مجاہد تقسیم سے قبل مال غنیمت میں سے کچھ نہ لے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس فرمان نبوی کی پوری پوری تعمیل کی، البتہ واقدی نے لکھا ہے کہ فروہ بن عمرو کی

1 صحیح البخاري، 4234 و 6707 2 صحیح مسلم، 114.

غنیمتوں کو فروخت کرنے کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔ انھوں نے دھوپ سے بچنے کے لیے اپنے سر پر مال غنیمت میں سے ایک پٹی باندھ لی۔ جب وہ گھر جانے لگے تو اسے سر سے اتارنا بھول گئے۔ گھر جا کر انھیں یاد آیا تو انھوں نے واپس آ کر اسے اتار پھینکا اور اس بات کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو بھی دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عصابة من نار عصبت بها رأسك

''یہ پٹی جو تم نے اپنے سر پر باندھی تھی، یہ بھی آتشِ دوزخ میں لے جاتی۔''

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے مال فے میں سے کچھ دیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لا يحل لي من الفيء خيطة ولا مخيط لا آخذ ولا أعطي

''میرے لیے مال فے میں سے سوئی دھاگا بھی حلال نہیں، اس لیے (تقسیم سے قبل) میں اس میں سے کچھ لیتا ہوں، نہ دیتا ہوں۔''

اسی طرح ایک شخص نے آپ سے رسی کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اموال غنیمت کو تقسیم ہو لینے دو، پھر میں رسی اور اگر تم چاہو تو رسہ دے دوں گا۔''

خاندان اشجع میں سے ایک شخص فوت ہو گیا۔ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کے فوت ہونے کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: صلوا على صاحبكم ''تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ خود پڑھ لو۔'' یہ سن کر لوگوں کے چہرے افسردہ ہو گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إن صاحبكم غل في سبيل الله» ''تمھارے ساتھی نے اللہ کے رستے میں جہاد کرتے ہوئے مال غنیمت میں خیانت کی تھی۔'' زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو اس سے ایک ستالی (چمڑے میں چھید کرنے کا آلہ) نکلی جس کی قیمت دو درہم بھی نہ تھی۔[1] یاد رہے کہ کھانے پینے کی چیزیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ پیچھے تفصیل سے آ چکا ہے۔

ہم یہاں قارئین کرام کی خدمت میں یہ عرض کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ہمارے دین میں امانت و دیانت کو لازم پکڑنے اور بددیانتی و خیانت سے اجتناب پر بہت زور دیا گیا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے واضح ہے مگر افسوس صد افسوس، مسلمان امانت و دیانت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں اور خیانت و بددیانتی کی وبا پھیلتی جا رہی ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے منافق کی علامات میں سے خیانت کو بھی ایک علامت قرار دیا ہے۔[2]

1 المغازي للواقدي: 147،146/2 2 صحيح البخاري: 34

مال غنیمت میں غائب لوگوں کی شرکت

آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ان لوگوں کو مال غنیمت میں شریک نہیں فرماتے تھے جنھوں نے معرکے میں شرکت نہ کی ہو لیکن آپ ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر ان آٹھ آدمیوں کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ دیا جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ آپ کے حکم سے دیگر فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ اسی طرح خیبر کی غنیمتوں میں سے آپ ﷺ نے کچھ ایسے لوگوں کو بھی حصہ دیا تھا جو اس معرکے میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ ایسا اس لیے کیا گیا کہ خیبر کی غنیمتیں اہل حدیبیہ کے لیے مخصوص تھیں، چاہے وہ خیبر میں حاضر تھے یا غائب کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا:

﴿وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ﴾

''اللہ نے تم سے بہت سے اموال غنیمت کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انھیں حاصل کرو گے، چنانچہ اس نے جلد ہی وہ تمھیں عطا کر دیے۔''

اس آیت کریمہ میں خیبر کی غنیمتوں کی طرف اشارہ ہے، اس لیے اہل حدیبیہ میں سے جو لوگ اس موقع پر موجود نہیں بھی تھے آپ ﷺ نے انھیں بھی حصہ دیا۔ ان حضرات کے نام یہ ہیں: مری بن سنان، ایمن بن عبید، سباع بن عرفطہ غفاری، جابر بن عبداللہ اور کئی دیگر صحابہ۔ جبکہ ان میں سے دو فوت ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ نے اہل فدک کی طرف آنے جانے والے اپنے قاصدوں محیصہ بن مسعود حارثی وغیرہ کو بھی حصہ دیا۔ ان تین بیمار مجاہدوں کو بھی حصہ دیا جو اپنی بیماری کے باعث میدان کارزار میں پہنچنے سے معذور رہے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: سوید بن نعمان، عبداللہ بن سعد بن خیثمہ اور بنو خطامہ میں سے ایک شخص۔ اسی طرح اس غزوے میں شہید ہونے والے مسلمانوں کا حصہ بھی (اُن کے اہل خانہ) کو مرحمت فرما دیا تھا۔[1]

بنوفزارہ کا مطالبہ مسترد ہو گیا

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے موسیٰ بن عقبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ بنوفزارہ اہل خیبر کے پاس آئے تا کہ ان کی مدد کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے پیغام بھیج کر انھیں ان کی مدد کرنے سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ خیبر سے نکل جاؤ، تمھیں خیبر کے مال غنیمت سے حصہ دیا جائے گا لیکن انھوں نے آپ کی پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیبر پر فتح عطا فرما دی تو بنوفزارہ کے جو لوگ اس وقت خیبر میں موجود تھے، وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور

1 المغازي للواقدي: 2/148

کہنے لگے کہ آپ نے جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: ''تمھیں ذوالرقیبہ ملے گا۔'' یہ خیبر کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ تھا۔ انھوں نے کہا: ہم آپ سے جنگ کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''فلاں وقت جنگ کے لیے آجاؤ۔'' جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو دم دبا کر بھاگ گئے۔[1]

واقدی نے لکھا ہے کہ ابوشُیَیم مزنی جو شرف بہ اسلام ہو گئے تھے نے بیان کیا کہ جب ہم نے عیینہ بن حصن کے ساتھ اپنے اہل و عیال کی طرف کوچ کیا اور وہاں پہنچے تو وہ سب خیر و عافیت سے تھے، چنانچہ عیینہ ہمیں لے کر واپس آ گیا۔ خیبر پہنچنے سے پہلے ہم نے حطام نامی جگہ پر رات کو پڑاؤ ڈالا تو ہم گھبرا گئے۔ عیینہ نے کہا کہ تمھارے لیے بشارت ہے کہ میں نے آج رات خواب میں یہ دیکھا ہے کہ مجھے خیبر کا پہاڑ ذوالرقیبہ عطا کیا گیا ہے اور اس کی تعبیر یہ ہے کہ واللہ! میں نے محمد (ﷺ) کی گردن پکڑ لی ہے۔ جب ہم خیبر میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ خیبر فتح کر چکے تھے اور آپ ﷺ وہاں کا مال غنیمت حاصل کر چکے تھے۔ عیینہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے محمد! آپ نے میرے حلیفوں سے جو مالِ غنیمت حاصل کیا ہے، اس میں سے مجھے بھی حصہ دیں۔ میں آپ سے پیچھے ہٹ کر لوٹ گیا تھا اور ہم نے آپ کے لیے میدان خالی کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے جو چیخ پکار سنی تھی، اس نے تجھے اپنے اہل و عیال کے پاس لوٹ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔'' اس نے پھر کہا: اے محمد! مجھے کچھ دے دیجیے۔ آپ نے فرمایا: لک ذو الرقیبہ ''تیرے لیے ذوالرقیبہ ہے۔'' اس نے پوچھا: ذوالرقیبہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: الجبل الذی رأیت فی منامک أنک أخذتہ ''وہی پہاڑ جس کے بارے میں تو نے خواب میں دیکھا تھا کہ تو نے اسے پکڑ لیا ہے۔'' یہ سن کر عیینہ واپس چلا گیا۔[2]

ابورافع یہودی کی حقیقت شناسی اور حسد

جب عیینہ اپنے اہل و عیال کے پاس پہنچا تو اس سے حارث بن عوف ملنے آیا۔ اس نے کہا: کیا میں نے پہلے ہی تجھ سے یہ نہیں کہا تھا کہ تو غلط اندازے لگا رہا ہے۔ اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) ہر اس علاقے پر غالب آ جائیں گے جو مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ یہود اس بارے میں ہمیں بتایا کرتے تھے، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ابورافع سلام بن ابی الحقیق کو بیان کرتے ہوئے سنا تھا کہ ہم محمد (ﷺ) سے نبوت کی وجہ سے حسد کرتے ہیں۔ ہمیں صدمہ ہے کہ نبوت بنی ہارون کے گھرانے سے نکل گئی ہے، محمد (ﷺ) نبی مرسل ہیں لیکن یہود میری بات تسلیم نہیں کرتے، ہمیں ان کے ہاتھوں دو بار ذبح ہونا پڑے گا، ایک بار یثرب میں اور دوسری بار خیبر میں۔

1 زاد المعاد: 334/3. 2 المغازی للواقدی: 142/2، 143.

حارث نے کہا کہ میں نے سلام سے پوچھا: کیا وہ ساری زمین کے مالک بن جائیں گے؟ اس نے جواب دیا: ہاں! اس تورات کی قسم جو موسیٰ پر نازل کی گئی اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ یہود کو محمد ﷺ کے بارے میں میری یہ تصدیق و گواہی معلوم ہو جائے۔[1]

یہود کو خیبر میں رہنے کی اجازت

معاہدے کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے جب یہودیوں کو خیبر سے جلاوطن کرنا چاہا تو انھوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کی کہ اے محمد! خیبر کی زمینوں کو ہم ہی زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں، لہٰذا آپ ہمیں اجازت عطا فرما دیں کہ ہم ان میں آپ کے لیے کام کریں اور آپ ﷺ ہمیں اس کام کی اجرت کے طور پر پیداوار کا نصف حصہ عطا فرما دیا کریں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرما لی۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

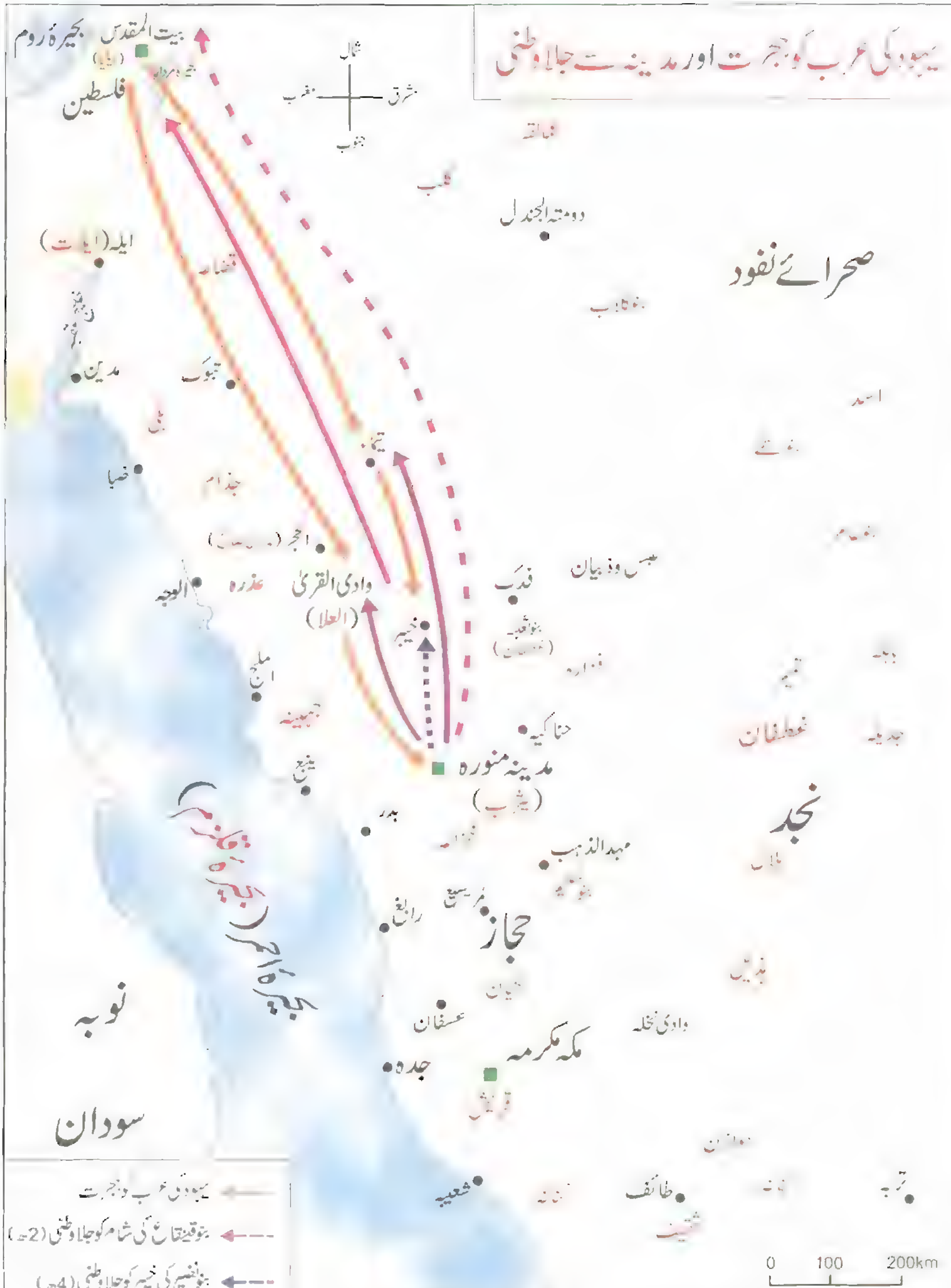
أَعْطَى النَّبِيُّ ﷺ خَيْبَرَ الْيَهُودَ أَنْ يَعْمَلُوهَا وَيَزْرَعُوهَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا.

''نبی ﷺ نے خیبر یہودیوں کو دے دیا تھا تاکہ وہ اس میں کام کریں، کھیتی باڑی کریں، اور انھیں پیداوار کا نصف حصہ دیا جائے۔''[2]

یہود خیبر کی جلاوطنی شرط لازم تھی

رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو خیبر میں برقرار رکھا تاکہ وہ اپنی جان اور مال بروئے کار لا کر کام کریں اور انھیں کھیتی اور پھلوں کی تمام پیداوار میں سے نصف حصہ دیا جائے گا اور مسلمان جب تک چاہیں گے، انھیں برقرار رکھیں گے، چنانچہ وہ اسی طرح کام کرتے رہے حتی کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی وہ اسی طرح کام کرتے رہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر خیبر کے یہودیوں نے شدید تشدد کیا، تو آپ نے انھیں خیبر سے جلاوطن کرنے کا حکم دے دیا۔[3] یاد رہے رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ جو معاہدہ فرمایا تھا، اس میں بھی واضح طور پر یہ لکھا گیا تھا کہ مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ جب چاہیں یہودیوں کو جلاوطن کر سکیں گے، جیسا کہ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہودیوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: ہم خیبر کو زیادہ جانتے

1 زادالمعاد:3/334،335. 2 صحیح البخاري:4248 و 2730. 3 البدایة والنهایة:4/219-220.



یہودی عرب کی ہجرت اور مدینہ سے جلاوطنی
بیت المقدس
بحیرۂ روم
فلسطین
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
دومۃ الجندل
صحرائے نفود
ایلہ (ایلات)
مدین
تبوک
ضبا
جذام
تیماء
الحجر
العجہ
عذرہ
وادی القریٰ
(العلا)
فدک
عبس وذبیان
خیبر
حناکیہ
غطفان
مدینہ منورہ
(یثرب)
ینبع
نجد
بدر
مہد الذہب
رابغ
حجاز
بحیرہ احمر
نوبہ
عسفان
وادی نخلہ
مکہ مکرمہ
جدہ
سودان
شعیبہ
طائف
تربہ
0
100
200km
یہودی عرب کی ہجرت
بنو قینقاع کی شام کو جلاوطنی (2ھ)
بنو نضیر کی خیبر کو جلاوطنی (4ھ)

اور اسے زیادہ آباد رکھ سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے نصف پیداوار پر مصالحت فرمائی اور فرمایا کہ ہم جب تمھیں خیبر سے نکالنا چاہیں گے تو نکال دیں گے۔[1]

یہودیوں کے اموال پر دست درازی کی ممانعت

نبی اکرم ﷺ نے جب یہودیوں کے ساتھ مساقاۃ (آبپاشی) اور مزارعت کا معاہدہ کر لیا اور انھیں امان دے دی تو مسلمانوں نے ان کے کھیتوں اور باغوں میں جانا شروع کر دیا۔ یہودیوں نے اس کی رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ لشکرِ اسلام ابھی تک خیبر ہی میں فروکش تھا۔ جب تمام مسلمان جمع ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا: ”یہودیوں نے شکایت کی ہے کہ تم ان کے کھیتوں میں جاتے ہو، حالانکہ ہم نے ان کے خون، ان کے اموال اور ان کی زمینوں وغیرہ کو امن دے رکھا ہے کیونکہ ہم نے ان سے (مزارعت کا) معاملہ کر لیا ہے، لہٰذا معاہدین کے اموال ان کی اجازت کے بغیر حلال نہیں ہیں۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ کے فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اس کے بعد وہ خیبر کی زمینوں کے کسی پھل کو ہاتھ تک نہیں لگاتے تھے، بلکہ انھوں نے اس قدر احتیاط کا مظاہرہ فرمایا کہ اگر کوئی یہودی کسی مسلمان کو بلا قیمت پھل وغیرہ دینا چاہتا تو وہ مسلمان اسے قیمت ادا کیے بغیر ہرگز قبول نہ کرتا۔[2]

ایک حبشی غلام کا قبولِ اسلام اور شہادت

موسیٰ بن عقبہ نے ایک حبشی غلام کا واقعہ روایت کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان اور شہادت سے بیک وقت سرفراز فرمایا۔ واقعہ اس طرح ہے کہ اہل خیبر میں سے ایک حبشی غلام نے جو اپنے آقا کی بکریاں چرانے کے لیے جا رہا تھا، اس نے جب اہل خیبر کو اس حالت میں دیکھا کہ انھوں نے ہتھیار اٹھا رکھے ہیں، تو اس نے پوچھا: تم لوگوں کے کیا ارادے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہم اس شخص سے جنگ کرنا چاہتے ہیں جو نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ نبی ﷺ کے ذکر پر وہ چونکا اور بکریوں سمیت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا: آپ کیا کہتے ہیں اور کس کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَدْعُو إِلَى الْإِسْلَامِ وَأَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ وَأَنْ لَا تَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ»

”میں اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں، یہ کہ تم شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں محمد

1 صحیح البخاري: 2338، جوامع السیرۃ، ص: 213، الکامل في التاریخ: 102/2۔ 2 المغازي للواقدي: 154,153/2

اللہ کا رسول ہوں، اور یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔“

غلام نے عرض کی: اگر میں یہ شہادت دے دوں اور اللہ پر ایمان لے آؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

لك الجنة إن مت على ذلك

”اگر اسی دین پر تمھاری موت واقع ہو جائے تو تمھیں جنت ملے گی۔“

وہ غلام مسلمان ہو گیا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میرے پاس یہ بکریاں امانت ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أخرجها من عسكرنا وارمها بالحصباء فإن الله سيؤدي عنك أمانتك»

”انھیں ہمارے لشکر سے باہر نکال کر کنکریاں مار کر بھگا دو، اللہ تعالیٰ تمھاری طرف سے امانت پہنچا دے گا۔“

اس نے اسی طرح کیا تو بکریاں اپنے مالک کے پاس لوٹ گئیں۔ یوں یہودی کو بھی معلوم ہو گیا کہ اس کا غلام مسلمان ہو گیا ہے۔

اس کے بعد موسیٰ بن عقبہ نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پرچم عطا فرمانے اور علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مرحب کے قتل کے واقعات بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ غلام بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جہاد کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ مسلمان اسے اٹھا کر اپنے کیمپ میں لے آئے اور اسے ایک خیمے میں رکھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے خیمے میں دیکھا اور پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

[illegible] الإسلام [illegible] رأيت عند

[illegible]

”اللہ تعالیٰ نے اس غلام کو عزت عطا فرمائی اور اسے خیر و بھلائی کی طرف پہنچا دیا۔ اس نے دل و جان سے اسلام قبول کیا تھا۔ میں نے اس کے سرہانے موٹی موٹی آنکھوں والی دو حوریں دیکھی ہیں۔“[1]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے غالباً اسی غلام کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں ایسا آدمی ہوں کہ میرا رنگ کالا ہے، چہرہ ناگوار ہے، بدبودار ہوں، میرے پاس مال بھی نہیں۔ اگر میں ان یہودیوں سے قتال کرتے ہوئے مارا جاؤں تو کیا میں جنت میں جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں!“ یہ سن کر وہ آگے بڑھا، اس نے قتال کیا حتی کہ وہ شہید ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ

1 دلائل النبوة للبيهقي: 4/219، 220، البداية والنهاية: 4/192، 193.

اس کی لاش کے پاس تشریف لائے، آپ ﷺ نے فرمایا:

لقد أحسن الله وجهك وطيب روحك وكثر مالك

''اللہ تعالیٰ تمھارے چہرے کو حسین بنا دے، تمھاری بو کو خوشبو بنا دے اور تمھارے مال کو زیادہ کر دے۔''

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

[illegible]

''میں نے اس کی موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں میں سے دو بیویوں کو دیکھا، وہ اس کا جبہ اتار رہی اور اس کی جلد اور جبے کے درمیان داخل ہو رہی تھیں۔''[1]

شہادت سے مطلوب ومقصود مومن

امام بیہقی ؒ نے شداد بن الہاد ؓ سے روایت کیا ہے کہ اعراب میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے اسلام قبول کیا اور آپ کی اتباع اختیار کر لی۔ اس نے عرض کیا: میں آپ کے ساتھ ہجرت کروں گا۔ آپ نے بعض صحابہ کو اس کے بارے میں وصیت فرمائی۔ جب غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کو مال غنیمت حاصل ہوا تو آپ نے اسے تقسیم فرما دیا اور اس میں سے اس کا حصہ نکال کر صحابہ کے سپرد کر دیا کیونکہ یہ صحابہ کرام کی سواری کے جانور چراتا تھا۔ جب یہ شخص جانوروں کو واپس لے کر آیا تو صحابہ کرام ؓ نے اسے اس کا حصہ دے دیا۔ اس نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ مال غنیمت کا وہ حصہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے تمھیں عطا فرمایا ہے۔ وہ اپنا حصہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں نے اس مال کے لیے تو آپ کی اتباع نہیں کی تھی۔ میں نے تو آپ کی اتباع اس لیے کی تھی کہ مجھے اس جگہ تیر لگے ... یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا اور کہا میں اس تیر کی ضرب سے شہید ہونا چاہتا ہوں تاکہ جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: إن تصدق الله يصدقك ''اگر تم اللہ تعالیٰ سے سچ کہتے ہو تو وہ تمھیں سچا ثابت کر دکھائے گا۔'' پھر صحابہ کرام ؓ دشمن سے جنگ کے لیے اٹھے تو وہ بھی اٹھا اور دشمن سے لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔ اس کی لاش اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے لائی گئی، اسے اسی جگہ تیر لگا تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ وہی ہے؟'' صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: صدق الله فصدقه ''اس نے اللہ سے سچ کہا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اسے سچا ثابت کر دکھایا۔'' نبی اکرم ﷺ نے اسے

1 دلائل النبوة للبيهقي: 221/4

اپنے جبہ مبارک میں کفن دیا، پھر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ میں آپ نے یہ دعا بھی مانگی:

اللّٰهُمَّ! هٰذَا عَبْدُكَ خَرَجَ مُهَاجِرًا فِي سَبِيلِكَ فَقُتِلَ شَهِيدًا، أَنَا عَلَيْهِ شَهِيدٌ

''اے اللہ! تیرا یہ بندہ تیرے رستے میں ہجرت کے لیے نکلا، شہید کے طور پر قتل ہوا۔ میں بھی اس پر گواہ ہوں۔''[1]

فدک کے یہودیوں نے اطاعت قبول کرلی

جب رسول اللہ ﷺ خیبر کے سامنے پہنچے تو آپ نے سیدنا محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فدک کی بستی والوں کے پاس بھیجا تا کہ وہ انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں لیکن فدک کے یہودیوں کو یقین تھا کہ مسلمان خیبر کو کبھی فتح نہیں کرسکیں گے، لہٰذا انھوں نے اسلام کی دعوت قبول کرنے کے بارے میں لیت ولعل سے کام لیا اور محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوئی واضح جواب نہیں دیا، وہ اس انتظار میں تھے کہ مسلمانوں پر یہودیوں کے غلبہ اور کامیابی کی خبریں آجائیں تا کہ وہ اسلام قبول کرنے سے علی الاعلان صاف انکار کردیں لیکن جب انھیں اپنی توقعات کے برعکس یہ خبر پہنچی کہ قلعہ ناعم کے یہودیوں کو جو کہ سب سے طاقتور یہودی تھے، شکست ہوچکی ہے تو ان کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ محیصہ رضی اللہ عنہ کی منتیں کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ہم نے تم سے جو باتیں کی ہیں، انھیں چھپائے رکھنا کسی پر ظاہر نہ کرنا، ہم تمھیں اس کے بدلے یہ زیورات دے دیں گے

باغ فدک



محیصہ رضی اللہ عنہ کو رشوت کا لالچ دینے کے لیے انھوں نے اپنی عورتوں کے بہت سے زیورات جمع کر لیے مگر انھوں نے ان کی اس پیش کش کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے جو جو باتیں کی ہیں وہ میں بلا کم و کاست رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کردوں گا۔ بہرحال فدک کے یہودیوں نے سیدنا محیصہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے قائد نون بن یوشع کی قیادت میں ایک وفد بھی روانہ کیا۔ محیصہ رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کی طرف سے کی جانے والی تمام باتوں کی رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دے دی۔ اور یہود فدک نے اپنی نصف زمین دینے کے معاہدے پر صلح کرلی۔

1 دلائل النبوة للبيهقي: 222/4، سنن النسائي: 1955، البداية والنهاية: 193/4

معاہدۂ فدک کی شرائط

مؤرخین میں اس امر پر اختلاف ہے کہ فدک کے یہودیوں سے کن شرائط پر مصالحت ہوئی تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ مصالحت کے لیے شرط یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ان کی جان بخشی کرکے انھیں جلاوطن فرما دیں گے اور یہودی اپنے سارے اموال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ پیشکش قبول فرمائی تھی۔

بعض مؤرخین کے بقول انھوں نے یہ پیشکش کی تھی کہ وہ اپنے علاقے سے نکل جاتے ہیں، مگر نبی ﷺ کو اپنے اموال میں سے کچھ نہیں دیں گے، جب فصلوں اور پھلوں کی کٹائی کا وقت آئے گا تو وہ خود آکر کٹائی کریں گے لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس شرط کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔

کچھ مؤرخین کا کہنا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب ان کی مذکورہ بالا شرط قبول کرنے سے انکار فرما دیا تو انھوں نے میدان میں مقابلہ کرنے کا پروگرام بنالیا۔ سیدنا محیصہ رضی اللہ عنہ نے انھیں خبردار کرتے ہوئے کہا کہ تم میں مقابلے کی تاب نہیں ہے، تمھارے پاس مقابلہ کرنے والے آدمی ہیں نہ قلعے۔ رسول اللہ ﷺ نے اگر اپنے ایک سو جانباز بھی بھیج دیے تو وہ تمھیں ہانک لے جائیں گے۔ سیدنا محیصہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر وہ گھبرا گئے اور صلح پر آمادہ ہوگئے، رسول اللہ ﷺ نے اس شرط پر ان سے صلح کی کہ فدک کی نصف زمین تمھاری ہوگی اور نصف ہماری۔[1]

یوں لشکر کشی کے بغیر ہی رسول اللہ ﷺ اور فدک کے یہودیوں کے مابین مصالحت ہوگئی۔ مصالحت کی شرائط کے مطابق فدک کی نصف زمین مسلمانوں کے پاس اور نصف یہودیوں کے پاس رہی حتی کہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خیبر کے یہودیوں اور ان کے ساتھ ہی فدک کے یہودیوں کو بھی جلاوطن کیا تو آپ نے فدک کی زمینوں کی قیمت کا اندازہ لگانے کے لیے معاشیات کے ماہر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فدک روانہ فرمایا تو انھوں نے فدک کی تمام اراضی اور زرعی زمینوں کی قیمت کا جو اندازہ لگایا، اس کا نصف آپ نے فدک کے یہودیوں کو دے دیا تھا جو پچاس ہزار درہم سے بھی زیادہ تھا۔ پھر آپ نے انھیں خیبر کے یہودیوں کے ساتھ ہی شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔[2]

باغ فدک کا مسئلہ

فدک اور بنونضیر کے وہ اموال جو مسلمانوں کی طرف سے بغیر کسی جد و جہد اور اونٹ یا گھوڑے دوڑائے بغیر ہی حاصل ہوگئے تھے، وہ سب رسول اللہ ﷺ ہی کے لیے خاص تھے۔ آپ ﷺ ان سے اپنے اہل و عیال کو ایک

1 الكامل في التاريخ: 104/2، السيرة لابن هشام: 368/3، السيرة الحلبية: 760/2، المغازي للواقدي: 165/2.
2 البداية والنهاية: 219/4، المغازي للواقدي: 165/2

سال کا نان و نفقہ عطا فرما دیتے تھے۔ ان اخراجات کے بعد جو کچھ باقی بچتا تھا، اسے آپ اللہ کا مال قرار دے کر مویشیوں کی افزائش، ہتھیاروں کی تیاری اور مسلمانوں کے مصالح و مفادات کے اُمور پر صرف فرماتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ سمجھا کہ یہ زمینیں آپ ﷺ کی میراث ہیں۔ انھیں شاید آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد مبارک کا علم نہیں تھا:

"لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ"

''ہم (گروہ انبیاء) کا مال وراثت میں تقسیم نہیں ہوتا۔ ہم جو چھوڑیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔''[1]

فدک کے بارے میں شیخین کے فیصلے

جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس باغ میں سے اپنے حصے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ یہ باغ ان کے سپرد کر دیا جائے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان پیش کیا: «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ» ''ہمارا مال وراثت میں تقسیم نہیں ہوتا، ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔'' خلیفۃ الرسول نے مزید فرمایا کہ میں بھی ان کی کفالت کروں گا جن کی رسول اللہ ﷺ کفالت فرمایا کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں سے صلہ رحمی کرنا مجھے اپنے قرابت داروں سے صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بالکل سچ تھا، آپ اس سلسلے میں انتہائی مخلص، نیک نیت اور پوری طرح متبع حق تھے۔ جب ان کی میراث کا مطالبہ ختم ہو گیا، تو سیدنا عباس اور علی رضی اللہ عنہما نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف



1 صحیح بخاری، حدیث: 3712

سے یہ مطالبہ پیش کیا کہ اس صدقے کی دیکھ بھال وہ کریں گے اور اسے انھی مصارف میں صرف کریں گے جن میں رسول اللہ ﷺ اسے خرچ فرمایا کرتے تھے لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ میرا حق اور فرض ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے قائم مقام کے فرائض انجام دوں اور آپ کے راستے اور طریقے سے سرِمو بھی اِدھر اُدھر نہ ہوں۔ وہ اور تمام مسلمان خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک کیا مقام و مرتبہ حاصل تھا اور انھوں نے نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارک میں اور بعد از وفات آپ ﷺ کی اور اسلام کی کس کس طرح نصرت و اعانت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے نبی ﷺ، اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے......۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا عباس و علی رضی اللہ عنہما نے پھر سوال کیا کہ اس صدقے کا معاملہ ان کے سپرد کر دیا جائے اور اس سلسلے میں انھوں نے بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے ان پر زور بھی ڈلوایا تو انھوں نے یہ مطالبہ تسلیم فرما لیا، اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ آپ بے حد مشغول تھے مملکت بہت وسیع اور رعایا میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا لیکن پھر اس معاملے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ پر غالب آ گئے۔ یہ دونوں حضرات اپنا یہ کیس لے کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ دونوں نے اپنی اپنی وکالت کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بھی بھیجی اور آپ سے مطالبہ کیا کہ یہ باغ دونوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر ایک اپنے اپنے حصے کی نگہداشت خود کرے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ بات ماننے سے سختی سے انکار فرما دیا کیونکہ آپ نے محسوس فرمایا کہ یہ تقسیم تو تقسیم میراث کے مشابہ ٹھہرے گی۔ آپ نے فرمایا: تم دونوں مل کر اس کی نگہداشت کرو اور اگر تم ایسا نہ کر سکو تو یہ مجھے لوٹا دو۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں! میں اس بارے میں اس کے سوا اور کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ اس فیصلے کے بعد مذکورہ دونوں بزرگ اور ان کی اولاد بنو عباس کے عہد تک اس کی نگہداشت کرتی رہی اور اسے انھی مصارف میں صرف کرتی رہی جن میں رسول اللہ ﷺ اسے صرف فرمایا کرتے تھے۔[1]

شہدائے خیبر

خیبر کی معرکہ آرائی میں بیس (20) مسلمانوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

بنو امیہ بن عبد شمس سے

1 ربیعہ بن اکثم بن سخبرہ رضی اللہ عنہ (حلیف)، انھیں نطاۃ میں حارث یہودی نے شہید کیا۔

2 ثقف (ثقیف) بن عمرو رضی اللہ عنہ، انھیں نطاۃ میں اُسیر یہودی نے شہید کیا۔

1 البداية والنهاية:4/204,205.

شہدائے خیبر کا شجرہ نسب



3 رفاعہ بن مسروح رضی اللہ عنہ، انھیں بھی نطاۃ میں حارث یہودی نے شہید کیا۔

بنو اسد بن عبدالعزیٰ سے

1 عبداللہ بن ابی امیہ بن وہب رضی اللہ عنہ (حلیف)، یہ نطاۃ میں شہید ہوئے۔

بنو غفار سے

1 عمارہ بن عقبہ رضی اللہ عنہ، تیر لگنے سے شہید ہو گئے۔

قبیلہ اسلم سے

1 عامر بن سنان بن اکوع رضی اللہ عنہ، قلعہ ناعم کے پاس مرحب یہودی سے مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ہی تلوار لگنے سے شہید ہو گئے۔

اہل خیبر میں سے

1 سیاہ فام چرواہا، ان کا نام ابن اسحاق نے اسلم اور واقدی نے یسار بیان کیا ہے۔ یہ اسی دن شہید ہو گئے جس دن مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

اشجع سے

1 خاندان اشجع سے بھی ایک شخص شہید ہوا۔

مذکورہ بالا تمام شہداء کا تعلق مہاجرین سے ہے۔ انصار میں سے جام شہادت نوش فرمانے والوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

خزرج سے

1 بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ
2 فضیل (طفیل) بن نعمان رضی اللہ عنہ
3 مسعود بن سعد بن قیس رضی اللہ عنہ

اوس سے

1 محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، انھیں مرحب یہودی نے قلعہ ناعم کے اوپر سے ان کے سر پر چکی کا پاٹ گرا کر شہید کر دیا تھا۔

2 ابوضیاح حارثہ (نعمان) بن ثابت بن نعمان رضی اللہ عنہ

3 حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ

4 عروہ (عدی) بن مرہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ

5 اوس بن قائد (فائد) رضی اللہ عنہ

6 انیف بن حبیب رضی اللہ عنہ

7 ثابت بن اثلہ رضی اللہ عنہ

8 طلحہ بن یحییٰ بن ملیل رضی اللہ عنہ

9 مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ

10 اوس بن قتادہ رضی اللہ عنہ

بنو زہرہ

1 مسعود بن ربیعہ رضی اللہ عنہ (حلیف) [1]

یہودی مقتولین

خیبر میں مسلمانوں کے ہاتھوں واصل جہنم ہونے والے یہودیوں کی تعداد ترانوے (93) تھی۔[2] ان میں سے اکثر خیبر شہر کے نصف اول کے علاقوں نطاۃ اور شق کی معرکہ آرائیوں میں مارے گئے۔ یہودی مقتولین میں ان کے گیارہ بڑے بڑے زعماء وقائدین بھی تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

1 مشہور یہودی سورما مرحب جس کی مبارزت قبول کرتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے واصل جہنم کیا اور ایک قول کے مطابق اسے سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قلعہ ناعم کے سامنے قتل کیا۔

2 ابوزینب حارث، یہ مرحب کا بھائی تھا اور اسے قلعہ ناعم کے سامنے مبارزت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔

3 یاسر کو زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے مبارزت میں قلعہ ناعم کے سامنے قتل کیا۔

4 عامر کو علی رضی اللہ عنہ نے مبارزت میں قلعہ ناعم کے سامنے ہلاک کر دیا۔

5 یوشع کو حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے مبارزت میں قلعہ صعب کے سامنے قتل کیا۔

1 البدایۃ والنہایۃ: 215/4، السیرۃ لابن ہشام: 358,357/3، جوامع السیرۃ لابن حزم، ص: 215-217، المغازي للواقدي: 160/2 2 المغازي للواقدي: 160/2

6 دیال کو عمارہ بن عقبہ غفاری رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

7 سلام بن مشکم، نطاۃ کی معرکہ آرائیوں میں مارا گیا۔

8 عزول (غزال) کو حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے مبارزت کے دوران شق میں قلعہ ابی کے سامنے قتل کیا۔

9 اسیر قلعہ ناعم کے سامنے مبارزت میں مارا گیا۔

10 کنانہ بن ابی الحقیق کو مجرمانہ خیانت اور عہد شکنی کی وجہ سے خیبر کے دوسرے حصے میں ہلاک کر دیا گیا۔

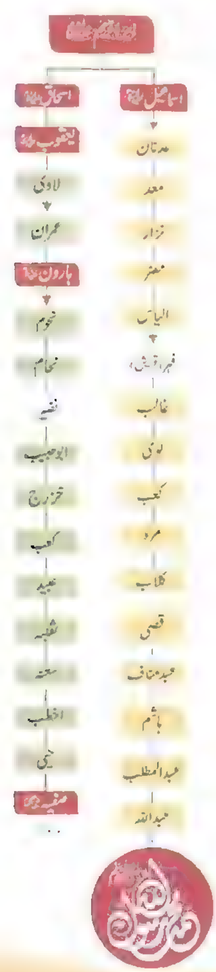
11 ربیع بن ابی الحقیق کو بھی مذکورہ بالا جرم کی پاداش میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔[1]

1 المغازي للواقدي: 2/160، موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 1/1080، 1081.

رسول اللہ ﷺ کی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی

مسلمانوں کے ہاتھوں جو خواتین قیدی بن کر آئیں، ان میں صفیہ بنت حُیی بن اخطب بھی شامل تھیں۔ حیی بن اخطب بنونضیر کے یہودیوں کا سردار اور نبی کریم ﷺ کا شدید ترین دشمن تھا۔ صفیہ خیبر کے سردار کنانہ بن ابی الحُقیق کی بیوی تھیں، اس سے پہلے انھوں نے سلام بن مشکم سے شادی کی تھی مگر ابھی ان کی رخصتی عمل میں نہیں آئی تھی کہ اس نے انھیں طلاق دے دی تھی۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا نسبی تعلق



سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا خواب

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا جب یہودی سردار کنانہ بن ربیع بن ابی الحُقیق کے نکاح میں تھیں، انھوں نے خواب میں دیکھا کہ چاند ان کی گود میں آ گیا ہے۔ انھوں نے اپنے شوہر کنانہ کو یہ خواب سنایا تو اس نے غضبناک ہو کر ان کے چہرے پر اس قدر زور سے تھپڑ مارا کہ آنکھ پر سبز رنگ کا نشان پڑ گیا۔ اس نے بڑی برہمی سے کہا: کیا تو یہ چاہتی ہے کہ بادشاہ یثرب (نبی ﷺ) تیرا شوہر بن جائے۔[2]

1 الطبقات لابن سعد: 120/8، السيرة الحلبية: 746/2.

2 البداية والنهاية: 197/4، السيرة لابن هشام: 351/3

سیدہ صفیہ کی تقدیر جگمگا اٹھی

تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں کے ہاتھوں قیدی بن کر آئی تھیں۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ آپ کو قلعہ قموص سے گرفتار کیا گیا تھا جو آپ کے شوہر کنانہ بن ابی الحقیق کا قلعہ تھا اور خیبر کے دوسرے حصے میں واقع تھا۔[1]

واقدی کے بقول آپ کو قلعہ نزار میں پکڑا اور قیدی بنایا گیا تھا، جو خیبر شہر کے پہلے حصے میں واقع تھا اور اس میں ابن ابی الحقیق کا کوئی قلعہ نہیں تھا، واقدی نے اس کا سبب بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ خیبر کے یہودیوں نے عورتوں اور بچوں کو کتیبہ کی طرف منتقل کر کے نطاۃ کے قلعہ کو جنگجوؤں کے لیے خالی کر دیا تھا، اس لیے مسلمان صرف انھی لوگوں کو قیدی بنا سکے جو قلعہ نزار میں موجود تھے اور ان میں سیدہ صفیہ، ان کی ایک چچازاد بہن اور کچھ دیگر عورتیں بھی تھیں۔ کنانہ بن ابی الحقیق کی رائے کے مطابق قلعہ نزار زیادہ مضبوط تھا۔ جس صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شق کی طرف روانہ ہوئے، اس رات کو اس نے عورتوں اور بچوں کو قلعہ نزار میں منتقل کر دیا تھا حتی کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا، ان کی چچازاد بہن اور ان کے ساتھ یہودیوں کے جو بچے تھے، وہ سب گرفتار ہو گئے۔ کتیبہ میں اس وقت یہودیوں کی دو ہزار سے زیادہ عورتیں اور بچے موجود تھے۔[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دحیہ رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! قیدیوں میں سے ایک باندی مجھے بھی عطا فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اذْهَبْ فَخُذْ جَارِيَةً» ”جاؤ اور ایک باندی لے لو۔“ انھوں نے صفیہ کو لے لیا تو ایک شخص آیا، اس نے کہا: اے اللہ کے نبی! آپ نے دحیہ کو صفیہ دے دی ہے۔ وہ تو قریظہ و نضیر کی شہزادی ہے، اور آپ ہی کے لیے موزوں ہے۔ آپ نے فرمایا: «ادْعُوهُ بِهَا» ”اسے اس (صفیہ) سمیت بلاؤ۔“ دحیہ رضی اللہ عنہ اسے لے کر آ گئے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کی طرف دیکھا تو دحیہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «خُذْ جَارِيَةً مِنَ السَّبْيِ غَيْرَهَا» ”قیدیوں میں سے اس کے سوا کوئی اور باندی لے لو۔“ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لی۔[3]

اس طرح بنو نضیر کے یہودیوں کے سردار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمن حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ امہات المؤمنین کی صف میں شامل ہو کر ان تمام حقوق اور اعزازات کی مستحق قرار پائیں جو ام المؤمنین عائشہ

1 السيرة لابن هشام: 3/344، 345. 2 المغازي للواقدي: 2/138. 3 صحيح البخاري: 371

بنت ابی بکر صدیق، ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمر بن خطاب اور دیگر تمام ازواج مطہرات کو حاصل تھے۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُنَّ أَجْمَعِينَ۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو دحیہ رضی اللہ عنہ سے اس لیے واپس لے لیا کہ وہ ایک سردار کی بیٹی اور دوسرے سردار کی بیوی تھیں، لہٰذا اس مرتبے کی خاتون کو دوسری عام باندیوں کی طرح تقسیم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سیدہ صفیہ کی تسکین قلب کے لیے یہی ضروری تھا کہ انھیں ازواج مطہرات کی صف میں شامل ہونے کا شرف عطا کیا جاتا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے انھیں آزاد کر کے یہ اختیار دے دیا کہ اگر وہ چاہیں تو انھیں پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کے اہل خانہ کے پاس واپس بھیج دیا جائے اور اگر وہ چاہیں تو نبی اکرم ﷺ کے حبالۂ عقد میں آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی اور انھوں نے برضا و رغبت یہودیت کو خیر باد کہہ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہونے اور سید الانبیاء ﷺ سے نکاح کو ترجیح دی۔ یوں وہ امہات المومنین کی صف میں شامل ہونے کا لازوال اعزاز و امتیاز پا کر ہمیشہ کے لیے انتہائی محترم شخصیت بن گئیں۔

نبی ﷺ کے بارے میں صفیہ رضی اللہ عنہا کے تاثرات

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب میں گرفتار ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچی تو اس وقت مجھے دنیا میں سب سے زیادہ نفرت آپ ہی سے تھی کیونکہ آپ میرے باپ، میرے شوہر اور میری قوم کے قاتل تھے مگر جب میں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچی تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''صفیہ! میں نے تمھاری قوم کے ساتھ جو کچھ کیا ہے، اس کے لیے تم سے معذرت کرتا ہوں۔ (تم خود سوچو) ان لوگوں نے میرے بارے میں کیا کیا نہیں کیا اور میرے خلاف کیسی کیسی باتیں کیں۔'' اس طرح کے ارشادات سے آنحضرت ﷺ میرے سامنے معذرت فرماتے رہے۔ آپ ﷺ نے پوری وضاحت سے فرمایا کہ ہم نے تمھاری قوم کے ساتھ جو کچھ کیا، اس پر ہمیں انھی لوگوں نے اپنی ریشہ دوانیوں، سازشوں اور شرارتوں کی وجہ سے مجبور کیا۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ یہ ارشادات سننے کے بعد وہ جذبہ جو میرے دل میں آنحضرت ﷺ کے خلاف پیدا ہوا تھا، نہ صرف نابود ہو گیا بلکہ اس جگہ سے اٹھنے سے پہلے ہی میری کایا پلٹ گئی اور میرے دل میں ایسا انقلاب برپا ہو گیا کہ اب رسول اللہ ﷺ میرے لیے دنیا کے ہر انسان سے زیادہ محبوب و محترم تھے۔[1]

آنحضرت ﷺ بھی سیدہ صفیہ کا بڑا لحاظ رکھتے تھے اور بہت دلجوئی فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کو بخوبی

1 [illegible] 749/2

احساس تھا کہ ان کے والد اور شوہر قتل ہو گئے ہیں جو یہودیوں کے بہت بڑے سردار تھے۔ خود سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اس بارے میں بیان کرتی ہیں کہ ازواج مطہرات مجھ پر طنز کیا کرتی تھیں، وہ مجھے کہتی تھیں: اے یہودی کی بیٹی! لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بے حد لطف و کرم اور محبت و شفقت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن آپ تشریف لائے۔ میں رو رہی تھی، آپ نے رونے کا سبب دریافت فرمایا، میں نے جواب دیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مجھ پر طنز کرتی ہیں اور مجھے یہودی کی بیٹی کہہ کر مخاطب کرتی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إذا قالوا لك أو فاخروك فقولي: أبي هارون و عمي موسى"

”جب وہ تم پر طنز کریں یا فخر کا اظہار کریں تو ان سے کہنا کہ میرے باپ ہارون اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں۔“[1]

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب عروسی

جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے خاص ایام سے پاک ہوگئیں تو آپ نے انھیں ام سلیم رضی اللہ عنہا کے سپرد کیا تاکہ وہ انھیں بنا سنوار دیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قبے ہی میں ان کے ساتھ شب عروسی بسر فرمائی۔ اس رات سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبہ کے باہر ننگی تلوار لیے پہرہ دیتے ہوئے چاروں طرف گھومتے رہے۔

صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ کو قبہ کے باہر کھڑے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: "مالك يا أبا أيوب؟" ”ابوایوب! کیا بات ہے؟“ انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس خاتون کی طرف سے بڑا خطرہ تھا کیونکہ اس کا باپ، شوہر اور اس کی قوم کے لوگ قتل ہوئے ہیں اور اس خاتون کو کفر چھوڑے ہوئے بھی زیادہ دیر نہیں گزری، اس لیے میں رات بھر آپ کی حفاظت کے خیال سے یہیں پہرہ دیتا رہا ہوں۔

ابوایوب رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی:

"اللهم احفظ أبا أيوب كما بات يحفظني"

”اے اللہ! ابوایوب کی بھی اسی طرح حفاظت فرما جس طرح اس نے رات بھر میری حفاظت کی ہے۔“[2]

1 المغازي للواقدي: 142/2. 2 السيرة لابن هشام: 355,354/3، المستدرك للحاكم: 29,28/4.

دعوت ولیمہ

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے موقع پر دعوت ولیمہ کا واقعہ سنایا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم خیبر میں آئے، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو قلعے پر فتح عطا فرما دی تو آپ کے سامنے صفیہ بنت حیی بن اخطب کے حسن و جمال کا ذکر کیا گیا، وہ ابھی دلہن ہی بنی تھیں کہ ان کا شوہر قتل ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے لیے منتخب فرما لیا۔ آپ ﷺ انھیں اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوئے اور جب ''سدالصہباء'' [1] کے مقام پر پہنچے تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے ایام سے فارغ ہوگئیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ شب زفاف بسر فرمائی، پھر آپ ﷺ نے ''حیس'' [2] تیار کرایا جسے



چمڑے کے چھوٹے سے دستر خوان پر رکھا گیا، پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: «آذن من حولك» ''اپنے آس پاس کے لوگوں کو بلا لو۔'' یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا ولیمہ تھا۔ پھر ہم مدینہ کی طرف چل پڑے۔ میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو چادر سے ڈھانپ رہے ہیں، پھر آپ ﷺ نے اونٹ کے پاس بیٹھ کر اپنا گھٹنا رکھا اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے مبارک گھٹنے پر اپنا پاؤں رکھ کر اونٹ پر سوار ہوگئیں۔ [3]

دوسری روایت میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین راتیں قیام فرمایا اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ میں نے مسلمانوں کو بلایا، چمڑے کے دستر خوان بچھائے گئے اور ان پر کھجور، پنیر اور گھی رکھ دیا گیا۔ مجاہدین نے پوچھا: کیا صفیہ رضی اللہ عنہا امہات المومنین میں شامل ہیں یا آپ کی باندی ہیں؟ میں نے کہا کہ اگر انھوں نے حجاب کرلیا تو وہ امہات المومنین میں سے ہیں اور اگر حجاب نہ کیا تو وہ آپ ﷺ کی باندی ہیں۔ جب نبی ﷺ نے وہاں سے کوچ فرمایا تو انھیں اپنے پیچھے سوار کرایا اور ان پر حجاب ڈال دیا۔ [4]

1 سد کے معنی پہاڑ کے ہیں اور صہبا، ایک جگہ کا نام ہے جو خیبر سے ایک برید یعنی تقریباً 22 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ (النہایہ: 353/2، فتح الباری: 480/7) 2 حیس ایک کھانا ہے جو کھجور، گھی اور ستو سے تیار کیا جاتا ہے۔ 3 صحیح البخاری: 4211
4 صحیح البخاری: 4213

حجاج بن علاط کا قبولِ اسلام

خیبر ہی میں حجاج بن علاط سُلمی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ یہ بہت دولت مند آدمی تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرا مال مکے میں میری بیوی کے پاس ہے اور وہاں کے تاجروں میں بھی بٹا ہوا ہے، لہٰذا مجھے اجازت عطا فرمائیں کہ میں مکے میں جا کر اپنا مال و دولت لے آؤں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب میرا قبولِ اسلام پوشیدہ رہے۔ اگر مکے والوں کو میرے اسلام کے بارے میں معلوم ہو گیا تو وہ قطعی طور پر مجھے میرا مال نہیں دیں گے۔



حرم مکہ

رسول اللہ ﷺ نے انھیں اجازت دے دی۔ حجاج نے پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے ان سے مال واپس لینے کے لیے یہ ضرورت بھی ہوگی کہ میں ان سے حیلوں بہانوں سے مال وصول کروں اور کچھ خلافِ واقعہ باتیں بھی کہوں۔ آپ ﷺ نے انھیں اس کی بھی اجازت دے دی۔ حجاج کہتے ہیں کہ میں آپ سے اجازت لے کر مکے پہنچا اور سیدھا حرم میں گیا۔ وہاں قریش کی محفل برپا تھی۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کے خیبر پر حملہ آور ہونے کی خبر معلوم ہو چکی تھی۔ قریش خیبر والوں کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ لوگ بہت طاقتور ہیں اور ان کے حفاظتی انتظامات بھی بہت اچھے ہیں۔ اب قریش اس بارے میں مزید خبریں معلوم کرنے کے لیے بے قرار تھے کیونکہ انھوں نے آپس میں سو اونٹوں کی شرط لگا رکھی تھی۔ حویطب بن عبدالعزیٰ اور کچھ دوسرے لوگ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو فتح ہو گی اور عباس بن مرداس اور اس کے بعض ساتھی کہتے تھے کہ خیبر والوں کو فتح ہو گی۔

خیبر کے بارے میں قریش کے لیے ''خوش کن'' خبر

جیسے ہی ان لوگوں نے حجاج بن علاط کو حرم میں داخل ہوتے دیکھا تو وہ بے ساختہ پکار اٹھے کہ لو حجاج آ گئے ہیں، اللہ کی قسم! ان کے پاس ضرور تازہ خبریں ہوں گی۔ انھیں حجاج کے مشرف بہ اسلام ہونے کی خبر نہیں تھی۔ انھوں نے

پوچھا کہ اے حجاج! ہم نے سنا ہے کہ قاطع، یعنی ایک سے دوسرے کو کاٹنے والے ... وہ ظالم رسول اللہ ﷺ کو اس نام سے پکارتے تھے ... نے خیبر کی طرف کوچ کیا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے پاس ایسی خبریں ہیں جن سے تمھارے دل خوش ہو جائیں گے۔ یہ سنتے ہی وہ لوگ میرے ارد گرد جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ حجاج! وہ خبریں کیا ہیں؟ میں نے کہا: خیبر کے لوگوں سے بہتر جنگجوؤں سے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو اب تک واسطہ نہیں پڑا تھا، لہٰذا خیبر میں مسلمانوں کو شکست فاش ہوئی ہے، خود محمد ﷺ گرفتار ہو گئے ہیں۔ خیبر والوں نے کہا ہے کہ ہم انھیں یہاں قتل نہیں کریں گے بلکہ مکے لے جائیں گے اور وہاں سب کے سامنے قتل کریں گے۔

یہ سنتے ہی مکے کے لوگ خوشی سے اچھل پڑے اور چلا چلا کر کہنے لگے: لو خبر آ گئی ہے کہ محمد ﷺ آنے والے ہیں۔ انتظار کرو، انھیں یہیں لایا جائے گا اور تمھارے سامنے قتل کیا جائے گا۔

حجاج کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے قریش سے کہا: میرا مال اکٹھا کرنے میں میری مدد کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ خیبر پہنچ کر میں بھی وہ مال غنیمت حاصل کروں جو محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے قبضے سے ملا ہے تاکہ دوسرے تاجر مجھ سے پہلے وہاں پہنچ کر فائدہ نہ اٹھا لیں۔

قریش نے نہایت مستعدی اور سرگرمی سے میرا مال لا کر ایک جگہ جمع کر دیا۔ مکے میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی جس کی وجہ سے مشرکین خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے۔ دوسری طرف مکے میں رہنے والے مسلمانوں کو اس خبر سے بے حد صدمہ ہوا۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی بے کلی

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے بھی یہ وحشت اثر خبر سنی تو صدمے سے نڈھال ہو گئے۔ انھوں نے فوراً اپنا ایک غلام حجاج کے پاس بھیجا جس نے اللہ کا واسطہ دے کر ان سے پوچھا کہ تم جو خبر لائے ہو، کیا وہ واقعی سچ ہے؟

حجاج نے اسے جواب دیا کہ عباس کو میرا سلام پہنچا دو اور کہو کہ اپنے گھر کے کسی علیحدہ کمرے میں میرا انتظار کریں، میں ان کے پاس آ کر انھیں ایسی خبر سناؤں گا جس سے ان کا سارا غم دور ہو جائے گا لیکن انھیں چاہیے کہ وہ میری آمد کو سب سے مخفی رکھیں۔

عم رسول کی بے تحاشا مسرت

غلام نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام سنایا تو وہ خوشی سے اچھل پڑے، اسی وقت اس غلام کو آزاد کر دیا اور قسم کھا کر کہا کہ مجھ پر دس غلام آزاد کرنے واجب ہو گئے ہیں۔

حجاج سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ سب سے پہلے آپ قسم کھا کر یہ عہد کریں کہ تین دن تک میرے معاملے کو کسی پر ظاہر نہیں کریں گے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے یہ وعدہ کرلیا تو حجاج نے انھیں بتایا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں، میرا تمام مال یہاں میری بیوی کے پاس ہے اور لوگوں سے مجھے بہت سا قرض بھی لینا ہے۔ اگر ان لوگوں کو میرے مسلمان ہونے کا علم ہوگیا تو میرے سارے مال پر قبضہ کرلیں گے۔ صورت حال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو فتح فرمالیا ہے۔ خیبر سے حاصل ہونے والے مال غنیمت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حصے بھی تقسیم ہو چکے ہیں، یہودیوں کا سردار ابن ابی الحقیق بھی قتل ہو چکا ہے اور رسول اللہ ﷺ یہودیوں کے بادشاہ حیی بن اخطب کی بیٹی سے شادی کر چکے ہیں۔

حجاج شام کو اپنا مال سمیٹ کر مکے سے واپس روانہ ہو گئے۔ ادھر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو یہ تین دن گزارنے بہت مشکل ہو رہے تھے جن میں انھوں نے اس معاملے کو رازداری میں رکھنے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ حجاج کے چلے جانے کے تین دن بعد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا بہترین حلہ نکال کر زیب تن فرمایا، بہترین خوشبو استعمال کی اور پھر ہاتھ میں چھڑی لے کر خراماں خراماں قریش کی مجلس میں چلے گئے۔ قریش نے ان سے کہا: ''ابوالفضل! تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ تمھارے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اللہ کی قسم! یہ تو سخت مصیبت کے وقت صبر و استقامت کے مظاہرے کا موقع ہے۔''

قریش کی ندامت

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: ''ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کی تم نے قسم کھائی ہے! اللہ کا شکر ہے میرے لیے تو خیر ہی خیر ہے۔ حجاج نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خیبر پر فتح عطا فرمائی ہے۔ وہاں سے حاصل ہونے والے مال غنیمت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حصے بھی جاری ہو چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے سربراہ حیی بن اخطب کی بیٹی سے شادی بھی کرلی ہے۔ حجاج نے تم سے جو باتیں کی ہیں، وہ تمھارے قبضے سے اپنا مال نکالنے کے لیے کی ہیں ورنہ وہ تو مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔

یہ سنتے ہی غم و فکر کی جو گھٹائیں تین دن سے مسلمانوں کے سروں پر چھائی ہوئی تھیں یک بیک مشرکین مکہ پر برسنے لگیں۔ وہ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور کہنے لگے: اللہ کا دشمن حجاج بچ کر نکل گیا۔ اللہ کی قسم! اگر اس وقت ہمیں صحیح صورت حال معلوم ہو جاتی تو ہم اس کا بہت برا حال کر دیتے۔

اس کے بعد جلد ہی کئی دوسرے لوگوں نے بھی مکہ پہنچ کر صحیح حالات بتائے جس سے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی بات

کی تصدیق ہوئی۔[1]

عباس رضی اللہ عنہ کا حجاج اور ان کی زوجہ سے مکالمہ

اس واقعے کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوہ میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے کہ حجاج بن علاط نے آنحضرت ﷺ سے مکے جانے اور اپنا مال نکالنے کے لیے خلاف واقعہ باتیں کہنے کی اجازت لے لی اور پھر مکے پہنچ کر سیدھے اپنی بیوی کے پاس گئے۔ انھوں نے بیوی سے کہا کہ میرے متعلق کسی کو کچھ نہ بتانا، تمھارے پاس میرا جو مال ہے، وہ مجھے دے دو۔ میں محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے چھینا ہوا مال غنیمت خریدنا چاہتا ہوں کیونکہ وہ سب پکڑے گئے ہیں اور ان کا مال و دولت یہودیوں کے قبضے میں آگیا ہے۔ یہ خبر مکے میں فوراً پھیل گئی اور سب لوگ بے پناہ خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ مشرکین کو اس بات سے جتنی خوشی ہوئی، مسلمانوں کو اتنا ہی شدید رنج و ملال ہوا۔ پھر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے حجاج کے پاس اپنا آدمی بھیجا تو انھوں نے کہا کہ میرا انتظار کرو، پھر حجاج نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچ کر فتح کی خوشخبری سنائی اور بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے صفیہ بنت حیی بن اخطب کو اپنے لیے منتخب فرما کر انھیں اختیار دیا کہ اگر ان کی مرضی ہو تو آپ انھیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لیں یا وہ اپنے رشتہ داروں کے پاس واپس چلی جائیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی پسندیدگی ظاہر کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں آزاد ہو کر آپ ﷺ سے شادی کرنے کو ترجیح دوں گی۔ اپنے رشتہ داروں کے پاس واپس نہیں جاؤں گی۔ پھر حجاج نے کہا کہ میں تو یہاں صرف اپنا جمع شدہ مال واپس لینے آیا ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لی تھی کہ اپنا مال نکالنے کے لیے میں یہاں موقع محل کی مناسبت سے کوئی بھی بات کہہ سکتا ہوں، پھر انھوں نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے تین دن تک راز داری کا حلف لیا، ادھر ان کی بیوی نے مال جمع کر لیا اور یہ اپنا مال لے کر مکے سے چلے گئے۔

تین دن کے بعد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ حجاج کی بیوی کے پاس پہنچے۔ انھوں نے پوچھا: تمھارے شوہر کیا کر گئے ہیں؟ اس نے کہا: وہ تو چلے گئے مگر اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی غم نہ دے، آپ نے بھی وہ خبر سنی ہوگی۔ آپ کے اس غم میں ہم بھی شریک ہیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے غموں سے دور ہی رکھا ہے، وہاں جو کچھ پیش آیا ہے، وہ وہی ہے جس کی مجھے آرزو تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (محمد ﷺ) کو خیبر میں فتح عطا فرمائی ہے، صفیہ بنت حیی سے آپ ﷺ نے شادی کر لی ہے۔ اب اگر تمھیں اپنے شوہر کی ضرورت ہے تو تم اسی

1 المغازي للواقدي: 2/161-164، السيرة لابن هشام: 3/359-361.

کے پاس چلی جاؤ۔

اس عورت نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں نے تو آپ کو ہمیشہ سچا سمجھا ہے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں سچ کہہ رہا ہوں، واقعہ اسی طرح ہے۔ پھر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ قریش کی مجلس میں آئے اور وہی باتیں کیں جو پہلے بیان کی جاچکی ہیں۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی سازش

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو یہودیوں کے ساتھ کوئی سخت رویہ بھی اختیار فرما سکتے تھے، انھیں خیبر سے فی الفور مکمل طور پر جلاوطن کر سکتے تھے، ان سب کو قتل کرنے کا حکم دے سکتے تھے، ان سب کو غلامی کی زنجیریں پہنائی جاسکتی تھیں مگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے رحمت و شفقت کا معاملہ فرمایا اور انھیں بدستور خیبر کے باغوں اور کھیتوں میں کام کرنے کی اجازت دے دی۔ اس کے باوجود یہودیوں کی شرارتوں اور خباثتوں میں کوئی کمی نہ آئی۔ انھوں نے رحمت کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی ایک ناپاک اور مذموم سازش تیار کی اور اس کے لیے ایک یہودی عورت کو آلۂ کار بنایا جس کا نام زینب بنت حارث تھا۔ وہ سلام بن مشکم جو قلعہ نطاۃ میں مارا گیا تھا کی بیوی اور مرحب کے بھائی حارث کی بیٹی تھی۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور کھانے میں بھنی ہوئی بکری پیش کی جس کا گوشت زہر آلود تھا۔ اس نے یہ بات پہلے ہی معلوم کر لی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت زیادہ پسند ہے، اس لیے اس نے دستی کے گوشت میں بہت زیادہ زہر ڈال دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستی کا گوشت لے کر اس میں سے ایک ٹکڑا چبایا لیکن نگل نہ سکے، چنانچہ آپ نے فوراً لقمہ منہ سے نکال دیا۔[2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت کے ٹکڑے نے بتا دیا کہ مجھے زہر لگایا گیا ہے۔[3]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اجْمَعُوا إِلَيَّ مَنْ كَانَ هَا هُنَا مِنْ يَهُودَ»

”یہاں جس قدر بھی یہودی ہیں، ان سب کو میرے پاس جمع کرو۔“

ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے جب سب کو جمع کر لیا گیا تو آپ نے ان سے فرمایا:

«إِنِّي سَائِلُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْهُ؟»

1 دلائل النبوة للبیهقي: 4/265-267، مسند أحمد: 3/138.139. 2 السیرة لابن هشام: 3/352. 3 سنن ابی داود: 4510، البداية والنهاية: 4/210.211

''میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں کیا تم مجھے سچ سچ بتاؤ گے؟''

انھوں نے جواب دیا: جی ہاں ابوالقاسم! رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: «مَنْ أَبُوكُمْ؟» ''تمھارا باپ کون ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ہمارا باپ فلاں ہے۔ آپ نے فرمایا: «كَذَبْتُمْ، بَلْ أَبُوكُمْ فُلَانٌ» ''تم جھوٹ بولتے ہو، تمھارا باپ تو فلاں شخص ہے۔'' انھوں نے کہا: آپ بالکل سچ فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا: «هَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ؟» ''اگر میں تم سے کسی چیز کے بارے میں پوچھوں تو کیا تم مجھے سچ سچ بتاؤ گے؟'' انھوں نے کہا: ہاں ابوالقاسم! اگر ہم نے جھوٹ بولا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا جیسا کہ اپنے باپ کے بارے میں ہمارا جھوٹ آپ کو معلوم ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَهْلُ النَّارِ؟» ''دوزخ میں کون جائیں گے؟'' انھوں نے کہا: تھوڑی دیر کے لیے ہم اس میں جائیں گے، پھر ہمارے بعد آپ اس میں آ جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: «اخْسَئُوا فِيهَا، وَاللّٰهِ! لَا نَخْلُفُكُمْ فِيهَا أَبَدًا» ''تم ہی ذلیل و رسوا ہو کر اس میں رہو گے، اللہ کی قسم! ہم تمھارے بعد اس میں کبھی نہیں آئیں گے۔'' پھر آپ نے فرمایا: «هَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ؟» ''میں اگر تم سے کوئی سوال پوچھوں تو کیا تم مجھے سچ سچ بتاؤ گے؟'' انھوں نے جواب دیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: «هَلْ جَعَلْتُمْ فِي هٰذِهِ الشَّاةِ سُمًّا؟» ''کیا تم نے اس بکری (کے گوشت) میں زہر ملایا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: «مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ؟» ''تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: ہم نے یہ چاہا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں، تو ہم آپ سے نجات پا لیں گے اور اگر آپ نبی ہیں تو اس سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔[1]

اس یہودی عورت کو بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا جس نے یہ حرکت کی تھی۔ اس نے اعتراف کر لیا کہ میں نے آپ کو قتل کرنا چاہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُسَلِّطَكِ عَلٰى ذٰلِكِ»

''اللہ تعالیٰ تجھے کبھی اس میں کامیاب نہیں ہونے دے گا۔''

صحابۂ کرام نے عرض کیا: کیا ہم اس کو قتل نہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں۔'' آپ ﷺ نے اس سے درگزر فرمایا اور اسے کوئی سزا نہ دی۔[2] پھر آپ نے گردن کے قریب پشت کے بالائی حصے پر پچھنا لگوا لیا۔ عورت کے قتل کیے جانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام زہری کا قول ہے کہ وہ مسلمان ہو گئی تھی، اس لیے اسے چھوڑ دیا گیا

1 صحیح البخاری، 5777. 2 مسند الإمام أحمد 3/352، 353، وسنن أبی داود، 4508.

تھا اور معمر کا قول ہے کہ نبی ﷺ نے اسے قتل کرا دیا تھا۔ سنن ابی داود میں ہے کہ اس زہر آلود گوشت کھانے سے سیدنا بشر بن براء بن معرور ؓ فوت ہو گئے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس عورت کو قتل کر دیا گیا۔[1]

دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے پہلے تو قتل نہیں کرایا تھا لیکن جب بشر ؓ فوت ہو گئے تو آپ ﷺ نے بطور قصاص اس کے قتل کا حکم صادر فرما دیا۔[2]

اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ کیا نبی ﷺ نے یہ زہر آلود گوشت کھایا تھا یا نہیں؟ اکثر روایات میں ہے کہ آپ نے کھانا چاہا تھا لیکن نہیں کھا سکے اور اس کے بعد آپ تین سال حیات رہے حتی کہ آپ ﷺ نے مرض وفات میں فرمایا:

مَا أَزَالُ أَجِدُ أَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِي أَكَلْتُ بِخَيْبَرَ فَهٰذَا أَوَانُ وَجَدْتُ انْقِطَاعَ أَبْهَرِي مِنْ ذٰلِكَ السُّمِّ

"خیبر کے دن میں نے بکری کے گوشت کا جو لقمہ چبایا تھا، اس کی وجہ سے ہمیشہ تکلیف محسوس کرتا رہا ہوں اور اس کی وجہ سے اب یہ میری شہ رگ کٹ رہی ہے۔"

(گزشتہ اوراق میں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ آپ ﷺ یہ گوشت نگل نہیں سکے بلکہ اسے تھوک دیا تھا لیکن یہ گوشت اس قدر زہریلا تھا کہ زہر آپ ﷺ کے بدن مبارک میں سرایت کر گیا۔)

امام زہری ؒ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ بھی شہادت سے سرفراز ہوئے تھے۔[3]

1 سنن ابی داود: 4514. 2 عون المعبود: 573,572/7 3 صحیح البخاري 4428، دلائل النبوة للبیهقي .264/4

غزوہ خیبر اور چند فقہی احکام

غزوہ خیبر میں پیش آنے والے حالات و واقعات سے ائمہ سلف اور فقہائے محدثین نے بہت سے فقہی احکام و مسائل کا استنباط فرمایا ہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

حرمت والے مہینوں میں کفار سے جنگ

غزوہ خیبر سے استدلال کیا گیا ہے کہ حرمت والے مہینوں میں کفار سے جدال و قتال جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ذوالحجہ میں حدیبیہ سے واپس تشریف لائے اور چند روز مدینہ منورہ میں قیام کے بعد محرم میں خیبر تشریف لے گئے تھے۔ امام زہری نے غزوہ ؒ سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ واقدی نے بھی کہا ہے کہ آپ 7ھ کے آغاز ہی میں روانہ ہوئے تھے لیکن حافظ ابن قیم ؒ فرماتے ہیں کہ یہ استدلال محل نظر ہے کیونکہ آپ محرم کی ابتدا میں نہیں بلکہ آخر میں روانہ ہوئے تھے اور آپ ﷺ نے ماہ صفر میں خیبر فتح فرمایا۔

اس سے زیادہ قوی استدلال بیعت رضوان سے ہے کہ آپ نے یہ بیعت قتال کے لیے لی تھی اور اس لیے لی تھی کہ اگر میدان میں لڑنے کی نوبت آئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ڈٹ کر لڑیں گے۔ راہ فرار اختیار نہیں کریں گے اور یہ بیعت ذی قعدہ میں ہوئی تھی لیکن اس واقعے سے استدلال بھی صحیح نہیں کیونکہ آپ نے یہ بیعت اس افواہ کے بعد لی تھی کہ مکے والوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے اور اب وہ آپ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی تھی اور اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ حرمت والے مہینے میں اس وقت قتال جائز ہے جب دشمن کی طرف سے آغاز ہو۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ قتال کا آغاز مسلمان کریں۔ جمہور نے اسے جائز قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حرمت والے مہینوں میں قتال کی حرمت منسوخ ہے۔ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔[1]

امام عطاء اور کئی دیگر ائمہ کا یہ مذہب ہے کہ یہ حرمت برقرار ہے، منسوخ نہیں ہے۔ امام عطاء تو اللہ تعالیٰ کی قسم

1 تفسیر ابن کثیر، المائدۃ 2:5.

لکھا کر فرمایا کرتے تھے کہ حرمت والے مہینے میں قتال حلال نہیں، اور نہ کسی چیز نے اس کی حرمت کو منسوخ کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے محاصرہ طائف سے استدلال ان دونوں استدلالوں سے زیادہ قوی ہے کیونکہ آپ طائف کی طرف شوال کے آخر میں روانہ ہوئے تھے۔ آپ نے بیس سے زیادہ دنوں تک طائف کا محاصرہ کیے رکھا، ان میں سے کچھ دن راتیں ماہ ذی القعدہ کے تھے کیونکہ آپ نے مکہ مکرمہ 20 رمضان کو فتح فرمایا تھا۔ فتح کے بعد آپ نے انیس دن مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اور ان دنوں میں آپ نماز قصر ادا فرماتے رہے جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

أَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ تِسْعَةَ عَشَرَ يَقْصُرُ، فَنَحْنُ إِذَا سَافَرْنَا تِسْعَةَ عَشَرَ قَصَرْنَا، وَإِنْ زِدْنَا أَتْمَمْنَا.

"نبی ﷺ نے انیس (19) دن قیام فرمایا اور آپ نماز قصر ادا فرماتے رہے، پس ہم جب انیس دن سفر کرتے تو قصر کرتے تھے اور اس سے زیادہ دن ہوتے تو پوری نماز ادا کرتے تھے۔"[1]

شوال کے ابھی بیس دن باقی تھے کہ آپ ﷺ ہوازن کی طرف تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہوازن پر فتح عطا فرمائی۔ آپ نے وہاں کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں، پھر طائف کی طرف تشریف لے گئے اور آپ نے اس کا بیس دنوں سے زیادہ مدت تک محاصرہ کیے رکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے ذوالقعدہ کا کچھ حصہ یقیناً طائف میں بسر فرمایا۔

ایک قول کے مطابق آپ نے دس سے زیادہ دنوں تک محاصرہ فرمایا۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یقیناً یہی قول صحیح ہے لیکن امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا اس قدر وثوق کے ساتھ اسے صحیح قرار دینا تعجب انگیز ہے کیونکہ صحیحین میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے قصہ طائف کے سلسلے میں مروی ہے:

فَحَاصَرْنَاهُمْ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فَاسْتَعْصَوْا وَتَمَنَّعُوا.

"پس ہم نے ان کا چالیس دن تک محاصرہ جاری رکھا لیکن وہ سخت جان اور طاقتور ثابت ہوئے۔"[2]

یہ محاصرہ بلاشک وشبہ ذی القعدہ میں ہوا تھا، اس کے باوجود یہ قصہ بھی دلیل نہیں بن سکتا، اس لیے کہ غزوہ طائف، غزوۂ ہوازن ہی کا تکملہ تھا۔ ہوازن نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کا آغاز کیا تھا اور جب انھیں شکست ہوگئی تو ان کا سردار مالک بن عوف نصری ثقیف کے ساتھ طائف کے قلعے میں داخل ہوگیا تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ

[1] صحیح البخاری: 1080۔ [2] حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان الفاظ کو "صحیحین" کے حوالے سے بیان کیا ہے لیکن صحیحین کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ مزید دیکھیے: صحیح مسلم: 1059

کے ساتھ جنگ کریں۔ گویا طائف والوں کے ساتھ جنگ اسی جنگ کا تکملہ تھا جو آپ نے ہوازن سے لڑی تھی۔ واللہ اعلم۔

سورۃ المائدہ جو قرآن مجید کی سب سے آخری نازل ہونے والی سورت ہے اور اس میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینوں کی، نہ حرم میں قربان ہونے والے جانوروں کی اور نہ پٹے پہنائے ہوئے جانوروں کی۔''[1]

اور سورۃ البقرہ میں فرمایا:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ

''(اے نبی!) لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑائی کیسی ہے؟ کہہ دیجیے: اس میں لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔''[2]

یہ دونوں آیتیں مدنی ہیں اور ان کے نزول میں آٹھ سال کا فرق ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں ان کے حکم کی ناسخ کوئی دلیل نہیں۔ امت کا اس کے نسخ پر اجماع بھی نہیں ہے اور جو شخص: وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً ''اور تمام مشرکین سے لڑو۔'' (التوبة 9:36) جیسے عمومات سے استدلال کرے، تو نسخ کے لیے یہ استدلال صحیح نہیں ہے اور جو شخص یہ استدلال کرے کہ نبی ﷺ نے ابو عامر کو سریہ اوطاس میں ذی القعدہ میں روانہ فرمایا تھا تو یہ استدلال بھی درست نہیں ہے کیونکہ یہ بھی اس غزوے کا تکملہ تھا جس میں مشرکین کی طرف سے لڑائی کا آغاز ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی طرف سے حرمت والے مہینے میں جنگ کا آغاز نہیں ہوا۔[3]

پالتو گدھوں کا گوشت حرام ہے

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام قرار دیا اور یہ بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے حرمت کا سبب یہ بیان فرمایا کہ یہ ناپاک ہیں[4] اور یہ قول ان صحابہ کرام ؓ کے اقوال سے مقدم ہے جنھوں نے یہ کہا ہے کہ 1 ان کی حرمت کا سبب یہ تھا کہ یہ سواری اور باربرداری کے لیے تھے۔ جب آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ گدھوں کے کھائے جانے کی وجہ سے سواریاں ختم ہوگئی ہیں تو آپ

1 المآئدة 5:2. 2 البقرة 2:217. 3 زادالمعاد: 3/339-341. 4 صحیح البخاري: 5528

نے انھیں حرام قرار دے دیا۔ 2 بعض نے کہا ہے کہ انھیں حرام اس لیے قرار دیا گیا تھا کہ ان میں سے خمس ادا نہیں کیا گیا تھا۔ 3 یہ بھی کہا گیا ہے کہ انھیں اس لیے حرام قرار دیا گیا تھا کہ بستی کے قریب ہونے کی وجہ سے یہ گندگی کھاتے تھے۔ یہ تمام اقوال صحیح بخاری میں موجود ہیں۔[1] لیکن آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان کہ "یہ ناپاک ہیں۔" ان تمام اقوال سے مقدم ہے۔[2]

اس حرمت اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں کوئی تعارض نہیں ہے:

قل لا اجد في ما اوحي الي محرما على طاعم يطعمه الا ان يكون ميتة او دما مسفوحا او لحم خنزير فانه رجس او فسقا اهل لغير الله به

"(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف جو وحی کی گئی ہے، میں اس میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر جو اسے کھائے، حرام ہو مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو یا سؤر کا گوشت کیونکہ وہ ناپاک ہے یا وہ فسق ہو کہ (ذبح کرتے وقت) اس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔"[3]

اس آیت کریمہ کے نزول کے وقت کھانے کی چیزوں میں سے صرف یہی چار چیزیں حرام تھیں اور محرمات میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ اس کے بعد گدھوں کی حرمت کا حکم مستقل تھا۔[4] واللہ اعلم

- خیبر کے موقع پر خچروں کا گوشت کھانے سے بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا۔[5]
- اسی طرح درندوں میں سے ہر کچلی والے اور پرندوں میں سے ہر پنجے سے کھانے والے پرندے کے کھانے سے بھی منع کر دیا گیا۔[6]
- گندگی کھانے والے جانور پر سواری کرنے،[7] اس کا گوشت کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع کر دیا گیا۔ البتہ ایسے جانور کو باندھ کر پاکیزہ خوراک دینے سے جب اس کے دودھ، یا پسینے سے بدبو دور ہو جائے تو پھر اس پر سواری کرنا، اس کا دودھ اور گوشت استعمال کرنا جائز ہے۔[8]

کیا متعہ کو خیبر کے دن حرام قرار دیا گیا؟

صحیح بات یہی ہے کہ متعہ کو خیبر کے دن حرام قرار نہیں دیا گیا تھا بلکہ اسے فتح مکہ کے سال حرام قرار دیا گیا، جیسا کہ ربیع بن سبرہ جہنی سے روایت ہے کہ ان کے والد نے بیان کیا کہ ہم فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے

1 صحیح البخاري: 4220 و 4227. 2 فتح الباري: 811/9. 3 الأنعام 145:6. 4 زادالمعاد: 343/3. 5 مسند أحمد: 362/3. 6 سنن أبي داود: 3805. 7 جو اونٹ، بکری یا مرغی گندگی کھائے حتی کہ اس کا گوشت، دودھ یا انڈے بدبودار ہو جائیں تو اسے جلالہ کہتے ہیں۔ 8 سنن أبي داود: 3785 و 3811

ساتھ تھے، آپ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي قَدْ كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الِاسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ، وَإِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ ذَلِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهُنَّ شَيْءٌ فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهُ، وَلَا تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا

''اے لوگو! میں نے تمھیں عورتوں سے متعہ کی اجازت دی تھی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت کے دن تک حرام قرار دے دیا ہے، پس جس کے پاس متعہ والی عورتوں میں سے کوئی ہو تو وہ اسے چھوڑ دے اور تم نے انھیں جو دیا ہو، اس میں سے کوئی بھی چیز واپس نہ لو۔''[1]

اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ اسے خیبر کے دن حرام قرار دیا گیا تھا اور انھوں نے ''صحیحین'' میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ

''بے شک رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔''[2]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متعہ کے سوا مجھے اور کوئی ایسی چیز معلوم نہیں جسے حرام قرار دیا گیا ہو، پھر جائز ٹھہرا دیا گیا ہو اور پھر حرام قرار دے دیا گیا ہو۔ دوسرے لوگوں نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ متعہ کو فتح مکہ ہی کے موقع پر حرام قرار دیا گیا، اس سے پہلے یہ جائز تھا۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے متعہ اور پالتو گدھوں کی حرمت کی خبروں کو اکٹھا بیان فرما دیا، اس لیے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ان دونوں کو جائز قرار دیتے تھے، چنانچہ انھوں نے ان دونوں کی تردید میں نبی اکرم ﷺ سے ان کی حرمت کے بارے میں احادیث کو یکجا کر کے بیان فرما دیا۔ گدھوں کی حرمت کا حکم بلاشک وشبہ خیبر ہی کے دن ہوا تھا، لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے گدھوں کی حرمت کے حوالے سے اس دن کا ذکر فرمایا جب کہ متعہ کی حرمت کو مطلق رکھا اور اسے کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا جیسا کہ مسند احمد میں صحیح سند کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ ''بے شک رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام قرار دیا تھا، آپ ﷺ نے عورتوں سے متعہ کو بھی حرام قرار دیا ہے۔'' اس سے بعض راویوں نے یہ گمان کیا کہ ان دونوں کی حرمت کا تعلق یوم خیبر سے ہے۔

1 صحیح مسلم: 1406. 2 صحیح البخاري: 4216، صحیح مسلم: 1407

خیبر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہودی عورتوں سے ہرگز متعہ نہیں کیا، نہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت طلب کی۔ غزوۂ خیبر میں متعہ کے بارے میں کسی سے کوئی روایت منقول نہیں۔ دونوں روایتوں میں تطبیق کی سب سے زیادہ صحیح صورت یہی ہے۔

ان روایات میں تطبیق کے لیے ایک تیسرا طریقہ بھی ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے بالکل حرام قرار نہیں دیا تھا بلکہ اس صورت میں حرام قرار دیا تھا جب اس کی ضرورت نہ ہو اور بوقت ضرورت اسے جائز قرار دیا تھا۔ یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف تھا اور اسی کے مطابق وہ فتوی دیتے ہوئے فرماتے تھے کہ یہ مردار، خون اور سؤر کے گوشت کی طرح ہے، لہٰذا یہ صرف بوقت ضرورت اور زنا میں مبتلا ہونے کے اندیشے کی صورت میں جائز ہے۔ اکثر لوگوں نے آپ کی بات کو نہ سمجھا اور آپ کی طرف یہ بات منسوب کر دی کہ آپ اسے مطلقاً جائز سمجھتے ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انھوں نے اس کی حرمت کے قول کو اختیار فرمالیا۔[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ اس حدیث میں تقدیم و تاخیر ہے اور اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور آپ نے عورتوں سے متعہ کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ اس کا یہ مفہوم نہیں کہ عورتوں سے متعہ کرنے کی ممانعت بھی خیبر کے دن ہوئی تھی کیونکہ غزوۂ خیبر میں تو متعہ کا معاملہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔[2]

یاد رہے کہ متعہ کے معنی فائدہ حاصل کرنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اس سے مراد نکاح موقت ہے، یعنی ایک متعین مدت تک کسی عورت سے نکاح کرنا اور اس کی صورت یہ ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں کسی عورت سے باقاعدہ نکاح ایک مخصوص اور متعین مدت تک کے لیے ہو اور مدت مکمل ہونے کے بعد طلاق کے بغیر ہی شوہر اور بیوی میں تفریق ہو جائے گی۔ تفریق کے بعد عورت ایک حیض تک انتظار کرے گی تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس شوہر سے اسے حمل تو نہیں، اسے استبرائے رحم کہا جاتا ہے۔ ابتدائے اسلام میں متعہ... نکاح موقت... کی یہ صورت جائز تھی، بعد ازاں اسلام نے نکاح کی اس صورت کو حرام قرار دے دیا۔

متعہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی عورت سے کہے کہ میں ایک دن یا دو چار دن کے لیے تجھے بیوی بناتا ہوں اور تیرا مہر اتنا ہوگا۔ یہاں مہر کا لفظ استعمال کیا جائے یا اجرت کا یہ بہر حال اجرت ہی ہے۔ متعہ کی یہ صورت جو شیعہ حضرات کے ہاں مروج ہے، اسلام میں کبھی جائز تھی، نہ ہے، نہ کبھی ہو سکتی ہے کیونکہ اس صورت میں اور زنا میں قطعاً کوئی فرق نہیں۔ یہ صورت تو سابقہ ادیان و مذاہب میں سے کسی بھی مذہب میں کبھی جائز نہیں رہی۔[3]

1 زاد المعاد: 345/3. 2 فتح الباری: 603/7. 3 حرمت متعہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے: احکام القرآن للجصاص: 2/184-194.

آب پاشی اور مزارعت کا جواز

مساقاۃ (آب پاشی) اور مزارعت کی یہ صورت جائز ہے کہ باغات اور کھیتوں کی پیداوار کے ایک حصے پر معاملہ طے کر لیا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ معاملہ فرمایا تھا۔ اس کے جواز کی یہ صورت آپ کی وفات تک رہی اور کبھی منسوخ نہیں ہوئی۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا۔ یہ اجرت کی صورت نہیں بلکہ مشارکہ و مضاربہ کی صورت ہے، جو شخص مضاربہ کو تو جائز ٹھہرائے اور مزارعت کو حرام قرار دے، وہ دراصل ایک ہی جیسی دو چیزوں میں فرق کرتا ہے۔

نبی ﷺ نے خیبر کی زمین اس شرط پر یہودیوں کے سپرد کی تھی کہ وہ کام کریں گے اور مال بھی خود ہی خرچ کریں گے، یعنی آپ ﷺ انھیں بیج وغیرہ نہیں دیتے تھے، نہ مدینہ سے انھیں کچھ بھیجتے تھے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اس بارے میں آنحضرت ﷺ کا طریقہ مبارک یہ ہے کہ مزارعت میں یہ شرط عائد نہ کی جائے کہ بیج زمین کے مالک کے ذمے ہوگا، آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طریقہ تھا اور صحیح قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے۔[1]

پھلوں کا اندازہ لگانا جائز ہے

کھجور کے درختوں پر موجود پھل کا اندازہ لگانا اور اندازے سے تقسیم کرنا جائز ہے۔ اندازہ لگانے اور تقسیم کرنے کے لیے ایک ہی شخص پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے۔

صلح کا جواز

عقدِ صلح جائز ہے اور امام جب چاہے اسے فسخ کر سکتا ہے۔ عقد صلح و امان کو مشروط قرار دینا بھی جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مال کے بارے میں یہ شرط عائد فرمائی تھی کہ یہودی اس میں سے کچھ غائب کریں گے نہ چھپائیں گے۔

تحقیق و تفتیش کے لیے سزا دی جا سکتی ہے

جس شخص پر تہمت ہو، تحقیق و تفتیش کے لیے اُسے جسمانی سزا دینا جائز ہے، یہ عادلانہ شریعت ہے، ظالمانہ سیاست نہیں۔[2]

1 زاد المعاد: 346/3۔ 2 زاد المعاد: 346/3۔

قرائن کی بنیاد پر فیصلہ

قرائن اور علامات کی بنیاد پر فیصلہ کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے کنانہ سے فرمایا تھا:

[illegible]

''مال بہت زیادہ ہے اور زمانہ قریب کی بات ہے۔''

یوں نبی ﷺ نے اس کے اس تہمت پر استدلال کیا تھا کہ ''وہ مال جنگوں اور دیگر اخراجات میں خرچ ہو گیا ہے'' یعنی جس شخص کے کذب کا قرینہ موجود ہو، اس کی بات نا قابلِ التفات ہوگی اور اسے خائن سمجھا جائے گا۔[1]

اہل ذمہ طے شدہ شرائط کی خلاف ورزی کریں تو ان کی جان و مال کا ذمہ کالعدم ہوگا

اہل ذمہ جب شرائط کی مخالفت کریں تو ان کا ذمہ باقی نہیں رہتا، ان کے خون اور اموال حلال ہو جاتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے عقد مصالحت کیا تھا اور شرط عائد فرمائی تھی کہ وہ کوئی چیز غائب کریں گے نہ چھپائیں گے اور اگر انھوں نے ایسا کیا تو ان کے خون اور اموال حلال ہو جائیں گے۔ انھوں نے یہ طے شدہ شرط پوری نہیں کی تو حسب معاہدہ آپ ﷺ نے ان کے خون اور اموال کو حلال قرار دے دیا۔ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اہل ذمہ کے ساتھ شرائط میں اسی اصول کو پیش نظر رکھا کہ انھوں نے طے شدہ شرائط میں سے اگر کسی شرط کی بھی مخالفت کی تو ان کے ساتھ مخالفت اور عداوت کرنے والوں جیسا معاملہ کیا جائے گا۔

عمل درآمد سے قبل حکم منسوخ کرنا جائز ہے

عمل درآمد سے قبل حکم کا نسخ بھی جائز ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے پہلے ہانڈیوں کے توڑ دینے کا حکم دیا، پھر آپ ﷺ نے اسے منسوخ کر کے انھیں دھونے کا حکم دے دیا۔

حرام جانور ذبح کرنے کے بعد پاک نہیں ہوتا

جس جانور کا گوشت حرام ہے، وہ ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا۔ اس کی کھال اور اس کا گوشت بھی ناپاک ہوتا ہے۔ اس کا ذبیحہ بھی مردہ جانور ہی کے حکم میں ہوتا ہے، ذبح کرنے کا عمل مأکول اللحم، یعنی حلال جانوروں کے لیے ہے۔[2]

1 زاد المعاد: 346/3. 2 زاد المعاد: 347/3.

تقسیم غنیمت سے پہلے چھوڑے لینا سخت گناہ ہے

جو شخص مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے ہی کچھ لے لے تو وہ اس کا مالک نہیں بنتا، چاہے وہ اس کے حصے سے کم مقدار کی چیز ہو۔ وہ مالک اسی وقت ہوگا جب باقاعدہ تقسیم کے بعد اسے ملے۔ اسی وجہ سے آپ نے اس شخص کے بارے میں جس نے چادر کی خیانت کی تھی فرمایا تھا کہ ''وہ اس پر آگ بن کر بھڑک رہی ہے'' اور جس نے جوتی کے تسمے کی خیانت کی تھی، اس سے فرمایا تھا کہ ''تسمہ بھی جہنم کی آگ کا باعث بنے گا۔''[1] البتہ کھانے پینے کی اشیاء اس سے مستثنیٰ ہیں۔

بذریعہ جنگ حاصل کی گئی زمین کی تقسیم

جس زمین پر جنگ کر کے زبردستی قبضہ کیا گیا ہو، اس کے بارے میں امام کو اختیار ہے کہ وہ اسے مجاہدین میں تقسیم کر دے یا بغیر تقسیم کے باقی رہنے دے یا اس کے کچھ حصے کو تقسیم کر دے اور کچھ باقی رہنے دے۔

جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ آنے والے مہاجرین حبشہ کو آپ ﷺ نے مال غنیمت سے جو حصہ دیا تھا، اس سے یہ اصول اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جنگ کے خاتمے کے بعد جو مجاہدین مدد کے لیے پہنچیں، انھیں لشکر کی اجازت اور رضامندی ہی سے مال غنیمت سے حصہ دیا جا سکتا ہے۔[2]

فال لینا جائز ہے

کسی چیز کو دیکھ کر یا سن کر ایسی فال لینا جائز بلکہ مستحب ہے جو اسلام کی فتح و غلبے کا سبب بنے جیسا کہ نبی ﷺ نے خیبر کے لوگوں کے ہاتھوں میں پھاوڑے، کدالیں، درانتیاں اور ٹوکرے دیکھے جو عمارتوں مسمار کرنے کے کام آنے والی چیزیں ہیں تو آپ ﷺ نے اس سے یہ فال لی کہ ان کی حویلیاں اور قلعے مسمار اور تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے یہ بات دراصل دعا کے طور پر فرمائی تھی جسے آپ نے خبر کے انداز میں بیان فرمایا۔[3]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خیبر کی تباہی کی اطلاع دے دی تھی، لہٰذا آپ ﷺ نے یہ بات پیش گوئی کے طور پر فرمائی تھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شاید آنحضرت ﷺ نے یہ بات وحی الٰہی کی بنیاد پر فرمائی تھی۔[4] اس کی تائید آنحضرت ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے:

1 زادالمعاد: 347/3. 2 زاد المعاد: 342/3. 3 السيرة الحلبية: 730/2. 4 فتح الباري: 585/7.

«اللہ اکبر، خربت خیبر، انا اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین»

''اللہ سب سے بڑا ہے۔ خیبر تباہ ہوگیا۔ جب ہم ان لوگوں کے روبرو نازل ہوتے ہیں جن کو ڈرایا جا چکا ہے، تو ان کی صبح بہت بری ہو جاتی ہے۔''[1]

بوقت ضرورت اہل ذمہ کو جلاوطن کیا جا سکتا ہے

جب اہل ذمہ کی ضرورت نہ رہے تو انھیں دارالاسلام سے جلاوطن کرنا جائز ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہود خیبر سے فرمایا تھا کہ ''ہم تمھیں اس وقت تک یہاں رہنے دیں گے جب تک اللہ تعالیٰ تمھیں رہنے دے گا۔'' آپ ﷺ نے ان کے ایک سردار سے یہ بھی فرمایا تھا کہ ''اس وقت تمھارا کیا حال ہوگا جب تمھاری سواری تمھیں آئے دن شام سے قریب سے قریب تر کر دے گی؟'' پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں خیبر سے جلاوطن کر دیا۔ امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ بوقت ضرورت و مصلحت اہل ذمہ کی جلاوطنی جائز ہے۔[2]

جھوٹ کے جواز کی بعض صورتیں

انسان کے لیے اس صورت میں اپنے یا کسی اور کے لیے جھوٹ بولنے کا جواز موجود ہے جب اس سے کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچے اور اس کے بغیر اپنا حق وصول نہ کیا جا سکتا ہو جیسا کہ حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے بارے میں جھوٹ بولا کہ انھیں شکست ہوگئی ہے۔ اس طرح انھوں نے مکہ میں آسانی سے اپنا مال وصول کر لیا لیکن اس جھوٹ سے مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ ہر چند مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کو اس سے جو ذہنی اذیت پہنچی اور غم لاحق ہوا، اس کی خرابی اس مصلحت کے مقابلے میں بہت کم ہے جو اس جھوٹ کی وجہ سے حاصل ہوئی، خصوصاً وہ فرحت و مسرت اور ایمان میں اضافہ جو اس جھوٹ کے بعد سچی خبر معلوم ہونے کی صورت میں حاصل ہوا۔ یہ کذب اس راجح مصلحت کے حصول کا سبب تھا۔ اسی مثال کے مطابق اگر کوئی امام اور حاکم حق معلوم کرنے کے لیے معاملے کے کسی فریق کو خلاف حق وہم یا وسوسے میں مبتلا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے جیسا کہ سیدنا سلیمان بن داود علیہما السلام نے یہ فرما کر دو میں سے ایک عورت کو وہم میں مبتلا کر دیا تھا کہ میں بچے کو تم دونوں میں آدھا آدھا تقسیم کر دیتا ہوں۔[3]

1 صحیح البخاری: 4198,4197۔ 2 زادالمعاد: 348/3۔ 3 زاد المعاد: 250/3، صحیح البخاری: 3427، صحیح مسلم: 1720۔

سفر میں شب عروسی

سفر میں اپنی بیوی کے ساتھ شب باشی اور اسے لشکر میں اپنی سواری پر اپنے ساتھ سوار کرنا جائز ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے سفر ہی میں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب عروسی بسر فرمائی اور انھیں اپنے ساتھ سواری پر سوار کرلیا تھا۔[1]

بذریعہ زہر قتل کی صورت میں قصاص

جو شخص کسی کو زہر دے کر ہلاک کر دے تو اسے قصاص کے طور پر قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ اس یہودی عورت کو قتل کر دیا گیا جس کے زہر آلود کھانے سے سیدنا بشر بن براء رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تھے۔[2]

اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے

اہل کتاب کا ذبیحہ کھانا جائز ہے، ان کا کھانا حلال ہے اور ان کے ہدیے بھی قبول کیے جاسکتے ہیں جیسا کہ اس زہر آلود بکری کے واقعے سے یہ مسائل ثابت ہوتے ہیں۔

خیبر کے دیگر مسائل

خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے حاملہ باندیوں سے مباشرت، نیز استبرائے رحم سے قبل مباشرت سے منع فرما دیا تھا۔ حنش صنعانی سے روایت ہے کہ ہم نے رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ المغرب میں جہاد کیا۔ انھوں نے مغرب کی بستیوں میں سے ایک بستی کو فتح کیا، جسے جربہ کہا جاتا تھا، پھر انھوں نے کھڑے ہو کر ہم سے یہ خطاب کیا: اے لوگو! آج میں تم سے وہی بات کہوں گا جو رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن ہم سے مخاطب ہو کر فرمائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

- جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی دوسرے کی کھیتی کو پانی دے (یعنی حاملہ باندیوں سے مباشرت کرے)۔
- جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ استبرائے رحم سے قبل کسی باندی سے جنسی تعلق قائم کرے۔
- جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ تقسیم سے پہلے مال غنیمت کو بیچے۔

1 زاد المعاد: 350/3. 2 زاد المعاد: 351/3.

- جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ مال غنیمت میں سے کسی جانور کو سواری کے لیے استعمال کرے اور پھر جب اسے لاغر کر دے تو واپس کر دے۔
- جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ مسلمانوں کے مال غنیمت سے کوئی کپڑا استعمال کرے اور جب وہ بوسیدہ ہو جائے تو اسے واپس کر دے۔[1]

1 السیرۃ لابن ھشام:3/345،346، سنن أبي داود، 2158،2159، جامع الترمذي:1131.

غزوۂ خیبر کے دوران معجزات کا ظہور

غزوۂ خیبر کے موقع پر امام کائنات، فخر موجودات سیدنا محمد ﷺ کے دست مبارک پر کئی معجزات کا بھی ظہور ہوا، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیشگی خبر

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا رسول اللہ ﷺ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خیبر جا رہے تھے تو سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نے حدی کے طور پر بلند آواز سے اشعار پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اشعار سن کر فرمایا کہ حدی خوانی کے ذریعے سواریوں کو تیز چلانے والا کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: یہ عامر بن اکوع ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔'' قوم میں سے ایک شخص نے کہا اور مسلم کی روایت کے مطابق سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو اپنے اونٹ پر سوار تھے، بلند آواز سے عرض کی: اے اللہ کے نبی! آپ نے ہمیں عامر سے کچھ اور فائدہ اٹھانے کا موقع کیوں نہ عطا فرمایا؟ انھوں نے یہ اس لیے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی انسان کے لیے بطور خاص اس طرح کی دعا فرماتے تو اسے شہادت نصیب ہو جاتی تھی۔ سیدنا عامر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی اسی طرح ہوا کہ جب مسلمانوں اور یہودیوں کا مقابلہ جاری تھا تو سیدنا عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سے ایک یہودی کی پنڈلی پر وار کرنا چاہا مگر ان کی تلوار چھوٹی ہونے کی وجہ سے دشمن کی پنڈلی تو نہ کاٹ سکی، البتہ ان کی تلوار کی نوک خود انھی کے اپنے گھٹنے پر آ لگی جس سے ان کی وفات ہوگئی۔[1]

آنحضرت ﷺ کا سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کے لیے بطور خاص رحمت اور مغفرت کی دعا کرنا اور اس کے نتیجے میں ان کا جام شہادت نوش کرنا آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔

خیبر کی تباہی کی پیش گوئی

آنحضرت ﷺ اپنے جانباز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جب صبح سویرے خیبر میں داخل ہوئے تو خیبر کے وہ لوگ

1 صحيح البخاري: 4196، صحيح مسلم: 1807.

جو پھاوڑے، کدالیں، درانتیاں اور ٹوکرے وغیرہ اٹھائے ہوئے اپنے کام کاج پر جانے کے لیے نکلے تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر وہ بے ساختہ چلا اٹھے: ''اللہ کی قسم! محمد آ گئے۔ اللہ کی قسم! محمد اپنا لشکر لے کر آ گئے۔'' یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

«خربت خيبر، إنا إذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين»

''خیبر تباہ و برباد ہو گیا۔ جب ہم ان لوگوں کے روبرو آ پہنچے تو جن لوگوں کو ڈرایا جا چکا ہے، ان کے لیے (یہ) بہت بری صبح ہے۔''[1]

نبی ﷺ نے پھاوڑے، کدالیں، درانتیاں اور ٹوکرے وغیرہ جو عمارتوں کو مسمار کرنے کا سامان ہے، دیکھ کر فال کے طور پر یہ بات فرمائی ہو یا وحی الٰہی کی بنیاد پر پیش گوئی کے طور پر، دونوں صورتوں میں یہ آپ کا معجزہ ہے کہ آپ ﷺ نے وقت سے پہلے ہی خیبر کی تباہی و بربادی کی خبر دے دی تھی۔

ایک شخص کے جہنمی ہونے کی پیش گوئی

خیبر میں رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے دعوے دار ایک شخص کے بارے میں فرمایا کہ وہ جہنمی ہے لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو اس نے جنگ میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور وہ زخموں سے چور چور ہو گیا حتی کہ بعض لوگوں کو شک گزرنے لگا کہ جو شخص اس قدر شدت سے جنگ لڑ رہا ہو حتی کہ زخموں سے چور چور ہو گیا ہو، وہ جہنمی کیسے ہو سکتا ہے؟ شہداء سے تو اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے لیکن اس شخص نے جب زخموں کے درد و الم کی شدت محسوس کی تو صبر نہ کر سکا۔ اس نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر اس سے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔ مسلمانوں نے یہ بات بڑی شدت سے محسوس کی۔ اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی بات کو سچ ثابت کر دکھایا ہے، فلاں شخص نے خودکشی کر لی ہے۔ آپ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا:

«قُمْ يَا فُلَانُ! فَأَذِّنْ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ، إِنَّ اللَّهَ لَيُؤَيِّدُ الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ»

''اے فلاں! کھڑے ہو کر یہ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہو گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد فاجر آدمی کے ساتھ بھی فرما دیتا ہے۔''[2]

1 صحیح البخاري، 4197. 2 صحیح البخاري، 4204. صحیح مسلم کی روایت (111) میں خیبر کے بجائے حنین کا ذکر ہے لیکن قاضی عیاض ؒ لکھتے ہیں کہ خیبر کا ذکر ہی صحیح ہے۔ (شرح مسلم للنووی 122/2)

لعاب دہن سے زخم اور آشوب چشم کا علاج

یزید بن ابی عبید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی میں زخم کا نشان دیکھا تو میں نے پوچھا: اے ابو مسلم! یہ نشان کیسا ہے؟ انھوں نے فرمایا: یہ اس زخم کا نشان ہے جو مجھے خیبر کے دن لگا تھا۔ لوگ کہنے لگے کہ سلمہ تو گیا! میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میرے زخم پر تین بار دم کیا تو مجھے اب تک اس زخم سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔[1]

آپ کے مبارک لعاب دہن سے زخم کا مکمل طور پر ٹھیک ہو جانا بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ ہے۔

خیبر کے دن سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا اور ان کے لیے دعا کی تو وہ اس طرح صحت یاب ہو گئے گویا انھیں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔[2]

زہر آلود گوشت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو

جب یہودی عورت زینب بنت حارث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بکری کے بھنے ہوئے گوشت کا ہدیہ پیش کیا، جس میں اس نے زہر ڈال دیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اسے قوت گویائی عطا فرمائی اور اس نے آپ کو بتایا کہ وہ زہر آلود ہے، لہٰذا آپ اسے نہ کھائیں۔[3]

رزق کی فراوانی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

علامہ حلبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ قلعہ صعب کے محاصرے کے وقت مسلمانوں کو کھانے پینے کی سخت تنگی ہوگئی اور وہ بھوک سے نڈھال ہونے لگے تو بنو اسلم کے مسلمانوں نے اسماء بن حارثہ اور اس کی بیوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ بنو اسلم آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بھوک سے نڈھال ہوگئے ہیں۔ اس پر لوگوں نے انھیں ملامت بھی کی کہ تم عربوں کے درمیان موجود ہوتے ہوئے ایسی بات کہہ رہے ہو۔ اس پر اسماء کے بھائی زید بن حارثہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں آرزومند ہوں کہ یہ وفد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہا ہے، خیر و برکت کی کنجی ثابت ہو۔ اس کے بعد اسماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انھوں نے آپ کو بنو اسلم کا پیغام پہنچایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ قَدْ عَرَفْتَ حَالَهُمْ وَأَنْ لَيْسَ بِهِمْ قُوَّةٌ وَأَنْ لَيْسَ بِيَدِي شَيْءٌ أُعْطِيهِمْ إِيَّاهُ»

1 صحيح البخاري: 4206. 2 البداية والنهاية: 191/4. 3 المغازي للواقدي: 145,144/2.

''اے اللہ تجھے ان کا حال معلوم ہے کہ ان کے پاس کوئی قوت اور استطاعت نہیں ہے، میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے جو ان کو دے سکوں''......اس کے بعد آپ ﷺ نے عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ أَكْثَرَ الْحُصُوْنِ طَعَامًا وَوَدَكًا

''اے اللہ! ان میں سے اکثر قلعوں پر اس حال میں فتح عطا فرما کہ ان میں گھی اور رزق کی فراوانی ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور اس معجزہ کا اس طرح ظہور ہوا کہ اس قلعے سے گیہوں، کھجور، گھی، زیتون کا تیل، چربی اور دیگر غذائی اجناس کے بھاری ذخیرے برآمد ہوئے اور یہ ذخائر مسلمانوں کے قبضے میں آگئے، علاوہ ازیں بہت سے مویشی اور دیگر بھاری مال و متاع بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔[1]

1 السيرة الحلبية 2/742,741.

وادی القریٰ کی فتح

وادی القریٰ مدینہ منورہ سے تقریباً 350 کلومیٹر شمال میں ایک سرسبز و شاداب وادی ہے جو آج کل وادی العلاء کہلاتی ہے۔ فتح خیبر کے وقت یہاں بہت سے یہودی آباد تھے جو بڑی طاقت و دولت کے مالک تھے۔ سقوط خیبر کے بعد یہ وادی القریٰ ہی کے یہودی تھے جنھوں نے مسلمانوں کا غلبہ قبول کرنے کے بجائے مقابلہ کرنے کو ترجیح دی۔ خیبر کی طرح وادی القریٰ کے یہودیوں کے پاس بھی کئی جنگی قلعے تھے۔ انھوں نے ان بہت سے بُت پرست اعراب کی بھی مدد حاصل کرلی تھی جو خیبر سے وادی القریٰ کی طرف جاتے ہوئے مسلمانوں کے رستے میں پڑتے تھے۔

وادی القریٰ کے دو مناظر





یہودیوں کی طرف سے جنگ کا آغاز

رحمۃ للعالمین ﷺ کا معمول تھا کہ آپ کسی قوم سے اس وقت تک جنگ شروع نہیں فرماتے تھے جب تک اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت پیش نہ فرما دیتے اور اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں اس کے خوفناک انجام سے خبردار نہ کر دیتے تھے۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیتے تو آپ ﷺ ان سے جنگ نہ کرتے اور انھیں امت مسلمہ کے افراد قرار دے کر اپنا دینی بھائی بنا لیتے تھے لیکن وادی القریٰ کے یہودیوں نے اس قدر تیزی دکھائی کہ انھوں

نے آپ کو اسلام کی دعوت پیش کرنے کا موقع ہی نہ دیا بلکہ اسلامی لشکر کے وادی القریٰ میں پہنچتے ہی انھوں نے مسلمانوں پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی اور رسول اللہ ﷺ کے غلام مدعم کو قتل کر دیا۔

اس کی ہلاکت کی وجہ سے جب لوگوں نے یہ کہا کہ اسے جنت مبارک ہو تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں، اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ چادر جو اس نے خیبر کی غنیمتوں کی تقسیم سے قبل ہی لے لی تھی، اس پر آگ بن کر برس رہی ہے۔[1]

مسلمانوں کی جنگ کے لیے تیاری

وادی القریٰ کی صورت حال سے عہدہ برا ہونے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنگ کے لیے تیار کیا۔ آپ نے بڑا پرچم اسلام سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اور چھوٹے پرچم حباب بن منذر، سہل بن حنیف اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم کو عنایت فرمائے، پھر آپ ﷺ نے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی اور انھیں بتایا کہ اسلام قبول کرنے کی صورت میں ان کی جان بھی بچ جائے گی اور مال و متاع بھی محفوظ ہو جائے گا اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہوگا لیکن انھوں نے دعوت اسلام قبول کرنے کے بجائے جنگ کو ترجیح دی۔ ان میں سے ایک شخص مقابلے کے لیے میدان میں آیا تو اسے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر قتل کر دیا۔ دوسرا آدمی باہر نکلا تو وہ بھی انھی کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ پھر تیسرا آدمی مقابلے کے لیے آیا تو اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کر دیا اور چوتھے آدمی نے مبارزت کی دعوت دی تو اسے سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے ٹھکانے لگا دیا۔ پانچواں شہسوار نکلا تو انھوں نے اسے بھی ڈھیر کر دیا۔ اس طرح مجاہدین اسلام کے ہاتھوں گیارہ یہودی قتل ہوگئے۔ ان میں سے جب بھی کوئی یہودی قتل ہو جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ انھیں پھر اسلام کی دعوت دیتے تھے اور جب بھی نماز کا وقت ہو جاتا تو آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز ادا فرماتے۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ انھیں پھر اسلام قبول کرنے اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی اطاعت کی طرف آجانے کی دعوت دیتے تھے۔ شام تک اسی طرح لڑائی جاری رہی۔ صبح ہوئی تو پھر لڑائی شروع ہوگئی لیکن ابھی سورج طلوع ہوا ہی تھا کہ انھوں نے یکا یک ہتھیار ڈال دیے اور اپنی شکست تسلیم کر لی۔ اس طرح وادی القریٰ بھی اللہ کے فضل و کرم سے فتح ہوگئی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے

1 صحیح البخاري: 6707،4234، صحیح مسلم: 115، المغازي للواقدي: 167/2

مسلمانوں کو بہت سے اموال اور بہت سے سامان غنیمت سے نوازا۔ رسول اللہ ﷺ نے وادی القریٰ میں چار دن قیام فرمایا اور مجاہدین میں اموال غنیمت تقسیم فرما دیے، البتہ زمین اور کھجوروں کے باغات یہودیوں ہی کے پاس رہنے دیے اور ان کے بارے میں ان سے معاملہ طے کر لیا۔[1]

اہل تیماء کی طرف سے جزیہ کی پیشکش

وادی تیماء خیبر کے شمال میں واقع ہے۔ یہاں بھی یہودیوں نے بڑے مضبوط قلعے بنا رکھے تھے لیکن جب انھیں یہ خبر ملی کہ خیبر، فدک اور وادی القریٰ مسلمانوں کے تابع فرمان ہو چکے ہیں تو انھوں نے از خود رسول اللہ ﷺ کی طرف صلح کا پیغام بھیج دیا اور کہا کہ وہ جزیہ ادا کرنے کے لیے تیار ہیں، چنانچہ مجاہدین اسلام نے بھی ان کی کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا، اس لیے کہ جزیہ ادا کرنے کی صورت میں وہ اہل ذمہ قرار پا گئے تھے۔ ان کی حالت اس دشمن سے مختلف تھی جس نے جنگ و جدل کے بعد تھک ہار کر ہتھیار ڈالے ہوں۔ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جب خیبر اور فدک کے یہودیوں کو جلاوطن کیا تو تیماء اور وادی القریٰ کے یہودی جلاوطن نہیں کیے، اس لیے کہ یہ دونوں علاقے ارض شام میں واقع تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے میں وادی القریٰ سے مدینہ کی طرف کا علاقہ حجاز میں اور وادی القریٰ کے پیچھے کا علاقہ شام میں داخل تھا۔[2]

''جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں فرمایا تھا: «لا يجتمع بجزيرة العرب دينان» ''جزیرۃ العرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔'' تو انھوں نے یہودیوں کو پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں جلاوطن کرنے کی اجازت دے دی ہے کیونکہ مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک معلوم ہوا ہے: ''جزیرۃ العرب میں دو دین جمع نہیں رہ سکتے۔'' سو جس شخص کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کوئی عہد ہو، وہ میرے پاس آ جائے تاکہ میں اسے پورا کر دوں اور جس شخص کے پاس کوئی عہد نہ ہو، وہ جلاوطنی کے لیے تیار ہو جائے۔ پس جن کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کوئی عہد نہیں تھا، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں جلاوطن کر دیا۔[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو خیبر سے اس لیے بھی جلاوطن کر دیا کہ یہودیوں کی سازشیں اور مکاریاں انتہا کو پہنچ چکی تھیں۔ انھوں نے بعض صحابہ کو دھوکے سے شہید کر ڈالا تھا اور بعض کو زخمی بھی کر دیا تھا۔ ذیل میں ہم اس کے متعلق چند واقعات بیان کرتے ہیں۔

1 المغازي للواقدي 2/167، 168. 2 البداية والنهاية: 4/219. 3 السيرة لابن هشام: 3/1/3.

عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش

عبداللہ بن سہل[1] اور محیصہ رضی اللہ عنہما[2] مالی مشکلات کی وجہ سے خیبر گئے تو یہود نے عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے ان کی لاش ایک کنویں میں پھینک دی۔ محیصہ رضی اللہ عنہ نے یہودیوں سے کہا: اللہ کی قسم! تم لوگوں نے اسے قتل کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔ محیصہ اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور اس واقعے سے آگاہ کیا، پھر وہ، ان کا بڑا بھائی حویصہ اور عبدالرحمن بن سہل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ محیصہ نے جو خیبر گئے تھے گفتگو کرنا چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: پہلے بڑے کو بات کرنے دو، چنانچہ پہلے حویصہ نے اور پھر محیصہ نے بات کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب دو صورتیں ہیں: 1 وہ لوگ تمھارے ساتھی کی دیت دیں۔ 2 یا ان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جائے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی طرف وضاحت طلب خط لکھا تو انھوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حویصہ اور عبدالرحمن سے دریافت فرمایا: کیا تم قسمیں کھا کر اپنے ساتھی کے خون کے دعویدار بن سکتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا: جی نہیں، ہم تو وہاں موجود ہی نہیں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہود تمھارے سامنے قسمیں کھائیں، ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: اگر یہود پچاس قسمیں کھائیں، تو کیا تم اپنے دعوے سے دستبردار ہو جاؤ گے؟ انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ تو مسلمان نہیں ہیں اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ بھلا ہم کافروں کی قسموں کو کیسے قبول کر سکتے ہیں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے دیت کے طور پر ایک سو اونٹ ان کے گھر بھجوا دیے تھے۔[3]

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«تَأْتُونَ بِالْبَيِّنَةِ عَلَى مَنْ قَتَلَهُ؟»

''گواہی لاؤ کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟''

انھوں نے عرض کیا: ہمارے پاس گواہی نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَيَحْلِفُونَ» ''پھر وہ قسمیں کھائیں گے۔'' انھوں نے عرض کیا: ہم یہودیوں کی قسمیں پسند نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوارا نہ فرمایا کہ اس کا خون رائیگاں جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقے کے اونٹوں سے اس کی دیت ادا فرما دی۔[4]

1 عبداللہ بن سہل بن زید انصاری حارثی عبدالرحمن کے بھائی اور حویصہ ومحیصہ کے چچا زاد تھے۔ 2 محیصہ اور حویصہ دونوں مسعود بن زید کے بیٹے اور عبداللہ بن سہل اور عبدالرحمن بن سہل کے چچازاد بھائی تھے۔ 3 صحيح البخاري، 3173، 7192. 4 صحيح البخاري، 6898.

مظہر رضی اللہ عنہ کے خلاف یہود کی سازش

مظہر بن رافع رضی اللہ عنہ ملک شام سے دس موٹے تازے اور محنت کش غلام لے کر خیبر آئے۔ یہاں ان کی زمین تھی اور وہ ان غلاموں سے اپنی زمین میں کاشت کاری کرانا چاہتے تھے۔ سیدنا مظہر رضی اللہ عنہ خیبر میں تین دن قیام کرنا چاہتے تھے۔ اس دوران میں خیبر کے یہودیوں میں سے ایک شخص نے ان دس مزدوروں سے کہا: تم لوگ نصرانی ہو اور ہم یہودی ہیں مگر تمھارا یہ آقا تو عرب کی قوم میں سے ہے۔ ان لوگوں نے ہمیں تلواروں کے ذریعے دبا رکھا ہے۔ دیکھو تم دس افراد ہو اور وہ تن تنہا ایک آدمی تمھیں ہنکائے پھرتا ہے، تم سے سخت محنت کا کام لیتا ہے اور تم تنخواہیں اتھارہے ہو، تم ہمت کرو تو تمھیں آزادی مل سکتی ہے بس تم ایسا کرو کہ اس بستی سے نکلنے کے بعد فوراً اپنے آقا کو قتل کر دو۔

ان نصرانیوں نے کہا کہ ہمارے پاس تو ہتھیار ہی نہیں ہیں۔ یہ بات سن کر یہودیوں نے انھیں خفیہ طور پر دو یا تین چھریاں دے دیں۔ اس کے بعد جب یہ لوگ خیبر سے روانہ ہوئے تو بستی سے باہر نکل کر انھوں نے سیدنا مظہر رضی اللہ عنہ پر چھریوں سے حملہ کر دیا۔ سیدنا مظہر رضی اللہ عنہ فوراً تلوار نکالنے کے لیے اپنی اونٹنی کی طرف لپکے جو اونٹنی پر میان کے اندر رکھی ہوئی تھی مگر ان نصرانی غلاموں نے ان کا پیچھا کیا اور ان کے اونٹنی تک پہنچنے سے پہلے ہی ان کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا، پھر بھاگ کر خیبر میں داخل ہو گئے۔ یہودیوں نے پہلے تو ان لوگوں کو پناہ دی اور پھر انھیں ملک شام کی طرف بھگا دیا۔ بعد ازاں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مظہر رضی اللہ عنہ کے قتل اور ان کے خلاف یہودیوں کی سازش کا علم ہوا۔[1]

ابن اسحاق نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ میں، زبیر بن عوام اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم خیبر میں اپنے اموال دیکھنے گئے اور وہاں پہنچ کر اپنے اپنے اموال میں الگ الگ ہو گئے۔ رات کو جب میں اپنے بستر پر سو رہا تھا تو کسی نامعلوم شخص نے مجھ پر حملہ کر کے میرے دونوں ہاتھوں کی کہنیوں سے جوڑ نکال دیے۔ جب میں نے چیخ پکار کی اور اپنے دونوں ساتھیوں کو بلایا تو وہ میرے پاس آئے۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ پر یہ ظلم کس نے کیا ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ انھوں نے میرے ہاتھوں کا علاج کیا اور پھر مجھے میرے والد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے۔ آپ نے فرمایا: یہ یہودیوں کا کام ہے، پھر انھوں نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: لوگو! بے شک رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہودیوں سے معاہدے میں یہ طے فرمایا

1 السیرۃ الحلبیۃ: 773,772/3

تھا کہ ہم جب چاہیں گے، انھیں نکال دیں گے۔ انھوں نے عبداللہ بن عمر پر حملہ کیا ہے اور اس کے ہاتھوں کے جوڑ نکال دیے ہیں جیسا کہ آپ کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے۔ اس سے پہلے وہاں ایک انصاری پر بھی حملہ ہو چکا ہے اور ہمیں کوئی شک نہیں کہ وہ حملہ بھی یہودیوں ہی کی طرف سے تھا کیونکہ وہاں یہودیوں کے سوا ہمارا کوئی دشمن نہیں۔ پس جس کا خیبر میں مال ہو، وہ جا کر اپنا مال لے لے کیونکہ میں یہودیوں کو وہاں سے نکالنے والا ہوں۔ پھر انھوں نے یہودیوں کو وہاں سے نکال دیا۔[1]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام یہودیوں کو جلاوطن کر دیا

یہود اپنی عیاری و مکاری اور شاطرانہ ذہنیت کے باعث اپنی تاریخ کے ہر دور میں ہر جگہ فتنہ و فساد برپا کرتے رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کی شرارتوں اور سازشوں سے محفوظ رکھنے کے لیے مناسب کارروائی ضروری ہوتی تھی چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دینے کا جو اقدام کیا، وہ انتہائی ضروری اور برمحل تھا بلکہ یوں سمجھیے کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہی کے حکم کی تعمیل تھی۔ آپ ﷺ زمین میں فساد برپا کرنے والے یہودیوں کی فتنہ انگیزیوں سے خوب آگاہ تھے، اس لیے آپ ﷺ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت مسلمانوں کو جو خاص وصیتیں فرمائی تھیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھی:

«أخرجوا المشركين من جزيرة العرب»

''مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔''[2]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ حَتَّى لَا أَدَعَ إِلَّا مُسْلِمًا»

''میں یہود و نصاریٰ کو یقیناً جزیرۃ العرب سے نکال دوں گا حتی کہ یہاں میں صرف مسلمان ہی کو رہنے (کی اجازت) دوں گا۔''[3]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قاتل الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد، لا يبقين دينان في أرض العرب»

1 السيرة لابن هشام: 372/3. 2 صحيح البخاري 3053. 3 صحيح مسلم 1767

''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو تباہ و برباد کرے۔ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ سرزمین عرب میں ہرگز دو دین نہ رہنے پائیں (صرف ایک ہی دین اسلام ہونا چاہیے)۔''[1]

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (دنیا سے رخصت ہوتے وقت) جو آخری بات ارشاد فرمائی، وہ یہ تھی:

[illegible]

''حجاز اور نجران کے یہود کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا اور یاد رکھو بدترین لوگ وہ ہیں جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔''[2]

ام المؤمنین سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو آخری بات ارشاد فرمائی، وہ یہ فرمائی تھی:

«[illegible] بجزيرة العرب دينان»

''جزیرہ عرب میں دو دین نہ رہنے دیے جائیں۔''[3]

جزیرۃ العرب کا حدود اربعہ

جزیرۃ العرب (جزیرہ نمائے عرب) سے مراد کون سا علاقہ ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے یہود اور مشرکین کو نکال دینے کا حکم صادر فرمایا تھا۔

یہ علاقہ طولاً عدن (یمن) سے لے کر عراق کے مضافات تک اور عرضاً جدہ اور اس کے اردگرد سے لے کر شام کے اطراف تک ہے۔ اسے جزیرۃ العرب اس لیے کہا جاتا ہے کہ سمندروں نے اس علاقے کو گھیر رکھا ہے، یعنی بحر ہند (بحیرہ عرب)، بحر قلزم (جو آج کل بحیرہ احمر کے نام سے مشہور ہے)، بحر فارس (الخلیج العربی یا خلیج فارس) اور بحر حبشہ (خلیج عدن) نے چاروں طرف سے اس کا احاطہ کر رکھا ہے۔[4]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جزیرہ نمائے عرب بحیرہ قلزم سے لے کر بحر بصرہ (خلیج فارس) تک اور یمن کے ساحل سے لے کر شام کے آغاز تک ہے۔ یمن جزیرہ نمائے عرب کے اندر شامل ہے لیکن شام شامل نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت اور اس سے پیشتر عرب اسی علاقے میں ہوا کرتے تھے۔ جب

1 السنن الکبری للبیهقي: 135/6. 2 مسند احمد: 195/1. 3 مسند أحمد: 275/6. 4 فتح الباري: 205/6

دعوتِ اسلام کا ظہور ہوا اور فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو عرب شرقاً غرباً دور دور تک سب شہروں اور ملکوں میں آباد ہوگئے۔ یہاں تک کہ وہ شام اور آرمینیا کے ساحلوں تک پہنچ گئے، جب کہ اس سے پہلے یہاں صرف اہل فارس، رومی اور بربر وغیرہ ہی آباد تھے۔[1]

1 اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیۃ، ص: 200



حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرتے ہوئے جزیرۂ عرب کو مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے پاک کر کے ہی دم لیا اور کفار و مشرکین کے سارے صنم کدے پیوند زمین کر دیے۔

یہود کا وضع کردہ ایک جعلی مکتوب

جیسا کہ قبل ازیں واضح کیا جا چکا ہے یہود اپنی عیاری و مکاری اور شاطرانہ ذہنیت کے باعث ہر دور میں بدنام رہے ہیں۔ ان کی اسی شاطرانہ ذہنیت کا شاہکار ایک واقعہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمایا ہے: تیسری صدی ہجری کے بعد خیبر کے یہودیوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خط ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جزیہ معاف کر دیا تھا۔ یہود کے اس فریب سے دھوکہ کھا کر بعض علماء نے ان سے جزیہ ساقط ہونے کا فتویٰ بھی دے دیا تھا۔ ان میں سے شافعی عالم ابوعلی بن خیرون بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مستقل کتاب میں اس خط کے باطل ہونے کی کئی وجوہ بیان کیے ہیں جیسا کہ اور بھی کئی مصنفین نے اپنی کتابوں میں اسے باطل قرار دیا ہے، مثلاً ابن الصباغ نے ''مسائل'' میں اور شیخ ابوحامد نے اپنی ''تعلیقات'' میں اسے باطل ہی ٹھہرایا ہے۔ ابن مسلمہ نے تو اس کی تردید میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ ساتویں صدی کے بعد یہودی پھر متحرک ہو گئے اور انھوں نے پھر ایک خط ایجاد کر ڈالا۔ میں نے اسے دیکھتے ہی کہہ دیا کہ یہ بالکل جھوٹا خط ہے کیونکہ اس میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی گواہی درج ہے، جبکہ وہ تو غزوۂ خیبر سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔ اس میں دوسری گواہی سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی ہے، حالانکہ وہ اس وقت مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے اور چونکہ مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے اس لیے ان کی ''گواہی'' کہاں سے آ گئی؟ مزید برآں اس خط میں بطور کاتب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام لکھا ہوا ہے یہ بات بھی بالکل غلط ہے۔ اس میں جزیہ کی معافی کا ذکر ہے جبکہ جزیہ کا تو اس وقت تک کوئی حکم ہی نازل نہیں ہوا تھا۔ جزیہ کا حکم نازل ہونے کے بعد سب سے پہلے اہل نجران سے جزیہ لیا گیا تھا اور علمائے سیر نے لکھا ہے کہ اہل نجران کا وفد سن نو ہجری میں آیا تھا۔[1]

عرب میں غیر مسلموں کو لانا حرام ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان نہایت واضح ارشادات کے باوجود نہایت افسوس ناک صورت حال یہ ہے کہ آج جزیرۃ العرب کے اکثر و بیشتر شہروں میں غیر مسلم بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں اور زندگی کے تمام شعبوں میں کام کر رہے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ عیسائیوں، ہندوؤں، سکھوں اور دیگر غیر مسلموں کے لیے باقاعدہ

1 البدایۃ والنہایۃ 220/4.

عبادت کدے بھی تعمیر کیے گئے ہیں۔ اس افسوس ناک صورت حال سے متعلق ایک انٹرویو میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث صحیح طور پر ثابت ہے: لا يجتمع دينان في جزيرة العرب ''جزیرۃ العرب میں دو دین جمع نہ ہونے پائیں۔'' آپ ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دینے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ یہاں صرف مسلمان ہی رہ سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت بھی امت کو یہی وصیت فرمائی تھی کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دیا جائے۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ سے بلا شک و شبہ ثابت ہے، لہٰذا حکمرانوں پر فرض ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت پر اسی طرح عمل کریں جس طرح امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو خیبر سے جلاوطن کر کے رسالت مآب ﷺ کی وصیت پر عمل کیا تھا۔ سعودی حکام، خلیج اور جزیرہ نمائے عرب کے تمام حکمرانوں پر فرض ہے کہ وہ عیسائیوں، بدھوں، بت پرستوں، ہندوؤں اور دیگر تمام کافروں کو جزیرۂ عرب سے نکال دینے کی پوری کوشش کریں اور مسلمانوں کے سوا یہاں باہر سے کسی کو نہ لایا جائے۔ یہ مسلمان حکمرانوں کا فرض ہے اور قواعد شریعت کی رو سے اس کی فرضیت پوری طرح روشن ہے۔ فرض و واجب یہ ہے کہ تمام کفار کو جزیرہ نمائے عرب سے نکال دیا جائے اور کام کاج کے لیے اللہ کی زمین سے یہاں صرف مسلمانوں ہی کو آنے دیا جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ یہاں آنے والے مسلمانوں کے بارے میں بھی تحقیق کی جائے کیونکہ کچھ لوگ محض برائے نام مسلمان ہوتے ہیں، حقیقت میں مسلمان نہیں ہوتے اور ان میں بے انتہا شر موجود ہوتا ہے۔ جو لوگ مسلمانوں کو اجرت پر کام کے لیے باہر سے لانا چاہتے ہیں، انھیں چاہیے کہ وہ پہلے واقفان حال سے ساری صورت معلوم کر لیا کریں تا کہ یہاں صرف ایسے مسلمان آ سکیں جو نیکی و تقویٰ اور صالحیت میں معروف اور پابند نماز ہوں۔ یہاں کفار کو کام کے لیے رکھنا قطعاً جائز نہیں، سوائے اس کے کہ کوئی شرعی اضطرار ہو اور حکمران اس اضطرار کا تعین بھی شریعت اسلامی کی بنیاد پر کریں گے۔''[1]

سماحۃ الشیخ الامام ابن باز رحمہ اللہ ہی جزیرۂ عرب میں کافر ملازمین اور خدام کو لانے کی حرمت کا ایک اور فتویٰ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہر وہ مسلمان جو اپنے بچے کی پرورش کے لیے بطور آیا کسی عیسائی، یہودی، بدھ یا کسی اور کافر کو برطانیہ، حبشہ یا

1 مجموع فتاوی و مقالات متنوعۃ، شیخ عبدالعزیز بن باز: 3/285، 286.

فلپائن وغیرہ سے منگواتا ہے تو وہ بدترین جرم اور گناہ عظیم کا ارتکاب کرتا ہے جس پر اسے فوراً توبہ کرنی چاہیے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ کفار ملازمین کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے ختم کرے، اس گناہ پر ندامت کا اظہار کرے، اس سے فوراً رک جائے اور آیندہ ایسا عمل نہ کرنے کا عزم کرے کیونکہ یہ فعل بدترین گناہوں میں شامل ہے۔ اس سے اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کو تباہ کر دینے والے بے شمار مفاسد جنم لیتے ہیں۔ اس سے عیسائیوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو اپنے گھناؤنے مقاصد پورے کرنے میں مدد ملتی ہے۔ غیر مسلم آیاؤں وغیرہ کے ہاتھ میں بچے کو دینے کا مطلب اسے اسلام کے بجائے دیگر مذاہب میں دھکیلنا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے غصے اور عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ نعوذ باللہ من ذلك.

علاوہ ازیں ہر مسلمان کو یہ بخوبی معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اس کا اولین فرض ہے کہ وہ اپنے بچے کی اچھی تعلیم و تربیت کرے، اسے اسلامی آداب سکھائے، اسلامی شعائر اور فرائض کی اس کے دل میں محبت پیدا کرے۔ اپنے اس فرض کو ادا کرنے کے لیے ہر مسلمان کو مقدور بھر خود کوشش کرنی چاہیے اور اگر دوسروں کی مدد کی ضرورت ہو تو وہ صالح و مخلص مسلمان عربی مردوں اور عورتوں کی مدد حاصل کرے تاکہ دنیا و آخرت میں انسان اپنے فرائض سے عہدہ برا ہو اور اس کی اولاد اس کا وہ عمل صالح قرار پائے جس کا اجر و ثواب اسے مرنے کے بعد بھی ملتا رہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

اذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعو له.

”جب ابن آدم فوت ہو جاتا ہے تو ان تین چیزوں کے سوا اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے: صدقہ جاریہ، نفع بخش علم (جو وہ لوگوں کو سکھا جاتا ہے) اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔“ [1]

لشکر اسلام کی واپسی

لشکر اسلام جن اعلیٰ ایمانی و روحانی جذبات کے ساتھ سوئے خیبر روانہ ہوا تھا، واپسی پر بھی اس کی وہی نرالی اور البیلی شان تھی۔ طاغوتی فوجیں جب کسی علاقے کو فتح کرتی ہیں تو وہ فتح کے نشے میں بدمست ہو کر ایسے ایسے گھناؤنے اور شیطانی حربے اختیار کرتی ہیں کہ انسانیت کا دامن تار تار ہو جاتا ہے مگر قدسیوں کا یہ لشکر جب بے مثال فتح و نصرت حاصل کر کے خیبر پر پرچم اسلام لہرانے کے بعد واپس آ رہا تھا تو ان کے دل فخر و غرور کی آلائش سے

1 صحیح مسلم، 1631

بالکل پاک تھے۔ ان کے دن اور راتیں رب تعالیٰ کی عبادت میں صرف ہو رہی تھیں۔ ان کی صبح و شام اپنے آقا و مولیٰ جل شانہ کے ذکر و فکر سے مہک رہی تھی۔ ان کی زبانوں پر اسی رب ذوالجلال کی وحدانیت و کبریائی کے ترانے تھے جس نے انھیں بہت قلیل تعداد اور سامان جنگ کے فقدان کے باوجود کئی گنا بڑے اور بھاری دشمن پر فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا تھا۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرزندان توحید کی خیبر سے واپسی کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں جنگ کی ... یا انھوں نے یہ کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف متوجہ ہوئے ... تو لوگ ایک وادی میں پہنچے ٹیلے پر چڑھ گئے اور انھوں نے بلند آواز سے تکبیر پڑھنا شروع کر دی: اللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ارْبَعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ، إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، إِنَّكُمْ تَدْعُونَ سَمِيعًا قَرِيبًا وَهُوَ مَعَكُمْ»

''تم اپنے آپ پر کچھ نرمی کرو۔ تم کسی بہرے یا غائب کو تو نہیں پکار رہے، تم تو اس ذات گرامی کو پکار رہے ہو جو سننے والا اور قریب ہے اور وہ تمھارے ساتھ ہے۔''

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے پیچھے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ کہتے ہوئے سنا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ''اے عبداللہ بن قیس!'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِنْ كَنْزٍ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ؟»

''کیا میں تمھیں ایک ایسا کلمہ نہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے؟''

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ضرور ارشاد فرمائیں، میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کلمہ ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ہے۔''[1]

اس حدیث پاک کے ابتدائی الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خیبر کی طرف جاتے وقت پیش آیا تھا لیکن یہ بات درست نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ واقعہ خیبر سے واپسی کا ہے کیونکہ اس حدیث کے راوی سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تو سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ فتح خیبر کے بعد حبشہ سے واپس آئے تھے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ اس حدیث کے ابتدائی الفاظ سے جو تاثر ملتا ہے، اس کے ازالے کے لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہاں اختصار ہے اور عبارت درحقیقت اس طرح تھی: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف متوجہ ہوئے، آپ نے

[1] صحيح البخاري: 4202.

اس کا محاصرہ فرما لیا، اس محاصرے کے نتیجے میں آپ ﷺ نے خیبر کو فتح کر لیا، پھر جب فتح خیبر کے بعد آپ ﷺ واپس تشریف لا رہے تھے۔[1]

طلوع آفتاب کے بعد نماز فجر

رسول اللہ ﷺ نے خیبر سے واپسی کی راہ پر چلتے چلتے نیند کے غلبہ کی وجہ سے رات کو ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «اكلأ لنا الليل» ''آج رات ہمارا پہرہ دینا۔'' سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے رات کو حسب مقدور نماز پڑھی، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محو استراحت ہو گئے۔ فجر کے قریب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سواری کے ساتھ ٹیک لگا کر مشرق کی جانب منہ کر کے بیٹھ گئے، اس حالت میں ان پر بھی نیند غالب آ گئی۔ رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے نہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کوئی بیدار نہ ہو سکا حتی کہ سورج طلوع ہو گیا۔ جب دھوپ پڑی تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ ہی بیدار ہوئے۔ آپ نے گھبراہٹ کے عالم میں آواز دی: «يا بلال» ''اے بلال!'' انھوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں! میرے نفس کو بھی اسی نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کے نفس کو پکڑا تھا، یعنی مجھ پر بھی نیند اسی طرح غالب آ گئی جس طرح آپ پر غالب آ گئی تھی۔'' آپ نے حکم دیا کہ اپنی سواریوں کو آگے بڑھاؤ، چنانچہ انھوں نے اپنی سواریوں کو ہانکا حتی کہ اس وادی سے نکل گئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس وادی میں شیطان تھا۔'' وادی سے نکل جانے کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا کہ سواریوں سے اتر جائیں اور وضو کریں، پھر آپ ﷺ نے فجر کی سنتیں ادا کیں، پھر بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، انھوں نے اقامت کہی اور امام کائنات ﷺ نے نماز فجر کی امامت فرمائی، پھر آپ ﷺ نے لوگوں کی طرف رخ انور کیا، جب ان کے چہروں پر گھبراہٹ کے آثار دیکھے تو فرمایا:

«يا أيها الناس! إن الله قبض أرواحنا ولو شاء لردها إلينا في حين غير هذا، فإذا رقد أحدكم عن الصلاة أو نسيها ثم فزع إليها فليصلها كما كان يصليها في وقتها»

''لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض فرما لیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو اس وقت کے علاوہ کسی اور وقت بھی انھیں ہماری طرف لوٹا سکتا تھا۔ تم میں سے جب کوئی شخص نماز سے (بے خبر) سو یا رہے یا اسے بھول جائے اور پھر گھبراہٹ کے عالم میں نماز کی طرف متوجہ ہو تو وہ نماز اسی طرح ادا کرے جیسے اس کے وقت میں ادا کرتا ہے۔''

1 فتح الباري 587/7

پھر رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف التفات کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«إن الشيطان أتى بلالا وهو قائم يصلي فأضجعه، فلم يزل يهدئه كما يهدأ الصبي حتى نام»

”بلال جب کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے تو شیطان ان کے پاس آیا، اس نے انھیں لٹا دیا اور اس طرح تھپکیاں دینے لگا جس طرح بچے کو تھپکیاں دی جاتی ہیں حتی کہ وہ سو گئے۔“

پھر بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور انھیں اسی جیسی بات بتائی جو آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بتائی تھی۔ اس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پکار اٹھے: أشهد أنك رسول الله. ”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔“ [1]

انصار کو عطیات کی واپسی

رسول اللہ ﷺ جب فتح و نصرت اور غنیمت و شادمانی کے ساتھ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو مہاجرین نے اپنے انصار بھائیوں کو کھجوروں کے وہ تمام درخت لوٹا دیے جو انھوں نے انھیں عطیے کے طور پر دیے تھے کیونکہ اب خیبر میں ان کا مال بھی تھا اور کھجوروں کے درخت بھی۔ ام سُلَیم رضی اللہ عنہا ... والدہ ماجدہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ... نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پھل دار کھجوروں کے درخت پیش کیے تھے۔ آپ ﷺ نے وہ درخت اپنی باندی ام ایمن کو دے دیے تھے۔ جو سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ نے بھی سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ان کے درخت لوٹا دیے اور ام ایمن کو اپنے باغ سے ہر درخت کے بدلے میں دس درخت عطا فرما دیے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے خیبر سے واپسی کے بعد شوال تک مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ اس اثنا میں آپ ﷺ نے کئی سرایا روانہ فرمائے۔ [3]

1 صحيح مسلم: 680، سنن أبي داود: 435، سنن الترمذي: 3163، سنن ابن ماجه: 697، الموطأ للإمام مالك: 15.14، زاد المعاد: 357,356/3. مزید دیکھیے: اسی جلد کے باب: 1، ”صلح حدیبیہ“ میں زیر عنوان: رستے میں سونے کے بیے قیام اور فجر کی نماز سے لیٹ ہونا۔“ 2 صحيح البخاري: 2630 و 4120، صحيح مسلم: 1771. 3 زاد المعاد: 359/3.

غزوۂ ذات الرقاع

مشرکوں کی سرکوبی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی پیش قدمی،
سنگلاخ پہاڑیوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا صبر آزما
سفر جس میں کئی معجزے رونما ہوئے

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ

فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ

فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ

أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوا

''اور (اے نبی!) جب آپ مومنوں کے درمیان ہوں، پھر انھیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں تو ان میں سے ایک گروہ اپنے ہتھیار لیے ہوئے آپ کے ساتھ جماعت میں کھڑا ہو، پھر جب وہ سجدہ کر لے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ آئے جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی (وہ آپ کے ساتھ نماز ادا کرے)۔''

(النسآء 4:102)

اس باب میں

آپ کو غزوۂ ذات الرقاع کی بہت اہم اور چشم کشا تفصیلات ملیں گی۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک تاجر مدینہ منورہ آیا۔ اُس نے باتوں باتوں میں بتایا کہ بنو محارب و ثعلبہ لڑاکا جتھے جمع کر رہے ہیں اور کسی بڑی لڑائی کی فکر میں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ خطرے کے سدباب کے لیے فوراً سرگرم عمل ہو جاتے تھے۔ اس طرح جہاں مسلمانوں کی حفاظت کا پیشگی بندوبست ہو جاتا تھا، وہیں مفسد مشرکوں کے ناپاک حربے بھی بے کار ہو جاتے تھے۔ بنو محارب و ثعلبہ کی جتھا بندیوں کی اطلاع پاتے ہی آپ ﷺ ان کی سرکوبی کے لیے نجد کی طرف چل دیے۔ اس راستے میں بڑے سخت مرحلے آئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت سنگلاخ اور دشوار گزار وادیوں سے گزرنا پڑا۔ نوکیلے پتھروں پر چلتے چلتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاؤں پھٹ گئے، انھوں نے پاؤں میں چیتھڑے باندھ لیے، اٹک اٹک کر چلتے رہے مگر ان کے عزم و ہمت نے ساتھ نہ چھوڑا اور انھوں نے راہِ جہاد سے منہ نہ موڑا۔ اسی غزوے سے واپسی پر پڑاؤ کے دوران آپ ﷺ ایک درخت تلے استراحت فرما رہے تھے کہ مشرکین کا ایک سرغنہ آدھمکا اور تلوار سونت کر پوچھنے لگا: اب آپ کو کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے نہایت سکون اور وقار سے فرمایا: اللہ! یہ سن کر اُس شخص پر لرزہ طاری ہو گیا۔

محارب و بنو ثعلبہ پر لشکر کشی

جب رسول اکرم ﷺ نے مشرکین مکہ اور ان کے ہمنوا قبائل کی قوت کا خاتمہ کر دیا، یہودیوں کی سازشیں ناکام بنا دیں اور یہودی قبائل کو ان کی بدعہدی اور مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کی پاداش میں مدینہ منورہ سے بے دخل کر دیا تو آپ ﷺ نے ان بدوؤں کی طرف توجہ دی جو نجد کے صحرا میں خیمہ نشین تھے اور وقتاً فوقتاً چوری اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں کر کے مسافروں کو پریشان کرتے تھے۔ یہ لوگ کسی ایک جگہ نہیں ٹھہرتے تھے، اس لیے ان پر قابو پانا خاصا مشکل کام تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے خلاف مؤثر کارروائی کا فیصلہ کر لیا اور ان کے فتنے کو ختم کرنے کے لیے بنفسِ نفیس فرزندانِ توحید کی قیادت فرمائی۔

وجہ تسمیہ


ریاض کے قریب طویق کا زرعی علاقہ

یہ غزوہ کتب تاریخ میں متعدد ناموں سے معروف ہے۔ سب سے زیادہ مشہور نام ''غزوۂ ذات الرقاع'' (چیتھڑوں والا غزوہ) ہے۔ اس غزوے کو یہ نام کیوں دیا گیا؟ اس کی متعدد وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس غزوے کو ''ذات الرقاع'' اس لیے کہتے ہیں کہ مجاہدین نے اپنے جھنڈوں پر پیوند لگائے تھے۔ یا یہ اس علاقے کے ایک درخت کا نام تھا۔[1]

کچھ مؤرخین کہتے ہیں کہ جس علاقے میں یہ غزوہ ہوا، اس کی زمین سرخ، سفید اور سیاہ رنگ کی دھاریوں والی

1 السيرة لابن هشام: 214/3.

تھی، اس لیے دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ رنگا رنگ چیتھڑے ہوں۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ مجاہدین کے گھوڑوں یا پہاڑ کا رنگ سفید و سیاہ تھا، اس وجہ سے اس کا نام ''ذات الرقاع'' پڑ گیا۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں:

''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے کے لیے گئے۔ ہم چھ ساتھی تھے اور ہمارے پاس سواری کے لیے صرف ایک اونٹ تھا جس پر ہم باری باری سوار ہوتے تھے۔ (پیدل، طویل اور پر مشقت سفر کی وجہ سے) ہمارے پاؤں پھٹ گئے اور شدید زخمی ہو گئے۔ میرے پاؤں بھی شدید زخمی ہوئے حتی کہ میرے ناخن جھڑ گئے۔ اس وجہ سے ہم اپنے پاؤں پر پٹیاں باندھ کر چل رہے تھے۔ اس لیے اس غزوے کا نام ''غزوۂ ذات الرقاع'' (چیتھڑوں یا پٹیوں والا غزوہ) پڑ گیا۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ بیان کیا لیکن بعد ازاں انھیں یہ واقعہ بیان کرنا مناسب معلوم نہ ہوا، اس لیے فرمایا: مجھے یہ (پٹیاں باندھ کر پر مشقت سفر کرنے کا) واقعہ بیان نہیں کرنا چاہیے تھا۔ دراصل وہ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے کیے گئے عمل ظاہر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔''[2]

اصحاب المغازی نے جو وجوہ بیان کی ہیں، وہ سبھی ممکن ہیں لیکن راجح وجہ وہی ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں بیان کی ہے کیونکہ وہ صحیح ترین سند کے ساتھ منقول ہے۔ امام سہیلی اور نووی رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔[3] ابن اسحاق نے بھی اسے راجح قرار دیا ہے۔[4]

اس غزوے کے دیگر نام

1 غزوۂ نجد: کیونکہ یہ غزوہ نجد کے علاقے میں ہوا تھا۔

2 غزوۂ محارب و بنو ثعلبہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو قبائل کے بدوؤں کا پیچھا کیا تھا، اس لیے اس غزوے کا نام غزوۂ محارب اور غزوۂ بنو ثعلبہ پڑ گیا۔

3 غزوۃ الأعاجیب: اس غزوے میں رونما ہونے والے معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درخشاں واقعات کی وجہ سے اسے غزوۃ الأعاجیب کا نام دیا گیا ہے۔[5]

4 غزوۂ بنو انمار: اس غزوے میں بنو انمار کی سرکوبی بھی مطلوب تھی، اس لیے اسے غزوۂ بنو انمار بھی کہا جاتا ہے۔

1 فتح الباري: 523/7، البداية والنهاية: 85/4. 2 صحيح البخاري: 4128. 3 فتح الباري: 523/7. 4 السيرة لابن إسحاق: 387/2. 5 سنن [illegible]: 175/5، [illegible]: 260/3

5 غزوۂ صلاۃ الخوف: نبی کریم ﷺ نے اس غزوے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز خوف پڑھائی تھی، اس لیے اس کا نام غزوۂ صلاۃ الخوف پڑ گیا۔[1]

غزوے کی تاریخ

غزوۂ ذات الرقاع کب ہوا؟ اس بارے میں اصحاب مغازی کا اتفاق ہے کہ یہ غزوۂ خیبر سے پہلے ہوا مگر ان کے نزدیک تاریخ میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں: 4 ھ میں نبی کریم ﷺ نے غزوۂ بنونضیر کے بعد ربیع الثانی اور جمادی اولیٰ کے چند ایام مدینہ منورہ میں بسر فرمائے، پھر آپ ﷺ نے غطفانی قبائل بنومحارب اور بنوثعلبہ سے نجد کے علاقے میں جنگ کی۔[2]

الابرق (نجد) کا علاقہ



علامہ ابن سعد اور ابن حبان کے نزدیک یہ غزوہ 5 ھ میں ہوا۔[3] جبکہ ابومعشر سندھی بیان کرتے ہیں کہ یہ غزوہ 5 ھ میں غزوۂ بنوقریظہ کے بعد ہوا۔ اس طرح یہ غزوہ 5 ھ کے آخر اور 6 ھ کے شروع میں ہوا کیونکہ بنوقریظہ سے اسلامی لشکر کی واپسی ذوالحجہ کے آخر میں ہوئی تھی۔[4]

موسیٰ بن عقبہ نے بھی اسے پورے وثوق کے ساتھ غزوۂ خیبر سے پہلے کا واقعہ قرار دیا ہے لیکن وہ اس بارے میں شدید متردد ہیں کہ یہ غزوہ بدر سے پہلے ہوا یا بعد میں، یا یہ غزوہ احد سے قبل ہوا یا بعد میں۔

اصحاب المغازی کے برعکس امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ نے متعدد دلائل کے ساتھ اس کی تاریخ غزوۂ خیبر کے بعد ثابت کی ہے۔ آیئے وہ دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

1 امام صاحب فرماتے ہیں: بَابُ غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ وَهِيَ غَزْوَةُ مُحَارِبِ ..... وَهِيَ بَعْدَ خَيْبَرَ لِأَنَّ أَبَا مُوسٰى جَاءَ بَعْدَ خَيْبَرَ

”غزوۂ ذات الرقاع کا بیان اور اس غزوے کو غزوۂ محارب بھی کہا جاتا ہے ... یہ غزوۂ خیبر کے بعد ہوا کیونکہ اس غزوے میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے شرکت کی ہے اور وہ (حبشہ سے) غزوۂ خیبر کے بعد واپس آئے تھے۔“[5]

1 شرح الزرقاني على المواهب: 521/2. 2 السيرة لابن إسحاق: 387/2. 3 الطبقات لابن سعد: 61/2، الثقات لابن حبان: 96/1. 4 شرح الزرقاني على المواهب: 522/2. 5 صحيح البخاري، قبل حديث: 4125.

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے غزوۂ خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ سے ملنے کی دلیل بھی صحیح بخاری میں موجود ہے۔[1]

2 سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نجد کے علاقے میں ہونے والے غزوے میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ نمازِ خوف ادا کی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خدمتِ نبوی میں غزوۂ خیبر کے دوران میں پہنچے تھے۔[2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے کے لیے مدینہ منورہ تشریف لائے تو نبی کریم ﷺ غزوۂ خیبر کے لیے روانہ ہو چکے تھے، لہٰذا سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد جب خیبر میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خیبر فتح ہو چکا تھا اور آپ ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی غنیمت میں سے حصہ دیجیے۔ ابان بن سعید رضی اللہ عنہ پاس بیٹھے تھے، انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! اسے حصہ مت دیجیے گا۔ اس پر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! یہ شخص ابن قوقل (نعمان بن مالک رضی اللہ عنہ) کا قاتل ہے۔ اس پر ابان رضی اللہ عنہ نے کہا: کتنی

1 دیکھیے: صحیح البخاري: 3136، 2 صحیح البخاري: 4137.



خیبر کا نخلستان

عجیب بات ہے کہ یہ وبر (بلی سے ملتا جلتا جانور) یعنی ابوہریرہ ابھی ابھی پہاڑ کی چوٹی سے بکریاں چراتے یہاں اتر آیا ہے اور ایک مسلمان کے قتل کا الزام مجھ پر دھر رہا ہے۔ اسے یہ معلوم ہی نہیں کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں سے عزت (شہادت) بخشی اور مجھے ان کے ہاتھوں سے ذلیل ہونے سے بچا لیا۔ (اگر اس وقت ابان رضی اللہ عنہ نعمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارے جاتے تو جہنمی ہوتے کیونکہ وہ اس وقت کافر تھے)۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ خیبر کے بعد ہوا۔

3 سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوۂ نجد میں شرکت کی۔ جب ہم دشمن کے سامنے پہنچے تو ہم نے صف بندی کی۔[2]

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ غزوۂ ذات الرقاع غزوہ خندق کے بعد ہوا ہے کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پہلی لڑائی غزوۂ خندق ہی میں لڑی تھی۔[3]

4 سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں غزوے، غزوۂ ذات الرقاع میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نمازِ خوف پڑھائی۔[4]

یہ روایت بھی اس بات کی قوی دلیل ہے کہ غزوہ ذات الرقاع، غزوۂ خیبر کے بعد ہوا کیونکہ وہ غزوات جن میں باقاعدہ لڑائی بھی ہوئی، وہ یہ ہیں: پہلا: غزوۂ بدر، دوسرا: غزوۂ احد، تیسرا: خندق، چوتھا: بنو قریظہ، پانچواں: مریسیع، چھٹا: خیبر اور ساتواں: ذات الرقاع۔

اور اگر مطلق ساتواں غزوہ مراد لیا جائے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس شریک ہوئے ہر چند اس میں لڑائی نہ بھی ہوئی ہو تو اس صورت میں ساتواں غزوہ احد سے پہلے بنتا ہے۔ جبکہ کوئی بھی مؤرخ اس بات کا قائل نہیں کہ غزوۂ ذات الرقاع احد سے پہلے ہوا تھا۔[5]

5 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ علامہ واقدی نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کی طرف نکلے تو میں (رستے میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عسفان میں ملا۔ میں آپ کے سامنے آیا اور آپ کے برابر کھڑا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ظہر کی نماز پڑھائی۔ ہم نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن ہم ایسا نہ کر سکے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ارادوں سے باخبر کر دیا تو آپ نے صحابہ کرام کو عصر کی نماز، نمازِ خوف کے طریقے پر پڑھائی .....

1 دیکھیے: صحیح البخاري: 2827. 2 صحیح البخاري: 4132. 3 دیکھیے صحیح البخاري: 4097. 4 صحیح البخاري: 4125. 5 فتح الباري 524/7.

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نبی ﷺ نے عسفان میں جو نماز خوف ادا کی، وہ غزوۂ ذات الرقاع میں ادا کی گئی نماز خوف کے علاوہ ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے یہ دونوں قصے بیان کیے ہیں۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے ابوزبیر نے واقعہ عسفان کی روایت بیان کی ہے جبکہ ابوسلمہ، وہب بن کیسان اور ابوموسیٰ مصری نے غزوۂ ذات الرقاع والی روایت ان سے بیان کی ہے، لہٰذا جب یہ بات طے ہوگئی کہ سب سے پہلی نماز خوف عسفان میں ادا کی گئی اور واقعہ عسفان عمرۂ حدیبیہ کے موقع پر ہوا تھا اور حدیبیہ غزوۂ خندق اور بنوقریظہ کے بعد ہے اور غزوۂ ذات الرقاع میں بھی نماز خوف ادا کی گئی ہے جبکہ غزوہ ذات الرقاع عسفان کے بعد ہوا ہے، تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ غزوۂ ذات الرقاع، غزوہ خندق، بنوقریظہ اور حدیبیہ کے بعد ہے۔ اس سے ان علماء کے قول کو تقویت ملتی ہے جو کہتے ہیں کہ غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ خیبر کے بعد ہے کیونکہ غزوہ خیبر، حدیبیہ سے واپسی کے بعد ہوا تھا۔

امام غزالی رحمہ اللہ کا یہ دعویٰ کہ غزوۂ ذات الرقاع آخری غزوہ ہے، بالکل غلط ہے۔ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے۔ پھر امام غزالی رحمہ اللہ کے ہمنواؤں میں سے کسی نے یہ کہہ دیا کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ غزوۂ ذات الرقاع وہ آخری غزوہ ہے جس میں نماز خوف ادا کی گئی ہے۔ لیکن اس کی تردید کے لیے سنن ابوداود میں سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہی کافی ہے کہ ''انھوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز خوف پڑھی ہے۔''[1] کیونکہ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ غزوۂ طائف کے موقع پر 8ھ میں مسلمان ہوئے تھے اور غزوۂ طائف یقیناً غزوۂ ذات الرقاع کے بعد ہوا ہے۔[2]

نواحِ طائف کا ایک خوش نما منظر



مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ خیبر کے بعد 7ھ میں ہوا اور اس سلسلے میں امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ہی راجح ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی تحقیق سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔[3]

1 دیکھیے، سنن أبي داود، حدیث: 1248. 2 فتح الباري: 529/7. 3 زاد المعاد: 251/3-254.

اسباب و محرکات

غزوۂ ذات الرقاع کا ایک سبب پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نجد کے علاقے میں بعض لوگ وقتاً فوقتاً چوری اور ڈاکہ زنی کا ارتکاب کرتے تھے اور عام لوگوں کے لیے عذاب بنے ہوئے تھے۔

اس غزوے کا دوسرا سبب علامہ واقدی بیان کرتے ہیں کہ ایک تاجر سامان تجارت لے کر مدینہ منورہ آیا اور بازار نبط میں خرید و فروخت کرتا رہا۔ اس دوران میں وہ اہل مدینہ کا بغور مشاہدہ کرتا رہا اور سوچتا رہا کہ ان کا دشمن تو ان پر یلغار کے لیے بھرپور تیاریاں کر رہا ہے مگر یہ لوگ بے فکر ہیں۔ ایک روز چند لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تم یہ سامان تجارت کس علاقے سے لائے ہو؟ اس نے بتایا کہ میں نجد سے سامان لایا ہوں۔ میں نے وہاں دیکھا ہے کہ بنو انمار اور بنو ثعلبہ تمھارے خلاف لشکر تیار کر رہے ہیں لیکن تم لوگ ایسی کوئی تیاری کرتے دکھائی نہیں دیتے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس معاملے کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ یا سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین بنایا اور خود چار سو جانبازوں، اور بروایت بعض مورخین سات سو یا آٹھ سو جاں نثاروں کے ساتھ ان قبائل کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گئے۔[1]

محل وقوع



رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نجد کے علاقے کی طرف روانہ ہوئے اور وادی نخل میں پڑاؤ ڈالا۔ وادی نخل مدینہ منورہ سے شمال مشرق میں تقریباً 100 کلومیٹر کے فاصلے پر بہتی ہے۔ اسے وادی الحناکیہ بھی کہتے ہیں۔ غزوۂ ذات الرقاع الحناکیہ نامی قصبے کے قریب پیش آیا تھا جو وادی نخل (وادی الحناکیہ) میں واقع ہے۔[2]

1 المغازي للواقدي :1/333، السيرة لابن هشام :3/225. 2 معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية ، 317


غزوہ ذات الرقاع (ربیع الآخر 7ھ)
اس کی جائے وقوع مدینہ منورہ سے تقریباً 92 میل مشرق میں واقع نخلستان ہے۔ یہ غزوہ وادی نخل
میں واقع قصبہ الحناکیہ کے جنوب میں بنو غطفان کے علاقے میں المریہ کے قریب پیش آیا۔
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
حنک
خیبر
حلیفہ
نقرہ
العیون
جبل رضویٰ
سوق سویق
ینبع
الحمراء
بدر
مدینہ منورہ
الحناکیہ
المریہ
وادی نخل
ذات الرقاع
غطفان
مسکہ
نجد
عفیف
مہدالذہب
ام البرک
حجاز
الدفینہ
مستورہ
رابغ
بحیرۂ احمر (قلزم)
قضیمہ
خلیص
دہبان
عسفان

فرزندانِ توحید مشرکوں کے تعاقب میں

رسول اللہ ﷺ مضیق کے علاقے سے گزرتے ہوئے وادی الشقرہ پہنچے اور وہاں ایک دن قیام فرمایا۔ آپ ﷺ نے دشمن کی سرگرمیوں کا کھوج لگانے کے لیے مجاہدین کے دستے چاروں طرف روانہ کیے۔ شام تک تمام دستے واپس آگئے۔ انھوں نے خبر دی کہ انھیں پورے علاقے میں کوئی دشمن نہیں ملا، نہ ان کی کسی سرگرمی کی کوئی اطلاع ہے۔ اس کے بعد رسول اکرم ﷺ اپنے جانبازوں کو لے کر دشمن کے تعاقب میں نکلے۔ جب ان کے گھروں تک پہنچے تو انھیں خالی پایا۔ وہاں صرف عورتیں اور بچے موجود تھے جبکہ تمام مرد بھاگ کر پہاڑ کی چوٹیوں میں جا چھپے تھے۔ اسلامی لشکر نے عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا۔ جس وقت یہ کارروائی ہورہی تھی، بزدل مشرکین پہاڑی چوٹیوں سے یہ سارا رسوا کن منظر دیکھ رہے تھے۔[1]

لشکرِ اسلام اور بنو غطفان آمنے سامنے

علامہ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ اسلامی لشکر کا سامنا بنو غطفان کے لشکر سے ہوا۔ دونوں لشکر صف آرا ہوئے لیکن ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے گریز کرتے رہے، بس ایک دوسرے کو مرعوب کرنے کی کوشش میں مصروف رہے۔ اسلامی لشکر کو خدشہ تھا مبادا دشمن اچانک حملہ کردے اور مشرکین کو یہ خوف لاحق تھا کہ مسلمان ان کا قلع قمع کیے بغیر نہیں ٹلیں گے۔ اسی دوران میں نماز ظہر کا وقت ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے عین دشمن کے روبرو سرِ میدان نماز باجماعت ادا کی۔ جب مسلمان اپنے رب کے سامنے سربسجود تھے، بزدل دشمن نے ارادہ کیا کہ اسی وقت دھاوا بول دیں۔ پھر آپس میں کہنے لگے: ذرا صبر کرو، تھوڑی دیر بعد یہ ایک اور نماز پڑھیں گے جو انھیں اپنے جگر گوشوں سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ اس وقت یہ لوگ خوب منہمک ہوں گے، بس وہی موقع ہوگا جب تم انھیں بآسانی قتل کرسکو گے۔ اس وقت یہ مدافعت بھی نہیں کر پائیں گے۔

اللہ رب العزت نے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے اپنے نبی ﷺ کو دشمن کے گھناؤنے منصوبے سے بروقت آگاہ فرمادیا۔ نبی مکرم ﷺ نے عصر کی نماز، نمازِ خوف کے خاص طریقے پر ادا کی۔ یوں دشمن اپنے مذموم ارادوں کو عملی شکل نہ دے سکا اور مسلمان بخیر و عافیت سرورِ عالم ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ روانہ ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جعال بن سراقہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ روانہ کیا تاکہ وہ اہل مدینہ کو اسلامی لشکر کی سلامتی اور کامیاب جنگی مہم کی خوش خبری

1 المغازي للواقدي: 1/ 333، 334

سنائیں۔ نبی مکرم ﷺ اس مہم کے دوران میں پندرہ دن تک مدینہ منورہ سے باہر رہے۔ بقول علامہ ابن سعد اس مہم میں ادا کی جانے والی نماز خوف پہلی نماز خوف تھی۔ [1]

غزوۂ ذات الرقاع: غزوۃ الاعاجیب

غزوۂ ذات الرقاع میں نبی کریم ﷺ کے متعدد معجزات رونما ہوئے، کچھ حیرت انگیز واقعات اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری کی چند انمول داستانیں بھی رقم ہوئیں۔ انھی وجوہ کی بنا پر اس غزوے کو غزوۃ الاعاجیب بھی کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ان واقعات میں سے کچھ تو ایسے ہیں جن کے بارے میں یہ صراحت ہے کہ وہ غزوۂ ذات الرقاع ہی کے موقع پر پیش آئے اور کچھ ایسے ہیں جن کے بارے میں یہ صراحت تو نہیں ہے لیکن مؤرخین نے انھیں غزوۂ ذات الرقاع کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ آئیے غزوۃ الاعاجیب کے دلچسپ واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

پھر آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

نبی مکرم ﷺ غزوۂ ذات الرقاع میں نجد کے علاقے میں موجود تھے۔ ایک دن وادی نخل میں قیلولے کے وقت آپ ﷺ ایک کانٹے دار درخت کے سائے میں محو استراحت تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی عمومی طریقے کے مطابق سایہ دار درخت کی چھاؤں آپ ﷺ کو پیش کر کے خود وادی میں جہاں جہاں سایہ ملا، وہاں جا کر آرام کرنے لگے۔ سفر کی تھکاوٹ اور دوپہر کی گرمی میں سایہ دار درخت میسر آنے پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور نبی رحمت ﷺ جلد ہی میٹھی نیند سے لطف اندوز ہونے لگے۔

وادی نخل کا ایک منظر

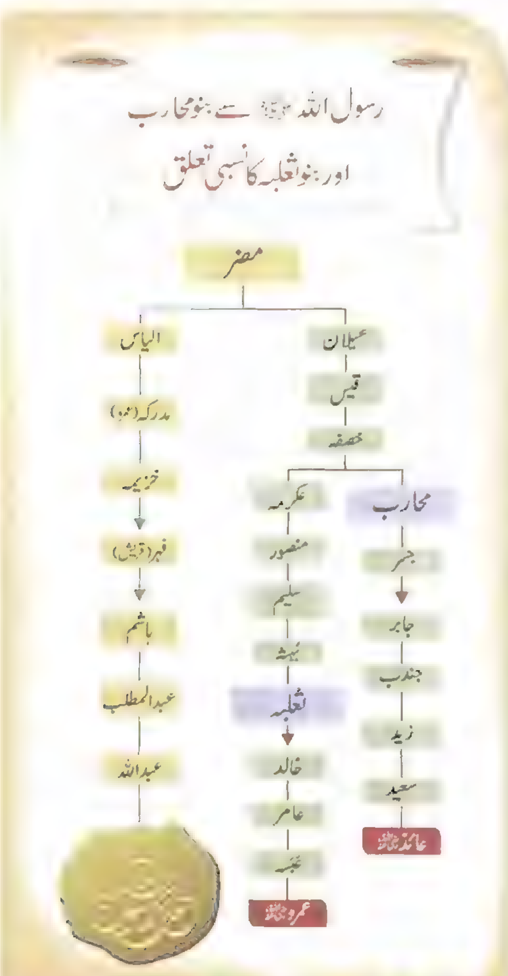


دشمنوں نے مسلمانوں کو سوتے دیکھا تو بنو محارب کا ایک شخص غورث بن حارث کہنے لگا: کیا میں تمھارا کام آسان کرنے کے لیے محمد (ﷺ) کا سر قلم کر کے تمھیں پیش کروں؟ انھوں نے پوچھا: تم اتنا مشکل کام کیسے کرو گے؟ وہ کہنے لگا کہ میں اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ (ﷺ) کو دھوکے سے قتل کر دوں گا، چنانچہ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے آنکھ بچا کر نبی کریم ﷺ تک پہنچ گیا۔ آپ ﷺ کی تلوار درخت سے لٹک رہی تھی۔ اُس نے میان سے تلوار

1 السیرۃ لابن اسحاق: 387/2، المغازی للواقدی: 334/1، سبل الهدی والرشاد: 175/5، الطبقات لابن سعد: 61/2.

نکالی اور چیلنج کرنے لگا: اب آپ کو کون بچائے گا؟ نبی کریم ﷺ کی آنکھ کھلی تو سامنے دشمن تلوار سونتے کھڑا تھا اور آپ کو چیلنج کر رہا تھا: اب آپ کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ نبی کریم ﷺ نے اس کی اس گستاخانہ حرکت کا کمال صبر اور انتہائی جرأت سے جواب دیا: «اَللّٰہُ» ''میرا اللہ مجھے بچائے گا۔''

نبی کریم ﷺ کے اس جواب باصواب سے اس کا دل دہل گیا، ہاتھ کانپا اور تلوار گر گئی۔ اب آپ ﷺ نے تلوار اٹھالی اور پوچھا:



«مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّي؟»

''آج تمھیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟''

خوف کے مارے اس کی جان پہلے ہی نکل رہی تھی، اب آپ ﷺ کے اس سوال پر اس کی رہی سہی قوت بھی جواب دے گئی۔ اس نے نہایت لجاجت سے عرض کیا: آپ بڑے رحم دل محسن ہیں، میری غلطی معاف فرما دیجیے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے اسے معاف فرما دیا، پھر اسے دعوتِ اسلام دی اور پوچھا:

«تَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟»

''کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں؟''

اس نے کہا: جی نہیں، البتہ میں یہ وعدہ ضرور کرتا ہوں کہ میں اب کبھی آپ کے خلاف نہیں لڑوں گا، نہ کبھی آپ کے دشمن کا ساتھ دوں گا۔ آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ پھر آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا۔ وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انھیں اسی غورث اعرابی کا سارا قصہ سنایا جو اس وقت بڑی شرمساری کی حالت میں آپ ﷺ کے قدموں میں بیٹھا تھا۔

پھر نبی کریم ﷺ نے اسے واپس جانے کی اجازت دے دی۔ وہ چلا گیا۔ قوم اس کی کامیابی کی خبر سننے کی شدت سے منتظر تھی۔ جب وہ ان کے پاس پہنچا تو اس کا اترا ہوا چہرہ کوئی اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔ قوم کے استفسار پر اس نے نبی مکرم ﷺ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا: ''میں اس وقت دنیا کی سب سے افضل و اعلیٰ شخصیت کی زیارت کر کے آ رہا ہوں۔''[1]

سفر جہاد میں اسلامی لشکر کی راحت اور حفاظت کے پیش نظر کسی جگہ پڑاؤ کرتے وقت انھیں خصوصی ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اکٹھے رہیں اور منتشر نہ ہوں۔ سیدنا ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (سفر جہاد میں پڑاؤ کرتے وقت) مجاہدین وادیوں اور گھاٹیوں میں بکھر جاتے تھے۔ (جس کو جہاں مناسب جگہ ملتی وہ وہیں آرام کر لیتا تھا۔) پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

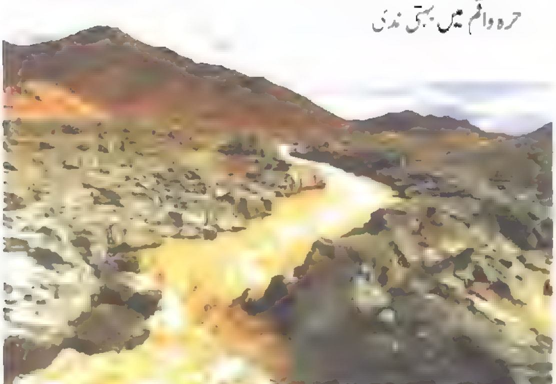
''تمھارا ان وادیوں اور گھاٹیوں میں بکھر جانا شیطان کی طرف سے ہے۔''

چنانچہ اس کے بعد جب بھی آپ کسی منزل پر پڑاؤ کرتے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے اتنے قریب رہتے حتیٰ کہ کہا جاتا: اگر ان پر ایک ہی کپڑا تان دیا جائے تو وہ سب کو ڈھانپ لے۔[2]

دور حاضر میں بھی مجاہدین اسلام کو اپنی حفاظت اور راحت کے لیے ان ہدایات پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

رحمت عالم کی دعا، مرگی کے مارے کو شفا

حرہ واقم میں بہتی ندی



غزوۂ ذات الرقاع کے لیے جاتے ہوئے جب رسول اللہ ﷺ حرۂ واقم پہنچے تو آپ ﷺ کو ایک پریشان حال ماں ملی۔ اس کا بچہ مرگی کے مرض میں مبتلا تھا۔ آپ ﷺ کی سواری دیکھ کر وہ تیزی سے آپ کی طرف لپکی، اس نے التجا کی: اے اللہ کے رسول! میرا بیٹا شدید بیمار ہے، اس کی وجہ سے سارے

1 صحيح البخاري: 4136 و 4139، صحيح مسلم: 843، السيرة لابن إسحاق. 388/2، البداية والنهاية (محقق): 271،270/4، فتح الباري: 534/7، دلائل النبوة للبيهقي: 373/3 376. 2 سنن أبي داود: 2628.

گھر والے پریشان ہیں۔ اسے ایک دن میں کئی کئی بار مرگی کا دورہ پڑتا ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا «ناولینہ» ''لاؤ بچہ مجھے دو۔'' اس نے بچہ آپ کے دست مبارک میں دے دیا تو آپ ﷺ نے نہایت شفقت سے اسے اپنی گود میں لے لیا۔ پھر اس کا منہ کھول کر تین بار اپنا لعاب دہن ڈالا، پھر فرمایا:

[illegible]

''میں اللہ کا نام لے کر (دم کرتا ہوں)، میں اللہ کا بندہ (اور اس کا رسول محمد ﷺ) ہوں۔ اے اللہ کے دشمن (شیطان!) دفع ہو جا۔''

یہ دم کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بچہ اس کی ماں کے حوالے کیا اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

''پریشان مت ہونا، ان شاء اللہ تمھارا بچہ تندرست ہو جائے گا اور یہ شیطان اسے دوبارہ تنگ نہیں کرے گا۔''

پھر فرمایا:

[illegible]

''اب تم جاؤ اور جب ہم واپس آئیں تو اس کی صحت کے بارے میں ضرور مطلع کرنا۔''

جب نبی کریم ﷺ غزوے سے واپس تشریف لائے تو وہ عورت اسی مقام پر آپ ﷺ کی منتظر تھی۔ وہ نہایت خوش و خرم تھی اور آپ ﷺ کو ہدیہ پیش کرنے کے لیے تین بکرے بھی لائی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«مَا فَعَلَ صَبِيُّكِ؟»

''تمھارے بیٹے کا کیا حال ہے؟''

اس نے عرض کیا: اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث کیا ہے! میرا بچہ بالکل تندرست ہے۔ جس دن سے آپ نے دم کیا ہے، اسے دوبارہ مرگی کی تکلیف نہیں ہوئی۔ یہ بکرے میں آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ لائی ہوں، آپ انھیں قبول فرمائیں۔ آپ ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«انزل فخذ منها واحدة [illegible]

''سواری سے اترو اور ایک بکرا وصول کر لو۔ باقی اسی عورت کو دے دو۔''

اس طرح رسول اللہ ﷺ کی دعا اور دم سے بیمار بچہ مکمل صحت یاب ہوگیا اور اس کے خاندان کو پریشانیوں سے نجات مل گئی۔

رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں اونٹ کی فریاد

ابھی نبی کریم ﷺ حرہ واقم سے نکل ہی رہے تھے کہ ایک کمزور و لاغر اونٹ بلبلاتا ہوا آیا، آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا اور اپنے انداز میں اپنی دکھ بھری داستان سنانے لگا۔ جب وہ اپنی داستانِ غم سنا چکا تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا:

«[illegible] ما قال هذا البعير؟»

''کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس اونٹ نے مجھ سے کیا کہا ہے؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

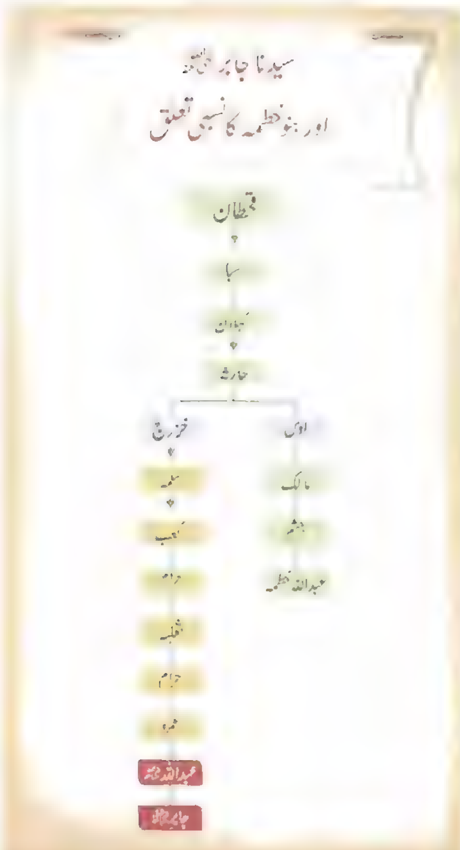
''یہ اونٹ مجھ سے اپنے مالک کی شکایت کر رہا ہے۔ یہ کہہ رہا ہے کہ اس کا مالک ایک طویل عرصے سے اس کے ذریعے سے کھیتی باڑی کرتا رہا اور اپنی ضروریات پوری کرتا رہا۔ اب جبکہ یہ کمزور، بیمار اور بڈھا ہوگیا ہے تو وہ اسے ذبح کرنا چاہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اونٹ کی دادرسی کے لیے جابر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم اس کے ساتھ جاؤ، اس کے مالک کو بلا لاؤ۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور! میں اس کے مالک کو نہیں جانتا۔ میں اس تک کیسے پہنچوں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إنه سيدلك عليه»

''یہ تمھیں اپنے مالک تک پہنچا دے گا۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ چلے تو اونٹ ان کے آگے آگے چلنے لگا۔ وہ چلتے چلتے بنوخطمہ کی ایک مجلس میں پہنچ کر رک گیا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ حاضرین مجلس نے بتایا کہ اس کا مالک فلاں شخص ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اس کے پاس پہنچے اور کہا: چلو تمھیں رسول اللہ ﷺ یاد فرما رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اونٹ کا



مالک بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، آپ نے اس سے فرمایا:

«إِنَّ جَمَلَكَ هٰذَا يَسْتَعْدِينِي عَلَيْكَ يَزْعُمُ أَنَّكَ حَرَثْتَ عَلَيْهِ زَمَانًا حَتّٰى أَجْرَبْتَهُ وَأَعْجَفْتَهُ وَكَبُرَ سِنُّهُ ثُمَّ أَرَدْتَ أَنْ تَنْحَرَهُ»

"تمھارے اونٹ نے مجھ سے تمھاری شکایت کی ہے کہ تم نے سالہا سال اس سے کھیتی باڑی کی خدمت لی ہے۔ اب جبکہ یہ کمزور اور بیمار ہو گیا ہے، اس کی عمر زیادہ ہو گئی ہے تو تم اسے ذبح کرنے کی فکر میں ہو۔"

اس شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اونٹ نے بالکل سچ کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ دو۔" اس نے وہ اونٹ آپ ﷺ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ آپ ﷺ نے اسے جنگل میں چرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ وہ تھوڑے دنوں میں پھر سے تندرست اور توانا ہو گیا۔ اہل مدینہ کے انصار و مہاجرین میں سے جس کے گھریلو کام کاج کا اونٹ بیمار ہوتا، نبی اکرم ﷺ اسے اپنا اونٹ مرحمت فرما دیتے تھے۔ اس طرح یہ اونٹ طویل عرصے تک رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمت گزاری کرتا رہا۔[1]

ماماتا کی محبت

علامہ واقدی نے غزوۂ ذات الرقاع کے ضمن میں بچوں کے لیے ماں کی مامتا میں بھیگا ہوا یہ حیرت انگیز واقعہ بھی ذکر کیا ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محو سفر تھے، اچانک آپ ﷺ نے ایک خوبصورت چڑیا کی دلگیر آوازیں سنیں۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک صحابی اس چڑیا کے ننھے منے بچے اپنے ہاتھوں میں لیے چلا آ رہا ہے اور ان کی ماں اس صدمے سے نڈھال ہو رہی ہے کہ اس کے خوبصورت بچے قیدی بنا

1 المعجم الأوسط للطبراني: 10/49-51، مسند أحمد: 4/170، دلائل النبوة للبيهقي: 6/19-23.

پکڑ لیے گئے ہیں۔ وہ ان کی آزادی کی فریاد کر رہی تھی اور بے قرار ہو کر صحابی کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ صحابی رسول ننھے منے بچے ہاتھوں میں لیے لطف اندوز ہو رہا تھا، ماں اپنے بچوں کی قید برداشت نہ کر سکی، وہ خود بھی صحابی کے ہاتھوں میں آ گری۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یہ منظر دیکھ کر بہت حیران ہوئے کہ کس طرح ایک ماں نے اپنے بچوں کی خاطر اپنے آپ کو صیاد کے حوالے کر دیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ابھی یہ منظر دیکھ ہی رہے تھے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أتَعْجَبُونَ مِنْ هٰذَا الطَّائِرِ أخَذْتُمْ فَرْخَهُ فَطَرَحَ نَفْسَهُ رَحْمَةً لِفَرْخِهِ، وَاللّٰهِ! لَرَبُّكُمْ أرْحَمُ بِكُمْ مِنْ هٰذَا الطَّائِرِ بِفَرْخِهِ»

''کیا تم اس چڑیا کی بے قرار ماممتا پر حیرت زدہ ہو رہے ہو، جس کے بچے تم نے پکڑ لیے تو اس نے اپنے بچوں کی محبت کے باعث خود کو تمھارے حوالے کر دیا۔ اللہ کی قسم! اس چڑیا کو اپنے بچوں سے جس قدر محبت ہے، تمھارا رب تم پر اس سے بھی بڑھ کر رحم و کرم فرمانے والا ہے۔''[1]

ارشادِ نبوی پر درخت بھی چل پڑے

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سفر کے دوران میں رونما ہونے والے ایک اور معجزے کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک وسیع و عریض وادی میں چل رہے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے نکلے۔ میں بھی ایک برتن میں وضو کا پانی لے کر آپ کے ساتھ ہو لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت مبارک کے مطابق قافلے سے دور جا رہے تھے تاکہ باپردہ جگہ پر اوٹ میں ہو کر قضائے حاجت کریں مگر کوئی مناسب اوٹ نہیں مل رہی تھی۔ اس دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دور وادی کے کنارے دو درخت نظر آئے۔ آپ ایک درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی شاخ پکڑ کر فرمایا:

«انْقَادِي عَلَيَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ»

''(اے درخت!) اللہ کے حکم سے میرے فرمانبردار ہو جاؤ اور میرے ساتھ چلو۔''

وہ درخت نکیل ڈالے ہوئے فرمانبردار اونٹ کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑا۔ جب دونوں درختوں کے درمیان پہنچے تو اسے چھوڑ دیا، وہ درخت وہیں رک گیا۔ پھر آپ دوسرے درخت کے پاس گئے۔ اس کی ایک شاخ کو پکڑا اور فرمایا:

[1] دلائل النبوة للبيهقي 3/379، المعجم لابن الأعرابي 1/335

”اللہ تعالیٰ کے حکم سے میرا کہنا مانو اور میرے ساتھ چلو۔“

یہ حکم سن کر وہ درخت بھی نہایت فرمانبرداری سے آپ ﷺ کے ساتھ چل دیا۔ جب آپ دوسرے درخت کے قریب پہنچے تو آپ نے دونوں درختوں کو جمع کرتے ہوئے فرمایا:

«التئما علی بإذن الله»

”اللہ کے حکم سے میرے لیے اکٹھے ہو جاؤ۔“

وہ دونوں مل گئے۔ اب رسول اللہ ﷺ کو قضائے حاجت کے لیے اوٹ میسر آ گئی تو میں وہاں سے ہٹ کر دور چلا گیا تاکہ میری موجودگی کی وجہ سے آپ کوئی کوفت محسوس نہ فرمائیں۔ میں کچھ دیر اپنے آپ سے باتیں کرتا رہا اور درختوں کی اطاعت وفرمانبرداری دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہوتا رہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ فراغت پا کر تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کے آتے ہی دونوں درخت بھی تن کر سیدھے کھڑے ہو گئے اور اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں واپسی کی اجازت مرحمت فرما دی تھی۔ پھر آپ ﷺ میرے پاس پہنچے تو فرمایا:

«یا جابر! هل رأیت مقامي؟»

”اے جابر! میں جہاں کھڑا تھا، وہ جگہ تم نے دیکھی ہے؟“

میں نے عرض کیا: جی ہاں دیکھی ہے۔ آپ نے مجھے حکم دیا:

«فَانْطَلِقْ إِلَى الشَّجَرَتَيْنِ فَاقْطَعْ مِنْ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا غُصْنًا فَأَقْبِلْ بِهِمَا حَتّٰى إِذَا قُمْتَ مَقَامِي فَأَرْسِلْ غُصْنًا عَنْ يَمِينِكَ وَغُصْنًا عَنْ يَسَارِكَ»

”جاؤ، دونوں درختوں سے ایک ایک شاخ کاٹ لاؤ اور میری اسی جگہ پر کھڑے ہو کر دائیں بائیں ایک ایک شاخ رکھ دو۔“

میں آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کے لیے گیا۔ شاخ کاٹنے کے لیے میں نے ایک پتھر توڑ کر تیز دھار ٹکڑا لے لیا۔ اس سے دونوں درختوں سے ایک ایک شاخ کاٹی اور رسول اللہ ﷺ کی مقررہ جگہ پر آ کر دائیں بائیں ایک ایک شاخ رکھ دی۔ میں نے واپس آ کر عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ نے یہ شاخیں کیوں رکھوائی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''میں اس جگہ دو قبروں کے پاس سے گزرا۔ ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا تھا، میں نے ان کی سفارش کر دی۔ جب تک یہ شاخیں تر و تازہ رہیں گی، ممکن ہے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔''[1]

ہمیشہ یاد رکھنے والی بات

یہ بات یاد رہے کہ قبروں پر تازہ شاخیں نصب کرنا رسول اللہ ﷺ ہی کا خاصا تھا کیونکہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے سے بتایا گیا تھا کہ ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے، چنانچہ آپ ﷺ کی سفارش سے عذاب میں تخفیف کی امید پیدا ہوئی۔

چونکہ عام انسانوں کو عذاب قبر کا علم ہونا ممکن نہیں، نہ کسی شخص کی سفارش میں وہ تاثیر ہے جو تاثیر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی سفارش میں رکھی ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ کے بعد کسی شخص کو قبر پر سبز شاخیں لگانے کی اجازت نہیں ہے۔

مزید برآں نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے عمل کو دلیل بنا کر اپنے فوت شدگان کی قبروں پر شاخیں نصب کیں، اس لیے آج کسی بھی شخص کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ اس عقیدے سے قبروں پر شاخیں نصب کرے کہ اس سے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر اس قبر والے کو عذاب ہی ہو رہا ہو جس کی قبر پر سبز شاخیں نصب کی جا رہی ہوں، ہو سکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنتی ہوا اور معطر ہواؤں اور نرم بچھونوں سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

آپ ﷺ کی مقدس انگلیوں سے چشمہ پھوٹ پڑا

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول امین ﷺ کو بے شمار برکتوں، رحمتوں اور نوازشوں سے مالا مال کیا ہے۔ آپ ﷺ کی ذات عالی، آپ کے افعال اور اقوال بھی بابرکت ہیں۔ آپ ﷺ کے برکات و حسنات سے پورا ایوان تاریخ جگمگا رہا ہے۔ آئیے ایک نظارۂ جمال دیکھیے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم قافلے میں واپس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا:

[illegible]

1 صحیح مسلم، 3012، صحیح ابن حبان، 3118، 3119.

''جابر! منادی کرو کہ سب لوگ وضو کریں (تاکہ نماز ادا کی جاسکے۔)''

میں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ سب لوگ وضو کر کے نماز کی تیاری کریں۔ اعلان ہوتے ہی صحابہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! پورے قافلے کے پاس پانی ختم ہو چکا ہے۔ کسی کے پاس ایک بوند بھی دستیاب نہیں۔ آپ نے مجھے حکم دیا:

«انطَلِقْ إلى فلانِ بنِ فلانٍ الأنصاريِّ، فانظُرْ هلْ في أشجابِه شيءٌ؟»

''فلاں بن فلاں انصاری کے پاس جاؤ اور دیکھو اس کے مشکیزے میں کچھ (پانی) ہے؟''

وہ انصاری صحابی ایک مشکیزے میں پانی ٹھنڈا کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا تھا۔ میں ان کے پاس پہنچا، ان کے مشکیزے میں چند قطرے تھے۔ اگر مشکیزے کو انڈیلا جاتا تو خشک مشکیزہ وہ قطرے بھی پی جاتا۔ میں نے خدمت نبوی میں پہنچ کر صورت حال عرض کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اذْهَبْ فأْتِنِي بهِ»

''جاؤ، مشکیزہ میرے پاس لے آؤ۔''

رسول اللہ ﷺ کو مشکیزہ پیش کیا گیا۔ آپ نے مشکیزہ اپنے ہاتھوں میں لیا، اسے دبایا اور برکت کی دعا کی۔ پھر سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جس کے پاس بڑا پیالہ ہو، وہ لے کر حاضر ہو۔ آپ ﷺ کے پاس ایک بڑا پیالہ لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس میں رکھا اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے کہا:

«خُذْ يا جابرُ! فصُبَّ عليَّ، وقُلْ: بسمِ اللهِ»

''جابر! لو پکڑو اور بسم اللہ پڑھ کر مشکیزہ میرے ہاتھوں پر انڈیل دو۔''

مشکیزے سے چند قطرے آپ ﷺ کے دست مبارک پر گرے اور آپ ﷺ کی مقدس انگلیوں سے آب رواں کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ جب پیالہ لبریز ہو گیا تو آپ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«يا جابرُ! نادِ مَنْ كانَ لهُ حاجةٌ بماءٍ»

''جابر! اعلان کر دو کہ جسے پانی کی ضرورت ہو، وہ پانی لے جائے۔''

چنانچہ لوگوں نے خوب سیر ہو کر پانی نوش کیا، اپنی سواریوں کو پلایا اور خالی مشکیزے پانی سے بھر لیے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے لوگوں سے کہا: اگر کوئی حاجت مند باقی ہو تو وہ اپنی ضرورت پوری کر لے۔ جب اور کوئی

ضرورت مند نہ آیا تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اٹھا لیا۔ ہم نے دیکھا کہ پیالہ ابھی تک لبالب بھرا ہوا ہے۔ [1]

شتر مرغ کے انڈوں کی ضیافت

رسول اکرم ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محو گفتگو تھے۔ اسی دوران میں سیدنا جابر بن زید حارثی رضی اللہ عنہ شتر مرغ کے تین انڈے لے کر حاضر ہوئے۔ انھیں یہ انڈے ریت میں دبے ہوئے ملے تھے۔ وہ یہ انڈے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تاکہ ان انڈوں سے نبی کریم ﷺ کی تواضع کی جائے۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا جابر کو حکم دیا:

«دُونَكَ يَا جَابِرُ! فَاعْمَلْ هٰذِهِ الْبَيْضَاتِ»

''جابر! یہ انڈے لے لو اور ان کا سالن بنا لاؤ۔''

وہ فوراً اٹھے اور انڈوں کا سالن بنا لائے۔ پھر وہ روٹی ڈھونڈنے لگے مگر پورے قافلے میں کسی سے روٹی میسر نہ آئی۔ یہ دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دعوت دی کہ آؤ اس نعمت ربانی سے لطف اٹھاؤ۔ سب نے بسم اللہ پڑھ کر مزیدار انڈے کھانے شروع کر دیے۔ جب سب سیر ہو کر اٹھے تو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابھی تک برتن سالن سے پہلے کی طرح بھرا پڑا تھا۔ ذرا بھی کم نہ ہوا تھا۔ برکت رسالت کا یہ نظارہ دیکھ کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی دولت ایمان میں زبردست اضافہ ہو گیا۔

یہ لذیذ کھانا تناول کرنے کے بعد جب دھوپ ڈھل گئی اور موسم خوشگوار ہوا تو سفر دوبارہ شروع کر دیا گیا۔ [2]

نبی ﷺ کی سرزنش جنت کی بشارت بن گئی

رحمت عالم ﷺ کی شفقت و رحمت مومنوں کے لیے جنت کا حصول آسان بنا دیتی ہے۔ آپ ﷺ کی ڈانٹ ڈپٹ بھی مومنوں کے لیے رحمت الٰہی کے حصول اور گناہوں کی بخشش کے ساتھ ساتھ قرب ربانی کا سبب بنتی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان عالی ہے: ''میں نے اپنے رب سے یہ طے کر رکھا ہے:

«اللّٰهُمَّ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ فَأَيُّ الْمُسْلِمِينَ لَعَنْتُهُ أَوْ سَبَبْتُهُ فَاجْعَلْهُ لَهُ زَكَاةً وَأَجْرًا»

''اے میرے پروردگار! بلاشبہ میں بھی ایک انسان ہوں، لہٰذا میں جس مسلمان پر لعنت بھیج دوں یا اسے برا بھلا کہہ دوں تو اس مسلمان کے لیے میری مذمت کو بھی بخشش، تزکیہ اور اجر و ثواب کا باعث بنا دے۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

1 صحیح مسلم: 3013، دلائل النبوۃ للبیہقی: 6/109۔ 2 الاصابۃ ... : 1/336۔

[illegible]

''تو اسے گناہوں کی مغفرت اور رحمت کا باعث بنا دے۔''

جبکہ صحیح بخاری میں ہے:

[illegible]

''تو اسے قیامت والے دن اپنے تقرب کا سبب بنا دے۔''[1]

غزوۂ ذات الرقاع میں ایک خوش نصیب کو اسی طرح شہادت و جنت کی بشارت ملی۔ آیئے اس خوش نصیب کی داستان سنیے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارا ایک چرواہا تھا۔ ایک دن وہ اونٹ چرانے کے لیے جانے لگا تو تاجدار مدینہ کی نظر اس کے بہت پھٹے پرانے کپڑوں پر پڑی۔ آپ ﷺ کو اس کی خستہ حالی ناگوار گزری۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

[illegible]

''کیا اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی لباس نہیں ہے؟''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے اسے نیا جوڑا دیا تھا، وہ اس کے تھیلے میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے اسے حکم دیا:

[illegible]

''اسے بلاؤ اور حکم دو کہ (یہ پرانا لباس اتار دو) اور دوسرا (نیا) جوڑا پہن لو۔''

جب وہ نیا جوڑا پہن کر جانے لگا تو رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''کیا یہ خوبصورت لباس نہیں ہے؟ پھر کیا وجہ ہے (کہ یہ پھٹے پرانے کپڑے پہن کر پھر رہا تھا؟) اللہ اس کی گردن مارے۔''

اس شخص نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ ذالفاظ سنے تو عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! کیا میری

1 صحیح البخاري: 6361، صحیح مسلم: 2600، 2601.

یمامہ کا خوبصورت منظر



گردن میدانِ جہاد میں کٹے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے کٹے گی۔'' آپ ﷺ کی دعا پوری ہوئی اور یہ صحابی جنگ یمامہ میں شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے۔[1]

مجاہدین کے لیے مچھلی کی ضیافت

جب مسلمان اللہ کے دین کی سرفرازی کے لیے اپنا مال اور جان پیش کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اُن کے لیے اپنی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور انھیں اپنی بے پایاں نوازشات سے شاداب کرتا رہتا ہے۔ چاہے وہ ویرانے میں ہوں یا انجمن میں، لق و دق صحراؤں میں ہوں یا بستیوں میں، پہاڑوں کی سر بفلک چوٹیوں پر ہوں یا درندوں سے بھرے ہوئے جنگلوں میں، دشمن کی فوجوں میں ہوں یا سمندر کی موجوں میں، اللہ کی ذات بابرکات ان کی ہر طرح حفاظت فرماتی ہے۔ ان کی ضروریاتِ زندگی کے لیے طرح طرح کے انعامات ہر لمحے تیار رہتے ہیں۔ درج ذیل واقعہ بھی مجاہدین اسلام پر ربانی نوازشات کی ایک دل آویز تصویر ہے۔ آیئے یہ روداد پڑھتے ہیں۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجاہدین نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی: اللہ کے رسول! کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا، مجاہدین بھوکے ہیں۔ بھوک کی شدت سے سفر دشوار ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

1 الموطأ للإمام مالك: 497/2، صحيح ابن حبان: 236/12، دلائل النبوة للبيهقي: 244/6. یاد رہے کہ موطا میں غزوۂ بنو انمار کے الفاظ بیان ہوئے ہیں۔ اسے غزوۂ نجد، غزوۂ غطفان اور غزوۂ ذات الرقاع بھی کہا جاتا ہے۔

«عَسَى اللّٰهُ اَنْ يُّطْعِمَكُمْ»

''عنقریب تمھارا رب تمھاری ضیافت کرے گا۔''

یہ ارشادِ نبوی سن کر سب کے چہرے کھل اٹھے کہ اب دعوتِ ربانی سے لطف اندوز ہوں گے۔ چلتے چلتے مجاہدین ساحل سمندر پر پہنچے تو ان کی ضیافت کا سامان تیار تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر نے مجاہدین کی دعوت کے لیے ایک بہت بڑی مچھلی ساحل پر ڈال دی تھی۔ مجاہدین نے یہ نعمت ربانی دیکھی تو ان کی بھوک اور تیز ہوگئی، فوراً آگ جلائی اور مچھلی کا سالن تیار کرنے کے لیے دیگیں چڑھا دیں، بعض مجاہدین نے مچھلی روسٹ کر کے کھانی شروع کر دی حتیٰ کہ سب مجاہدین نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

یہ مچھلی کس قدر پلی ہوئی تھی؟ اس کا اندازہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے لگائیے۔ وہ فرماتے ہیں: میں اپنے پانچ ساتھیوں کے ساتھ مچھلی کی آنکھ کے ڈھیلے میں داخل ہوا تو ہم اس میں چھپ گئے، باہر سے ہمیں کوئی دیکھ نہ سکا۔ جب ہم باہر نکلے تو اس کی ایک پسلی کو کمان کی شکل میں ریت میں نصب کیا۔ پھر ہم نے مجاہدین میں سے سب سے اونچے قد کے مجاہد کو سب سے بلند اونٹ پر بٹھا کر اس کے نیچے سے گزرنے کے لیے آگے بڑھایا تو وہ سر جھکائے بغیر اس کے نیچے سے گزر گئے۔

گویا یہ مچھلی اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی ضیافت ہی کے لیے پالی تھی۔[1]

مچھلی ملنے کا ایسا ہی ایک واقعہ قبل ازیں سریہ خبط میں گزر چکا ہے۔[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ درج بالا حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس غزوے میں پیش آیا جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے لیکن الفاظ کو اگر اس طرح مقدر مان لیا جائے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ایک سفر کے لیے روانہ فرمایا اور ہم ساحل سمندر پر پہنچے، تو اس سے یہ ایک ہی قصہ قرار پائے گا جو صحیح بخاری کی حدیث (4361) میں بیان ہوا ہے۔[3]

قرآن مجید سے والہانہ محبت کا نادر مظاہرہ

قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔ اس کی لذت سے آشنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب اس کی تلاوت کرتے تو دنیا و مافیہا سے بے پروا ہو جاتے تھے۔ پھر انھیں کلام الٰہی سے وہ سکون اور لذت ملتی کہ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتے تھے۔

1 صحیح مسلم: 3014، سبل الهدی والرشاد: 179,178/5. 2 دیکھیے: اللؤلؤ المکنون فی سیرۃ النبی المأمون، سیرت انسائیکلو پیڈیا، جلد: 7 کے آخر میں۔
3 فتح الباری: 101/8.

بالخصوص رات کی تاریکی اور تنہائی میں جب وہ اپنے رب کے حضور کھڑے ہو کر کلام پاک کی والہانہ تلاوت کرتے تو ان کی قراءت سننے کے لیے فرشتے بھی آسمانوں سے قطار در قطار اتر آتے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قرآن مجید سے والہانہ محبت اور اس کی تلاوت کا ذوق درج ذیل واقعے سے عیاں ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم غزوۂ ذات الرقاع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کفار کے ایک نخلستان سے گزرے۔ وہاں ایک خوبصورت نوجوان عورت ملی، اسے قیدی بنا لیا گیا۔ اس کا خاوند اس سے بڑی محبت کرتا تھا۔ وہ اس وقت اپنے گھر میں موجود نہیں تھا۔ جب وہ واپس آیا اور اسے اپنی بیوی کے قید ہو جانے کا علم ہوا تو اسے شدید صدمہ پہنچا، اس نے قسم کھائی کہ وہ مسلمانوں سے انتقام لے گا اور اپنی بیوی کو آزاد کرا کے رہے گا، اگر اس کے لیے اسے خونریزی بھی کرنی پڑی تو ضرور کرے گا۔ وہ غصے اور انتقام کی آگ بجھانے کے لیے مسلمانوں کے تعاقب میں نکل پڑا۔ دوران سفر میں تیز آندھی چل پڑی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت پڑاؤ کے لیے ایک پہاڑی درے کا انتخاب کیا۔ قافلے کو درے سے گزر کر آرام کرنے کی اجازت دی اور مجاہدین سے پوچھا:

«مَنْ رَجُلٌ يَكْلَؤُنَا لَيْلَتَنَا؟»

''آج رات ہماری حفاظت کی ذمہ داری کون لے گا؟''

سیدنا عمار بن یاسر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! ہم حاضر ہیں۔ آج رات قافلے کی حفاظت ہم کریں گے۔ سکیورٹی کی ذمہ داری لینے والے یہ دونوں صحابی درے کے دہانے پر جا بیٹھے، بقیہ قافلہ آرام کرنے لگا۔ آندھی بدستور بڑے زور سے چل رہی تھی۔ سیدنا عمار اور عباد بن بشر کچھ دیر بیٹھے رہے، پھر دونوں ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ اس طرح بیٹھے بیٹھے رات گزارنا مشکل ہے، اس لیے ایک ساتھی ابھی سو لے اور دوسرا پہرہ دے، پھر دوسرا ساتھی رات کے آخری حصے میں آرام کر لے اور پہلا ساتھی پہرے کے لیے کھڑا ہو جائے۔ اس پر دونوں نے اتفاق کیا۔

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ سو گئے اور سیدنا عباد رضی اللہ عنہ پہرے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ پھر دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اپنے رب کے حضور سجدہ ریزی سے لطف اندوز ہوا جائے۔ اب آندھی تھم گئی تھی۔ رات کی خاموشی اور تنہائی میں تلاوت قرآن مجید سے لذت آشنائی کا سنہرا موقع ان کے ہاتھ آ گیا تھا، انھوں نے فوراً نفل نماز کی نیت کی اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگے۔ وہ اپنی محبوب سورت الکہف کی خوب مزے لے لے کر تلاوت فرما رہے تھے

کہ دشمن آ پہنچا۔

دشمن نے دور سے دیکھا کہ درے کے دہانے پر ایک ہیولا کھڑا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ یقیناً مسلمانوں کا محافظ ہے۔ اس نے تاک کر تیر مارا جو سیدنا عباد رضی اللہ عنہ کے جسم میں پیوست ہوگیا۔ انھوں نے کمال بے نیازی سے تیر نکال پھینکا اور تلاوت جاری رکھی۔ خون کا فوارہ نکلا اور زمین کو سیراب کرتا چلا گیا مگر سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کے قرآن مجید کی تلاوت کے ذوق میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ مسلسل کلام الٰہی کی تلاوت کرتے رہے۔ ادھر دشمن نے دوسرا تیر مارا، سیدنا عباد رضی اللہ عنہ نے یہ تیر بھی نکال کر پھینک دیا، بہتے ہوئے خون کی پروا نہیں کی، نماز اور تلاوت جاری رکھی۔ دشمن نے تیسرا تیر چلایا، یہ تیر بھی سیدنا عباد رضی اللہ عنہ کے جسم میں اتر گیا، اب بہت سا خون بہ چکا تھا، کمزوری کے باعث مزید قیام وتلاوت جاری رکھنا ممکن نہ رہا، انھیں اسلامی مورچے کی حفاظت بھی دامن گیر ہوئی، فوراً نماز مکمل کرکے اپنے بھائی کو جگایا۔ سیدنا عمار سے کہا: عمار! اٹھو، دشمن نے مجھے شدید زخمی کردیا ہے۔ اب تم درے کی حفاظت کا کام سنبھالو۔

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو زخموں سے چور دیکھا تو نہایت بے قرار ہوکر کہا: محترم بھائی! آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ جگا دیا۔ جب دشمن نے پہلا وار کیا تھا، آپ کو چاہیے تھا کہ مجھے اسی وقت جگا دیتے تاکہ میں اس کا مقابلہ کرتا اور آپ کو اتنے مہلک زخم نہ لگتے۔ اس پر سیدنا عباد رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید سے اپنی والہانہ محبت اور تلاوت قرآن مجید کی جمال آشنائی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

كنت في سورة أقرؤها وهي سورة الكهف فلم أحب أن أقطعها حتى أفرغ منها ولولا أني خشيت أن أضيع ثغرا أمرني رسول الله ﷺ بحفظه لانصرفت ولو أتى على نفسي

''میں اپنی محبوب سورت، سورۃ الکہف کی تلاوت کر رہا تھا، اسے مکمل کیے بغیر چھوڑنا مجھے گوارا نہ تھا۔ اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ جس درے کی حفاظت کا حکم مجھے رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے، میں اس کی حفاظت میں ناکام ہو جاؤں گا (اور مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا) تو میں نماز وتلاوت ہرگز ختم نہ کرتا، چاہے میری جان ہی چلی جاتی۔''

اس دوران میں دشمن نے جب ایک اور مجاہد کو اپنے مقابلے کے لیے تیار دیکھا تو وہ فوراً وہاں سے بھاگ گیا۔[1]

1 المغازي للواقدي: 335،334/1، السيرة لابن إسحاق: 390/2، مزید دیکھیے، سنن أبي داود: 198

تھکا ہارا مریل اونٹ چُست و چنچل ہو گیا

رحمت عالم ﷺ ایک عظیم سپہ سالار اور محبوب قائد تھے۔ آپ اپنے جاں نثاروں سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ ان کی ضروریات اور مسائل سے ہر دم آگاہ رہتے تھے اور انھیں سہولت بہم پہنچانے کی ہر ممکن کوشش بھی فرماتے تھے۔ اپنے مجاہدین کے حالات سے مکمل آگاہی کے لیے آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ آپ سفر سے واپسی پر قافلے کے پیچھے پیچھے رہتے تاکہ بوقت ضرورت صحابہ کی مدد کر سکیں۔ اگر کسی کی سواری تھک ہار جائے تو اسے متبادل سواری دے سکیں۔ اگر کوئی صحابی بیمار ہو جائے تو اس کی دوا دارو اور تیمارداری کر سکیں۔

غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی پر نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ قافلے سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ سب صحابہ آگے نکل چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے مشفقانہ انداز میں دریافت کیا: «[illegible]» ''(جابر!) تیرے اونٹ کو کیا ہوا؟'' سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے غمگسار قائد کی آواز سنی تو عرض کی: اللہ کے رسول! میرا اونٹ بیمار اور کمزور ہے۔ سفر کرتے کرتے تھک گیا ہے، اب چند قدم بھی چلنے سے قاصر ہے، اس لیے میں مدد کے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«[illegible]»

''کیا تمھارے پاس پانی ہے؟''

میں نے پانی پیش کیا تو آپ ﷺ نے پانی پر دم کر کے اونٹ کے سر، کمر اور پشت پر ڈالا، پھر فرمایا:

«[illegible]»

''مجھے ایک چھڑی دو۔''

میں نے آپ ﷺ کو چھڑی دی تو آپ نے اپنے بابرکت ہاتھ سے اونٹ کو چند ضربیں لگائیں۔ آپ کی مبارک ضربوں سے اونٹ کی تھکی ماندی مردہ رگوں میں نئی جان پڑ گئی اور اس کے ناتوان بدن میں بجلیاں کوندنے لگیں۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار ہوئے تو وہ تیز رفتاری سے دوڑنے لگا حتی کہ رسول اللہ ﷺ کے اونٹ سے بھی آگے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اسے بمشکل روک روک کر چلتے رہے۔

جب سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا اونٹ رسول اللہ ﷺ کی سواری کے ساتھ ساتھ چلنے لگا تو تاجدار مدینہ نے اپنے پیارے صحابی رضی اللہ عنہ سے شفقت بھری گفتگو شروع کر دی۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«یا أبا عبد الله! أتزوجت؟»

''اے ابوعبداللہ! کیا تم نے شادی کر لی ہے؟''

میں نے عرض کیا: جی ہاں، اللہ کے رسول! شادی کر لی ہے، اسی لیے جلدی گھر پہنچنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا؟»

''کنواری لڑکی سے شادی کی ہے یا شوہر دیدہ سے؟''

میں نے عرض کیا: بیوہ خاتون سے شادی کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هَلَّا تَزَوَّجْتَ بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ؟»

''تم نے کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہیں کی؟ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے۔''

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے والد گرامی جنگ احد والے دن شہید ہو گئے تھے اور میری سات بہنیں ہیں۔ میں نے ایک تجربہ کار جہاندیدہ خاتون سے شادی کی ہے تاکہ وہ میری کمسن بہنوں کی دیکھ بھال کر سکے اور انھیں امور خانہ داری کی تربیت دے سکے۔ آپ ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کی تحسین فرمائی، ارشاد ہوا: «أصبت» ''تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے (یقیناً اس میں خیر و برکت ہوگی)۔''

پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«[illegible] فنحرت وأقمنا عليها يومنا ذلك وسمعت بنا فنفضت

[illegible]»



''جب ہم صرار پہنچیں گے تو ایک دن وہاں قیام کریں گے، اونٹ ذبح کریں گے، کھانا کھائیں گے، اس دوران ہماری اطلاع مدینہ پہنچ جائے گی اور تمھاری بیوی تمھارا بستر اور گھر کے پردے وغیرہ دھو کر صاف ستھرے کر دے گی (تاکہ تمھارا پرتپاک استقبال ہو)۔''

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! بھلا ہم غریبوں کے گھر میں بچھونے اور پردے وغیرہ کہاں جن کی صفائی کی ضرورت پیش آئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

أما إنها ستكون، فإذا قدمت فاعمل عملا كيسا

''آگاہ رہو! عنقریب یہ نعمتیں میسر آئیں گی۔ تم جب مدینہ پہنچو تو (اللہ تعالیٰ سے اولاد مانگنے۔ اولاد مانگنے کے سلسلے میں) عقلمندی کا مظاہرہ کرنا۔''

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! آپ کے ارشادات پر عمل کی پوری کوشش کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے محبت و الفت کے اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

بعني جملك هذا يا جابر!

''جابر! تم اپنا یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ دو۔''

جابر رضی اللہ عنہ: اللہ کے رسول! یہ اونٹ میں آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں، آپ قبول فرمائیے۔

رسول اللہ ﷺ: لا، بل بعنيه ''نہیں، تم اسے میرے ہاتھ بیچ ڈالو۔''

جابر رضی اللہ عنہ: جی بہت بہتر، آپ اس کی قیمت لگائیے۔

رسول اللہ ﷺ: قد أخذته بدرهم ''میں یہ اونٹ ایک درہم میں خریدتا ہوں۔''

جابر رضی اللہ عنہ: اللہ کے رسول! کچھ قیمت بڑھائیے۔ یہ تو بہت کم ہے۔

رسول اللہ ﷺ: دو درہم ... دس درہم ... چلو چالیس درہم میں بیچ دو۔ کیا اس قیمت پر راضی ہو؟

جابر رضی اللہ عنہ: جی اللہ کے رسول! میں اس قیمت پر بیچنے کے لیے تیار ہوں۔ اب یہ اونٹ آپ کا ہوا لیکن مدینہ تک میں اس پر سواری کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ: فظهره لك حتى تقدم المدينة ''تم اس پر مدینہ تک سواری کر سکتے ہو۔ مدینہ پہنچ کر اونٹ دے دینا (اور قیمت وصول کر لینا)۔''

جب ہم صرار پہنچے تو نبی کریم ﷺ نے اونٹ ذبح کر کے دعوت تیار کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کے حکم پر اونٹ نحر کیے گئے اور گوشت تیار کر کے مجاہدین کی ضیافت کی گئی۔ اس دوران میں مجاہدین کی آمد کی خبر مدینہ میں پہنچ گئی اور اہل خانہ مجاہدین کے پرتپاک استقبال کے لیے تیار ہو گئے۔ پھر ہم رات کے وقت مدینہ میں داخل ہوئے۔ میں نے اپنے سفر کی دلچسپ روداد اپنی اہلیہ کو سنائی اور آپ کا خصوصی ارشاد بھی گوش گزار کیا۔ بیوی نے آپ ﷺ کا

ارشادِ گرامی سنا اور گویا ہوئی۔ سَمْعٌ وَ طَاعَةٌ ''ہم نے آپ کا فرمان عالی سن لیا اور اطاعت کے لیے بسر و چشم تیار ہیں۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ صبح کے وقت اونٹ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے اونٹ آپ ﷺ کے حجرے کے قریب بٹھایا اور آپ کا انتظار کرنے لگا۔ جب آپ ﷺ حجرۂ شریف سے باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! یہ رہا آپ کا اونٹ، وصول کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اونٹ کو یہیں چھوڑ دو اور مسجد میں جا کر دو رکعت نفل ادا کرلو۔''

پھر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جابر کو چالیس درہم (چاندی) دے دو اور کچھ زیادہ بھی دینا۔ پھر آپ ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: بھتیجے! بلال سے قیمت لے لو اور یہ اونٹ ہماری طرف سے تحفہ قبول کرلو۔ (قیمت اور اونٹ دونوں تمھارے ہوئے۔)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ کے حکم پر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے مجھے چالیس درہم کے ساتھ ایک یا دو قیراط چاندی مزید عطا کی۔ میں یہ دونوں تحائفِ نبوی لے کر خوشی خوشی گھر لوٹا۔

نبی کریم ﷺ کا یہ عطیہ ہمارے لیے ہمیشہ باعثِ برکت رہا۔ ہمارے گھر میں ہمیشہ وہ بڑھتا رہا اور ہم اسے استعمال کرتے رہے حتی کہ فتنۂ حرہ کے روز وہ قیراط ہم سے چھن گئے۔[1]

قصۂ جابر رضی اللہ عنہ سے مستنبط چند مسائل

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا درج بالا قصہ جہاں تاجدارِ مدینہ کی اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت و الفت کا ثبوت ہے، وہاں اس میں امت کے لیے بھی نہایت اہم احکام و اسباق چمک رہے ہیں۔ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں چند آداب و مسائل درج ذیل ہیں۔

1 سفر سے بحفاظت واپسی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس کے لیے آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق مسجد میں دو رکعت نفل نماز ادا کرنی چاہیے۔[2]

2 طویل سفر سے واپسی پر اہلِ خانہ کو باقاعدہ اطلاع کرنا ضروری ہے تاکہ اہلِ خانہ اس کے استقبال کے لیے

1 صحيح البخاري: 2097 و 2604 و 2967، السيرة لابن إسحاق: 389,388/2، المغازي للواقدي: 336/1-338.

2 صحيح البخاري: 443 و 3087

مناسب تیاری کر سکیں۔ رسول اکرم ﷺ نے اچانک گھر پہنچنے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔[1] اس ادب نبوی سے معلوم ہوا کہ موجودہ دور میں مغربی تہذیب کے دلدادہ حضرات میں Surprise دینے کی جو رسم بد رواج پا گئی ہے، وہ اسلامی تعلیمات کے بالکل منافی ہے، لہٰذا مسافر کو کسی صورت بلا اطلاع اچانک گھر میں داخل نہیں ہونا چاہیے بلکہ جدید ذرائع ابلاغ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی آمد کی پیشگی اطلاع ضرور دینی چاہیے۔

3 خرید و فروخت کرتے وقت ایسی شرط لگانا جائز ہے جو تجارت کے مقصد کے منافی نہ ہو جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے اونٹ بیچتے وقت مدینہ منورہ تک سواری کرنے کی شرط کے ساتھ آپ ﷺ کے ہاتھ اونٹ بیچ دیا۔ آپ ﷺ نے ان کی یہ شرط قبول فرمالی۔[2]

4 بیع مکمل ہونے کے بعد بائع کو طے شدہ قیمت سے زیادہ رقم مانگنا جائز نہیں۔ لیکن اگر مشتری ادائیگی کرتے وقت یا مقروض قرض کی ادائیگی کے وقت اپنی خوشی سے زائد رقم ادا کرے تو یہ جائز ہے اور ایسی صورت میں بائع یا قرض خواہ کا زائد رقم وصول کرنا درست ہے۔[3]

5 مسجد کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد میں خرید و فروخت نہ کی جائے۔ اگر کسی شخص کی کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ مسجد میں اعلان نہ کرائے۔ یہ دونوں چیزیں منع ہیں، البتہ مسجد کے اندر مقروض سے ادائے قرض کا مطالبہ یا قرض وصول کرنا یا قرض خواہ اور قرض دہندہ کا تصفیہ کرانا درست ہے۔[4]

6 جانوروں کی ادھار خرید و فروخت جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے راستے میں ادھار اونٹ خریدا تھا اور مدینہ پہنچ کر رقم ادا کی تھی۔[5]

7 سفر سے کامیاب واپسی اور بخیر و عافیت گھر پہنچنے پر اپنے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کی دعوت کرنا بھی مسنون ہے۔[6]

8 نبی کریم ﷺ نے کنواری عورتوں سے شادی کرنے کی ترغیب دلائی ہے جبکہ بیوہ اور مطلقہ عورت سے شادی کرنا بھی جائز ہے۔ آپ ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے بیوہ عورت سے شادی کرنے کے عمل کو سراہا ہے کیونکہ انھیں اپنی بہنوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک تجربہ کار خاتون کی ضرورت تھی۔

نبی کریم ﷺ کے اس اسوۂ حسنہ سے ہمارے معاشرے میں پائے جانے والے اُن باطل نظریات والوں کی پوری طرح تردید ہو جاتی ہے جو ہندو مذہب کی تقلید میں بیوہ یا مطلقہ سے شادی کرنا بہتر خیال نہیں کرتے۔ یہ بڑی

1 صحيح البخاري : 1801و 5243. 2 صحيح البخاري : 2718. 3 صحيح البخاري : 443و 2394. 4 صحيح البخاري:443. 5 صحيح البخاري:2385. 6 صحيح البخاري:3089.

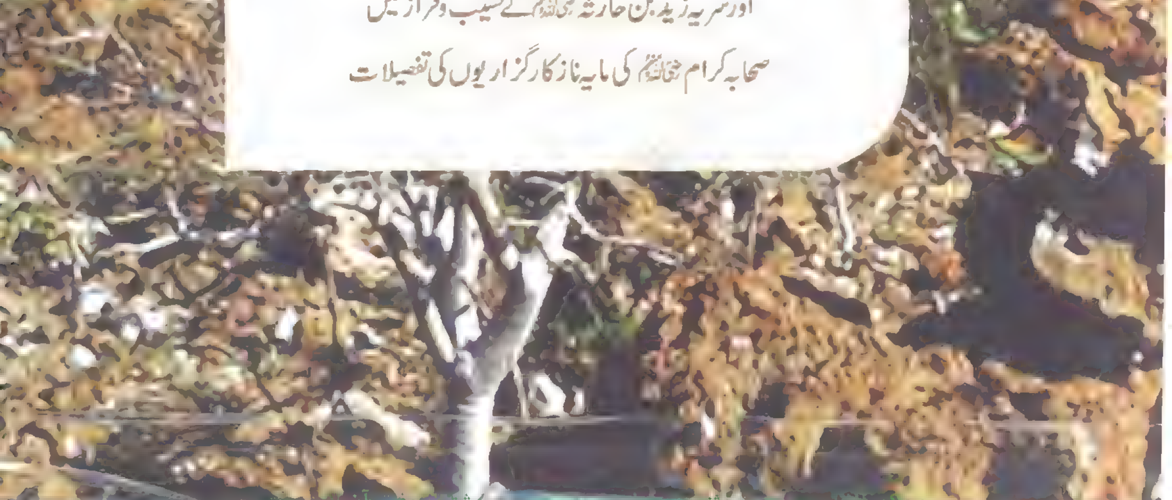
غلط اور گھٹیا حرکت ہے کہ ہمارے ہاں بیوہ یا مطلقہ خواتین کے نکاح پر بھی انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں اور انھیں نکاح ثانی سے روکنے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کیے جاتے ہیں، مثلاً: بعض علاقوں میں انھیں مقدس ہستیاں ٹھہرا کر بند حجروں میں عبادت و ریاضت کے نام پر قید کر دیا جاتا ہے اور انھیں جائز انسانی مطلوبات و ضروریات سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ اسلام بیوہ اور مطلقہ کو نکاح ثانی کی مکمل اجازت دے کر ان کے جائز حقوق کی پاسداری کرتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا تمام نکاح بیوہ یا مطلقہ عورتوں سے کیے ہیں۔ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ بوقت ضرورت یا ایسی عورتوں کی خوبیوں کی بنا پر انھیں کنواری عورتوں پر ترجیح دیا کرتے تھے۔[1]

9 شادی کا مقصد جہاں جائز انسانی خواہش کی تکمیل ہے، وہاں امت محمدیہ میں اضافے کے لیے حصول اولاد بھی ایک اہم مقصد ہے۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جب مدینہ پہنچ جاؤ تو بیوی سے یکجائی اختیار کر کے اللہ تعالیٰ سے بچے طلب کرو۔[2]

[1] صحیح البخاري: 5079 و 5367. [2] صحیح البخاري: 5245

عمرة القضاء سے پہلے کے سرایا

سریہ تربہ، سریہ ابو بکر صدیق، سریہ بشیر بن سعد، سریہ غالب بن عبداللہ، سریہ بشیر بن کعب، سریہ عبداللہ بن ابی حدرد، سریہ ابو قتادہ اور سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نشیب و فراز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مایہ ناز کارگزاریوں کی تفصیلات



وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ
وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم
مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ
وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ
فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ

''اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو (جہاد کرو) جو تم سے لڑتے ہیں اور تم زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور تم انھیں جہاں بھی پاؤ ان کو قتل کر دو اور تم انھیں نکال دو جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت (گناہ) ہے اور تم ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو یہاں تک کہ وہ اس میں تم سے لڑیں، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم انھیں قتل کرو، ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔'' (البقرۃ 2: 190، 191)

اس باب میں

آپ کو معلوم ہوگا کہ رسالت مآب ﷺ عمرۂ قضاء سے پہلے سریہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر سریہ عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تک دس سرایا کی مہمات سے عہدہ برآ ہوئے۔ ان سرایا میں اطاعت رسول کے انتہائی بیش قیمت اسباق چمک رہے ہیں۔ محض انھی سریوں پر ایک سرسری سی نظر ڈالتے ہی یہ ولولہ انگیز حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ صحابہ کی پاکیزہ روحیں جذبہ جہاد سے کس درجہ سرشار تھیں۔ ان سریوں میں شامل مجاہدین کرام انتہائی خطرناک اور دشوار گزار علاقے عبور کر کے اپنے اپنے ہدف تک پہنچے اور جان و دل کی گہرائیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا حکم پورا کر کے واپس آئے۔ یوں تو ہر سریہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اللہ اور اس کے رسول سے بے پایاں محبت کا آئینہ دار ہے تاہم ان میں سریۂ حرقہ ایک خاص معنویت رکھتا ہے۔ اس سریے میں سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک مفرور مشرک کا تعاقب کیا۔ پھر اُسے دبوچ کر اپنی جوہردار شمشیر لہرائی تو اس نے فوراً کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ پڑھا لیکن سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے اسے ہلاک کر دیا۔ یہ سانحہ رحمۃ للعالمین ﷺ کے علم میں آیا تو آپ تڑپ اُٹھے۔ بار بار بے قرار ہو کر دریافت فرماتے رہے: اے اسامہ! کل جب یہ شخص خونچکاں حالت میں لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہوا رب کریم کے حضور پیش ہوگا تو تو اُس کے بہتے ہوئے خون کا کیا جواب دے گا؟ ...... جس شخص کو سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا وہ کلمہ پڑھنے کے بعد صرف ایک لمحہ زندہ رہا اور اگلے لمحے موت کی نیند سو گیا۔ صرف اس ایک لمحے کے مسلمان کی ہلاکت پر بھی رحمت دو عالم ﷺ کا قلب اطہر کس قدر بے قرار رہا؟ اکرامِ مسلم کا سبق دینے والی درد و کرب کی یہ لہریں تاریخ نے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لی ہیں۔ اگلے اوراق میں ان سرایا کے بے پایاں اثرات، برکات اور حسنات ملاحظہ فرمائیے۔

سریۂ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

شعبان 7ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک جہادی دستہ نجد کے علاقے کی طرف روانہ کیا۔ اس دستے کے قائد رسول اللہ ﷺ کے بعد امت مسلمہ کی سب سے بڑی شخصیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ لشکر اسلام میں سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

آئیے اس سریے کی روداد سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ہی کی زبانی سنیے۔ وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر بنوفزارہ پر چڑھائی کے لیے نجد کے علاقے کی طرف بھیجا۔ میں بھی ان کے لشکر میں شامل تھا۔ لشکر مسلسل سفر کرتے ہوئے بنوفزارہ کے قریب پہنچا تو امیر لشکر نے مجاہدین کو رات کے آخری پہر آرام کرنے کا حکم دیا۔ لشکر اسلام میٹھی اور بھرپور نیند سے لطف اندوز ہوا، فجر کے وقت بیدار ہوا۔ سب نے نماز فجر ادا کی، پھر امیر لشکر نے حکم دیا کہ دشمن کو چاروں طرف سے گھیر لو اور یکبارگی پوری قوت سے حملہ کر دو۔ چنانچہ دشمن کو دفاع کا موقع دیے بغیر ہی گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ اس دوران میں نے دیکھا کہ ایک جماعت تیزی سے پہاڑوں کی طرف بھاگ رہی ہے تاکہ پہاڑوں میں روپوش ہو کر جان بچا سکے۔ اس میں بچے اور عورتیں بھی تھیں۔ میں نے سوچا کہ اگر میں نے ان کا تعاقب نہ کیا تو یہ ہاتھ سے نکل جائیں گے اور یہ پہاڑوں میں چھپ گئے تو انھیں ڈھونڈنا اور گرفتار کرنا دشوار ہو جائے گا، لہٰذا میں نے ایک تیر خوب تان کر ان کے آگے پھینک دیا جو ان کے اور پہاڑوں کے بیچ جا گرا۔ تیر دیکھ کر وہ لوگ ٹھٹک گئے اور سمجھ گئے کہ اب کوئی راہ فرار نہیں۔ وہ اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ جہاں تھے وہیں جم گئے۔ میں لپک کر ان تک پہنچا اور سب کو قیدی بنا کر امیر لشکر کے پاس لے آیا۔ قائد لشکر نے میری اس جرأت اور عقل مندی کو بہت سراہا۔ اس جماعت میں ایک عورت کے ساتھ اس کی نہایت حسین و جمیل بیٹی بھی تھی۔ امیر لشکر نے میری بہادری کے انعام میں وہ لونڈی مجھے بطور انعام عطا کی اور غنیمت کا حصہ بھی دیا۔

لونڈی کے بدلے مسلمان قیدیوں کی رہائی

پھر ہم مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ میری ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”...

...: ''سلمہ! اپنی لونڈی مجھے ہبہ کر دو۔'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! مجھے وہ بہت پسند آئی ہے اور میں نے تو ابھی تک اس کا کپڑا بھی نہیں ہٹایا (اس سے کوئی فائدہ ہی نہیں اٹھایا)۔ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ دوسرے دن ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے پھر فرمایا: «يا سلمة هب لي المرأة لله أبوك» ''سلمہ! وہ لونڈی مجھے ہبہ کر دو، تمھارے باپ کا بھلا ہو۔''

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے ابھی تک اس کا کپڑا بھی نہیں سرکایا۔ بس اب میں وہ لونڈی آپ کو ہبہ کرتا ہوں۔ آپ قبول فرمائیے۔ آپ ﷺ نے وہ لونڈی قبول فرما کر مشرکین مکہ کو بھیج دی جن کے قبضے میں کچھ مسلمان قیدی تھے۔ آپ ﷺ نے ان قیدیوں کی رہائی کے لیے یہ لونڈی انھیں بطور فدیہ دے دی۔[1]

سریہ سے حاصل ہونے والے اہم اسباق و احکام

1 ایسے کافر جنھیں اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو اور وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہے ہوں، اسلام دشمنی میں پیش پیش ہوں، انھیں اچانک حملہ کر کے مغلوب کرنا صحیح اقدام ہے۔ جبکہ عمومی اصول یہ ہے کہ کافروں کو پہلے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے۔ یا جزیے کے عوض اسلامی حکومت کے تابع ہونے کا حکم دیا جائے۔ اگر یہ دونوں طریقے ناکام ہو جائیں تو پھر ان کافروں سے جنگ کی جائے گی۔

2 جنگ میں بہادری کے خصوصی جوہر دکھانے والے مجاہد کو امیر لشکر خصوصی انعام سے نواز کر اس کی حوصلہ افزائی کر سکتا ہے۔

3 نابالغ غلاموں کو ان کی ماں سے الگ کر کے بیچنا یا مجاہدین میں تقسیم کرنا منع ہے۔ لیکن بالغ غلام یا لونڈی کو اس کی ماں سے الگ کرنا ٹھیک ہے۔ جیسے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ کو ایک خوبصورت لونڈی بطور انعام عطا کی جبکہ اس کی ماں بھی اس کے ساتھ موجود تھی۔ مگر وہ کسی اور صحابی کے حصے میں آئی۔

4 رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ کمزور اور غریب مسلمانوں کے لیے آپ ﷺ کی ہمدردی اور رحمت دو چند ہو جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے سیدنا سلمہ سے لونڈی لے کر ان مجبور و لاچار مسلمانوں کی رہائی کا بندوبست کیا جو مشرکین مکہ کی قید میں تھے اور انتہائی اذیت ناک صورت حال سے دوچار تھے۔

5 مسلمانوں میں تحائف کا تبادلہ باہمی محبت میں اضافے کا باعث ہے۔ اگر تعلقات نہایت پختہ اور محبت و اکرام والے ہوں تو تحفہ طلب بھی کیا جا سکتا ہے۔

1 صحیح مسلم، 1755، زاد المعاد: 359/3

سریہ تربہ

ماہِ شعبان 7 ھ میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر تربہ روانہ کیا۔ اس لشکر کا ہدف بنو ہوازن تھے۔ یہ لوگ اس وقت صنعاء اور نجران کے راستے پر مکہ مکرمہ سے تقریباً چار راتوں کی مسافت پر آباد تھے۔ اس لشکر میں تیس مجاہد اور بنو ہلال سے تعلق رکھنے والا ایک رہبر شامل تھا۔ اس لشکر کو یہ ہدایات دی گئی تھیں کہ دن کے وقت چھپ جاؤ، رات کی تاریکی میں سفر کرو، چپ چاپ دبے پاؤں دشمن کے سر پر جا پہنچو اور اس سے پہلے کہ انھیں ایک لمحے کے لیے بھی اپنی جگہ سنبھلنے کا موقع ملے، ان پر ٹوٹ پڑو اور انھیں ان کی سرکشی کا مزہ چکھا دو۔ لشکرِ اسلام اسی طرح سفر کرتے ہوئے بنو ہوازن پہنچا۔ ان لوگوں کو اسلامی لشکر کی آمد کی اطلاع اپنے جاسوسوں کے ذریعے پہلے ہی مل چکی تھی۔ لہٰذا وہ مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے مال مویشی سمیت کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ مجاہدین کو ان کے علاقے میں کوئی فرد نہ ملا۔ لہٰذا دشمن کے دلوں میں رعب و دبدبہ ڈال کر اور انھیں پسپائی پر مجبور کر کے اسلامی لشکر کامیابی سے واپس مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

اطاعت رسول ﷺ کا ایمان افروز مظاہرہ

اسلامی لشکر واپسی کے لیے روانہ ہوا تو رہبرِ لشکر نے امیرِ لشکر کو مشورہ دیا کہ اس علاقے میں خثعم قبیلہ بھی موجود ہے، وہ اپنے علاقے کی خشک سالی سے تنگ آکر اس علاقے میں آ گیا ہے۔ اگر آپ جاتے جاتے ان کی بھی سرکوبی کر جائیں تو بڑا مالِ غنیمت ہاتھ آئے گا۔ یہ مشورہ سن کر امیرِ لشکر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے رسول اللہ ﷺ نے ان پر حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا، اس لیے میں ان پر حملہ نہیں کروں گا۔''[1]

گویا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لشکرِ اسلام کو یہ پیغام دیا کہ ہم اس علاقے میں جوانمردی کے ذاتی جوہر دکھانے نہیں آئے۔ نہ مالِ غنیمت ہمارا مقصود ہے بلکہ ہم اپنے ہادی و راہنما کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے آئے ہیں۔

یقیناً ایک مسلمان کو ہمیشہ اطاعت نبوی کو اپنا شعار بنانا چاہیے۔ ایسے خوش نصیب قیامت والے دن خصوصی انعاماتِ ربانی سے نوازے جائیں گے۔

[1] زاد المعاد: 360,359/3

سریہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے یہودی سردار ابورافع سلام بن ابی الحقیق کو جہنم رسید کر دیا تو خیبر کے یہودیوں کی سیادت و قیادت کا تاج اسید بن رزام کے سر پر رکھ دیا گیا۔ اس نئے سردار نے اپنے ایجنڈے کا اعلان کرتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! آج تک محمد (ﷺ) نے جب چاہا اور جہاں چاہا حملہ کر کے یا اپنے فوجی دستوں کے ذریعے سے یہودیوں کو برباد کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں وہ حکمت عملی اپناؤں گا جو میرے پیش رو اپنانے میں ناکام رہے۔ لوگوں نے پوچھا: تمھارا پلان کیا ہے؟ تم مسلمانوں کا مقابلہ کس طرح کرو گے؟ اور یہودیوں کے مفادات کی مؤثر حفاظت کا کیا انتظام کرو گے؟ اسیر نے اپنی حکمت عملی واضح کرتے ہوئے بتایا: میں غطفان قبیلے میں جاؤں گا۔ ان کے تمام سرکردہ لوگوں سے ملاقات کر کے انھیں مسلمانوں سے فیصلہ کن معرکے کے لیے تیار کروں گا۔ پھر ہم سب مل کر مسلمانوں کے گھر میں گھس کر یلغار کریں گے۔ کیونکہ جب بھی کوئی لشکر کسی قوم کے مرکز پر حملہ کرتا ہے تو حملہ آور اپنے مقاصد میں کسی نہ کسی حد تک کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔ لہٰذا آئندہ جنگ مسلمانوں کے شہر ہی میں لڑی جائے گی۔ ہم ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی ان پر کاری وار کریں گے۔

یہودی اپنے لیڈر کی یہ حکمت عملی سن کر بڑے خوش ہوئے اور سردار کی سوچ کو سراہتے ہوئے کہنے لگے: ''آپ کی پلاننگ بڑی شاندار ہے۔'' یقیناً یہی پلاننگ یہودیوں کے تحفظ کی ضامن ثابت ہوگی۔ چنانچہ اسیر، غطفان اور دوسرے قبیلوں کو اپنا ہمنوا بنانے اور انھیں جنگ کے لیے بھڑکانے کی غرض سے ان قبائل کی طرف چل دیا۔


جامع عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ لیبیا

رسول اللہ ﷺ کو یہودیوں کے اس منصوبے کا علم ہوا تو سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو دیگر تین ساتھیوں کے ساتھ اس خبر کی تصدیق کے لیے

روانہ فرمایا۔ یہ ماہ رمضان کا واقعہ ہے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے زیر کمان یہ دستہ خیبر کے قریب پہنچا اور پھر مجاہدین امیر لشکر کے حکم پر مختلف باغات میں منتشر ہو گئے۔ یہ حضرات تین دن تک اسیر بن رزام اور اس کے ہمنواؤں کی خبریں ٹٹولتے رہے۔ بعد ازاں واپس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مشاہدات اور اطلاعات سے آگاہ کیا۔ اسی دوران حسیل الاشجعی مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی خیبر کے حالات و واقعات کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ انھوں نے بھی رپورٹ دی کہ اسیر بن رزام مدینہ منورہ پر لشکر کشی کے لیے یہودیوں کے جتھے بنا رہا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ ان یہودیوں کی سرکوبی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ پھر سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر خیبر روانہ کیا گیا۔ اس لشکر میں سیدنا عبداللہ بن عتیک اور عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔

آئیے! اب اس سریے کی کارروائی سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی زبانی سنیے۔

وہ فرماتے ہیں: ہم سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت خیبر پہنچے۔ ہم نے یہودی سردار اسیر کو پیغام بھیجا کہ ہمیں اتنی دیر کے لیے امان دے دو کہ ہم تمھارے پاس پہنچ کر تمھیں ایک اہم پیغام دے سکیں۔ اس نے جواب دیا: ٹھیک ہے، میں نے تمھیں امان دی۔ اور میری بھی یہی شرط ہے کہ تم مجھے امان دو گے۔ ہم نے اس کی شرط تسلیم کر لی۔ پھر ہم اس کے پاس گئے تو ہم نے کہا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تم ان کی خدمت میں مدینہ پہنچو۔ وہ تمھیں خیبر کا رئیس مقرر کرنا اور تمھارے ساتھ احسان و اکرام کا سلوک فرمانا چاہتے ہیں۔ صحابہ کرام کی مسلسل گفت و شنید کے بعد وہ مدینہ چلنے پر آمادہ ہو گیا اور امارت کی طمع کرنے لگا۔ پھر اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے مشورہ کیا تو انھوں نے مخالفت کر دی۔ وہ کہنے لگے: یہ کیسے ممکن ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی یہودی کو خیبر کا امیر مقرر کر دیں؟'' اسیر بولا: بھلا یہ کیوں ممکن نہیں؟ میں تو ان جنگوں سے تنگ آ چکا ہوں۔ اگر یہ معاملہ صلح کے ذریعے خوش اسلوبی سے طے پا جائے تو میں مدینہ جانے کے لیے تیار ہوں۔ لہٰذا وہ اپنی قوم کی مخالفت کے باوجود مسلمانوں کے ساتھ چل دیا۔ اس کے ساتھ تیس یہودی بھی تھے۔ یہ قافلہ سوئے مدینہ چلا تو ہر یہودی کے پیچھے ایک ایک مسلمان سواری پر بیٹھ گیا۔ سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے اسیر بن رزام کو اپنے اونٹ پر سوار کر لیا۔

ہم اسی طرح چلتے رہے حتی کہ جب قرقرہ نیار کے مقام پر پہنچے تو اسیر کو اپنے فیصلے پر پشیمانی ہوئی۔ اس نے دھوکے سے میری تلوار پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ میں اس کی سازش بھانپ گیا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا: ''اے اللہ کے دشمن! تو غداری پر تل گیا ہے۔'' میں نے اپنی سواری کو تیز کیا اور کھسک کر اسیر سے اور زیادہ قریب ہو گیا تاکہ میں یہ دیکھوں کہ یہ کیا کرتا ہے۔ اس نے میری تلوار اچک لی۔ میں نے اپنے اونٹ کو چابک رسید کیا اور

اونچی آواز سے کہا: کون ہے جو سواری سے اتر کر اونٹوں کو چلائے؟ جب کوئی بھی نہ اترا تو میں نے اتر کر اونٹوں کو چلانا شروع کر دیا۔ میں اونٹوں کو چلاتا رہا حتی کہ اسیر اکیلا رہ گیا۔ پھر میں نے کاری وار کر کے اس کی ٹانگ کاٹ ڈالی۔ وہ اونٹ سے لڑھک کر نیچے گر پڑا مگر اس نے گرتے گرتے میرے سر پر اپنا ڈنڈا دے مارا۔ میرا سر پھٹ گیا اور زخم دماغ کے اندر سرایت کر گیا۔ بعد ازاں ہم اس کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اور آن کی آن میں سب کو کاٹ کے رکھ دیا۔ صرف ایک آدمی زندہ بچا۔ وہ اتنی تیزی سے نکل بھاگا کہ ہم میں سے کوئی بھی اسے پکڑ نہ سکا۔

اس طرح مسلمانوں کے ایک بڑے دشمن کا صفایا کرنے کے بعد اسلامی لشکر بخیر و عافیت واپس مدینہ پہنچ گیا۔

اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ان کے ساتھ محو گفتگو تھے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا تذکرہ چل نکلا۔ کچھ صحابی کہنے لگے: آؤ ثنیۃ الوداع (مدینے کے خارجی دروازے) تک چل کر ان کی کوئی خیر خبر لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب وہ ثنیہ گھاٹی تک آئے تو ہمارے تیز رفتار ساتھیوں سے ملاقات ہوئی۔ وہ انھیں لے کر خوشی خوشی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ ہم نے اپنے سفر کی مکمل روداد آپ کو پیش کی۔ آپ نے فرمایا:

«قد نجاكم الله من القوم الظالمين»

''اللہ تعالیٰ نے تمھیں ظالم قوم سے نجات دے دی ہے۔''

میں نے رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ کر اپنا زخم دکھایا۔ آپ نے اپنا لعاب دہن میرے زخم پر لگایا تو میری ساری تکلیف اسی وقت دور ہوگئی۔ اس دن کے بعد اس زخم سے پیپ نکلی نہ کبھی درد ہوا۔ حالانکہ میرے سر کی ہڈی چیخ چکی تھی۔ آپ نے میرے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا اور برکت کی دعا دی۔ پھر مجھے اپنا عصائے مبارک عطا کیا اور فرمایا:

«أمسك هذه معك علامة بيني وبينك يوم القيامة أعرفك بها فإنك تأتي يوم القيامة متخصرا»

''یہ عصا سنبھال کر رکھنا۔ یہ تمھاری نشانی ہے۔ میں قیامت کے دن تمھیں اسی سے پہچان لوں گا۔ تم اسی کا سہارا لے کر آؤ گے۔''

جب سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو یہ عصا ان کی میت کے ساتھ رکھ کر انھیں دفنا دیا گیا۔[1]

1 مسند أحمد 3/496، دلائل النبوة للبيهقي 4/43، زاد المعاد: 3/360، سبل الهدى والرشاد 6/111، 112.

سریہ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ

7ھ ماہ شعبان ہی میں رسول اللہ ﷺ نے ایک فوجی دستہ فدک کی طرف روانہ کیا۔ اس علاقے میں بنو مرہ آباد تھے۔ ان کے خلاف تادیبی کارروائی کے لیے تیس مجاہدین کا تقرر ہوا۔ ان کے امیر سیدنا بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ قبیلہ خیبر اور مدینہ منورہ کے درمیان آباد تھا۔ جب اسلامی لشکر وہاں پہنچا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ صرف چند چرواہے پھر رہے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ بنو مرہ کہاں ہیں؟ تو انھوں نے بتایا کہ وہ اپنی محفلوں میں مشغول ہیں۔ سردی کا موسم تھا، لوگ گھروں میں دبکے بیٹھے تھے۔ خاص طور پر مرد شعر و شاعری اور ناؤ نوش کی محفلوں میں داد عیش دے رہے تھے۔ چنانچہ مسلمان معمولی سی مزاحمت کے بعد ان کے اونٹ اور دیگر مال مویشی ہانک کر لے گئے۔ اس دوران میں ایک شخص نے چیخ کر اپنی قوم کو اطلاع دی کہ ان کے مویشی مسلمانوں کے قبضے میں آگئے ہیں اور وہ انھیں ہانک کر مدینہ لے جارہے ہیں۔ یہ خبر ان پر بجلی بن کر گری اور ہر شخص اپنے جانور چھڑانے کے لیے بھاگا۔ رات کے وقت مسلمانوں کو گھیر لیا گیا اور دونوں طرف سے تیروں کی بارش شروع ہوگئی۔ مسلمانوں نے نہایت جوانمردی سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ رات بھر تیروں سے جنگ جاری رہی۔ صبح ہوئی تو مسلمانوں کے تیر ختم ہو چکے تھے اور دشمن نے انھیں چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اب دو بدو لڑائی شروع ہوئی تو مسلمان ایک ایک کرکے جام شہادت نوش کر گئے۔ امیر لشکر سیدنا بشیر رضی اللہ عنہ کو بھی شدید زخم آئے، دشمن انھیں مردہ سمجھ کر مقتولین میں چھوڑ گئے اور اپنی بکریاں اور اونٹ لے کر واپس چلے گئے۔ سیدنا بشیر رضی اللہ عنہ کو شدید زخمی حالت میں فدک لایا گیا۔ وہ صحت یاب ہونے تک فدک کے یہودیوں کے پاس رہے۔ پھر تندرست ہوجانے کے بعد مدینہ واپس آئے۔ ان سے پہلے سیدنا علبہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ مجاہدین کی شہادت کی خبر نبی کریم ﷺ کو دے چکے تھے۔[1]


الحائط (سابقہ فدک) کا صدر دروازہ

1 الطبقات لابن سعد: 2/118، 119، زاد المعاد: 3/360، 361.

سریہ حرقہ

رسول اللہ ﷺ نے جہینہ کے علاقے حرقہ [1] کی طرف بھی ایک سریہ روانہ فرمایا تھا۔ اس سریے میں سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ جب یہ سریہ اس علاقے میں پہنچا تو امیر سریہ نے جاسوسوں کو مخبری کے لیے آگے روانہ کر دیا۔ جب وہ ان کی خبریں معلوم کر کے واپس آئے تو امیر نے رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد جب کہ انھوں نے اپنے جانوروں کا دودھ دوھ لیا تھا اور وہ آرام کر رہے تھے، ان سے مخاطب ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہا: ''میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے تقویٰ کو اختیار کرو، میری اطاعت کرو، میری نافرمانی نہ کرو، نہ میرے حکم کی مخالفت کرو کیونکہ جس کی اطاعت نہ کی جائے، اس کی کوئی رائے نہیں۔'' پھر انھوں نے اپنے تمام ساتھیوں کے جوڑے بنائے اور کہا: اے فلاں اور فلاں، اے فلاں اور فلاں! تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھی ہو۔ تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے ساتھ رہے، اس سے جدا نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ میں کسی سے پوچھوں کہ تمھارا ساتھی کہاں ہے؟ تو وہ جواب دے کہ مجھے معلوم نہیں۔ جب میں اللہ اکبر کہوں تو تم بھی اللہ اکبر

[1] جہینہ کا سردار جہیش بن عامر حرقہ کے نام سے موسوم تھا، اس کی نسبت سے میفعہ (نجد) کے علاقے کو حرقہ کہا جاتا تھا۔ حرقہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس نے بہت سے لوگوں کو جلا کر مار دیا تھا، اس لیے اسے حرق کہا جاتا تھا۔



کہو اور اپنی تلواریں میان سے نکال لو۔ اس کے بعد انھوں نے اللہ اکبر کہہ کر یک دم حملہ کر دیا اور دشمن قوم کا احاطہ کر لیا۔ اللہ کی تلواروں نے دشمنوں کو پکڑ لیا کہ انھیں جہاں چاہیں اور جس حال میں چاہیں رکھیں۔ اس دن ان کا شعار ''أمِت أمِت'' تھا۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے ان میں سے مرداس بن نُہیک نامی ایک شخص کا تعاقب کیا۔ جب اس کے قریب پہنچ کر انھوں نے اپنی تلوار سونتی تو اس نے فوراً کہا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لیکن سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی بکریوں، اونٹوں اور بچوں کو لے گئے۔ ان میں سے ہر ایک کو مال غنیمت میں سے چار اونٹ یا ان کے برابر بکریاں ملیں۔

جب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ کو اسامہ رضی اللہ عنہ کے واقعے کے بارے میں خبر دی گئی۔ یہ سن کر آپ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا:

«يَا أُسَامَةُ! أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟»

''اسامہ! تم نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا؟''

اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اس نے تو جان بچانے کے لیے یہ کہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَهَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ» ''کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ لَكَ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟»

''روز قیامت تمھیں لا الہ الا اللہ سے کون بچا سکے گا؟''

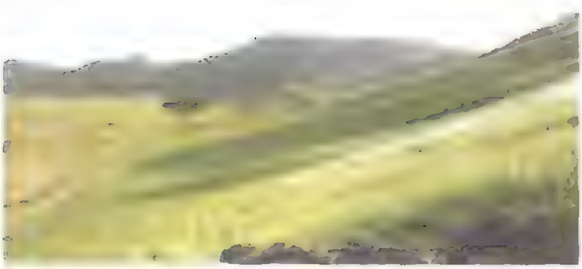
آپ بار بار یہی ارشاد فرماتے رہے حتی کہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے تمنا کی کہ اے کاش! وہ اُسی دن مسلمان ہوئے ہوتے۔[1] انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ لا الہ الا اللہ کہنے والے کسی شخص کو قتل نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے بعد (بھی)؟'' اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جی ہاں! آپ کے بعد بھی۔[2]

1 صحيح البخاري: 4269، صحيح مسلم: 97,96، سنن أبي داود: 2643، مسند أحمد: 207/5. 2 زاد المعاد 362,361/3، المغازي للواقدي: 2/178-180، السيرة لابن هشام: 271/4

سریہ غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب بن عبداللہ کلبی لیثی رضی اللہ عنہ کو کدید کے بنوملوح کی طرف بھیجا اور انھیں ان پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جندب بن مکیث جہنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں بھی اس سریے میں شامل تھا۔ جب ہم قُدید[1] کے مقام پر پہنچ گئے تو وہاں ہمیں حارث بن مالک بن برصاء لیثی ملا، ہم نے اسے پکڑ لیا۔ وہ کہنے لگا کہ میں تو مسلمان ہونے کے لیے آیا ہوں۔ غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اگر تم مسلمان ہونے کے لیے آئے ہو تو ایک دن رات تک تمھیں باندھے رکھنا تمھارے لیے نقصان دہ نہیں ہے اور اگر تمھارا مقصد کچھ اور ہے تو ہم وہ مقصد معلوم کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ ہم نے اسے باندھ دیا۔ اس پر سیاہ رنگ اور چھوٹے قد کے ایک آدمی کو نگران مقرر کر دیا اور اس سے کہا: ہماری واپسی تک اسی کے پاس رہو، اگر یہ تم پر غالب آنے کی کوشش کرے تو اس کا سر تن سے جدا کر دو۔ پھر ہم آگے چل دیے اور عصر کے بعد کدید پہنچ گئے۔ میرے ساتھیوں نے مجھے دشمن کا

وادی قدید کا ایک پہاڑی منظر



پتا لگانے کے لیے ان کی طرف بھیجا تھا۔ میں ایک ایسے ٹیلے پر چڑھ گیا جہاں سے میں تمام حاضرین کو دیکھ سکتا تھا۔ میں اس ٹیلے پر منہ کے بل لیٹ گیا۔ یہ غروب آفتاب سے پہلے کا وقت تھا، ان لوگوں میں سے ایک آدمی نکلا، اس نے مجھے ٹیلے پر لیٹے ہوئے دیکھ لیا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا: مجھے اس ٹیلے پر ایک ایسا سایہ سا نظر آ رہا ہے جو میں نے دن کے ابتدائی حصے میں نہیں دیکھا تھا۔ دیکھو کہیں کتے تمھارا کوئی برتن نہ لے گئے ہوں۔

1 یاد رہے کہ قُدید اور کدید دونوں الگ الگ ہیں۔ قُدید ایک وادی ہے جو مکہ سے 120 کلومیٹر شمال میں ہے جبکہ کدید ایک مقام ہے جو مکہ سے 90 کلومیٹر شمال میں الجموم (خلیص) اور عسفان کے درمیان واقع ہے۔ کدید کو ان دنوں حمض کہا جاتا ہے۔ (معجم المعالم الجغرافیۃ فی السیرۃ النبویۃ، ص: 263، سیرت انسائیکلوپیڈیا (دارالسلام) 206/1)

اس نے دیکھا تو کہا: واللہ! میری کوئی چیز گم نہیں ہوئی۔ اس نے کہا: مجھے میری کمان اور ترکش سے تیر نکال کر دو۔ بیوی نے اسے یہ چیزیں دے دیں۔ اس نے مجھے تیر مارا جو میرے پہلو میں لگا۔ میں نے اسے نکال کر رکھ دیا اور کوئی حرکت نہ کی۔ اس نے دوسرا تیر مارا جو میرے کندھے پر لگا۔ میں نے وہ بھی نکال کر رکھ دیا اور کوئی حرکت نہ کی۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا: اللہ کی قسم! اسے میرے تیر لگے ہیں، اگر وہ کوئی جاندار ہوتا تو ضرور حرکت کرتا۔ جب صبح ہو تو میرے دونوں تیر ڈھونڈ لانا تاکہ کتے انھیں خراب نہ کر دیں۔ یہ کہہ کر وہ اندر چلا گیا۔ ہم نے انھیں مہلت دیے رکھی حتی کہ جب وہ اپنے جانوروں کا دودھ دوہ کر سو گئے اور رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو ہم نے ان پر حملہ کر کے چرواہوں کو قتل کر دیا اور ان کے اونٹ ہانک لائے۔ ہم واپس آ رہے تھے کہ ان میں سے ایک فریاد کرنے والے نے چیخ چیخ کر اپنی قوم کو مطلع کیا مگر ہم تیزی سے نکل آئے اور حارث بن مالک اور اس کے ساتھی کو بھی اپنے ساتھ لے آئے۔ اس دوران ہمیں لوگوں کی چیخ پکار کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر ہمارے تعاقب میں اتنی بڑی تعداد میں لوگ آ پہنچے کہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ہمارے اور ان کے درمیان صرف وادی قدید حائل تھی۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے وادی (ندی) میں سیلاب بھیج دیا، حالانکہ اس سے پہلے کوئی بارش نہیں ہوئی تھی۔ وادی میں اس قدر شدید سیلاب آ گیا کہ ان میں سے کوئی بھی اسے عبور نہ کر سکا۔ وہ دوسرے کنارے پر کھڑے ہماری طرف دیکھ رہے تھے لیکن کسی میں پیش قدمی کی ہمت نہیں تھی۔ ہم ان کے اونٹوں کو ہانکتے ہوئے تیزی سے چلے آئے حتی کہ ہم انھیں مشلل کی بلندی سے اتار لائے اور وہ اپنے مال مویشی واپس لینے سے عاجز رہے۔[1]



وادی قدید کا خوبصورت علاقہ

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سریہ اور اس سے پہلے بیان کیا گیا سریہ دونوں ایک ہی ہیں۔ واللہ اعلم[2]

1 السیرۃ لابن ھشام: 259,258/4، مسند أحمد: 468,467/3. 2 زاد المعاد: 363/3.



ضریہ، قرقرہ ثبار، الحرقہ (الحُرَقات) اور فدک کے سرایا

سریہ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کو خیبر کے علاقے میں راستہ بتانے والے سیدنا حسیل بن نویرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا: ''خیبر کی کیا خبر ہے؟'' انھوں نے عرض کی: یمن، غطفان اور حیان قبیلے لشکر جمع کر رہے ہیں۔ عیینہ بن حصن فزاری نے بھی انھیں پیغام بھیجا ہے کہ اپنی فوجیں لے کر میرے پاس آجاؤ یا میں اپنا لشکر لے کر تمھارے پاس آجاتا ہوں تاکہ مل کر مسلمانوں پر لشکر کشی کریں۔ ان قبائل نے عیینہ بن حصن کو اپنے پاس بلا لیا ہے اور وہ مدینہ پر چڑھائی کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ یا کسی مسلمان قبیلے کو لوٹ مار کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے وزراء کو مشورے کے لیے طلب کیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے تو آپ نے انھیں تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کیا۔ دونوں وزیروں نے مشورہ دیا کہ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر ان قبائل کی سرکوبی کے لیے روانہ فرما دیں۔ لہٰذا آپ ﷺ نے شوال 7 ھ میں سیدنا بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین سو مجاہدین کا ایک لشکر ان قبائل کی تادیب کے لیے روانہ کیا۔ لشکر کو ہدایت کی کہ دن کے وقت سفر موقوف رکھو اور چھپ کر آرام کرو۔ رات کو سفر جاری رکھتے ہوئے اچانک دشمن تک پہنچ جاؤ اور انھیں ان کی سرکشی کا سبق سکھاؤ۔ اسلامی لشکر دشمنوں کی نظر سے چھپتا ہوا خیبر کے قریب پہنچ گیا۔ اس دوران میں ان قبائل کو اسلامی لشکر کی آمد کی خبر ملی تو وہ بزدلوں کی طرح مال مویشی چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ اسلامی لشکر نے ان کے مویشیوں پر قبضہ کر لیا اور پیش قدمی کرتے ہوئے ان کے گھروں تک پہنچ گئے۔ مگر وہاں سناٹا تھا، کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ لہٰذا اسلامی لشکر دشمن کے سینوں میں رعب و دبدبہ ڈال کر واپس روانہ ہو گیا۔ اس لشکر کو غنیمت میں بڑی



جبل طویق (نجد)

تعداد میں مویشی ملے۔ واپسی پر مسلمانوں کو سلاح نامی جگہ پر عیینہ بن حصن کا ایک جاسوس ملا، اسے قتل کر دیا گیا۔ پھر اسلامی لشکر کی مڈھ بھیڑ عیینہ کے لشکر سے ہوئی جبکہ عیینہ کو مسلمانوں کے قریب آ پہنچنے کی بالکل خبر نہ تھی۔ مسلمانوں نے اپنے نیزوں سے دشمن کی خوب خبر لی۔ چند ہی لمحوں میں ان سورماؤں کو اندازہ ہوگیا کہ جن پر حملہ کرنے کے لیے وہ مدینہ منورہ جانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ وہ شیر تو خود ان کے گھروں میں انھیں ٹھکانے لگانے کے لیے آ پہنچے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب دم دبا کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، دو فزاری سورماؤں کو گرفتار کر لیا اور انھیں لے کر مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ بعد ازاں یہ دونوں مسلمان ہو گئے اور آزاد کر دیے گئے۔

اس طرح مسلمانوں نے یمن، غطفان، اور فزاری جمعیت کے خلاف کامیاب کارروائی کر کے ان کے دلوں پر اپنی ہیبت طاری کر دی اور بھاری مالِ غنیمت بھی حاصل کیا۔

مخالفتِ رسول ﷺ کا نتیجہ ذلت و رسوائی ہے

عیینہ بن حصن شکست کھانے کے بعد سخت خوفزدہ ہو کر بھاگ رہا تھا، راستے میں اسے حارث بن عوف ملا۔ اس نے عیینہ سے کہا: رکو، اس قدر تیز کیوں بھاگے جا رہے ہو؟ اس نے گھوڑا بھگاتے ہوئے کہا: میں ہرگز رک نہیں سکتا، میرے پیچھے فوج لگی ہوئی ہے۔ حارث نے کہا: کیا اب بھی تمھارے لیے غور و فکر کا وقت نہیں آیا جبکہ محمد (ﷺ) مسلسل سارے علاقے فتح کیے جا رہے ہیں۔ اور تم ان کی مخالفت کر کے ذلیل و رسوا ہو رہے ہو۔ وہ یہ باتیں سن کر فرار ہو گیا۔ حارث بیان کرتے ہیں: میں شام تک وہیں ٹھہرا رہا۔ مجھے کوئی فوج دکھائی نہ دی۔ مگر عیینہ کا خوف اسے بھگائے لیے جا رہا تھا۔[1]

1 زاد المعاد: 3/363، 364.



سریہ عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ

سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے قبیلۂ اسلم کی ایک عورت سے شادی کی اور اسے 200 درہم حق مہر دینے کا وعدہ کیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ادائے مہر کے لیے تعاون کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: «كَمْ أَصْدَقْتَ؟» ''تم نے کتنا حق مہر طے کیا ہے؟'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! 200 درہم دینے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے نہایت تعجب سے فرمایا:

«لَوْ كُنْتُمْ تَأْخُذُونَ الدَّرَاهِمَ مِنْ بَطْنِ وَادٍ مَا زِدْتُمْ، وَاللّٰهِ! مَا عِنْدِي مَا أُعِينُكَ بِهِ»

''اگر تم یہ درہم کسی وادی میں گرے پڑے پاتے تب بھی تم اس قدر زیادہ حق مہر نہیں دے سکتے (اب جبکہ تمھارے پاس دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تو تم نے اتنی بھاری رقم طے کر لی ہے)۔ اللہ کی قسم! تمھاری مدد کے لیے میرے پاس بھی کچھ نہیں۔''

اس کے بعد کئی دن گزر گئے لیکن حق مہر ادا کرنے کے لیے میرے پاس رقم کا بندوبست نہ ہو سکا، پھر اہل مدینہ کو خبر ملی کہ رفاعہ بن قیس اپنے قبیلے بنو جشم بن معاویہ کو لے کر الغابہ پہنچ گیا ہے۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ قیس قبیلے کو ساتھ ملا کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کرے۔ رفاعہ بن قیس بنو جشم کا سرکردہ لیڈر تھا اور نہایت معزز سمجھا جاتا تھا۔

دشمن کی سرگرمیوں کا سراغ لگانے کا حکم

سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے میرے دو ساتھیوں سمیت طلب کیا۔



کوہ احد کے مغرب میں الغابہ کا سرسبز منظر

وادی قناۃ نزد مدینہ منورہ



آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا:

"جاؤ رفاعہ کے بارے میں مکمل معلومات لے کر آؤ۔"

آپ ﷺ نے سواری کے لیے ہمیں نہایت دبلی پتلی اونٹنی دی۔ ہم میں سے ایک ساتھی اس پر سوار ہوا تو اللہ کی قسم! وہ اٹھ ہی نہ سکی حتی کہ کچھ لوگوں نے زور لگا کر اسے اٹھنے میں مدد دی۔ وہ کھڑی ہوگئی مگر لگتا تھا کہ یہ سفر نہیں کر سکے گی۔ مگر آپ ﷺ کا حکم یہی تھا: "اس اونٹنی پر مہم کے لیے روانہ ہو جاؤ، راستے میں باری باری سواری کرنا۔" لہذا ہم اپنے تیر اور تلواریں لے کر نکل پڑے۔ جب ہم رفاعہ کی منزل کے قریب پہنچے تو شام کے سائے اُتر رہے تھے اور سورج غروب ہونے والا تھا۔ میں ایک طرف چھپ گیا اور اپنے دونوں ساتھیوں کو دوسری طرف چھپ جانے کا حکم دیا۔ اور تاکید کی کہ جب میں نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے اپنی طرف کے دشمن پر حملہ کروں تو تم بھی میرے ساتھ حملہ آور ہو جانا۔ اس منصوبے کے تحت ہم مختلف جگہوں پر چھپ گئے اور مناسب موقع کا انتظار کرنے لگے۔ رات دھیرے دھیرے اُتر رہی تھی۔ اس دوران اہل قبیلہ نے محسوس کیا کہ آج ان کے چرواہے کو خلاف معمول دیر

وادی بطحان (مدینہ منورہ)





وادی عقیق (مدینہ منورہ)

وادی الخلیل (مدینہ منورہ)



ہوگئی ہے۔ وہ ابھی تک مویشی لے کر نہیں لوٹا تھا۔ وہ اس کے متعلق مختلف اندیشوں میں مبتلا ہوگئے، مبادا کہیں اسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو یا اس پر کسی نے حملہ کر دیا ہو۔ رفاعہ بن قیس اٹھا۔ اس نے اپنی تلوار گلے میں لٹکائی اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں اپنے اس چرواہے کی خبر لے کر آتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی مصیبت کا شکار ہوگیا ہے۔ اس کے ساتھی بولے: اللہ کی قسم! تم یہ زحمت نہ کرو۔ یہ کام ہمارے حوالے کرو، ہم ابھی اس کی تلاش میں نکل جاتے ہیں۔ رفاعہ نہ مانا اور بولا: واللہ! میں تن تنہا ہی جاؤں گا۔ اس کی قوم کے لوگوں نے پھر کہا کہ ہمیں بھی ساتھ جانے کی اجازت دیجیے۔ مگر اس نے سختی سے انکار کرتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی بھی میرے پیچھے نہیں آئے گا۔ وہ اکیلا ہی نکل پڑا۔ جب وہ میرے پاس سے گزرنے لگا تو مجھے اپنی کارروائی کا موقع مل گیا۔

دشمن کو مارنے کا حربہ

عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رفاعہ کو تاک کر ایک تیر مارا جو اس کے دل کے آر پار ہوگیا، وہ پھڑکا بھی نہ پایا اور کوئی ہائے وائے کیے بغیر ہی ڈھیر ہوگیا۔ میں فوراً چھلانگ لگا کر کمین گاہ سے باہر نکلا اور اس کا سر کاٹ کر تن سے جدا کر دیا۔ پھر میں نے بلند آہنگ نعرہ لگایا اور دشمن پر حملہ کر دیا۔ میرے دونوں ساتھیوں نے بھی بلند آواز سے نعرہ لگایا اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ بس پھر کیا تھا۔ ہر طرف ''بچاؤ بچاؤ'' کی دہائی سنائی دینے لگی۔ ہر شخص اپنی جمع پونجی میں سے بآسانی نقل و حمل والی چیز اٹھا کر بھاگ نکلا۔ نفسا نفسی کا عالم برپا ہوگیا۔ کوئی اپنی عورت کو بچانے بھاگ رہا تھا تو کسی کو بچوں کی فکر دامن گیر تھی اور کوئی اپنی جان بچانے کے لیے فرار ہونے کی کوشش میں تھا۔ اس طرح آن کی آن میں پورا قبیلہ بستی چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ہم بہت سارے اونٹ اور بکریاں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ میں نے رفاعہ کا سر آپ کی خدمت میں پیش کیا اور اپنی کامیابی کی خبر سنائی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ان اونٹوں میں سے تیرہ اونٹ ادائے حق مہر کے لیے عطا فرمائے۔ میں وہ اونٹ لے کر خوشی خوشی اپنے گھر چلا گیا۔[1]

1 زاد المعاد 3/365،364، السيرة لابن هشام 4/279،278.

سریہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک فوجی دستہ اضم کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ تین وادیوں بطحان، عقیق اور قناۃ کے ملاپ سے بننے والی ایک وادی کا نام ہے۔ احد اور شرقاء کے درمیان وادی اضم کا حصہ وادی الخلیل کہلاتا ہے۔ اس مہم میں سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد اور محلم بن جثامہ رضی اللہ عنہما بھی ہمراہ تھے۔ جب اسلامی لشکر اضم کے وسط میں پہنچا تو اچانک اس کا آمنا سامنا عامر بن اضبط اشجعی سے ہوگیا۔ وہ اپنے جوان اونٹ پر بھاگا جا رہا تھا۔ اس کے پاس تھوڑا سا سامان اور دودھ کا مشکیزہ تھا۔ اس نے مسلمانوں کو اسلامی طریقے کے مطابق سلام کیا۔ لہذا اسلامی لشکر نے مسلمان سمجھتے ہوئے اس سے کوئی تعرض نہ کیا مگر محلم بن جثامہ نے اپنی پرانی رنجش کی بنا پر اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ پھر اس کے اونٹ اور سامان پر قبضہ کر لیا۔

جب اسلامی لشکر واپس مدینہ منورہ آیا تو رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع دی گئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَتَبَيَّنُواْ وَلَا تَقُولُواْ لِمَنْ أَلْقَىٰٓ إِلَيْكُمُ ٱلسَّلَٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فَعِندَ ٱللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ ٱللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوٓاْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ [illegible]



مدینہ کے شمال میں وادی اضم (الحمض)



''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم اللہ کے راستے میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو، اور جو شخص تمھیں سلام کرے تو اس کے متعلق یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔ تم دنیاوی زندگی کا سامان چاہتے ہو، تو اللہ کے پاس (تمھارے لیے) بہت سے اموال غنیمت ہیں۔ تم اس سے پہلے خود بھی اس حالت میں مبتلا رہ چکے ہو، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا معاملے کی تحقیق کر لیا کرو۔ بے شک تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے عامر بن اضبط کے قتل پر شدید ناراضی کا اظہار کیا۔ آپ ﷺ نے محلم سے مؤاخذہ کرتے ہوئے فرمایا:

بنو غطفان کا علاقہ (نجد)



«أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ آمَنْتُ بِاللّٰهِ»

''کیا تم نے اس کے یہ کہنے کے بعد بھی اسے قتل کر دیا کہ میں اللہ پر ایمان لایا ہوں؟''

پھر غزوۂ خیبر والے سال عیینہ بن حصن، عامر بن اضبط کے خون کا بدلہ طلب کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اس وقت غطفان قبیلے کا سردار تھا۔ اسی لیے اپنے قبیلے کے مقتول کا قصاص لینے آیا تھا۔ اُدھر محلم کے قبیلے خندف کے سردار اقرع بن حابس بھی اپنے آدمی کے دفاع کے لیے آ پہنچے۔

رسول اللہ ﷺ نے دونوں قبائل کی صلح کے لیے عامر کی قوم سے فرمایا:

«هَلْ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا الْآنَ مِنَّا خَمْسِينَ بَعِيرًا وَّ خَمْسِينَ إِذَا رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ؟»

1 دلائل النبوة للبيهقي: 303/4، البداية والنهاية: 225/4، زاد المعاد: 367،366/3، مسند أحمد: 11/6.



قلعہ زمرد
السلیمی
حنک
خیبر
فدک
حلیفہ
قرقرہ ثبار
نقرہ
ام لج
الحُرُقات
العیون
الجمیل
حنا کیہ
جبل رضویٰ
مدینہ منورہ
وادی الجمیل
سوق سویق
ینبع
رَبَذہ
الحمراء
نجد
بدر
بنو سُلیم
ام البرک
مہد الذہب
مستورہ
ابواء
مریسیع
قرقرہ الکدر
رابغ
حجاز
خیمہ ام معبد
الجحفہ
مشلل
الموبیہ
وادی قُدید
قطیمہ
خلیص
نبط
کدید
بنو لحیان
عسفان
دہبان
عشیرہ
السیل الکبیر
قریش
جدہ
ہوازن
منیٰ
نخلہ
بقوم
مکہ مکرمہ
حویہ
ثقیف
طائف
تربہ
مستابہ
عمرۃ القضاء سے پہلے کے مختلف سرایا
اور اُن کے مقامات
مریسیع
وادی الجمیل
وادی نخل
مشلل
وادی قدید
کدید
اللیث
0
50
100
150

"کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ ہم سے دیت کے پچاس اونٹ ابھی لے لو اور بقیہ پچاس اونٹ ہم تمھیں مدینہ پہنچ کر دے دیں گے؟"

عیینہ بن حصن نے یہ پیشکش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں قاتل کو اس وقت تک معاف نہیں کروں گا جب تک اس کے گھرانے کی عورتوں کو اسی صدمے کا مزہ نہ چکھا دوں جو میرے قبیلے کی عورتوں نے چکھا ہے۔ دونوں سرداروں کی باہمی بحث و تکرار اور طعن و تشنیع سے شور و غل ہونے لگا اور ماحول بہت بوجھل ہوگیا۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ عیینہ کو دیت قبول کرنے پر راضی کرتے رہے۔ لیکن اس نے یہی جواب دیا: اللہ کی قسم! میں ان کے خاندان سے جنگ کروں گا اور جب تک ان کی عورتوں کو دکھی اور غمزدہ نہ دیکھ لوں، انھیں معاف نہیں کروں گا۔ پھر بنولیث کا ایک آدمی کھڑا ہوگیا۔ اس نے ہتھیار لگا رکھے تھے، اس کے ہاتھ میں ڈھال بھی تھی۔ اس کا نام مُکَیتل تھا۔ وہ کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! ابتدائے اسلام میں ہونے والے اس واقعے کی مثال تو ایسی ہے جیسے پانی کے گھاٹ پر آنے والی بکریوں میں سے پہلی بکری کو کنکری مارو تو پچھلی بکریاں بھی بھاگ جاتی ہیں (یعنی اس قتل کا قصاص ضرور ہونا چاہیے تا کہ آئندہ لوگ اس سنگین جرم سے باز رہیں) یا اس کی مثال اس طرح بھی دی جاسکتی ہے کہ آج ایک طریقہ اختیار کرو اور کل اسے بدل ڈالو۔

یعنی اگر آج آپ نے قصاص نہ لیا تو پھر لوگ قصاص لینے میں لاپرواہی کریں گے۔ لہٰذا آپ آج قصاص نافذ کر کے اپنی سنت کو پختہ کر دیں۔ اس کے بعد بے شک اسے تبدیل کر دیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک بلند کر کے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور فرمایا:

بنولیث کا پہاڑی علاقہ وشار الحصن (نجد)



"تم اس سفر میں ہم سے دیت کے پچاس اونٹ لے لو اور بقیہ اونٹ ہم مدینہ منورہ پہنچ کر دے دیں گے۔"
بالآخر وہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی ہو گئے۔

امام ابن اسحاق نے ان کی رضامندی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ عیینہ بن حصن کی اس تکرار کے بعد اقرع بن حابس عیینہ اور قیس والوں کو ایک طرف لے گیا اور کہنے لگا: تم نے رسول اللہ ﷺ کی صلح کی پیش کش منظور نہیں کی، یہ تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ رسول اللہ ﷺ تم سے ناراض ہو جائیں اور آپ ﷺ کی ناراضی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہو جائے۔ یا اللہ کے رسول ﷺ تم پر لعنت بھیج دیں تو تم پر اللہ کی لعنت بھی برس پڑے؟

اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں اقرع کی جان ہے! تم رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو تسلیم کرلو ورنہ میں اپنے قبیلے بنوتمیم سے 50 گواہ پیش کردوں گا جو اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے دیں گے کہ تمھارا مقتول کافر تھا۔ وہ مسلمان ہی نہیں ہوا تھا۔ اس نے کبھی نماز نہیں پڑھی۔ اس طرح اس کا خون رائیگاں جائے گا۔ جب انھوں نے اقرع کی یہ دھمکی سنی تو وہ دیت لینے پر راضی ہو گئے۔

مسلمان کے قاتل کو قبر نے بھی اگل دیا

اس دوران رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں محلم بن جثامہ کو پیش کیا گیا تاکہ آپ اس کے لیے بخشش کی دعا کریں۔ محلم طویل قامت تھا، وہ اپنے قتل کے لیے تیار ہو کر آیا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تمھارا کیا نام ہے؟ اس نے عرض کی: میں محلم بن جثامہ ہوں۔ وہ رو رہا تھا اور اپنی غلطی پر پشیمان تھا۔ کہنے لگا: اللہ کے رسول! مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ میرے لیے مغفرت کی دعا کیجیے۔ مگر ایک مسلمان کو قتل کرنے کی وجہ سے آپ اس سے شدید ناراض تھے۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور تین بار یہ دعا کی: "اے اللہ! محلم کو معاف نہ فرما۔"

محلم شدید مایوسی کی حالت میں آپ کی خدمت اقدس سے روتا ہوا اور اپنے آنسو پونچھتا ہوا اُٹھ گیا۔

اس کے بعد امام ابن اسحاق ایک اور روایت بیان کرتے ہیں کہ جب محلم رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر بیٹھا تو آپ ﷺ نے اسے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: "تم نے اسے اللہ کی امان دینے کے باوجود قتل کردیا۔" پھر آپ نے محلم کے لیے بددعا کی۔ اس کے سات دن بعد محلم فوت ہو گیا۔ اسے دفن کیا گیا تو زمین نے اسے اگل دیا۔ اس کی قوم نے اسے دوبارہ دفن کیا تو زمین نے اسے دوبارہ اگل دیا۔ تیسری بار دفن کیا تو زمین نے پھر باہر نکال پھینکا۔ بالآخر اس کی قوم نے تھک ہار کر اس کی لاش ایک نالے میں ڈال دی اور اس کے اوپر پتھر رکھ کر اسے ڈھک دیا۔

اللہ کے رسول ﷺ کو محلم کے بارے میں بتایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

’’زمین اس سے بھی بڑے گناہ گاروں کو قبول کر لیتی ہے۔ لیکن (اسے قبول نہیں کر رہی کیونکہ) اللہ تعالیٰ تمھیں لا الٰہ الا اللہ کی حرمت و تعظیم دکھانا چاہتا ہے۔‘‘

محلم کی قوم کا کہنا ہے کہ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے محلم کے لیے دعائے مغفرت کر دی تھی۔[1]

تین ہولناک گناہ جن کی سزا قتل ہے

اس واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمان کو قتل کرنا نہایت سنگین جرم ہے۔ کسی مسلمان کو صرف تین طرح کے جرائم کی پاداش میں قتل کرنا جائز ہے۔ ان جرائم کے علاوہ اس کا قتل حرام ہے۔ وہ تین جرائم یہ ہیں: کسی مسلمان کو قتل کرنا، کسی مسلمان کا اسلام سے سرکشی کر کے مرتد ہو جانا، اور کسی شادی شدہ شخص کا بدکاری کرنا۔[2] اگر کوئی شخص ان جرائم میں سے کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو حکومت وقت عدالت کے ذریعے اس کا جرم ثابت ہونے پر اسے سزائے موت دے گی۔ ذاتی اور انفرادی طور پر کسی شخص کو یہ اجازت نہیں کہ وہ ان سزاؤں کو از خود نافذ کرے۔

1 زاد المعاد: 367,366/3، السيرة لابن هشام: 277,276/4، سنن أبي داود: 4503، سنن ابن ماجه: 3930,3929

2 صحيح البخاري: 6878.

سریہ عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری کو ایک سریے کا قائد مقرر فرمایا اور انھیں روانہ فرماتے ہوئے آپ نے ان کے ماتحت مجاہدین کو حکم دیا کہ ان کی سمع و طاعت بجا لائیں۔ انھوں نے کسی وجہ سے اپنے اس قائد کو ناراض کر دیا تو اس نے انھیں حکم دیا کہ ایندھن اکٹھا کرو۔ انھوں نے ایندھن اکٹھا کر دیا تو اس نے حکم دیا کہ اسے آگ لگا دو۔ انھوں نے جب اسے آگ لگا دی تو اس نے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھیں میری سمع و طاعت کا حکم نہیں دیا تھا؟ انھوں نے کہا: ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ اس نے کہا: اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔ یہ حکم سن کر وہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، انھوں نے کہا کہ ہم تو آگ ہی سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت سے وابستہ ہوئے ہیں، اور آپ ہمیں دوبارہ آگ میں جھونکنا چاہتے ہیں؟ ابھی وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ اس کا غصہ فرو ہو گیا اور آگ بجھا دی گئی، جب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے تو انھوں نے یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ دَخَلُوهَا مَا خَرَجُوا مِنْهَا، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ

''اگر یہ لوگ آگ میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی باہر نہ نکل پاتے، طاعت تو صرف نیکی میں ہے۔''[1]

یہ امیر عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

1 صحيح البخاري: 4340، صحيح مسلم: 1840، مسند أحمد: 82/1 و 124.



جزیرہ سقوطرہ (یمن) کا ساحل

سیدنا علقمہ بن مُجزّز ﷜ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ فرمایا، میں بھی اس میں شامل تھا۔ وہ لشکر منزل مقصود پر پہنچ گیا یا ابھی رستے ہی میں تھا کہ فوج کے ایک حصے نے (دشمن پر حملہ کرنے کی) اجازت طلب کی۔ علقمہ ﷜ نے انھیں اجازت دے کر سیدنا عبداللہ بن حذافہ بن قیس سہمی ﷜ کو ان کا امیر مقرر کر دیا۔ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے اس امیر سیدنا عبداللہ بن حذافہ کے ساتھ مل کر جنگ کی۔ وہ ابھی رستے ہی میں تھے کہ ان لوگوں نے سردی سے بچنے کے لیے یا کوئی چیز پکانے کے لیے آگ جلائی۔ عبداللہ کی طبیعت میں کچھ مزاح تھا، انھوں نے کہا: کیا میرے حکم کی سمع و طاعت بجالانا تم پر فرض نہیں ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں فرض ہے۔ انھوں نے پوچھا: میں تمھیں جو حکم دوں گا کیا تم اس کی تعمیل کرو گے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ تب انھوں نے کہا: میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ اس آگ میں چھلانگ لگا دو، بعض افراد اُٹھے اور چھلانگیں لگانے کو تیار ہو گئے۔ جب عبداللہ ﷜ نے دیکھا کہ یہ لوگ چھلانگیں لگانے کے لیے تیار ہیں تو انھوں نے کہا: رک جاؤ میں تو تم سے مذاق کر رہا تھا۔ (راوی کا بیان ہے) جب ہم واپس آئے تو لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَمَرَكُمْ بِمَعْصِيَةٍ مِنْهُمْ فَلَا تُطِيعُوهُ»

''ان (حکمرانوں) میں سے جو بھی تمھیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دے، اس کی اطاعت مت کرو۔''[1]

یہاں ہم قارئین کرام کی توجہ اس جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ صحیح بخاری و مسلم کی روایت کے حوالے سے یہ واقعہ پہلے ہی بیان کیا جاچکا ہے کہ اس سریہ میں شامل حضرات صحابہ کرام ﷢ نے مدینہ واپس آکر جب آنحضرت ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «لَوْ دَخَلُوهَا مَا خَرَجُوا مِنْهَا» ''اگر یہ لوگ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی نہ نکل سکتے۔'' آپ نے یہ بات ان لوگوں کے بارے میں فرمائی تھی جنھوں نے اپنے حاکم کی اطاعت کرتے ہوئے اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو لوگ اپنے حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے بے گناہ مسلمانوں کو شدید ترین سزائیں دیتے ہیں، ان کا انجام کیا ہوگا؟

[1] السيرة لابن هشام: 4/289.

تفصیل حواشی سیرت انسائیکلوپیڈیا

(جلد 8)

اعلام

خندف: الیاس بن مضر کی ایک بیوی کا نام خندف بنت حلوان بن عمران بن الحافی بن قضاعہ تھا۔ اس بیوی سے الیاس کی اولاد اپنی ماں کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اس لیے انھیں خندف کہا جاتا ہے۔ جبکہ معجم المعالم الجغرافیہ کے مولف نے الیاس کی بیوی کا نام لیلیٰ بنت حلوان لکھا ہے۔ یہ قضاعہ قبیلے سے ہیں، علامہ حمد الجاسر لکھتے ہیں کہ خندف: مختلف قبائل کے مجموعے کا نام ہے۔ یہ قبائل نسب کے لحاظ سے دور پرے کا رشتہ رکھتے تھے۔ ان میں قبیلہ مطیر، ہذیل، سلیم، ثقیف، سبیع، البقوم، غامدہ اور بجیلہ شامل ہیں۔ (معجم البلدان: 40/1 - أطلس الحديث النبوي: 163)

اماکن

تربہ: مشرقی حجاز کی ایک طویل وادی ہے۔ یہ وادی چشموں، سرسبز و شاداب کھیتیوں اور چھوٹی بڑی بستیوں سے معمور ہے۔ اس کے بالائی علاقے میں غامد قبیلہ، وسطی علاقے میں البُقوم اور زیریں علاقے میں سُبیع قبیلہ آباد ہے۔ طائف شہر کے مشرق میں تقریباً200 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک شہر آباد ہے جسے تُربۃُ البُقوم کہا جاتا ہے۔ آج کل تربہ سے مراد یہی شہر لیا جاتا ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 62)

ثنیۃ الوداع: ثنیۃ الوداع مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں ایک بڑی گزرگاہ تھی۔

الرجیع: معروف الرجیع (موجودہ الوطیۃ) مکہ سے 70 کلومیٹر شمال میں ہے، اس لیے غزوۂ خیبر میں مذکور الرجیع کو بے موقع یا بگڑا ہوا نام قرار دیا گیا ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 211)

زُغابہ: زُغابہ مدینہ کے شمالی جانب چند میل کی مسافت پر جرف اور غابہ کے درمیان ایک جگہ تھی۔

صہباء: صہباء خیبر کے جنوب میں ایک سرخ پہاڑ ہے۔ آج کل یہ جبل عطوہ کہلاتا ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 211)

عفر: عفر مدینہ اور وادی فرع کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے۔ (معجم البلدان: 128/4) عاتق بن غیث البلادی نے یاقوت

کی اس بات کو عجیب قرار دیا ہے کیونکہ وادی فرع مدینہ کے جنوب میں ہے اور خیبر (اور عصر) شمال میں ہیں۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 211)

الغابہ: جبل احد کی مغربی ڈھلان سے متصل زمین کو الغابہ کہا جاتا ہے۔ یہ مدینہ کے شمال مغرب میں 6 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ (أطلس الحديث النبوي، ص: 283) وادی الخلیل، بطحان، وادی العقیق اور قناۃ کے ملاپ سے بنتی ہے اور تمام تر غابہ کے علاقے میں بہتی ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 223)

فدک: حجاز کی ایک بستی ہے۔ مدینہ منورہ سے دو یا تین دن کی مسافت پر ہے۔ یہ بستی 7ھ میں صلح کے ذریعے فتح ہوئی۔ اس بستی کا موجودہ نام ''الحائط'' ہے۔ آج کل یہ ایک آباد شہر ہے جو بکثرت کھجوروں کے باغات اور لہلہاتی ہوئی فصلوں پر مشتمل ہے۔

قمی: قمی احد پہاڑ کی مغربی جانب ایک مقام تھا۔

سیرت انسائیکلوپیڈیا

رہبر انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے "اسوۂ حسنہ" ہیں۔ آپ نے 23 سال کے مختصر عرصے میں اقوام عالم کو ایسے روحانی اور سماجی و سیاسی انقلاب سے آشنا کیا کہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کی ذات بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتب سیرت کی کہکشاں میں دارالسلام کا جدید انداز کا "سیرت انسائیکلو پیڈیا" "اللؤلؤ المکنون" اپنی نوعیت کا نہایت معتبر، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغان عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ سیرت انسائیکلو پیڈیا کی آٹھویں جلد ہے۔ اس کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ سیرت مقدسہ کے ان انقلابی پہلوؤں سے آگاہ ہوں گے جن کی بدولت تاریخ عالم کا دھارا بدل گیا۔ قیصر و کسریٰ سمیت دنیا بھر کے حکمرانوں کو پہلی دفعہ معلوم ہوا کہ جنگ کے شعلے بھڑکائے بغیر محض مذاکرات کے ذریعے فتح مبین (صلح حدیبیہ) کس طرح حاصل کی جاتی ہے اور رہبر اعظم ﷺ کی اطاعت کا حق کس طرح ادا کیا جاتا ہے۔ اسی جلد میں آپ اس بوریہ نشین نبی امی ﷺ کو خارجہ پالیسی کے رموز سکھاتے دیکھیں گے جو اپنے دعوتی خطوط کے ذریعے ساری دنیا کے جابر فرمانرواؤں کو انتباہ کر رہا تھا کہ اوہام و اصنام کی پوجا کا دور ہمیشہ کے لیے ختم ہوا۔ اب تمھیں صرف اسی قادر مطلق کی بندگی کرنی ہوگی جو وحدہ لا شریک ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ یہ حیرت ناک منظر بھی دیکھیں گے کہ سید الاولین والآخرین ﷺ نے کتنی کامیاب جنگی حکمت عملی سے خیبر کے ناقابل تسخیر قلعے فتح کر لیے۔ یہ بھی معلوم ہوگا کہ شادی کرنا ایک پاکیزہ سماج کی بنیاد ہی نہیں بلکہ اس عمل سے کفار و مشرکین کو دین حنیف کا ہم نوا بھی بنایا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیدہ صفیہ سے شادی انھی مقاصد جلیلہ کی آئینہ دار ہے۔

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ